خطبہ وکلمات تمہید

از مصنف

الحمد لله رب العالمين، نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونؤمن به، ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيآت أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله، ونشهد أن محمدا عبده ورسوله. أما بعد! فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار، وصلى الله على خير خلقه محمد، وآله، وأصحابه أجمعين. أما بعد!

اللہ رب العالمین کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم اور احسان عظیم سے نوازتے ہوئے مجھے "اللمحات إلىٰ ما في أنوار الباري من الظلمات" لکھنے کی توفیق بخشی۔ اس وقت مجھے اپنی اس زیر تصنیف کتاب یعنی "اللمحات إلىٰ ما في أنوار الباري من الظلمات "کی پہلی جلد ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے بہت مسرت وخوشی ہو رہی ہے کہ ظاہری وسائل و ذرائع نہ ہونے اور مشکلات ومزاحم کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عنایت ومہربانی سے اس کی طباعت واشاعت کا انتظام کر دیا۔

میرے اندر اس کتاب کی تصنیف کا داعیہ و جذبہ حلقہ دیوبند سے شرح صحیح بخاری کے نام پر شائع ہونے والی ایک کتاب ''انوار الباری'' کے مطالعہ سے پیدا ہوا۔ یہ کتاب بیس بائیس سال سے ایک ایک جلد کر کے قسط وار شائع ہورہی ہے، اب تک اس کی چودہ پندرہ جلدیں شائع ہوئی ہیں، ابتدائی دو جلدیں بطور مقدمہ ہیں، پوری کتاب چالیس جلدوں میں مکمل ہونے کی امید ہے، اور رفتارِ اشاعت بتلا رہی ہے کہ تکمیل اشاعت میں ساٹھ سال سے بھی زیادہ لگیں گے۔

انوار الباری کے مقدمہ اور متعدد جلدوں کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ شرح صحیح بخاری کے نام سے شائع کی جانی والی یہ کتاب صحیح بخاری اور اس کے جلیل القدر مصنف امام بخاری کی تردید وتنقید میں لکھی جا رہی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کتاب مذکور کا اصل مقصدِ تصنیف اہل حدیث ومسلک اہل حدیث پر نقد ونظر اور رد وقدح ہونے کے ساتھ ساتھ اہل الرأی و مذہب اہل الرای والتقلید کی مدح وتائید بھی ہے۔ اس مقصد میں حصولِ کامیابی کے لیے مصنف نے وہی طریق کار انوار الباری میں اختیار کیا ہے، جو تقلید پرست اہل الرأی کا شیوہ و شعار ہے۔ یعنی اپنے تقلیدی موقف و نظریہ کی تائید وتصویب اور دوسروں کی تردید وتضعیف کے لیے علمی وتحقیقی حدود و قیود سے آزاد ہو کر مسخ اور رد حقائق!

مسخ اور رد حقائق کی کسی بھی مہم وتحریک کو کامیاب بنانے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، مصنف انوار الباری ان کا

استعمال پوری آزادی، مستعدی اور حوصلہ مندی سے کر رہے ہیں۔ اپنی اس مہم میں مصنف انوار الباری اپنے ہم مزاج اہل قلم کے تیار کردہ قدیم و جدید مواد اور لٹریچر سے مدد لے رہے ہیں، مگر اس سلسلے میں انھیں سب سے زیادہ مدد موجودہ صدی میں مسخ حقائق کے لیے چلائی گئی تحریک کے روح رواں علامہ زاہد کوثری اور ان کے اثر سے پیدا شدہ کوثری گروپ کی تحریروں سے مل رہی ہے۔

مصنف انوار بذات خود بھی کوثری گروپ کے ایک فرد ہیں اور کوثری تحریک کو کامیاب بنانے کا بے پناہ جذبہ و ذوق رکھتے ہیں، اور بہر قیمت اہل حدیث و مذہب اہل حدیث کو مٹا کر تقلید پرستی کی ترویج و اشاعت کو اپنا منصبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ صحیح بخاری اور اس کے عظیم المرتبت مصنف اور محدثین کرام و مذہب اہل حدیث کے خلاف اپنی اس جارحانہ مہم جوئی اور زہر آلود تنقید و تردید اور اپنے تقلیدی مذہب کی بیجا نصرت وحمایت و مدح سرائی کے باوجود مصنف انوار الباری مدعی ہیں کہ خالص علمی و دینی و تحقیقی نقطۂ نظر سے معتدل ومتوازن شاہراہ پر چلتے ہوئے افراط وتفریط سے ہٹ کر اور اصول وضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف صحیح ومعتبر باتیں ہی انوار الباری میں قلم بند کی جا رہی ہیں۔

مصنف انوار الباری کے قول وعمل کے اس تضاد کی وضاحت اور ان کے خالص علمی، دینی و تحقیقی نقطۂ نظر کے کشف حقیقت کے لیے ہم نے استخارہ واستشارہ کے بعد قلم اٹھانا ضروری سمجھا، کیونکہ تقلید پرستی کی تائید و مدح میں علمی اصول وضوابط کو پامال کرتے ہوئے محدثین کرام اور مذہب اہل حدیث کے خلاف جارحانہ مہم جوئی اور مسخ حقائق کا نام خالص علمی و دینی و تحقیقی نقطۂ نظر رکھ لینا، بہت سے مضر اثرات کا حامل ہے۔ اس طرح کی کتاب ظاہر ہے کہ "ظلمات بعضها فوق بعض "(تہ بہ تہ تاریکیوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں) کی مصداق ہے، مگر مصنف انوار نے ''برعکس نام نہند زنگی کافور'' کی مثل کے مطابق اس کتاب کا نام ''انوار الباری'' (اللہ تعالیٰ کی روشنیاں) رکھ چھوڑا ہے۔

ہماری زیر نظر کتاب "اللمحات إلىٰ ما في أنوار الباري من الظلمات "مصنف انوار الباری کی ظلمت آفرین کتاب انوار الباری کی ظلمات کا پردہ چاک کرنے کے لیے لکھی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ ہماری اس کتاب سے انوار الباری کی حقیقت واضح ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق فہمی، حق پسندی اور حق پرستی کی توفیق سے بہرہ ور کرے اور اس کتاب "اللمحات إلىٰ ما في أنوار الباري من الظلمات " کو ہم سب کے لیے دنیا و آخرت میں مفید و نفع بخش بنائے۔ آمین، وما توفيقي إلا بالله!

میرے اس کام میں جن مخلصین نے میری معاونت اور حوصلہ افزائی فرمائی ہے، میں ان کا بہت شکر گزار ہوں اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت میں ان کے اس عمل صالح کا اجر جزیل عنایت فرمائے اور اپنے الطاف وعنایات سے نوازے۔ آمین۔

فقط

رئیس ندوی

مرکزی دارالعلوم بنارس

۲۰؍ ذی قعدہ الحرام ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۷۹ء

مصنف انوار الباری کی ایک حقیقت بیانی کا تذکرہ

شرح صحیح بخاری کے نام سے صحیح بخاری اور اس کے جلیل القدر مصنف امام بخاری کی تردید وتنقید میں اتنی لمبی چوڑی کتاب لکھنے والے مصنف انوار نے نہ جانے کیسے اس حقیقت کا اعتراف واقرار اور ادراک واحسان کرلیا کہ صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف ان کی یہ جارحانہ اور زہر آلود تنقیدی وتردیدی مہم بالآخر ناکام و نامراد اور بے وزن ثابت ہو کر رہے گی۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ امام بخاری کی شخصیت اتنی بلند و برتر ہے کہ ہم نے یا ہم سے قبل دوسروں نے ان پر یا ان کی ''صحیح'' و دیگر تالیفات پر جتنا بھی نقد کیا ہے، اگر اس سے دس بیس گنا مزید بھی کر دیا جائے تو اس تمام سے بھی امام بخاری کی بلند شخصیت یا صحیح بخاری کی عظمت مجروح نہیں ہوسکتی۔ الخ''[1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار الباری کی یہ بات بالکل صحیح ہے اور بذات خود اس امر کی دلیل ہے کہ امام بخاری، مذہب امام بخاری اور تصانیف امام بخاری کے خلاف انوار الباری میں پائی جانے والی ساری تنقیدیں بے وزن اور بے معنی ہیں، اور صرف یہی نہیں بلکہ موصوف کی عام باتوں کا بھی یہی حال ہے۔ مصنف انوار الباری نے اپنی کتاب انوار الباری کو علامہ انور شاہ کشمیری کے افادات کا مجموعہ بتلایا ہے۔ اور موصوف نے علامہ انور شاہ کے اس مجموعہ افادات میں علامہ انور شاہ کے بارے میں کہا ہے:

''شاہ صاحب نے اپنی عمر کے آخری سالوں میں امام بخاری کی زیادتیوں پر تنقید فرمائی اور فرمایا کہ اب ضعف کا وقت ہے، صبر کم ہوگیا اور ادب کا دامن چھوٹ گیا۔ مجھے کہنا پڑا کہ امام بخاری نے اکابر حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کی جرح غیر معتبر ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری کو مذہب حنفی کی پوری واقفیت نہیں تھی، جس کی وجہ سے باب الحیل وغیرہ میں ائمہ حنفیہ کی طرف مسائل کا انتساب غلط کیا۔''[2]

''ایک روز درس میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر کی زیادتیوں پر مجھے ہمیشہ کلام کرنے کی عادت رہی، لیکن امام بخاری کا ادب مانع رہا اس لیے ہم نے اتنے دن تک حنفیہ کی نمک حرامی کی اب چونکہ اخیر وقت ہے، اس لیے کچھ کہہ دیتا ہوں اور اب صبر وضبط یوں بھی ضعف پیری کے باعث کمزور ہوگیا۔ الخ''[3]

مصنف انوار الباری کے مذکورہ بالا بیانات کا حاصل یہ ہے کہ انوار الباری جن علامہ انور شاہ صاحب کے افادات کا مجموعہ ہے، انھیں جب تک ضعف پیری لاحق نہیں ہوا تھا، تب تک موصوف صبر وضبط اور ادب کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے اور جب تک موصوف صبر وضبط اور ادب کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہے، تب تک بفضلہٖ تعالیٰ امام بخاری کے خلاب لب کشائی وتنقید سے باز اور محفوظ رہے اور اپنے ائمہ احناف کے ساتھ بتصریح خویش نمک حرامی بھی صبر و ادب کا دامن چھوٹنے

[1] (مقدمہ انوار الباری: ۲/ ۵۲)
[2] (مقدمہ انوار: ۱/ ۱۱)
[3] (مقدمہ انوار: ۲/ ۳۷)

سے پہلے تک کرتے رہے، مگر آخری عمر میں ضعف پیری لاحق ہوتے ہی صبر و ضبط اور ادب کی دولت سے جب بتدریج محروم ہونے لگے تو موصوف ائمہ احناف کے وفادار اور نمک حلال بن کر امام بخاری کے خلاف لب کشائی و طعنہ زنی اور تنقید کرنے لگے۔

ہر صاحب عقل و ہوش بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص ضعف پیری لاحق ہونے سے پہلے اور صبر و ادب کے دامن کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ رہنے کے زمانے میں محض امام بخاری کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے ان حنفی اماموں کے ساتھ نمک حرامی کرتا رہا ہو، جن کی تقلید و عقیدت کا ہمہ وقت دم بھرا کرتا، ہو وہ شخص ضعف پیری لاحق ہونے کے سبب ادب و صبر کی دولت سے محروم ہونے کے زمانے میں امام بخاری کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتا ہوگا؟ ؎

عقلمنداں　را　اشارہ　کافی　است

مصنف انوار الباری کے مذکورہ بالا بیانات سے واقفیت رکھنے والے اہل نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ اپنے ان تقلیدی اماموں کے ساتھ عمر عزیز کے آخری زمانہ تک نمک حرامی کرنے والے کسی شخص کے مجموعہ افادات کا کیا وزن ہوسکتا ہے، جن کی تقلید و عقیدت کا بڑے زور شور سے بار بار بھاری بھرکم آواز میں اظہار کیا جائے؟

انوار الباری یا بلفظ دیگر مجموعہ افادات علامہ انور کشمیری کا مطالعہ کرنے والوں کو اس حقیقت سے آگاہ کر کے مصنف انوار الباری نے بڑا اچھا کیا کہ امام بخاری، مذہب امام بخاری اور تصانیف امام بخاری کے خلاف کتاب مذکور میں مجموعہ افاداتِ علامہ شاہ انور کے نام سے جو تنقید و تردید اور رد و قدح موجود ہے وہ سب کی سب اس زمانے کی ہے جب شاہ صاحب موصوف باعتراف خویش ضعف پیری کے سبب صبر و ضبط اور ادب کی دولت سے محروم ہونے لگے تھے۔ نعوذ باللّٰہ من غوائل التقلید وفضائحه.

انوار الباری پر ترجمان دیوبند ''القاسم'' کا تبصرہ

ہم اپنے تمہیدی کلمات میں عرض کر چکے ہیں کہ ہماری زیرنظر یہ کتاب "اللمحات إلیٰ ما في أنوار الباري من الظلمات " حلقہ دیوبند سے تقلید پرستی کی تائید اور محدثین کرام و مسلک اہل حدیث خصوصاً صحیح بخاری و امام بخاری کی تردید و تنقید میں شائع کی جانے والی کتاب ''انوار الباری'' کے ایضاح حقیقت کے لیے لکھی جا رہی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اپنی بات شروع کرنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس جگہ انوار الباری پر دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ ''القاسم'' کے تبصرہ و تقریظ کا ایک اقتباس نقل کر دیں، تاکہ ناظرین کرام کو مصنف انوار کے ہم مسلک ترجمان دیوبند کی زبانی انوار الباری کی حقیقت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ ترجمان مذکور کا ارشاد ہے:

''مؤلف ''انوار الباری'' نے جس عزم سے اس خدمت کا منصوبہ تیار کیا ہے، اس کا تقاضا تھا کہ مقدمہ اپنی ترتیب و تنسیق، ادب، انشاء زبان و بیان اور تحقیق و تنقید کے اونچے معیار پر کسا جاتا، مگر ترتیب و تنسیق کے لحاظ سے بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔ مضامین کی مناسبت کے پیش نظر مقدمہ میں کوئی تدریجی روش نہیں۔ بحث کے گوشے جن بنیادی نقاط کے گرد گھومتے ہیں ان کو تصنیفی نظم و ضبط کے ساتھ متعین نہیں کیا گیا ہے۔ اصل عنوانات اور ذیلی سرخیاں کچھ اس طرح مخلوط ہیں کہ ان میں باہم تمیز کرنا دشوار ہے۔ بہت سے پیرا گراف ناتمام رہ گئے ہیں۔ ایک ہی مضمون کے چھوٹے چھوٹے حصے غیر ضروری عنوانات کے ساتھ غیر مرتب و منتشر طور پر ذکر کیے گئے ہیں۔ ذیلی عنوانات کا استعمال اتنی افراط کے ساتھ کیا گیا ہے کہ سرخی کی معنویت و افادیت پڑھنے والے کے ذہن میں نہیں رہتی۔ مضامین اور حوالوں میں حیرت ناک حد تک تکرار ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بہت جگہ اسلوبِ ادا میں ثقاہت و سلامت باقی نہیں، جو اس تاریخی و تحقیقی موضوع کا طرۂ امتیاز ہے۔ مقدمہ کو پڑھ کر قاری کا ذہن ایک عجیب انتشار و اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے کہ آیا محدثین کا کوئی علمی و تاریخی موقف تھا یا نہیں؟ پھر پڑھنے والے کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ اسلامی علوم کی تاریخ عملاً دو گروہوں کی تاریخ ہے محدثین و فقہاء، بسا اوقات یہ دونوں گروہ متحارب نظر آتے ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق و تنقید کے پائے کے بارے میں ہم تفصیلی رائے ظاہر کرنے سے معذور ہیں، مگر اتنی بات واضح ہے کہ پوری کتاب کا لب و لہجہ بے شمار حوالوں کے باوصف مذمت اور منقبت کا لہجہ ہے ہر لہجہ پر محسوس ہوتا ہے کہ قلم مشتعل ہے، ذہن میں جھنجھلاہٹ اور جذبات یکسر احتجاج ہیں، حالانکہ مؤرخ و سیرت نگار اور تاریخ کی غلط شکنوں کو صاف کرنے والے محقق کے لیے اطمینان و سکون، صبر و استقلال، فراخ قلبی، سلامتی فکر، درستی قلم اور صحت نگارش کی جتنی سخت ضرورت ہے اتنی دوسرے اہل قلم کو نہیں ... ابتداء میں کتاب الآثار کو امام الاعظم کی تالیف کہا، پھر اس کو ابو یوسف

کی طرف منسوب کر دیا، اس طرح کی تضاد بیانی بھی ہے۔ بالعموم مناقب کی کتابیں ضعیف روایتوں سے پاک نہیں ہوتیں، مگر مؤلف نے ایسی روایتوں سے احتراز نہیں کیا۔ فاضل مؤلف نے احناف و محدثین کے سلسلہ میں جو ریمارک دیے ہیں اور دریدہ دری کے ساتھ محدثین عظام کی کوتاہیوں پر قلم اٹھایا ہے، وہ ذخیرہ احادیث کو مرتب کرنے والے اکابر رجال کی دیانت و امانت کو بدگمانی کے داغ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ ان کے تقویٰ وطہارت اور عظمت وجلالت کا وہ سارا تار و پود کمزور پڑ جاتا ہے جس نے ان کی خدمات میں وزن پیدا کیا۔ مقدمہ کا پہلا حصہ پڑھ کر کوئی مستقیم رائے قائم نہیں کر سکتا، پھر دوسرے حصے میں کیا تاثرات ہوں گے؟ ہمارے نزدیک اس مبحث کے لیے جو روش ہوسکتی ہے وہ صاحب ترجمان السنہ کی ہے، اس سے آگے فتنہ کی آبیاری ہوگی۔ الخ"[1]

تبصرہ القاسم کا خلاصہ:

ترجمان دیوبند کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ "انوار الباری" کے مضامین میں تدریجی مناسبت تک نہیں، نہ اس میں تصنیفی نظم وضبط ہی ہے، مضامین و سرخیاں بے ربط و بے معنی اور مکررات سے بھرپور ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے اندر تحقیقی و تاریخی ثقاہت، سلامتی فکر، درستی قلم اور صحت نگارش نہیں۔ اس میں تضاد بیانیاں، ضعیف اور غیر منقح روایات کی بھرمار ہے۔ اور اس میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ محدثین کا کوئی علمی و تاریخی مؤقف نہیں تھا اور یہ کہ فقہاء و محدثین دو متحارب گروہ ہیں، نیز لب ولہجہ میں اشتعال وجھنجھلاہٹ اور جذبات میں احتجاج کے ساتھ محدثین خصوصاً امام بخاری کی امانت و دیانت اور تقویٰ وطہارت اور عظمت وجلالت کو مجروح کر کے ان سے لوگوں کو بدگمان بنا دیا گیا ہے، اور یہ کتاب فتنے کی آبیاری کرتی ہے۔

انوار الباری پر ماہنامہ "تجلّی" دیوبند کا تبصرہ:

انوار الباری کے بہت بڑے مدّاح ماہنامہ "تجلّی" دیوبند نے بھی انوار الباری کے بعض دخائل و دسائس پر مطلع ہو کر مندرجہ بالا قسم کے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ چنانچہ تجلی کے بعض جملے ہم نقل کر رہے ہیں:

"داخلی و خارجی محرکات کے تحت محترم موصوف (یعنی مصنف انوار الباری) ایسے بے شمار موضوعات و مضامین لا رہے ہیں جن کا تعلق نفس موضوع سے نہیں اور آج کل کا کوئی ماہر فن ان کی تالیف (یعنی انوار الباری) کو دیکھے تو شاید ناک بھوں چڑھائے کہ یہ کس قسم کی شرح بخاری ہے جو بخاری سے کم اور غیر بخاری سے زیادہ بحث کرتی ہے؟

"آج ہمیں ان کے یعنی مصنف انوار الباری کے بعض افکار و خیالات پر ناقدانہ رخ سے کچھ عرض کرنا ہے اور یہ شکایت پیش کرنی ہے کہ انھوں نے یعنی مصنف انوار الباری نے اپنی وقیع علمی پرواز میں بعض ایسی ادائیں شاید غیر ارادی طور پر شامل کر لی ہیں، جو ثقاہت فروتر اور متانت سے بعید ہیں، جو عالمانہ اور محققانہ شان سے ہم آہنگی نہیں رکھتیں، بلکہ ان میں اتھلا پن ہے، بے وزنی ہے۔"[2]

---

[1] (ماہنامہ القاسم بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۱ء (ص: ۳۵، ۳۸ کا خلاصہ)

[2] "ماہنامہ تجلی ۱۹۷۳ء" (ص: ۴۳)

''ہمیں بڑی ندامت وتکلیف ہو رہی ہے اس بات سے کہ محترم سید صاحب (مصنف انوار الباری) کی طرف خیانت جیسے گھٹیا جرم کا انتساب کریں، لیکن اپنی خرابی تقدیر کو کیا کریں، ہمیں یہ برا دن دیکھنا تھا! اخلاص و خیانت، تحقیق و بد دیانتی گویا آگ اور پانی جمع ہیں، کیسا عجوبہ ہے کہ یہ نقیضین ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم انوار الباری کے کسی بھی مسئلہ کے بارے میں اطمینان سے محروم ہوگئے۔ اگر ایک دو جگہ صریح خیانت اور دیدہ و دانستہ حق پوشی کا قطعی ثبوت مل جائے تو سید صاحب ہی بتلائیں کہ باقی سارے دفتر پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟''❶

تجلی کا یہ شمارہ قابلِ دید ہے۔ پورا لطف پورے مضمون کو پڑھنے سے حاصل ہوگا۔ تجلی نے ''حاصل کلام'' کے عنوان سے مصنف انوار کی ایک بد دیانتی پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''سید صاحب (مصنف انوار) کا اعتراض سراسر دھاندلی پر مبنی ہے، انھوں نے علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے، نقل وعقل دونوں اعتبار سے ان کا اعتراض اتنا بچکانہ وغیر ہوشمندانہ ہے کہ کسی صاحب علم وفن سے اس کا صدور حیرت ناک ہے۔''❷

انوار الباری بنام مجموعہ افادات علامہ انور شاہ سے متعلق ماہنامہ القاسم و تجلی کے مذکورہ بالا بیانات ناظرین کرام کے سامنے ہیں، یہ دونوں پرچے مصنف انوار الباری ہی کی طرح حنفی المذہب، مقلد اور تقلید پرستی کا دم بھرنے والے ہیں، اس لیے انوار الباری کے بارے میں ان کے یہ بیانات ﴿شهد شاهد من أهلها﴾ کے مصداق ہیں۔

---

❶ تجلی کا شمارہ مذکورہ (ص: ۵۵)　　❷ شمارہ مذکورہ (ص: ٦۵)

محدثین کرام پر مصنف انوار الباری کی بعض الزام تراشیوں کا تذکرہ

ماہنامہ القاسم اور تجلی کے بتلائے ہوئے مذکورہ بالا اوصاف ومشتملات کی حامل کتاب انوار الباری کے مصنف کا کہنا یہ ہے کہ انوار الباری مخالفین ومعاندین احناف کی اس جارحیت وغلط روی کا جواب ہے جو حسد وعناد کے سبب احناف کے خلاف امام صاحب کے زمانے سے لے کر آج تک چلی آ رہی ہے۔ مصنف انوار کا دعوی ہے کہ احناف کے فضائل ومحاسن کو دیکھ کر مخالفین ومعاندین احناف نے محض حسد وعناد کی بنیاد پر احناف کے خلاف روز اول سے ایک محاذ بنا لیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف انوار کے مختلف اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مصنف انوار فرماتے ہیں:

''درحقیقت امام صاحب اور آپ کے اصحاب وتلامذہ کے امتیازات وتفوقات ہی ان سے حسد کا بڑا باعث بن گئے، اور حاسدین ومعاندین کی نظر میں ایک ہی سلوک ان سب حضرات کے حق میں موزوں ومزین ہوگیا کہ ان کی وقعت شان کو پوری کوشش سے گرا دیا جائے، اور پھر جو کچھ ناروا سلوک بعد کے بعض کوتاہ اندیش لوگوں سے ہوئے ان کا ذکر جابجا تذکرہ محدثین (مقدمہ انوار الباری) میں آئے گا۔ امام صاحب اور آپ کے جلیل القدر اصحاب وتلامذہ کے بارے میں ایک بہت سخت مخالفانہ پروپیگنڈہ یہ کیا گیا کہ وہ اصحاب الرأی ہیں، اور اس کا مطلب یہ باور کرایا گیا کہ انھوں نے احادیث وآثار کے مقابلہ میں قیاس ورائے کا استعمال کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک حربہ تھا جس کا مقصد اس مقدس جماعت، خادم حدیث وسنت کے خلاف نفرت وعداوت پیدا کرنی تھی۔ اس زہر کا تریاق بھی تذکرہ محدثین یعنی مقدمہ انوار الباری میں ملے گا اور واقعات وحالات سے اس کی غلطی نمایاں کی جائے گی۔''[1]

مصنف انوار الباری نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں جن لوگوں کو معاندین وحاسدین احناف قرار دے کر یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ لوگ محض حسد وعناد کی بناء پر احناف کی رفعتِ شان گرانے کی کوشش کرتے تھے، ان سے موصوف مصنف انوار کی مراد محدثین کرام اور علمائے اہل حدیث ہیں، جیسا کہ یہ حقیقت اہل نظر پر پوشیدہ نہیں اور موصوف کے بیانات میں اس کی صراحت بھی ہے، جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے۔

۲۔ مصنف انوار ایک جگہ فرماتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کا یہ کھلا ہوا فضل وتفوق ہی حاسدین ومعاندین کے تنگ دلوں اور متعصب ذہنوں کے لیے سب سے بڑی وجہ عداوت بن گئی اور پھر انھوں نے اپنے ان اساتذہ وبزرگوں یعنی ائمہ احناف کے ساتھ جو جو سلوک روا

---

[1] مقدمہ انوار الباري (۱/ ۱۲)

رکھے، ان کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ خود ناظرین کریں گے۔ اس کار خیر کی تقسیم اس طرح ہوئی کہ کچھ محدثین نے اپنی حدیثی تالیفات میں اصحاب امام صاحب کی روایت و ذکر خیر سے احتراز کیا۔ مذہب حنفی سے پوری واقفیت حاصل کیے بغیر بے تحقیق مسائل کی نسبت ان کی طرف کردی۔ کچھ محدثین نے حق شاگردی ادا کرنے کو ایک دو روایتیں لیں۔ شراح حدیث نے موافق احناف روایات کو گرانے میں کسر نہیں اٹھائی۔ تاریخ و رجال کے مؤلفین اور جرح و تعدیل کے مصنفین نے رجال احناف کو مسخ شدہ کر کے پیش کیا اور جھوٹی روایات کی آڑ لے کر طعن کیا۔ کچھ لوگوں نے کتابوں کی طباعت کے وقت حذف و الحاق یا تصحیف کے ذریعہ رجال حنفیہ کے حالات میں تلبیس کی۔ الخ''❶

۳۔ ایک دوسری جگہ مصنف انوار بعنوان ''امام اعظم اور تدوین قانون اسلامی کا بے نظیر کارنامہ'' فرماتے ہیں:

''افسوس ہے کہ امام اعظم اور آپ کے چالیس شرکاء تدوین فقہ اکابر محدثین نے جو فقہ اسلامی کی تدوین کا بہترین کارنامہ انجام دیا تھا، اس کو بے وقعت بنانے کے لیے غلط کوششیں کی گئیں اور اس کی وجہ سے دور خیر القرون کی حدیث و فقہ کی بے مثال عظیم الشان خدمت اپنے صحیح تعارف سے محروم رہی، جس کی کچھ تلافی ہم نے اس مقدمہ انوار الباری میں کی ہے۔''❷

۴۔ تیسری جگہ مصنف انوار فرماتے ہیں:

''دوسری صدی کے بعد اکثر محدثین نے احناف کے ذکر و اذکار کو نظر انداز کر دیا اور کچھ حضرات نے ان کی برائیاں بے سند اور جھوٹی اسناد سے بیان کیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات نہ تو تاریخی اعتبار سے محمود تھی، نہ حدیثی تعلق کے تحت گوارا۔ اور سب سے بڑا دینی و علمی نقصان اس کا یہ تھا کہ حدیث کی پر رونق بھری محفل سے ایک ایسی عظیم مؤقر جماعت کو باہر کر دیا گیا، جن کی حدیثی خدمات کسی طرح بھی نظر انداز کیے جانے کی مستحق نہ تھیں۔''❸

۵۔ مصنف انوار مزید فرماتے ہیں:

''غرض ایک عنصر ایسے معاندین کا امام صاحب کے وقت ہی سے تھا جس کا کام صرف غلط فہمی پھیلا کر امام صاحب سے دوسروں کو بدظن کرنا تھا۔ ان لوگوں میں سے نعیم بن حماد استاذ امام بخاری، دوسرے شیخ حمیدی استاذ بخاری تھے۔''❹

۶۔ ''ان کے علاوہ اسماعیل بن عرعرہ تھے یہ اور دوسرے چند حضرات امام صاحب کے چند اعدیٰ عدو (سب سے بڑے دشمن و مخالف) تھے اور جھوٹی روایات امام صاحب کے خلاف چلا کر ان کی جانب سے لوگوں کو بدظن کرتے تھے۔''❺

۷۔ ''اس کے بعد یہی چیزیں شیخ حمیدی اور امام بخاری وغیرہ کے ذریعہ علامہ ابن حزم و خطیب وغیرہ تک پہنچیں۔ خصوصیت سے علامہ ابن حزم کا طرز تحریر امام صاحب کے خلاف بڑی حد تک جارحانہ و غیر منصفانہ ہے اور ہمارے زمانہ کے محترم اہلحدیث بھائی بھی ان کو اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں۔''❻

❶ مقدمہ أنوار (۱/ ٦٧)　❷ مقدمہ انوار الباري (۱/ ۱۳)　❸ مقدمہ انوار (۱/ ۸)
❹ مقدمہ انوار (۲/ ۲۷)　❺ مقدمہ انوار (۲/ ۲۸، سطر: ٤ و ٥)　❻ مقدمہ انوار (۲/ ۲۸، سطر: ۲۳ و ۲٤)

۸۔ ''یہ عجیب بات ہے کہ جھوٹی باتیں چلتی کرنے میں فرقہ روافض کے بعد امام صاحب کے معاندین اہل حدیث کا نمبر معلوم ہوتا ہے۔''❶

۹۔ ''غیر مقلدین نے رافضیوں کی طرح امام صاحب کی برائیاں تلاش کر کے پروپیگنڈہ کیا، جس سے سادہ لوح ناواقف لوگ غیر مقلدین کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔''❷

۱۰۔ تاریخ و رجال کی کتابوں میں مصنف انوار کو کچھ ایسی باتیں نظر آئیں جو ان کے تقلیدی مزاج کے خلاف تھیں یا ان کتابوں میں موصوف کو وہ باتیں نظر نہیں آئیں جو ان کے موافقِ مزاج تھیں، تو انھوں نے ان کی کتابوں کی طباعت و اشاعت کرنے والے غیر حنفی اہل علم پر الزامِ الحاق وتحریف لگاتے ہوئے کہا:

''واضح ہو کہ کتابوں میں الحاق اور ضروری اجزاء کے حذف کا باقاعدہ منظّم فن استعمال ہوتا رہا ہے، جس کے حیرت انگیز کمالات شاطر دشمنوں اور حاسدوں نے بڑی بڑی جلیل القدر تالیفات کی کتابت و طباعت کے وقت دکھائے ہیں۔ یہ فن پروپیگنڈہ کا ایک بڑا جزو ہے، جس سے کسی سفید چیز کو سیاہ اور سیاہ کو سفید ثابت کر دینے کے جوہر دکھائے جاتے ہیں۔ یورپ کے عقلاء نے اس فن کو بڑی ترقی دی ہے مگر اسلامی دور کی تاریخ میں بھی اس نوع کے کارنامے بڑی کثرت سے ملتے ہیں، کیونکہ مسلمانوں کی بدقسمتی سے ایک فرقہ ابتداء ہی سے ایسا پیدا ہوگیا تھا جو جھوٹ کو کارِ ثواب سمجھ کر پھیلاتا رہا اور ان کے اثرات دوسرے سادہ لوح مسلمانوں پر بھی پڑتے رہے، حالانکہ ایسے ہی جھوٹ کی روک تھام کے لیے صادق ومصدوق سرورِ انبیاء علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا:

''كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع.''

یعنی ایک شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بے تحقیق آگے چلتا کر دے۔ اس قسم کی بے سند باتوں کے ذکر سے پہلے زمانہ میں تو امام صاحب کے دشمنوں اور حاسدوں نے فائدہ اٹھایا، تاکہ امام صاحب کی جلالت قدر کو کم کر کے دکھایا جائے، یا ان کی فقہ کی عالم گیر مقبولیت کو کم کیا جائے، اکثر اسلامی حکومتوں کا مذہب بھی فقہ حنفی رہا اور عہدہ قضا وغیرہ بھی حنفی علماء کے پاس رہے، یہ بات بھی حسد و عداوت کا بڑا سبب بنی۔

''پھر نئے دور میں غیر مقلدین رونما ہوئے اور انھوں نے امام صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ حسد و عدوات کا وہ معاملہ کیا کہ ریکارڈ ہی مات کر دیا۔ ان کی نظر میں ''ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است'' والی بات پوری پوری صادق ہوگئی۔ اسی لیے ان حضرات (یعنی غیر مقلدین اور علمائے اہلحدیث) نے امام صاحب رحمہ اللہ کی علو قدر، عظمت شان اور علمی رفعت کو گرانے اور چھپانے میں کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کیا، اور اس کارِ ثواب میں دن رات ایک کر دیا، ان قدیم و جدید تلبیسات کا پردہ چاک کرنے کے لیے خدا کا شکر ہے کہ ہمارے شیوخ و اکابر نے ہر وقت توجہ کی اور برابر اپنی تالیفات اور درسی افادات میں احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ادا کیا۔

''قریبی دور میں مصر میں علامہ کوثری کی جلیل القدر شخصیت گزری ہے، جنہوں نے اس سلسلے میں گراں قدر

❶ مقدمہ انوار (۱/ ٦١، سطر: ١٥ و ١٦) ❷ مقدمہ انوار (۱/ ٦١)

تالیفات کیں اور مصری رسائل میں لا تعداد تحقیقی مضامین شائع کیے، جن سے اہل علم کبھی مستغنیٰ نہیں ہو سکتے، ان کی کتابوں سے معاندین کے حوصلے پست ہوگئے ہیں اور جب تک ان کی اشاعت ہوتی رہے گی، ان کے مطالعہ واستفادہ کی وجہ سے علمائے حق معاندین مذہب حنفی پر غالب رہیں گے۔ الخ" [1]

الغرض علمائے اہلحدیث و غیر حنفی علماء کو مصنف انوار الباری نے مختلف انداز میں خوب مطعون کیا ہے اور ان کے خلاف زہر افشانی میں بڑی مستعدی دکھلائی ہے۔ مندرجہ بالا نمونہ جات سے کہیں زیادہ موصوف کی دیگر تحریریں علمائے اہلحدیث کے خلاف ہیں، مگر اس جگہ ہم صرف اسی مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں اور اتنی ہی مقدار مصنف انوار کے طرز کلام کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔

مصنف انوار الباری کی اپنی مدح سرائی:

علمائے اہل حدیث کے خلاف مندرجہ بالا قسم کی گہرافشانی کرنے والے مصنف انوار نے اپنی اور اپنی کتاب کی مدح سرائی اس طرح کی ہے:

۱۔ "ہم نے خالص دینی وعلمی نقطہ نظر سے کتاب بخاری کی اردو تشریح کا نیا باب کھولا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس میں آپ کو حدیث رسول کی صحیح عظمت محسوس ہوگی۔" [2]

۲۔ "پورا مقدمہ پڑھ کر آپ اندازہ کریں گے کہ ہم نے افراط وتفریط سے ہٹ کر ایک معتدل شاہراہ سامنے کرنے کی کوشش کی ہے۔" [3]

۳۔ "انوار الباری کا پورا کام ایک تحقیقی علمی خدمت کے طور پر کیا جا رہا ہے، مقدمہ میں اکابر امت کے معتبر حالات اور شرح میں ان کی تحقیقات عالیہ زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع سے بہتر سلیس اردو میں پیش کرنے کا تہیہ ہے۔" [4]

۴۔ "غرض اس مقدمہ میں جہاں یہ مقصود ہے کہ کبار محدثین کے صحیح حالات سے روشناس کرایا جائے، وہاں یہ بھی خیال ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں بھی رفع کر دی جائیں، جو حدیث، فقہ اور خصوصیت سے فقہ حنفی وغیرہ سے متعلق پیدا کر دی گئی ہیں۔" [5]

ناظرین کرام پر یہ مخفی نہیں کہ انوار الباری کی مذکورہ بالا عبارتوں میں مصنف انوار الباری کے کیے ہوئے دعاوی کا حاصل یہ ہے کہ انوار الباری میں افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل طریق کار اختیار کرتے ہوئے خالص علمی دینی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے صرف معتبر وصحیح باتیں لکھی گئی ہیں، جس سے حدیث نبوی کی صحیح عظمت محسوس ہوتی ہے، مگر القاسم وتجلی کے گزشتہ بیانات کا حاصل یہ ہے کہ مصنف انوار الباری نے انوار الباری میں اپنے کیے ہوئے ان دعاوی کی کلی طور پر مخالفت کر رکھی ہے۔ القاسم وتجلی کے بیان کی تصدیق کے طور پر فی الوقت ہم صرف ایک مثال انوار الباری سے پیش کر رہے ہیں۔

---

[1] مقدمہ انوار الباري (١/ ١٢٣، ١٢٤)　[2] انوار الباری کی ہر جلد کا آخری صفحہ.　[3] مقدمہ انوار (١/ ٨)

[4] مقدمہ انوار (١/ ٢٤٠)　[5] مقدمہ انوار (١/ ١٤)

مصنف انوار کے عملی تضاد کی ایک مثال: امام نعیم کی توثیق و تجریح میں موصوف کا متضاد رویہ:

مصنف انوار امام بخاری کے مشہور استاد امام نعیم بن حماد خزاعی مروزی فارض اعور (متوفی ۲۲۸، ۲۲۹ھ) کو کذاب اور وضاع کہہ کر مطعون کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ ''سب اکابر رجال لکھتے ہیں کہ نعیم ترویج سنت کے لیے جھوٹی روایتیں کرتے اور امام صاحب پر طعن کرنے کے لیے جھوٹی حکایات گڑھا کرتے تھے۔''❶

۲۔ ''ابوالفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ نعیم امام ابوحنیفہ کی تنقیص کے لیے جھوٹی روایات گھڑا کرتے تھے اور تقویت سنت کے خیال سے حدیثیں بھی بنا لیا کرتے تھے۔''❷

۳۔ ''امام ذہبی میزان الاعتدال (۳/ ۳۳۹) پر ازدی سے نقل کرتے ہیں کہ نعیم تقویت سنت کے لیے حدیثیں وضع کرتے اور ابوحنیفہ کے معائب میں جھوٹی حکایتیں گھڑا کرتے تھے، جو سب جھوٹی ہوتی تھیں۔''❸

۴۔ ''نعیم کے بارے میں کم سے کم یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ روایات منکر بیان کرتے اور خاص طور سے امام صاحب کے بارے میں جھوٹی حکایات گھڑ کر بیان کیا کرتے تھے۔''❹

۵۔ ''نعیم جیسے وضاع سے امام صاحب کے بارے میں امام بخاری کو روایت ملیں اور انھوں نے ان کو نمایاں کر کے نقل کرنا ضروری سمجھا۔''❺

۶۔ ''غرض ایک عنصر ایسے معاندین کا امام صاحب کے وقت ہی سے تھا جس کا کام صرف غلط فہمی پھیلا کر امام صاحب سے دوسروں کو بدظن کرنا تھا، ان لوگوں میں سے نعیم کا ذکر ہو چکا۔ دوسرے شیخ حمیدی تھے... ان کے علاوہ اسماعیل بن عرعرہ تھے، یہ اور چند حضرات امام نعیم وغیرہ امام اعظم کے اعدی عدو (سب سے بڑے دشمن) تھے اور جھوٹی روایات امام صاحب کے خلاف چلا کر ان کی طرف سے لوگوں کو بدظن کرتے تھے۔''❻

۷۔ ''فرمایا (یعنی علامہ انور شاہ کشمیری نے) کہ ابن ابی اویس اور نعیم کو امام بخاری صحیح بخاری میں کیوں لائے؟ شاید ان کے نزدیک کذاب نہ ہوں۔''❼

۸۔ ''نعیم سے کئی جگہ امام بخاری کے اصول میں روایات موجود ہیں اور پھر تعلیق ہی کاذبوں سے لینا کب درست ہے؟''❽

مصنف انوار کے ان بیانات کا حاصل یہ ہے کہ امام نعیم کذاب ہیں۔ بیان نمبر (۱) میں یہ بات سبھی اکابر رجال یعنی تمام ائمہ جرح و تعدیل کی طرف منسوب کی گئی ہے اور نمبر (۷ و ۸) میں اگرچہ یہ بات صرف علامہ انور شاہ کشمیری کی طرف منسوب کی گئی ہے، چونکہ علامہ کشمیری کی بابت انوار الباری میں یہ بھی ارشاد ہے:

''علامہ کشمیری کی نظر زمانہ رسالت، صحابہ و تابعین سے گزر کر ائمہ مجتہدین و اکابر محدثین سے ہوتی ہوئی اپنے

---

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۶۲) ❷ مقدمہ انوار (۱/ ۳۱، ۳۲) ❸ مقدمہ انوار (۱/ ۱۵۸)
❹ مقدمہ انوار (۲/ ۲۳) ❺ مقدمہ انوار (۱/ ۳۲) ❻ مقدمہ انوار (۲/ ۲۷، ۲۸)
❼ مقدمہ انوار (۲/ ۳۵، سطر: ۳۰) ❽ مقدمہ انوار (۲/ ۲۵، سطر: ۲۴)

زمانہ تک کے تمام اکابر محققین کے فیصلوں پر ہوتی تھی۔"[1]

اس لیے مصنف انوار کے نزدیک امام نعیم کی بابت علامہ کشمیری کا مندرجہ بالا بیان تمام ہی اکابر محققین و مجتہدین کے فیصلے کے مترادف ہے۔ نیز انوار الباری کی ہر جلد پر جلی خط سے "مجموعہ افادات امام العصر حافظ حدیث علامہ محمد انور شاہ کشمیری و دیگر اکابر محدثین" لکھا ہوا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انوار الباری علامہ کشمیری و دیگر اکابر محدثین کے افادات کا مجموعہ ہے۔ اس اعتبار سے بھی امام نعیم بدعوی مصنف انوار سبھی اکابر رجال کے نزدیک کذاب قرار پاتے ہیں، لیکن ان سارے دعاوی کے بالکل برخلاف مصنف انوار علامہ کشمیری سے نقل کرتے ہیں:

"ان کے بارے میں، یعنی امام نعیم کے بارے میں، سب سے زیادہ معتدل رائے یہ ہے کہ وہ صدوق ہیں۔"[2]

مصنف انوار کے اس دعوی کا مطلب بھی ان کے سابقہ دعاوی کے مطابق یہ ہوا کہ امام نعیم کو سبھی اکابر رجال صدوق کہتے ہیں۔ یعنی مصنف انوار کے ایک دعوی کے مطابق سبھی اکابر نعیم کو کذاب اور دوسرے کے مطابق صدوق کہتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار نے علامہ کشمیری اور سبھی اکابر کی طرف دو متضاد دعاوی منسوب کیے ہیں۔ معلوم نہیں کہ مصنف انوار ان متضاد دعاوی میں سے اپنے کو کس دعوی میں سچا مانتے ہیں؟

یہ ہے مصنف انوار کی خالص علمی، دینی، تحقیقی اور معتدل نقطۂ نظر سے لکھی ہوئی صرف صحیح و معتبر باتوں میں سے ایک ادنیٰ سی مثال۔ اس تضاد کی مزید توضیح کے لیے غور فرمایئے کہ ایک طرف مصنف انوار کا یہ ارشاد ہے کہ:

"فرمایا (یعنی علامہ کشمیری نے) کہ ابن ابی اویس و نعیم کو بخاری میں کیوں لائے؟ شاید ان کے نزدیک کذاب نہ ہوں...... نعیم سے کئی جگہ بخاری کے اصول میں روایات موجود ہیں اور پھر تعلیق ہی کاذبوں سے لینی کب درست ہے؟"[3]

جس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ کشمیری امام بخاری پر اس لیے معترض ہیں کہ وہ نعیم جیسے کذاب کی روایت صحیح بخاری میں کیوں لائے اور انھوں نے نعیم کو معتبر مان کر رواۃ بخاری میں کیوں شامل کیا؟

مگر دوسری طرف مصنف انوار اپنے انھی علامہ کشمیری سے ناقل ہیں:

"فرماتے ہیں (یعنی علامہ کشمیری) کہ نعیم بخاری کے راوی ہیں، معمولی بات نہیں ہے، یوں ان کو نہیں گرایا جا سکتا...... حضرت شاہ صاحب نے اپنے رسالہ "نیل الفرقدین" میں بھی نعیم کی روایت طحاوی کی بابت ترک رفع یدین کا ذکر فرما کر لکھا ہے کہ اس کی اسناد قوی ہے اور اس میں جو نعیم ہیں وہ رجال بخاری سے ہیں اور ان کے بارے میں سب سے زیادہ معتدل رائے یہ ہے کہ وہ صدوق ہیں۔"[4]

مصنف انوار کی مذکورہ بالا عبارت کا مطلب بھی واضح ہے کہ علامہ کشمیری بخاری کا راوی ہونے کے سبب امام نعیم کو صدوق کہتے ہیں۔ ناظرین غور فرمائیں کہ ایک طرف مصنف انوار اس بات کے مدعی ہیں کہ علامہ کشمیری نعیم کو کذاب کہتے ہیں اور امام بخاری پر اس لیے معترض ہیں کہ انھوں نے صحیح بخاری میں نعیم جیسے کذاب سے کیوں روایت کیا اور انھیں معتبر مانا؟ اور

---

❶ مقدمہ انوار الباری (۱/ ۷)
❷ انوار الباري (۷/ ٤٥)
❸ مقدمہ أنوار الباری (۲/ ۳٥)
❹ مقدمہ انوار الباری (۷/ ٤٥)

دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ علامہ کشمیری نے بخاری کا راوی ہونے کی بنا پر امام نعیم کو صدوق و معتبر کہا۔

اس طرح کی پیچ در پیچ تضاد بیانیوں سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ جب ایک طرف مصنف انوار کا دعویٰ یہ ہے کہ سبھی اکابر رجال نعیم کو کذاب کہتے ہیں، تو دوسری طرف اپنے امام العصر قرار دیے ہوئے علامہ کشمیری سے موصوف نے یہ کیسے نقل کر دیا کہ نعیم صدوق و معتبر ہیں؟ جن کی بابت وہ خود مدعی ہیں کہ ان کی نظر زمانہ رسالت سے لے کر اپنے زمانے کے تمام اکابر محققین کے فیصلہ پر ہوتی تھی۔ کیا یہ امام العصر حافظ حدیث علامہ کشمیری اکابر رجال میں سے نہیں ہیں؟ اگر مصنف انوار کی نظر میں علامہ کشمیری اکابر رجال میں سے ہیں تو مصنف انوار اپنے اس دعویٰ میں کیسے سچے ہیں کہ سبھی اکابر رجال نعیم کو کذاب کہتے ہیں؟

ناظرین کرام پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ مصنف انوار اگر علامہ انور شاہ کی طرف دونوں قسم کی متضاد باتیں منسوب کرنے میں سچے ہیں تو اس سے علامہ موصوف کی حیثیت بھی واضح ہو جاتی ہے، جن کی بابت وہ مدعی ہیں کہ ان کی نظر زمانہ رسالت سے لے کر اپنے زمانہ تک کے اکابر محققین کے فیصلوں پر ہوتی تھی۔ سبھی اکابر رجال کی طرف نعیم کے کذاب و وضاع ہونے کا قول منسوب کرنے والے مصنف انوار نے نہ صرف یہ کہ علامہ انور شاہ کشمیری سے ان کی توثیق نقل کی ہے، بلکہ مشہور امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معین سے بھی نقل کیا ہے کہ ''نعیم ثقہ وصدوق ہیں۔''❶

مصنف انوار نے ابن معین کو متصلب حنفی و بلند پایہ محدث اور امام جرح و تعدیل قرار دیا ہے۔❷

لیکن اس طرح کے امام جرح و تعدیل سے یہ نقل کرنے کے باوجود کہ نعیم ثقہ وصدوق ہیں، مصنف انوار مدعی ہیں کہ تمام اکابر رجال کہتے ہیں کہ نعیم جھوٹی حکایات گھڑتے اور جھوٹی حدیثیں بنایا کرتے تھے۔ نیز مصنف انوار کا یہ ارشاد بھی ہے کہ ''ابن عدی نے ان کی یعنی امام نعیم کی غلطیوں کا تتبع کر کے کہہ دیا کہ ان کی روایت کردہ باقی سب احادیث مستقیم ہیں۔''❸

صاف ظاہر ہے کہ صرف ثقہ وصدوق راوی ہی کی روایت کردہ احادیث مستقیم ہو سکتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابن عدی نے بھی بقول مصنف انوار امام نعیم کو ثقہ وصدوق کہا ہے اور یہ معلوم ہے کہ امام ابن عدی بھی معروف و مشہور اکابر رجال میں سے ہیں۔ دریں صورت ناظرین کرام فیصلہ فرمائیں کہ امام ابن معین، ابن عدی اور انور شاہ سے نعیم کی توثیق نقل کرنے کے باوجود مصنف انوار اپنے اس دعویٰ میں کتنے سچے ہیں کہ سب اکابر رجال کہتے ہیں کہ ''نعیم جھوٹی حکایات گھڑتے تھے؟'' صرف یہی نہیں بلکہ مصنف انوار یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''حافظ ابن حجر نے بھی تہذیب میں نعیم کے حالات کے آخر میں لکھا ہے کہ ابن عدی ان کی اغلاط کا تتبع کرتے ہیں، لہٰذا یہ بات ان کے بارے میں قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔''❹

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار ہی کی حسب تصریح حافظ ابن حجر کا بھی قول فیصل یہی ہے کہ نعیم ثقہ وصدوق ہیں۔ یعنی اپنی اس تصریح کے ذریعہ بھی مصنف انوار نے اپنے اس دعویٰ کی تکذیب کر لی کہ سبھی اکابر رجال نعیم کو کذاب و وضاع کہتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود مصنف انوار نے بھی نعیم کا ثقہ وصدوق ہونا تسلیم کرتے ہوئے صاف طور پر یہ کہہ دیا ہے کہ:

---

❶ مقدمہ انوار الباری (٧/ ٤٦)
❷ انوار الباری (١/ ٢٣٢، ٢٣٣)
❸ انوار الباری (٧/ ٤٥، ٤٦)
❹ انوار الباری (٧/ ٤٦)

''جیسا کہ حافظ ابن حجر و شاہ انور صاحب نے ان (نعیم کے) کے بارے میں قول فیصل و معتدل رائے یہ دی کہ ان کی اغلاط کا تتبع کر دیا گیا ہے، ان کی روایت کردہ باقی سب احادیث مستقیم و قابل استدلال ہیں، لہٰذا ان کی روایت کردہ حدیث ترک رفع الیدین ضرور قابل استدلال و مستقیم قرار پائے گی۔ خصوصاً جب کہ امام بخاری جیسے امام المحدثین نے بھی ان کی روایت حدیث کو معتبر مان لیا ہے۔''[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے مندرجہ بالا بیان میں مصنف انوار نے امام نعیم کو قابل استدلال، مستقیم و معتبر یعنی ثقہ و صدوق اور حجت قرار دیا ہے۔ اس طرح موصوف نے اپنے ان سارے بیانات کی خود تکذیب کر دی جن میں امام نعیم کو وضاع و کذاب وغیرہ کہا ہے۔ موصوف نے اپنے مندرجہ بالا اس بیان میں صاف طور پر اس امر کی تصریح کی ہے کہ صرف حافظ ابن حجر اور انور شاہ ہی نہیں بلکہ امام المحدثین امام بخاری تک نے امام نعیم کی توثیق کی ہے۔ لہٰذا جب خود مصنف انوار امام نعیم کو ثقہ و حجت قرار دے کر امام بخاری، ابن معین، ابن عدی، ابن حجر اور انور شاہ سے نعیم کی توثیق کے ناقل ہیں تو ان کا یہ دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے کہ سب اکابر رجال لکھتے ہیں کہ نعیم روایات گھڑا کرتے تھے؟

حاصل یہ کہ مصنف انوار کی یہ بات سو فی صدی غلط اور حقیقت کے خلاف ہے کہ سب اکابر رجال نعیم کو کذاب کہتے ہیں، کیونکہ اکابر رجال میں سے کسی ایک نے بھی ایسی بات نہیں کہی ہے۔ نیز مصنف انوار کے اس قول کہ ''ابو الفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ نعیم ابو حنیفہ کی تنقیص کے لیے جھوٹی روایات گھڑتے تھے'' کی تکذیب اگرچہ خود مصنف انوار کے اس قول سے ہوگئی کہ نعیم کے بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ وہ مستقیم اور قابل استدلال یعنی ثقہ ہیں، لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ ابو الفتح ازدی بذات خود کذاب و وضاع ہے، جیسا کہ اس پر مفصل گفتگو آگے آرہی ہے۔ ایسے شخص کے قول کو امام نعیم جیسے صدوق محدث کی تجریح کے لیے دلیل بنانا کسی معتدل مزاج اور سلیم الطبع صاحب علم کا کام نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں ''ابو الفتح'' کے ساتھ ''وغیرہ'' کے لفظ کا اضافہ بھی امانت و دیانت سے محروم شخص ہی اتنے عظیم المرتبت صدوق امام کی تجریح و تضعیف کرنے کی غرض سے کر سکتا ہے، کیونکہ لفظ ''وغیرہ'' کا اضافہ ابو بشر محمد بن احمد بن حماد دولابی جیسے غیر ثقہ اور ضعیف راوی نے کیا ہے۔ (كما سيأتي)

ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار ایک طرف امام بخاری کو اس لیے مطعون کرتے ہیں کہ وہ دوسرے اہل علم کی طرح امام نعیم کو معتبر کیوں مانے ہوئے ہیں اور دوسری طرف انھی نعیم کو ثقہ و صدوق قرار دینے کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امام بخاری نے انھیں ثقہ و صدوق کہا ہے۔ پوری انوار الباری میں یہی طریق تحریر موجود ہے جس سے اس کتاب کی حقیقت خود بخود واضح ہوجاتی ہے۔ پھر بھی چونکہ اس دنیا میں ایسے لوگ بکثرت پائے جا رہے ہیں جو اس کتاب کو قابل اعتبار اور لائق مدح سمجھتے ہیں، اس لیے توضیح حقیقت کے لیے ہماری یہ کتاب لکھی جا رہی ہے۔

مصنف انوار کی قدحِ امام بخاری:

مصنف انوار نے امام بخاری کو مطعون کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

''امام بخاری نے تاریخ اوسط میں بھی راہ مستقیم و معتدل سے الگ راہ اختیار کی ہے اور سب سے زیادہ عجیب امر

[1] انوار الباری (٧/ ٤٦)

یہ ہے کہ امام بخاری کے یہاں کسی جز کو قبول کرنے کے واسطے انقطاع سند، عدم ضبط، تہمت کذب، جہالت عین، جہالت وضعف اور بدعت وغیرہ سے راویوں کا بے داغ ہونا ضروری و لازم ہے، لیکن ان سب شرائط و احکام کی پابندی امام اعظم ابوحنیفہ کے بارے میں بالکلیہ ختم ہوجاتی ہے اور باوجود نقائص وعلل کے امام صاحب کے بارے میں کذابین وضاعین کی روایت کے قبول ونقل ونشر کا سلسلہ جائز رکھا جاتا ہے۔"❶

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں بتلایا ہے کہ امام بخاری نے معتدل ومستقیم راہ کو چھوڑ کر غیر معتدل وغیر مستقیم راستہ اختیار کیا اور سب سے بڑی عجیب بات امام بخاری نے بقول مصنف انوار یہ کی کہ روایات کے قبول کرنے کے لیے اپنے ہی بنائے ہوئے اصول و احکام کی کلی طور پر مخالفت کرتے ہوئے کذابین اور وضاعین کی گھڑی ہوئی خود ساختہ واختراعی روایات کو قبول کرلیا اور نہ صرف ان مکذوبہ روایات کو قبول کیا، بلکہ ان کی نشر واشاعت بھی کی۔ نیز یہ کہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کی مذمت کی خاطر منقطع سند والی روایات اور غیر ضابط، جھوٹ سے متہم اور مجہول بدعتی رواۃ کے بیانات کو دلیل وحجت بنایا ہے۔

مصنف انوار کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک امام بخاری راہ مستقیم سے منحرف اور کذابین، وضاعین اور جھوٹ سے متہم، مجہول اور غیر ضابط رواۃ کی گھڑی ہوئی جھوٹی باتوں یا ان کی بیان کردہ جھوٹی روایات کو قبول کرتے اور انھیں دلیل وحجت بناتے اور ان کی نشر واشاعت کرتے تھے۔ اور جو شخص راہ مستقیم سے الگ دوسرا راستہ اپنا کر کذابین و وضاعین کی جھوٹی باتوں کو قبول کرے اور انھیں دلیل وحجت بنا کر ان کی نشر واشاعت بھی کرے، اس شخص کے بارے میں ناظرین کرام مصنف انوار الباری سے یہ دریافت کریں کہ اس شخص پر آپ کی نقل کردہ یہ حدیث نبوی صادق آتی ہے یا نہیں کہ:

"كفىٰ بالمرء كذباً أن يحدث بكل ما سمع."❷

یعنی ایک شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بے تحقیق آگے چلتا کردے۔

ظاہر ہے کہ مصنف انوار یہی کہیں گے کہ ایسے شخص پر مندرجہ بالا حدیث نبوی ضرور صادق آتی ہے۔ دریں صورت ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار نے امام المحدثین امام بخاری کے بارے میں اپنے مندرجہ بالا بیان کے ذریعہ قارئین انوار الباری کو کیا سبق پڑھایا ہے؟ صرف اسی بات سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار الباری نے شرح صحیح بخاری کے نام سے لکھی جانے والی اپنی اس کتاب میں کس کس طرح کی گل افشانی، تحقیق پسندی اور حق پرستی سے کام لیا ہوگا؟

مصنف انوار کی مدح امام بخاری:

ایک طرف مصنف انوار نے امام بخاری کے خلاف مندرجہ بالا قسم کی زہر افشانی کی اور دوسری طرف یہ بھی کہا کہ:

"فخر موجودات ﷺ کی بلند پایہ احادیث کو امام بخاری نے جس حسن وخوبی اور صحت واہتمام کے ساتھ مرتب فرمایا ہے اس کی نظیر اول وآخر میں نہیں ہے۔"❸

❶ مقدمہ انوار الباری (۲/ ۲۲) ❷ مقدمہ انوار الباری (۱/ ۱۲٤)

❸ انوار الباری کی ہر جلد کا آخری صفحہ، سطر (۱۸)

''ایک نسخہ ''شفا'' مصائب و مشکلات کے وقت علماء کرام نے بخاری شریف پڑھنے کا معمول رکھا ہے اور یوں بھی پڑھے تو سرور کائنات ﷺ سے شرف ہم کلامی کی برکت حاصل ہو، سنیے تو مبارک ارشادات کے انوار سے منور ہوئے، گھر میں رکھیے تو خیر و برکت کا عظیم سرمایہ، دین و دنیا کی سب سے بڑی عزت و سعادت اور قابل فخر دولت ہے۔''[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں صحیح بخاری کو نسخہ شفاء، خیر و برکت کا عظیم سرمایہ، دین و دنیا کی سب سے بڑی عزت و سعادت اور قابل فخر دولت قرار دینے کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ احادیث نبویہ کو جس حسن و خوبی اور صحت و اہتمام کے ساتھ امام بخاری نے مرتب فرمایا اس کی نظیر اول و آخر میں نہیں ملتی ہے۔ صحیح بخاری کے یہ محاسن وہ مصنف انوار الباری بیان کر رہے ہیں جو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر امام بخاری کو صراط مستقیم و راہ معتدل سے منحرف کہتے اور انھیں کذابین کی روایات کو قبول و رائج کرنے والا اور جھوٹی باتوں کو پر لگانے والا قرار دیتے پھر رہے ہیں ؎

والفضل ما شهدت بها الأعداء

پوری انوار الباری مصنف انوار کے اسی طرح کے قول و عمل کے تضاد کا مظہر ہے، حالانکہ شریعت میں اس کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

کتاب وسنت سے قول وعمل میں تضاد کی مذمت:

ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لاَ تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لاَ تَفْعَلُوْنَ ﴾ [الصف: ۲، ۳]

یعنی اے اہل ایمان! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، قول و عمل کا تضاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ناراضگی کا سبب ہے۔

قرآن مجید میں اس مضمون کو مختلف انداز و پیرایہ میں بہت صراحت و وضاحت سے بیان کرتے ہوئے قول و عمل کے تضاد کو یہود و منافقین کی خاصیت و عادت بتلایا گیا ہے، احادیث نبویہ میں بھی اس کی پوری تصریح ہے، مگر ہم اس جگہ صرف ایک مشہور و معروف حدیث نبوی کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن مسعود أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ما من نبي بعثه اللّٰه في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون، وأصحاب يأخذون بسنته، ويقتدون بأمره، ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف، يقولون ما لا يفعلون، ويفعلون ما لا يؤمرون، فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن، ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن، ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن، وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل"[2]

---

[1] ملاحظہ ہو صفحہ مذکورہ (سطر: ۱۲، ۱۳)

[2] صحيح مسلم، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان (۲/ ۲۲۷، ۲۲۸) و كتاب العلل للدارقطني وغيره.

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جتنے بھی نبی اللہ نے مجھ سے قبل مبعوث فرمائے، ان سب کی امت میں سے کچھ ایسے حواری و اصحاب ہوتے تھے، جو ان کے طریق پر عمل کرتے اور ان کے حکم کی پیروی کرتے، مگر ان کے بعد کچھ ایسے ناخلف و نالائق لوگ بھی پیدا ہو جاتے تھے، جو اپنے دعویٰ وقول کے خلاف عمل کرتے اور ایسی باتیں کہتے جن کے کہنے کی انھیں اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ جس نے بذریعہ قول و عمل اور دل و جان جہاد کیا، وہ مومن ہے، لیکن جس نے ان سے بالکلیہ ہی جہاد ترک کر دیا وہ نور ایمان سے محروم ہے۔

اس حدیث نبوی کو رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، جن کو مصنف انوار حنفی مذہب کا مورث اعلیٰ اور نہایت بلند پایہ فقیہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے بارے میں مصنف انوار یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ غیر فقیہ صحابی ہونے کے سبب اصول شریعت کے خلاف احادیث بیان کرتے پھرتے تھے، جیسا کہ موصوف نے بہت سے صحابہ کے بارے میں یہی بات کہہ کر ان کی روایت کردہ احادیث نبویہ کو مردود قرار دینے کا ضابطہ و اصول بنا لیا ہے، جس کی تفصیل صفحات آئندہ میں آ رہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ اس حدیث نبوی میں قول و عمل کے تضاد کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے اس طریق کار کو ناخلف لوگوں کی عادت و فطرت بتلایا گیا ہے اور اسے انبیاء کرام کے طریق کار کی مخالفت قرار دے کر فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں سے جہاد کرنا مومن کا فریضہ ہے، نیز اس فریضہ پر عمل نہ کرنے والے کو ایمان سے محروم بتلایا گیا ہے۔ اسی فرمان نبوی نیز دیگر نصوص کتاب و سنت کے پیش نظر ہی ہم نے انوار الباری پر نقد و نظر کا عزم کیا ہے، تاکہ اس سے پیدا ہونے والے اثراتِ بد سے محفوظ رہا جا سکے۔

اہل تقلید کو عظمتِ بخاری کا احساس و اعتراف:

جب باعتراف مصنف انوار الباری صحیح بخاری نسخہ شفاء اور خیر و برکت کا عظیم ترین سرمایہ ہے تو اس کا تقاضا تھا کہ امت اسلامیہ میں اس کتاب اور اس کے مصنف کی بہت زیادہ پذیرائی ہوتی، چنانچہ یہ بات واقع بھی ہوئی جس کا اندازہ ترجمان دیوبند ''القاسم'' کے درج ذیل بیان سے ہوتا ہے:

''صحیح بخاری عجیب شان کی کتاب ہے اور اسے اللہ نے عجیب وغریب مقبولیت بخشی ہے، ہر عالم و عامی قرآن کے بعد جب نظر اٹھاتا ہے تو صحیح بخاری پر سب سے پہلے نظر پڑتی ہے۔ تقریباً ایک ہزار سال سے دنیائے اسلام میں اس کتاب کو کتاب اللہ کے بعد جو فوقیت و مرجعیت حاصل رہی ہے، اس کی وجہ سے اس کی بھاری بھر کم حیثیت اور اس کے مؤلف کی عظیم شخصیت اسلامی تاریخ پر چھا گئی۔''[1]

مذکورہ بالا عبارت میں ذکر شدہ عظمت بخاری کا اعتراف عام اہل تقلید نے بھی کیا ہے، ہم بنظر اختصار صرف اسی نقل پر اکتفاء کرتے ہیں۔

امام بخاری کی عظمت اہل تقلید کے لیے باعث مصیبت ہے:

مندرجہ بالا قسم کی امام بخاری کی عظمت کے اعتراف کے ساتھ بقول ''القاسم'' اہل تقلید کو یہ احساس بھی ہوا کہ:

[1] القاسم، اکتوبر ۱۹۶۱ء (ص: ۳۳)

''امام بخاری کی دینی خدمت، علمی ثقاہت اور شان جلالت کی بدولت ان کی شخصیت ایک ایسا مرعوب کن تاریخی باب بن گئی، جس کی سلوٹوں میں بہت سی اہم علمی و دینی خدمات کا طول وعرض اور متعدد جلیل القدر شخصیتوں کا قد و قامت دبا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اپنی ذاتی عظمت کی بناء پر اگر ان کی خدمت کا کچھ وزن اور ان کی شخصیتوں کا وجود نمایاں بھی ہوا تو گزشتہ کئی صدیوں میں علم وقلم کے رکابداروں نے رہوار تاریخ کو اس رخ پر چلنے نہیں دیا، اس طرز عمل کا ہدف مقلدین بالخصوص فقہ حنفی کے پیرو بنتے رہے ہیں۔ الخ''[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مذکورہ بالا عبارت میں عظمتِ بخاری کے سامنے جن علمی و دینی خدمات وشخصیات کو دبا ہوا بتلایا گیا ہے، وہ علمی و دینی خدمات وشخصیات بتصریح ترجمانِ دیوبند ''القاسم'' تقلیدی ائمہ اور تقلیدی مذاہب خصوصاً ائمہ احناف و مذہب احناف کی ہیں اور جن رکابداران علم وقلم کی بابت یہ کہا گیا کہ انھوں نے تقلیدی شخصیات اور ان کی خدمات کو ابھرنے اور نمایاں نہیں ہونے دیا اس سے مراد علمائے اہلحدیث ہیں، جو تقلید پرستی وتقلیدی تنگ نظری سے دور رہ کر غیر جانب دارانہ تحقیق کی بنیاد پر مسلک کتاب وسنت وسلف امت کی حمایت میں ہمیشہ سرگرم عمل رہا کرتے اور ہر زمانہ میں اپنے مخالفین پر اس لیے چھائے رہتے ہیں کہ ان کی بابت ارشاد نبوی ہے:

"لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين حتى يأتيهم أمر الله وهم ظاهرون."[2] (بخاری و مسلم)

یعنی میری امت کا ایک گروہ (مراد اہلحدیث) ہمیشہ حق کی حمایت کے سبب غالب رہے گا۔

خاتم المرسلین ﷺ کی اس پیش گوئی کے ہوتے ہوئے کسی شخص کی یہ توقع ہی فضول ہے کہ اہل تقلید اپنی مقلدانہ کوششوں میں اہلحدیث کے بالمقابل کبھی کامیاب ہوسکیں گے۔ افسوس کہ اپنی روش میں خوشگوار تبدیلی لانے کے بجائے اہلحدیث کے بالمقابل اپنی تقلیدی کوششوں کی ناکامی وشکست خوردگی کے احساس سے جھنجھلا کر ترجمان دیوبند ''القاسم'' نے مزید کہا:

''اس روش سے جو مسلسل کئی صدیوں سے دینی تاریخ کے سلسلے میں سامنے آتی رہی ہے، یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سیرت نگاری وتاریخ نویسی کی غلطیاں بالقصد ہی نہیں بلا قصد و ارادہ بھی ہوتی ہیں اور واقفیت کے باوجود یک رخی نگاہ اور یک طرفہ نقطہ نظر اچھے اچھے اہل علم وفضل کے نظریات کو متاثر ومسخ کر دیتا ہے۔ بہت سے مدعیان علم و فضل نے امام بخاری کے ذاتی آراء ونظریات کو بھی واجب التسلیم تسلیم کرانے کی کوشش کی، اس طرز عمل کا ہدف مقلدین بالخصوص فقہ حنفی کے پیرو بنتے رہے ہیں، اس صورت کو سامنے رکھتے ہوئے اب تک اس موضوع پر اہل قلم نے بہت کچھ لکھا ہے اور اس الجھن کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے، جس کی وجہ سے امام بخاری کی عظمت کے سامنے احناف خصوصاً امام ابوحنیفہ کی شخصیت سمٹی ہوئی نظر آتی ہے اور اس کے نتیجہ میں احناف کو امت مسلمہ کے کارواں میں بہت ہی کم مایہ محسوس کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔''[3]

---

[1] القاسم، شمارہ مذکورہ (ص: ۳۳)

[2] صحيح البخاري: كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتي...، رقم الحديث (٦٨٨٢) صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: لا تزل طائفة من أمتي...، رقم الحديث (١٩٢٠)

[3] القاسم، شمارہ مذکورہ (ص: ۳۳، ۳٤)

ناظرین کرام پر یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ عبارت مذکورہ بالا میں یہ بتلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ علم وقلم کے جن رکابداروں یعنی علمائے اہلحدیث نے تقلیدی شخصیات اور ان کی خدمات کو ابھرنے اور نمایاں نہیں ہونے دیا، وہ مسخ شدہ نظریات، یک رخی نگاہ اور یک طرفہ نقطۂ نظر رکھتے تھے، انھوں نے قصداً سیرت نگاری و تاریخ نویسی میں غلط روی اختیار کر کے مقلدین کو اپنا ہدف بنایا اور یک طرفہ نقطۂ نظر اور مسخ شدہ نظریات کے ذریعہ عظمتِ بخاری کے سامنے امام ابو حنیفہ اور عام احناف کو بہت ہی کم مایہ اور بے وقعت محسوس کرانے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ اہلحدیث کو عبارت مذکورہ میں جن صفات مذمومہ کے ساتھ متصف بتلایا گیا ہے، بحمد اللہ اہلحدیث ان قبائح سے محفوظ ہیں۔

البتہ اس عبارت سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ پوری دنیا پر چھا جانے والی امام بخاری کو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی فوقیت و مرجعیت سے پریشان ہو کر اہل تقلید نے ہر زمانے میں بہت کچھ لکھ کر اہل تقلید کی عظمت کو اجاگر کرنا چاہا، مگر آج تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی، لہٰذا بقول ''القاسم'' اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اس چودھویں صدی میں انوار الباری لکھی جا رہی ہے۔

انوار الباری کی تالیف کا سبب ''القاسم'' کی زبانی:

چنانچہ ترجمان دیو بند ''القاسم'' میں مرقوم ہے:

> ''تصنیف انوار الباری کا مقصد یہ ہے کہ ایک خاص نقطۂ نظر رکھنے والے مؤرخین نے احناف کی سرگزشتہ قلم بند کرنے میں جس عصبیت و نا انصافی کا ارتکاب کیا ہے، اس کا جائزہ لے کر احناف کی طرف سے بھرپور مدافعت کی جائے۔''[1]

ان سارے بیانات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی جو عظمت بخاری بقول ''القاسم'' ایک مرعوب کن تاریخی باب بن گئی ہے اور اس کے سامنے احناف و ائمہ احناف کی اہمیت و عظمت دب اور سمٹ کر رہ گئی ہے، جس کو ابھارنے کی کوششوں کو علمائے اہلحدیث نے آج تک کامیاب نہیں ہونے دیا ہے، ان سب کا جائزہ لے کر احناف کو امام بخاری کے بالمقابل ابھارنے کے لیے انوار الباری لکھی جا رہی ہے، مگر ہم کہتے ہیں کہ امام بخاری کو اللہ کی دی ہوئی جس عظمت و مقبولیت اور فوقیت و مرجعیت سے مرعوب و پریشان ہو کر انوار الباری لکھی جا رہی ہے وہ ان شاء اللہ قیامت تک کسی انسانی تدبیر سے ختم نہیں کی جا سکے گی، خواہ انوار الباری جیسی لاکھوں کتابیں روزانہ لکھی جاتی رہیں، کیونکہ اللہ کی دی ہوئی اس عظمت بخاری کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری علمائے اہلحدیث نے سنبھال رکھی ہے، جن کی بابت ارشاد نبوی ہے کہ یہ ہمیشہ غالب رہیں گے، کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔

چراغے　را　کہ　ایزد　برفروزد
ہر　آں　کہ　تف　زندریشش　بسوزد[2]

نیز اگر القاسم اور مصنف انوار جیسے ہزاروں لاکھوں افراد مل کر اور علمائے اہلحدیث اور امام بخاری کو مذکورہ بالا مطاعن سے کہیں زیادہ الزامات سے متہم اور مطعون کریں، پھر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ناکام و نامراد ہی رہیں گے اور اہلحدیث کے

[1] ماحصل از القاسم، شمارہ مذکور (ص: ٣٤)
[2] جس چراغ کو خدا روشن رکھے، اس پر تھوکنے والا اپنی ہی داڑھی جلا بیٹھے گا۔

بالمقابل اپنی ناکامی کا احساس اسی طرح انھیں قیامت تک پریشان کرتا رہے گا۔ آخر جب ''القاسم'' کو احساس ہے کہ انوار الباری کی تصنیف سے پہلے علمائے اہلحدیث امام بخاری کو اللہ کی دی ہوئی عظمت چھیننے والوں کی کوششیں ہمیشہ ناکام بناتے رہے ہیں، تو اس مقصد میں انوار الباری کیسے کامیاب ہو پائے گی؟ جبکہ ''القاسم'' ہی نے انوار الباری کو ثقاہت وسلامت روی سے محروم، متضاد و متعارض باتوں سے پُر اور فتنے کی آبیاری کرنے والی کتاب قرار دیا ہے۔ جب باعتراف ''القاسم'' اللہ کی بخشی ہوئی فوقیت، مقبولیت اور مرجعیت کے سبب صحیح بخاری اور امام بخاری کی عظمت اسلامی تاریخوں پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی عظمت ایک مرعوب کن تاریخی باب بن چکی ہے۔ نیز جب باعتراف مصنف انوار صحیح بخاری نسخہ شفاء اور دین و دنیا کا عظیم ترین سرمایہ ہے، تو صحیح بخاری اور امام بخاری کے مقابلے میں اترنے والوں کا جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے۔

اگر فی الواقع مسخ شدہ نظریات رکھنے والے متعصب اہل قلم نے احناف اور مذہب احناف کو تعصب و ناانصافی کے ساتھ گرانے کی کوشش کی تھی تو اس کا ازالہ وتردید ضرور ہونی چاہیے، مگر انوار الباری درحقیقت کسی اور مقصد سے لکھی گئی ہے، جس کا اندازہ ناظرین کو ہو چکا ہوگا۔

خصوصیات انوار الباری

مصنف انوار الباری کی زبانی

مصنف انوار کی زبانی انوار الباری کی متعدد خصوصیات کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے، چونکہ موصوف نے اسے شرح بخاری کا نام دیا ہے اور انھوں نے صحیح بخاری کو نسخہ شفاء اور دین کا عظیم ترین سرمایہ وغیرہ بھی کہا ہے، اس لیے اس کی شرح کے نام سے لکھی جانے والی اس کتاب انوار الباری کے بارے میں بلند بانگ دعاوی کرنے کو مصنف انوار نے اپنا اولین فریضہ سمجھتے ہوئے فرمایا:

''اردو زبان میں حدیث کی عظیم المرتبت کتاب صحیح بخاری کی کامل ومکمل شرح مرتبہ مولانا سید احمد رضا بجنوری چودہ سو سال بعد آفتاب نبوت کی کرنیں احادیث نبویہ کی ضیاء پاشیاں نئے انداز میں۔ ہم نے خالص دینی وعلمی نقطۂ نظر سے شرح بخاری کا نیا باب کھولا ہے، جس سے حدیث رسول کی اصل عظمت محسوس ہوگی۔ دور حاضر کے تمام مسائل الجھنیں اس طرح حل نظر آئیں گی کہ حدیث زندگی کے تمام شعبوں میں کارفرما ہو، فقہیات کا تمام مجموعہ احادیث نبویہ کا عطر محسوس ہوگا، فرق باطلہ کے لیے یہ مجموعہ صاعقہ محرقہ ثابت ہوگا۔''[1]

ناظرین کرام! ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے انوار الباری کو آفتاب نبوت کی کرنوں، احادیث نبویہ کی ضیاء پاشیوں اور خالص علمی و دینی نقطۂ نظر سے لکھی ہوئی ایسی شرح صحیح بخاری قرار دیا ہے جس میں اصلی عظمت حدیث رسول محسوس ہوگی وغیرہ۔ مگر ناظرین کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ مصنف انوار کے یہ دعاوی کیا معنی رکھتے ہیں اور ہماری پوری کتاب سے تو ان کی حقیقت بالکل ہی سامنے آ جائے گی۔

محدثین کو مصنف انوار کی گالیوں کی چند مثالیں:

ناظرین ذرا انوار الباری کے مندرجہ ذیل اقتباسات پڑھ کر بتلائیں کہ اس کتاب کو آفتاب نبوت کی کرنیں، احادیث کی ضیا پاشیاں اور خالص علمی و دینی نقطۂ نظر سے لکھی ہوئی شرح بخاری و احادیث نبویہ کا عطر وغیرہ کہنا کہاں تک اور کس طرح جائز ہے؟

۱۔ ''یہ عجیب بات ہے کہ جھوٹی باتیں چلتی کرنے میں فرقہ روافض کے بعد امام صاحب کے معاندین و حاسدین اہل حدیث کا نمبر معلوم ہوتا ہے، یہ بات حد درجہ افسوس ناک ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔''[2]

۲۔ ''اور غیر مقلدین نے رافضیوں کی طرح امام صاحب کی برائیاں تلاش کر کے پروپیگنڈہ کیا اور ہمارے صوفی صافی بزرگ حنفیوں نے اس کے مقابلہ میں امام صاحب کی خوبیوں کا پروپیگنڈہ کچھ بھی نہیں کیا، جس سے سادہ

[1] انوار الباری کی ہر جلد کے ورق آخر کا ماحصل وملخص۔
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۶۱، سطر: ۱۵، ۱۶)

لوح ناواقف لوگ غیر مقلدین کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔"[1]

۳۔ "امام ابوحنیفہ کے خلاف رافضیوں کی طرح جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والوں میں امام بخاری رحمہ اللہ کو بھی شمار کرتے ہوئے مصنف انوار نے کہا: "کچھ ٹھکانہ ہے اس جھوٹ کا اور اس کے پر لگانے والے امام بخاری رحمہ اللہ ہیں۔"[2]

۴۔ "امام بخاری نے امام اعظم کے خلاف نہایت غلط روش اختیار کی۔"[3]

۵۔ "ایسے ہی لوگوں (یعنی امام بخاری جیسے لوگوں) نے امام ابوحنیفہ کی طرف ان کو بدنام کرنے کے لیے بہت سی جھوٹی باتیں منسوب کیں، یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا کہ امام صاحب خنزیر برّی کو حلال کہتے تھے، کچھ حد ہے اس عداوت وحسد کی؟ امام بخاری نے ایک دوسری جھوٹی روایت امام صاحب کی تنقیص میں نقل کی ہے۔"[4]

۶۔ "امام بخاری کو امام حمیدی متعصب، جیسے متشدد اور مغلوب الغضب یا نعیم جیسے وضاع لوگوں سے امام صاحب کی تنقیص میں روایات ملیں اور انھوں نے ان کو نمایاں کر کے نقل کرنا ضروری سمجھا، امام بخاری نے ابوحنیفہ کے بارے میں بہت ہی غیر محتاط رویہ اختیار کیا۔"[5]

۷۔ "امام بخاری نے اکابرین حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا، امام بخاری کو حنفی مذہب کی پوری واقفیت نہیں تھی، جس کی وجہ سے انھوں نے حنفیہ کی طرف مسائل کا انتساب غلط کیا۔"[6]

۸۔ "ان (ابن ابی شیبہ) کا مقصد جارحانہ تنقید اور متعصّبانہ نوک جھونک نہ تھی، مگر ان کے تلامذہ میں امام بخاری آئے تو امام صاحب کے بارے میں تنقیدی رنگ دوسرا ہوا (یعنی جارحانہ اور متعصّبانہ) بخاری شریف میں معلومات نہ ہونے کی وجہ سے غلط انتساب اور بے ضرورت تشدد کا وجود ہے، مگر دوسرے رسائل میں امام صاحب وغیرہ کے بارے میں سخت کلامی تک پہونچ گئے اور امام صاحب اور ان کے اصحاب کو اہل علم کا درجہ دینے کو بھی تیار نہیں، حالانکہ امام صاحب کے تلامذہ ابن المبارک وغیرہ کی انتہائی تعریف کی۔"[7]

۹۔ "سب سے زیادہ حیرت امام بخاری کے رویہ پر ہے کہ امام صاحب کو مرجیہ کہہ کر مطعون کرتے ہیں۔ الخ"[8]

۱۰۔ "دوسری صدی کے بعد اکثر محدثین نے احناف کے ذکر اذکار کو نظر انداز کر دیا اور کچھ حضرات نے ان کی برائیاں بے سند اور جھوٹی اسناد سے بیان کیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات تاریخی اعتبار سے محمود تھی نہ حدیثی تعلق کے تحت گوارا۔ اور سب سے بڑا دینی وعلمی نقصان اس کا یہ تھا کہ حدیث کی پر رونق مجلس سے ایسی عظیم مؤقر جماعت (یعنی حنفیوں) کو باہر کر دیا گیا، جن کی حدیثی گراں قدر خدمات کسی طرح نظر انداز کیے جانے کی مستحق نہ تھیں۔ امام اعظم آپ کے اصحاب اور سینکڑوں تلامذہ محدثین جنھوں نے امام صاحب کی سرپرستی میں ساڑھے بارہ لاکھ فقہی مسائل کی تدوین کتاب اللہ اور احادیث نبویہ وآثار صحابہ وفتاویٰ تابعین کی روشنی میں کی، پھر ان میں بہت بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو ارباب صحاح کے شیوخ اور شیوخ الشیوخ ہیں، ان سب کو محض حسد وعصبیت کی

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۶۱)　[2] حوالہ مقدمہ انوار (۱/ ۶۱ کی آخری سطر)
[3] (۱/ ۳۱)　[4] ملاحظہ ہو (۱/ ۳۱)　[5] (۱/ ۳۲)
[6] مقدمہ انوار (۱/ ۱۱)　[7] (۱/ ۹) و (۱/ ۲۳۵)　[8] (۱/ ۳۰)

وجہ سے نظر انداز کر دینا کسی طرح بھی موزوں نہ تھا۔ اس شرح کی تالیف کے وقت ہماری قطعی رائے ہے کہ تمام محدثین اولین و آخرین کو ایک نظر سے دیکھنا چاہیے اور اس میں کچھ بھی فرق کرنا حدیث کے مقدس علم پر ظلم ہے۔ تفسیر کتاب اللہ کی طرح معانی احادیث میں جزوی اختلافات ہوئے، ہو سکتے ہیں، مگر اس اجارہ داری کے زعم باطل کو کسی طرح گوارا نہیں کیا جا سکتا کہ ایک نقطۂ نظر تو صراحتاً سراسر حدیث نبوی کے مطابق ہے اور فلاں دوسرا طریق سراسر خلاف۔ پھر اس غلط طرز فکر میں جو ترقیات ہوئیں وہ اور بھی زیادہ قابل اعتراض ہیں۔ الخ"❶

۱۱۔ "امام بخاری کو کیا خبر تھی کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کو حدیث کے میدان سے نکال کر پھینکنے کی مہم جو ان سے بلکہ ان کے شیخ حمیدی وغیرہ سے شروع ہو کر حافظ ابن حجر وغیرہ سے پاس ہو کر اس دور کے متعصب غیر مقلدین تک پہنچی وہ ناکام ہو کر رہے گی۔"❷

انوار الباری کے ان اقتباسات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ مصنف انوار نے جملہ اہل حدیثوں کے ساتھ امام بخاری کو بھی جھوٹے روافض اور ناانصاف متعصبین کی صف میں کھڑا کیا ہے۔ حالانکہ انوار الباری کے اشتہاری بیان میں صحیح بخاری کو نسخہ شفاء دین و دنیا کا عظیم ترین سرمایہ، سب سے بڑی عزت و سعادت اور قابل فخر دولت کہا گیا ہے، امت اسلامیہ کو نسخہ شفاء، دین و دنیا کا عظیم ترین سرمایہ، سب سے بڑی عزت و سعادت اور قابل فخر دولت دینے والے امام بخاری کو جھوٹے روافض، ناانصاف متعصبین اور حاسدین کی صف میں کھڑا کرنے والے مصنف انوار نے اپنی بابت یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم نے خالص علمی، دینی، تحقیقی اور معتدل نقطۂ نظر سے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی لکھی ہیں۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

"پورا مقدمہ پڑھ کر آپ اندازہ کریں گے کہ ہم نے افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک معتدل شاہراہ سامنے کرنے کی کوشش کی ہے۔"❸

"انوار الباری کا پورا کام ایک تحقیقی علمی خدمت کے طور پر کیا جا رہا ہے، مقدمہ میں اکابر امت کے معتبر حالات اور شرح میں ان کی تحقیقات عالیہ زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع سے بہتر سلیس اردو میں پیش کرنے کا تہیہ ہے۔"❹

مقدمہ انوار الباری کی ہر جلد کے آخری صفحہ پر مصنف انوار نے تحریر فرمایا ہے:

"ہم نے خالص دینی و علمی نقطۂ نظر سے کتاب بخاری کی اردو تشریح کا نیا باب کھولا ہے، ہمارا دعوی ہے کہ ان تشریحات میں آپ کو حدیث رسول کی اصل عظمت محسوس ہوگی۔"

جس کتاب کی تحریروں کو احادیث رسول کی ضیاء پاشیوں، فرامین نبویہ کی توضیحات و تشریحات، مجموعہ احادیث کا عطر، تمام مسائل اور الجھنوں کا حل، فرق باطلہ کے لیے صاعقہ محرقہ، اکابر محدثین کا مجموعہ افادات، احادیث رسول کی اصلی عظمت کا اجاگر کنندہ وغیرہ جیسے عظیم الشان الفاظ عالیہ سے تعبیر کیا گیا ہو اس میں ذخیرہ احادیث کے مرتبین خصوصاً امام بخاری کو فرقہ روافض میں شمار کرنے کے آخر کیا معنی ہوئے؟ جن کی کتاب کو اسی انوار الباری میں نسخہ شفاء، دنیا و آخرت کا عظیم سرمایہ وغیرہ قرار دے کر دعویٰ کیا گیا ہو کہ انوار الباری صحیح بخاری کی بے نظیر شرح ہے؟ کیا مصنف انوار کا خالص دینی و علمی و تحقیقی نقطۂ نظر

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۸، ۹)　❷ مقدمہ انوار (۱/ ۸، ۹ کی آخری سطریں)
❸ مقدمہ انوار (۱/ ۸)　❹ مقدمہ انوار (۱/ ۲٤۰)

یہی ہے کہ ایک طرف امام بخاری کی عظمت و بلندی کا راگ الاپا جائے اور دوسری طرف امام بخاری اور جملہ محدثین کو گالیاں دی جائیں اور انھیں نشانہ طعن وتشنیع بنایا جائے؟

گزشتہ صفحات میں واردشدہ تفصیل کو دیکھ کر ناظرین کرام کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ انوار الباری کس طرح کی شرح بخاری لکھی جا رہی ہے اور اس میں خالص علمی، دینی اور تحقیقی خدمت کے نام پر کیسی کیسی گل افشانیاں کرتے ہوئے عام محدثین خصوصاً امام بخاری کے خلاف زہرافشانی کی جا رہی ہے؟ اور سب سے بڑی بات یہ کہ کتاب مذکور میں عموماً تضاد بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ ایک طرف ظاہر کیا گیا کہ امام بخاری نے امت کو نسخہ شفا اور دین و دنیا کا بہترین سرمایہ دیا، جبکہ دوسری طرف دعویٰ کیا گیا کہ امام بخاری نیز عام اہلحدیث علماء جھوٹی باتوں کی اشاعت کرنے والے روافض کے طریق کار پر گامزن ہیں۔ ایک طرف امام نعیم کو کذاب اور وضاع کہا تو دوسری طرف موصوف کو ثقہ وصدوق کہا۔ اس طرح کی تحریروں سے انوار الباری بھری ہوئی ہے، آنے والے مباحث میں ناظرین کرام کے سامنے موصوف کی انھی تحریروں کی حقیقت پیش کی گئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ بقول مصنف انوار ان کے استاذ علامہ انور شاہ کشمیری بقول خویش جب تک اپنے تقلیدی اماموں کے ساتھ نمک حرامی اور بے وفائی کرتے رہے، تب تک صبر و ادب کے دامن سے وابستہ رہے، مگر اپنے ان اماموں کے وفادار ونمک حلال بنتے ہی موصوف کے ہاتھ سے صبر و ادب کا دامن چھوٹنے لگا۔ معلوم نہیں کہ علامہ کشمیری کی ان تقلیدی اماموں کے ساتھ وفاداری ونمک حلالی میں کون سی ایسی کیمیاوی تاثیر موجود ہے، جس کے اثر سے آدمی صبر وضبط اور ادب سے محروم ہونے لگتا ہے؟ اور امت مسلمہ کو نسخہ شفاء اور سرمایۂ دین و دنیا عطا کرنے والے امام بخاری نیز دیگر محدثین کے خلاف زہرافشانی کرنے لگتا ہے؟ معلوم نہیں کہ تقلیدی اماموں کے ساتھ علامہ کشمیری نے کس زمانہ میں کن شرائط و قیود کے تحت کن اسباب ومحرکات کی وجہ سے کس انداز وطریق کی وفاداری ونمک حلالی کا عہد و پیمان کیا تھا، جس کی خلاف ورزی کے مرتکب موصوف زندگی بھر رہے، لیکن جب بوڑھے ہو کر صبر وضبط اور ادب سے محروم ہونے لگے تو اپنے اس عہد و پیمان کو نبھانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے؟

انوار الباری کا ماخذ مصنف انوار کے حسب بیان:

انوار الباری کے فضائل و کمالات کے اظہار کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا گیا ہے کہ اسے ''مجموعہ افادات حضرت امام العصر، حافظ حدیث علامہ انور شاہ کشمیری و دیگر اکابر محدثین'' قرار دیا گیا ہے[1]:

حالانکہ اس میں مصنف انوار نے اپنی اور اپنے ہی جیسے بعض لوگوں کی اختراع کردہ بہت سی باتیں بھی شامل کر دی ہیں جو علامہ انور شاہ اور اکابر محدثین کی بہت سی تصریحات کے بالکل خلاف ہیں۔ یہاں چند نمونوں کا ذکر خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

بقول انور شاہ امام صاحب نے کسی صحابی سے روایت نہیں کی:

چنانچہ انور شاہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ:

وفي مسند الإمام أبي حنيفة الثنائيات أيضا، وقد مر أنه تابعي رؤية، و تبع التابعي رواية، فإنه ثبت رؤيته أنساً عند الكل، وادعى العيني أنه رأي سبعة من الصحابة، وردها العلامة القاسم

[1] ملاحظہ ہو: ''انوار الباری'' کی ہر جلد کا سرورق یعنی ٹائیٹل پیج.

بن قطلوبغا، وقال إنه لم يثبت له غير رؤية أنس، وقال الحافظ ابن حجر: إن العلامة القاسم بن قطلوبغا متقن، وهو في اصطلاحهم من لا يغلط في أسماء الرواة وألفاظ الحديث ... ثم إن مسند الإمام إنما جمع بعده، والمتداول في الأيدي هو مسند الخوارزمي وهو المشهور بمسند الإمام. الخ"[1]

یعنی مسند امام ابی حنیفہ میں صحابہ سے امام ابوحنیفہ کی براہ راست روایات موجود ہیں، مگر ہمارا یہ بیان گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ صرف ایک صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھے ہوئے ہیں، وہ کسی صحابی سے روایت نہیں کر سکے ہیں، اس لیے وہ محض باعتبار دیدار تابعی ہیں، ورنہ روایت کے اعتبار سے تبع تابعی ہیں، یعنی باعتبار روایت تابعی نہیں ہیں۔ اگر چہ عینی حنفی نے دعوی کیا ہے کہ امام صاحب نے سات صحابہ کو دیکھا ہے، مگر علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی نے عینی کے اس دعویٰ کو مردود کہتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت انس کے علاوہ امام صاحب کا کسی اور صحابی کو دیکھنا ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے علامہ قاسم بن قطلو بغا کو متقن کہا ہے، اور اصطلاح محدثین میں متقن ایسے محدث کو کہتے ہیں جس سے اسماء رواۃ اور الفاظ حدیث میں غلطی نہ ہوا کرے ...اور مسند ابی حنیفہ، جس میں صحابہ کرام سے امام ابوحنیفہ کی روایات موجود ہیں، امام صاحب کی موت کے بعد مرتب کی گئی ہے اور جو مسند ابی حنیفہ لوگوں میں متداول اور مروج ہے، وہ ساتویں صدی کے ایک شخص خوارزمی کی مرتب کردہ ہے۔''

علامہ انور شاہ کے علاوہ مشہور حنفی عالم علامہ طاہر پٹنی گجراتی مصنف مجمع بحار الانوار کا بھی یہی فیصلہ ہے[2] جن کے علم وفضل کی مصنف انوار نے بڑی تعریف وتوصیف کی ہے۔[3] شاہ عبدالعزیز دہلوی، ابوزہرہ اور علامہ شبلی جیسے حنفی عالموں کا بھی یہی فیصلہ ہے۔[4]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہے کہ انور شاہ نے پوری صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ صرف ایک صحابی حضرت انس کو دیکھ سکے ہیں اور حضرت انس کو بھی صرف دیکھا ہے، ان سے حدیث کی روایت نہیں کر سکے ہیں۔ نیز شاہ صاحب کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ عینی حنفی جیسے لوگوں کا یہ دعویٰ مردود ہے کہ امام صاحب نے سات صحابہ کو دیکھا ہے، جیسا کہ ان کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے:

"وادعى العيني أنه رأى سبعة من الصحابة، وردها العلامة القاسم بن قطلوبغا."

شاہ صاحب نے مذکورہ بالا بات عینی کے دعویٰ کی تردید کے لیے کہی ہے۔

انور شاہ کی تصریحات سے مصنف انوار کی مخالفت:

اب ذرا انوار الباری موسوم بمجموعہ افادات امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری کی درج ذیل تصریح بھی ملاحظہ ہو:

''امام ابوحنیفہ ۸۷ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے، وہاں حضرت عبداللہ بن الحارث ابن جزء صحابی سے ملے

---

[1] فيض الباري في شرح البخاري، كتاب العلم (١/ ٢٠٢)

[2] ملاحظہ ہو: مجمع بحار الأنوار (٣/ ٥٤٧)

[3] مقدمه انوار الباري (٢/ ١٦٩)

[4] حواشی حیات ابی حنیفہ للعلامہ عطاء اللہ حنیف (ص: ۱۰۸)

اور حدیث سنی، پھر ۹۶ھ میں دوبارہ حج کو گئے، اور جو صحابہ زندہ تھے، ان سے ملے۔ درمختار میں ہے کہ امام صاحب نے بیس صحابہ کو دیکھا۔ خلاصہ واکمال فی اسماء الرجال میں ہے کہ چھبیس صحابہ کو دیکھا۔"[1]

"علامہ ابو القاسم بن ابی العوام نے بڑی تفصیل سے امام صاحب کے معاصر صحابہ کا تذکرہ کیا ہے، اس کے علاوہ مسند حصفکی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی ایک روایت موجود ہے .... نیز حافظ موفق نے اپنی سند سے بھی امام ابو یوسف کے واسطے سے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت انس سے سنا کہ .... اسی طرح موفق نے کئی روایات امام ابو یوسف وغیرہ کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی زبانی نقل کیں۔ اس سے مخالفین ومعاندین کی یہ بات بھی رد ہوگئی کہ امام صاحب کی کوئی روایت کسی صحابی سے ثابت ہوتی تو آپ کے اصحاب اس کو ضرور روایت کرتے۔ ملاحظہ کر لیجیے کہ امام ابو یوسف ہی سے کتنی روایات منقول ہیں۔"[2]

مصنف انوار کی زبانی انورشاہ معاند ابی حنیفہ رحمہ اللہ:

مصنف انوار کے اس بیان کا مطلب بہت واضح ہے کہ امام صاحب نے چھبیس صحابہ کو دیکھا اور کئی ایک سے ملاقات و روایت کی اور جو لوگ مصنف انوار کے اس دعوی کو صحیح نہ مانیں وہ حنفی اماموں اور حنفی مذہب کے معاندین ومخالفین ہیں۔ اور ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے استاد خصوصی اور خسر محترم علامہ انورشاہ کشمیری اور علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی وغیرہ مصنف انوار کے اس دعوی کو صحیح نہیں مانتے، بلکہ مردود اور مکذوب مانتے ہیں۔ لہٰذا انورشاہ کشمیری وغیرہ مصنف انوار کے دعوی وتصریح کے مطابق حنفی اماموں اور حنفی مذہب کے معاندین ومخالفین قرار پائے!

اسی طرح وہ تمام حنفی وغیر حنفی علماء ومحدثین بقول مصنف انوار حنفی ائمہ وحنفی مذہب کے معاند ومخالف قرار پا گئے جو کسی صحابی سے امام صاحب کی شاگردی وروایتِ حدیث کے دعویٰ کو صحیح نہیں مانتے۔ حتی کہ مصنف انوار نے جن حضرات کو انصاف پسند، حق پرست، غیر متعصب اور غیر معاند تسلیم کیا ہے، وہ بھی معاندین ومخالفین ابی حنیفہ قرار پائے مثلاً مصنف عقود الجمان، خیرات الحسان، وتبییض الصحیفہ وغیرہ، کیونکہ یہ حضرات بھی صرف اس بات کے قائل ہیں کہ امام صاحب صرف ایک صحابی حضرت انس کو دیکھ سکے ہیں اور کسی بھی صحابی سے ملاقات یا روایت نہیں کر سکے۔ (کما سیأتي)

ناظرین کرام فیصلہ فرمائیں کہ مجموعہ افاداتِ انورشاہ کہہ کر شائع کی جانے والی کتاب انوار الباری میں علامہ انورشاہ کشمیری کی تصریحات کے بالکل خلاف یہ دعویٰ کہ امام ابوحنیفہ نے چھبیس صحابہ کو دیکھا اور کئی ایک سے ملاقات کر کے ان کے شاگرد بنے اور جو لوگ اس دعوی کو صحیح نہ مانیں وہ حنفی مذہب کے معاندین ومخالفین ہیں، کیا معنی رکھتا ہے؟ خصوصاً ایسی صورت میں کہ مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ انوار الباری میں افراط وتفریط سے ہٹ کر صرف معتبر وصحیح باتیں کہی گئی ہیں؟ کیا مصنف انوار کا خالص دینی، علمی وتحقیقی نقطۂ نظر یہی ہے کہ مجموعہ افاداتِ انور کے نام سے ایسی باتیں شائع کریں جو انورشاہ کشمیری کی تصریحات کے خلاف ہیں اور جن سے انورشاہ جیسے غالی ترین حنفی مقلد بھی امام ابوحنیفہ ائمہ احناف وحنفی مذہب کے مخالف ومعاند قرار پائیں اور انورشاہ کے ساتھ جملہ محدثین واہل علم بھی معاندین ومخالفین کے زمرہ میں آ جائیں؟ کیا مصنف انور کا خالص دینی

[1] مقدمه انوار الباري (۱/ ۵۰)　[2] مقدمه انوار (۱/ ۵۲)

وعلمی نقطۂ نظر یہی ہے کہ ایک ایسے شخص کو صحابہ کا شاگرد اور بلا واسطہ ان کی بیان کردہ احادیث کا راوی قرار دیا جائے جو فی الحقیقت ان کا شاگرد نہ ہو؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار نے امام صاحب رحمہ اللہ اور ان صحابہ کی طرف غلط بات منسوب کی ہے۔

مصنف انوار کو یہ اختیار تو ضرور ہے کہ اپنے استاد انور شاہ یا کسی بھی صاحب علم سے اختلاف کریں، لیکن اپنے استاد و اکابر محدثین کے خلاف لکھی ہوئی اپنی بات کو اپنے استاد اور اکابر محدثین کے افادات وتصریحات وفرمودات کا مجموعہ قرار دینا یقیناً دیانتداری نہیں ہے۔

ناظرین دیکھ آئے ہیں کہ انور شاہ نے امام صاحب کو صحابہ کا شاگرد ثابت کرنے کے لیے ان کتابوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا جن کو مصنف انوار نے دلیل و حجت بنا کر امام صاحب کو صحابہ کا شاگرد قرار دیا ہے۔ صرف اتنی ہی بات سے مصنف انوار کی علمی امانت و دیانت ظاہر ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ از روئے تحقیق انور شاہ کا یہ دعویٰ بھی غیر صحیح ہے کہ تمام لوگوں کے نزدیک امام ابو حنیفہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی صحابی کو امام صاحب کا دیکھنا ثابت نہیں اور اہل تحقیق نے اسی بات کی تصریح بھی کی ہے۔ (كما سيأتي التفصيل)

علامہ قاسم بن قطلو بغا کا تذکرہ:

اوپر علامہ انور شاہ کی یہ تصریح آ چکی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ قاسم ابن قطلو بغا کو متقن محدث کہا ہے، اور علامہ انور شاہ کا اپنا فیصلہ یہ ہے کہ قاسم بن قطلو بغا حفاظ کے زمرہ میں آتے ہیں، اگر چہ وہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مقام و درجہ کو نہیں پہنچ سکے۔❶

مگر انوار الباری کو مجموعہ افاداتِ انور قرار دینے والے مصنف انور فرماتے ہیں:

”علامہ قاسم بن قطلو بغا کا مقام و مرتبہ علم و فضل میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے بڑھا ہوا ہے، پھر بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ احناف میں محدثین کی کمی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ دوسروں کی طرح ان کے لیے پروپیگنڈہ کا فن نہیں استعمال کیا گیا۔“❷

ناظرین خود فیصلہ کریں کہ تصریحاتِ شاہ انور کے خلاف انوار الباری میں اپنی خود ساختہ باتیں لکھنے کے باوجود مصنف انوار اپنے اس دعوی میں کتنے سچے ہیں کہ انوار الباری علامہ انور کے افادات کا مجموعہ ہے؟ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار ایک طرف علامہ قاسم کی تحقیقات کو بے وقعت بنا کر مدعی ہیں کہ امام صاحب رحمہ اللہ صحابہ کرام کے شاگرد ہیں اور دوسری طرف علمائے اہلحدیث پر تعریض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احناف میں علامہ قاسم جیسے محدث کی موجودگی کے باوجود کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ احناف میں محدثین کی کمی ہے۔ حالانکہ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ علامہ قاسم جیسے حنفی محدث کی ناقدری خود مصنف انوار کر رہے ہیں کہ ان کے جس فیصلہ کو انور شاہ کشمیری جیسے بزرگ نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے دلیل بنایا، اس کو انھوں نے رد کر دیا۔ اسی طرح مصنف انوار اس امر کے بھی مدعی ہیں کہ دوسری صدی کے بعد اکثر محدثین نے احناف کے ذکر و اذکار کو نظر انداز کر دیا، خصوصاً حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو حنفیوں کے معاملہ میں تنگ نظر اور متعصب قرار دیا۔

❶ فيض الباري (١/ ٢٠٢)

❷ ملاحظہ ہو: أنوار الباري کا مقدمہ (١/ ٢٣٦) تذکرہ ابن أبي شيبة (٢/ ١٥٤) تذکرہ قاسم ابن قطلوبغا.

ابن قطلو بغا حنفی کی مدح سرائی غیر حنفی محدثین کی زبانی:

حالانکہ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ بقول انور شاہ کشمیری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ قاسم بن قطلو بغا کو متقن محدث قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ قاسم بن قطلو بغا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، حافظ ابن حجر نے اپنے حنفی شاگرد کے فضل و کمال کا اتنی فراخدلی سے اظہار کیا۔ پھر بھی وہ مصنف انوار کی نظر میں حنفیوں کے ساتھ متعصب و تنگ نظر ہی رہے! لطف کی بات یہ ہے کہ علامہ قاسم کے تعارف و ترجمہ کے لیے مصنف انوار کو "الرسالة المستطرفة للكتاني" اور "شذرات الذهب للعماد" سے مواد ملا اور دنیا جانتی ہے کہ یہ دونوں کتابیں غیر حنفی محدثین کی تالیف ہیں۔ اسی طرح امام سخاوی نے علامہ قاسم کا تعارف "الضوء اللامع " میں بہت تفصیل کے ساتھ تقریباً پانچ صفحات میں کرایا ہے اور ان کے علمی فضائل و محاسن نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہیں۔[1]

اسی طرح امام شوکانی رحمہ اللہ نے "البدر الطالع" (٢/ ٤٥ و ٤٦) میں ان کا تعارف کرایا اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص: ۱۳۹) و ذیل تذکرۃ الحفاظ للسیوطی میں بھی ان کا ترجمہ موجود ہے اور سب کو معلوم ہے کہ سخاوی، سیوطی رحمہم اللہ اور صاحب تحفۃ الاحوذی سب کے سب غیر حنفی محدثین ہیں۔ ان سب نے اگرچہ علامہ قاسم حنفی کے علمی فضائل کا تذکرہ بخوبی کیا پھر بھی مصنف انوار کو شکایت ہے کہ حنفی محدثین کے ذکر و اذکار کو محدثین کرام نے نظر انداز کیا، یا یہ کہ محدثین کرام احناف کے تذکرہ میں تعصب و تنگ نظری سے کام لیتے تھے، حالانکہ مذکورہ بالا جن محدثین نے قاسم بن قطلو بغا کا تذکرہ فراخدلی سے کیا ہے، وہ زمرۂ محدثین میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں ؎

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

بقول انور شاہ فقہ اکبر ابوحنیفہ کی تصنیف نہیں:

علامہ انور شاہ نے امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور مشہور و معروف حنفی فقیہ ابو مطیع بلخی کو علم حدیث میں غیر معتبر و ناقابل حجت قرار دیا اور فقہ اکبر نامی کتاب کو انھی ابو مطیع کی تصنیف کہا اور واضح طور پر تصریح کی کہ فقہ اکبر امام ابوحنیفہ کی تصنیف نہیں ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"وأما ما نسب إليه في الفقه الأكبر فالمحدثون على أنه ليس من تصنيفه، بل من تصنيف تلميذه أبي مطيع البلخي، وقد تكلم فيه الذهبي، وقال: إنه جهمي، أقول: ليس كما قال، ولكنه ليس بحجة في باب الحديث، لكونه غير ناقد ... والصواب أنها ليست للإمام."[2]

یعنی امام ابوحنیفہ کی طرف فقہ اکبر کا انتساب بقول محدثین کرام غلط ہے، بلکہ یہ کتاب ان کے شاگرد ابو مطیع بلخی کی تصنیف ہے، جس کو امام ذہبی نے مجروح قرار دے کر جہمی بھی کہا۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہ جہمی نہیں ہیں، البتہ حدیث میں حجت و معتبر نہیں کیونکہ یہ صاحب نقد نہیں تھے اور بھی کئی کتابیں مثلاً کتاب العالم والمتعلم،

[1] الضوء اللامع (٦/ ٨٤، ٩٦)

[2] فيض الباري: كتاب الإيمان (١/ ٥٩)

وسیط صغیر، وسیط کبیر وغیرہ بھی امام صاحب کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں۔ صحیح وصواب بات یہ ہے کہ یہ کتابیں امام صاحب کی تصنیف کردہ نہیں ہیں۔

حاصل یہ کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف نہیں مانتے، مگر مصنف انوار اسے امام صاحب ہی کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح شاہ صاحب نے مذکورہ بالا جن کتابوں کو امام صاحب کی تصانیف ہونے سے انکار کیا ہے اور امام صاحب کی طرف ان کے انتساب کو غلط بتلایا ہے، مصنف انوار ان سب کتابوں کو نہ صرف یہ کہ امام صاحب کی تصنیف مانتے ہیں بلکہ دوسروں سے بھی منوانا چاہتے ہیں۔ ❶

بایں ہمہ مصنف انوار انوار الباری کو مجموعہ افاداتِ علامہ انور قرار دیتے ہیں!!

مصنف انوار کی زبانی ابومطیع کی مدح سرائی:

اسی طرح شاہ صاحب نے ابومطیع کو علم حدیث میں غیر معتبر و غیر حجت قرار دیا ہے، مگر مصنف انوار ابومطیع کو ان معتبر و ثقہ فقہائے احناف میں شمار کرتے ہیں جنہوں نے امام صاحب کے ساتھ مل کر فقہ حنفی کی تدوین کی۔ یعنی مصنف انوار کے نزدیک موصوف بہت معتبر ہیں، ورنہ ان کی مدون کردہ فقہ کو اپنا دین و مذہب ہرگز نہ قرار دیتے۔

مزید یہ کہ مصنف انوار نے ابومطیع کے فضائل و مناقب میں مبالغہ آرائی کرتے ہوئے موصوف کو علامہ کبیر، محدث وفقیہ شہیر اور فقہ حنفی کی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن رکین وغیرہ قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابومطیع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بڑا اہتمام رکھتے تھے۔ اور امام عبداللہ بن المبارک سے نقل کیا کہ ابومطیع کا احسان تمام دنیا والوں پر ہے۔ تدوین فقہ کے کام کی وجہ سے ابن المبارک ابومطیع کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ اسی طرح ابو یوسف بھی ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے، ابن رزین کا بیان ہے کہ میں ان کے ساتھ بغداد پہنچا، تو امام ابو یوسف نے ان کا استقبال کیا اور گھوڑے سے اتر گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر مسجد لے گئے اور علمی مسائل پر گفتگو کی۔ ❷

نیز مصنف انوار نے مختلف مقامات چہل رکنی مجلس تدوین کے ہر رکن کو مشہور و معتبر محدث وفقیہ پر قرار دیا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان کے ذریعہ اپنے اس دعویٰ کی تکذیب کی کہ انوار الباری مجموعۂ افاداتِ انور ہے، کیونکہ اولاً علامہ انور شاہ نے فقہ اکبر کو امام ابوحنیفہ کی تصنیف کے بجائے ابومطیع کی تصنیف قرار دیا اور ابومطیع کو غیر معتبر و غیر حجت بتلایا۔ ثانیاً مصنف انوار نے اپنے اس بیان کے ذریعہ اپنے اس دعویٰ کی تکذیب کی کہ انوار الباری میں طریق اعتدال و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف صحیح، معتبر اور تحقیقی باتیں لکھی گئی ہیں، کیونکہ فقہ اکبر کو تصنیف ابی حنیفہ کہنا اور ابومطیع بلخی کو معتبر ماننا غیر صحیح اور خلاف تحقیق ہے۔ نیز ابومطیع کے فضائل میں مصنف انوار نے جو باتیں لکھی ہیں وہ سب کی سب مکذوب، غیر معتبر، غیر صحیح اور خلاف تحقیق ہیں۔ از روئے تحقیق ثابت ہے کہ ابومطیع ایک کذاب، وضاع، جھوٹا، بدعقیدہ، جہمی اور مرجی شخص تھا، اسے اہل سنت اور سنتوں سے بغض وعناد بھی تھا۔ (كما سيأتي)

---

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۵، ۱۲۶)
❷ مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۹)

ابو مطیع بلخی کا تذکرہ:

امام ابو حاتم رازی (مولود ۱۹۵ھ ومتوفی ۲۷۷ھ) نے ابو مطیع بلخی کو کذاب و مرجی کہا ہے۔ بقول محمود بن غیلان
"ضرب ابن معين و أبو خيثمة على اسمه وأسقطوه وقال ابن معين ليس بشيء"
یعنی ابن معین اور ابو خیثمہ نے اسے متروک قرار دے کر ساقط کر دیا۔ امام خلیلی رحمہ اللہ نے کہا:
"كان الحفاظ من أهل العراق وبلخ لا يرضونه"[1]

واضح رہے کہ جن امام ابن معین نے ابو مطیع کو سخت ضعیف قرار دے کر متروک و ساقط بتلایا ہے اور جن کی موافقت دوسرے ائمہ فن نے بھی کی ہے، انھیں مصنف انوار نے نہایت بلند پایہ امام الجرح والتعدیل اور متصلب حنفی کہا ہے۔ (كما سيأتي)
اسی طرح مصنف انوار نے امام ابو حاتم کو فن جرح و تعدیل کا امام تسلیم کیا ہے۔[2]

اور امام جوزجانی نے فرمایا کہ یہ شخص (ابو مطیع) ان لوگوں میں سے تھا جو حدیث وضع کرتے اور سنتوں سے بغض رکھنے والے تھے۔ نیز یہ فرقۂ مرجیہ کے سرداروں میں سے تھا۔ امام ابن حبان نے بھی ابو مطیع کے بارے میں اسی قسم کا کلام کیا امام ساجی رحمہ اللہ نے بھی اس کو متہم بالکذب قرار دیا ہے، امام نسائی، امام احمد بن حنبل، ابن سعد، ابن عدی رحمہم اللہ وغیرہم نے متفقہ طور پر اس کو ضعیف، غیر ثقہ اور مرجی کہا ہے، امام ابو داود رحمہ اللہ نے اس کو جہمی بھی کہا۔ نیز یہ کہا کہ "تركوه" یعنی اس کو اہل علم نے متروک قرار دیا ہے۔ امام ابوداود کے اس ارشاد کا ظاہری مفاد دوسرے اقوال ائمہ کے پیش نظر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص یعنی ابو مطیع بلخی کو عام محدثین نے متروک قرار دیا اور بعض لوگوں نے اس پر کفر کا فتویٰ بھی عائد کیا، حتی کہ اس شخص (ابو مطیع) نے جہمیوں اور مرجیوں کے عقیدہ کی تقویت کے لیے یہ حدیث بھی وضع کی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ رکھنا کفر اور شرک ہے۔"[3]

حتی کہ اس شخص نے اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کی شان میں فرمایا کہ "كذب والله" بخدا امام ابوحنیفہ جھوٹے ہیں، نیز اس نے امام ابوحنیفہ پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ جنت و دوزخ کے فنا ہوجانے کا عقیدہ رکھتے تھے۔[4] اس شخص نے امام نضر بن شمیل سے کہا کہ قرآن میں اسلام و ایمان اگرچہ دو طریق پر نازل ہوئے ہیں مگر میرے نزدیک صرف ایک طریق پر ہے۔ اس کی اس بات پر نضر نے کہا کہ تمھاری بات غلط ہے، یا اللہ، رسول اور جبرئیل کی؟ اس پر یہ خاموش رہا، احمد بن سیار نے کہا کہ یہ شخص مرجیہ کے رؤساء میں سے ہے۔[5] مصنف انوار نے جس روایت کو ابن المبارک کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے

---

[1] ملاحظہ ہو: لسان الميزان (۲/ ۳۳٤، ۳۳۵) و میزان۔ نیز ملاحظہ ہو: اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة (۱/ ۲۲، ۲۳) كتاب الإيمان، مطبوعہ علوی لکھنؤ، و كتاب الموضوعات لابن الجوزي (۱/ ۱۳۰) و شرح عقیده طحاويه (ص: ۳۸۵)
[2] مقدمه انوار (۲/ ۸۱، ۸۲)
[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اللآلئ المصنوعة (ص: ۲۲، ۲۳، كتاب الإيمان) و ميزان الاعتدال (۱/ ۲٦۹) لسان الميزان (۲/ ۳۳٤، ۳۳۵) تاریخ خطيب (۸/ ۲۲۳ تا ۲۲۵) طبقات ابن سعد، قسم دوم (۸/ ۱۰۵) الفوائد البهية في تراجم الحنفية (ص: ۵۷ و ۵۸) كتاب الكنى للدولابي (۲/ ۱۱۷)
[4] خطيب (۱۳/ ۳۸٦)
[5] خطيب (۸/ ۲۲۵)

کہ ابو مطیع کا احسان تمام دنیا والوں پر ہے، اس کا تعلق مجلس تدوین سے تو خیر دور کا بھی نہیں، لیکن یہ روایت قطعی طور پر مکذوب و خانہ ساز ہے، کیونکہ اس کی سند کا دارو مدار حاتم بن میمون سقطی پر ہے۔[1]

اور سقطی مذکور کے بارے میں امام ابو حاتم نے فرمایا ہے: "لا یجوز الاحتجاج به" امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "منکر، کانوا یتقون مثل هؤلاء الشیوخ" امام ابن عدی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی سقطی مذکور کو ضعیف کہا ہے۔[2] واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جسے منکر کہتے ہیں اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس سے روایت حلال نہیں۔[3] سقطی سے یہ روایت محمد بن فضل بلخی نے نقل کی ہے اور یہ بھی سخت ضعیف ہے۔[4]

حاصل یہ کہ ابن المبارک کی طرف منسوب کردہ یہ روایت بھی غیر معتبر ہے، جسے مصنف انوار نے خالص علمی اور دینی خدمت کے نام پر معتبر کہہ کر دلیل و حجت بنا لیا ہے، یعنی کہ مصنف انوار نے امانت و دیانت کی مٹی پلید کر ڈالی ہے۔

نیز مصنف انوار کا یہ دعویٰ کہ بقول ابن رزین (صحیح ابن زریق ہے) ابو یوسف نے ابو مطیع کا گھوڑے سے اتر کر استقبال کیا اور مسجد میں لے جا کر ان سے علمی گفتگو کی۔ ایک کھلی ہوئی تلبیس اور ابن زریق کی جانب منسوب کردہ ایک مکذوبہ روایت میں تحریف ہے، کیونکہ اس روایت میں ابن زریق کا یہ بیان ہے کہ میں (قاسم بن رزیق) اور ابو مطیع بغداد آئے تو ابو یوسف سے ہماری ملاقات ہوگئی اور ابو یوسف نے ابو مطیع سے پوچھا کہ کیسے آئے؟ پھر ابو یوسف اپنی سواری سے اتر گئے اور دونوں یعنی ابو یوسف اور ابو مطیع مسجد میں گئے۔ "فأخذا في المناظرة" یعنی دونوں آپس میں مناظرہ کرنے لگے۔[5]

ناظرین کو معلوم ہے کہ مناظرہ دو مخالف فریقین میں کسی متنازعہ فیہ مسئلہ کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس روایت کا یہ مطلب بتلانا کہ ابو یوسف نے ابو مطیع کی تعظیم و تکریم کی اور استقبال کے لیے گھوڑے سے اتر گئے اور انھیں مسجد میں لے جا کر علمی گفتگو کی، درحقیقت اس روایت میں کھلی ہوئی تحریف ہے۔ اس میں تو اس بات کا اشارہ بھی نہیں کہ ابو یوسف نے تعظیم کی خاطر ابو مطیع کا استقبال کیا اور گھوڑے سے اتر گئے۔ اس روایت کے متن کے ساتھ مصنف انوار کا یہ رویہ ناظرین کرام پیش نظر رکھیں۔ پھر اس کی سند کے بارے میں اس حقیقت کو ملحوظ رکھیں کہ اس روایت کو عبدالصمد بن الفضل نے ابن زریق سے بصیغہ "بلغني" نقل کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں کے مابین کئی یا کم از کم ایک مجہول راوی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے مقدمہ صحیح مسلم میں اس معنی کی کئی احادیث نبویہ نقل کی ہیں کہ ابلیس کے کچھ چیلے انسانوں کی شکل میں خانہ ساز روایات بیان کریں گے اور یہ روایات لوگوں میں مشہور ہوں گی، مگر جب ان کے اصل راویوں کی تلاش ہوگی، تو نہیں ملیں گے۔ حاصل یہ کہ مجہول روایت مقبول نہیں۔

اسی طرح قاسم بن رزیق کا حال بھی نامعلوم ہے اور عبدالصمد بن الفضل (متوفی ۲۸۳ھ) کو امام ذہبی نے اپنی کتاب "دیوان الضعفاء والمتروکین" (ص: ۱۹٤) میں داخل کر کے فرمایا کہ "لا یصح" یعنی ان کی حدیث صحیح نہیں اور

---

[1] ملاحظہ ہو: تاریخ خطیب (۸/ ۲۲٤)

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، میزان الاعتدال (۱/ ۱۹۹) و تهذیب التهذیب (۲/ ۲۱٦، ۲۱۷) و تقریب التهذیب و خلاصه.

[3] میزان (۱/ ۵ ترجمة أبان بن جبله) [4] لسان المیزان (۵/ ۳٤۲ و ۵/ ٤۰۵) [5] خطیب (۸/ ۲۲۳)

اپنی دوسری کتاب میزان میں کہا کہ "له حديث يستنكر، وهو صالح الحال إن شاء الله"[1] یعنی اس سے ایک ایسی حدیث مروی ہے جو منکر سمجھی جاتی ہے اور ان شاء اللہ وہ ''صالح الحال'' راوی ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: "فما أدري هوذا أم غيره"[2] صالح الحال کا لفظ جس راوی کے بارے میں استعمال کیا گیا ہو اس کی رویت بلا متابع و شاہد مقبول نہیں (کتب مصطلح حدیث) یعنی یہ لفظ توثیق کا کوئی قوی صیغہ نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تعیین سے لاعلمی ظاہر کی اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو مستنکر بتلایا اور صالح الحال کے ساتھ ان شاء اللہ کے لفظ کا اضافہ کر کے ان کی تعیین میں شک کا اظہار کر دیا۔

حاصل یہ کہ اس روایت کی سند میں کئی علل پائی جاتی ہیں:

۱۔ ابن زریق غیر معروف ہیں۔

۲۔ ابن زریق اور عبدالصمد کی درمیانی سند نامعلوم ہے۔

۳۔ عبدالصمد بن الفضل بھی مجہول یا متکلم فیہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صرف ایک راوی کے مجہول ہونے کی بنا پر حدیث کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا تھا۔[3] پھر تقلید ابی حنیفہ کا دم بھرنے اور دعوی تحقیق و امانت داری رکھنے کے باوجود مذکورہ بالا روایت کو خالص علمی و دینی خدمت کے نام پر معتبر قرار دے کر دلیل و حجت بنا لینا کیا معنی رکھتا ہے؟

امر بالمعروف اور ابو مطیع:

جس روایت کی بنا پر ابو مطیع کو امر بالمعروف پر بہت زیادہ عامل بتلایا گیا ہے، وہ محمد بن الفضل بلخی کے بیان کردہ ایک قصہ سے ماخوذ ہے کہ خلیفہ وقت نے نابالغ بچے کو ولی عہد بنایا۔ اس کی خبر جب ابو مطیع کو ملی تو انھوں نے اس کے خلاف زور دار تقریر کی۔[4] مگر یہ محمد بن فضل بلخی، جن کا نام تاریخ خطیب میں کتابت کی غلطی سے بار بار محمد بن فضیل (بیاء التصغیر) چھپ گیا ہے۔[5] ان کو امام ابن النجار نے غیر معروف اور امام ابن طرخان نے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔[6]

نیز محمد بن فضل کے استاذ عبداللہ بن محمد عابدی بھی غیر معروف ہیں۔ مصنف انوار کی ہی طرح دائرۃ المعارف حیدر آباد میں تصحیح و تعلیق کی ذمہ داریوں کو سنبھالے ہوئے علمائے احناف نے لسان المیزان (۲/ ۲۳٤ و ۳۳۹) کے حاشیہ پر لکھا ہے:

> ''الفوائد البہیہ میں کتاب "العبر للذهبي" کے حوالے سے امام ابو داود کا یہ قول منقول ہے کہ ابو مطیع بہت بڑے آمرین بالمعروف میں سے تھے اور جو شخص ایسا ہوگا وہ سنن نبویہ سے بغض کیوں رکھے گا؟ بلکہ محدثین نے ابو مطیع کے محض حنفی ہونے کی بناء پر ان کے مثالب بیان کیے ہیں۔''

[1] ميزان الاعتدال.　　[2] لسان الميزان (٤/ ٢٢)

[3] ملاحظہ ہو: التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد رحمه الله، باب بيع التمر بالرطب.

[4] خطيب (٨/ ٢٢٤) ميزان الاعتدال (١/ ٢٦٩)

[5] یہ تصحیح ميزان الاعتدال (١/ ٢٦٩) و لسان الميزان (٢/ ٣٣٤) کی مدد سے کی گئی ہے۔

[6] ملاحظہ ہو: لسان الميزان (٥/ ٣٤٢، ٤٠٥، ترجمہ محمد ابن نصر بن عیسیٰ باہلی)

ہم کہتے ہیں کہ الفوائد البہیہ (ص: ۵۸) میں بحوالہ کتاب العبر للذہبی رحمہ اللہ امام ابوداود کا یہ قول منقول ہے کہ ''ابومطیع جہمی تھا، اس کو محدثین نے متروک قرار دیا ہے۔''[1] ذہبی نے میزان الاعتدال (۱/ ۲۶۹) میں بھی ابومطیع کی بابت امام ابوداود کا یہی قول نقل کیا ہے کہ ''یہ شخص جہمی تھا اور اسے محدثین نے متروک قرار دیا ہے۔'' میزان میں اس جرح شدید کے علاوہ ابو داود سے ابومطیع کی بابت کوئی کلمۂ مدح منقول نہیں۔ ناظرین کرام اسی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مصنف انوار کے برادران اہل تقلید اپنی محولہ کتابوں کی عبارتوں کو نقل کرنے میں کتنے دیانت دار ہیں؟

الفوائد البہیہ میں ابومطیع کی بابت امام ابو داود کے مذکورہ بالا ارشاد کے بعد یہ لفظ موجود ہے کہ "وبلغنا أنه من كبار الآمرين" الخ یعنی ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ ابومطیع کبار امر بالمعروف کرنے والوں میں سے ہے۔

یہ مقولہ امام ابو داود کا نہیں بلکہ درحقیقت اس کے قائل امام ذہبی ہیں، جنھوں نے محمد بن فضل بلخی کے اس طویل قصہ کو، جو ابومطیع کے بہت بڑے واعظ ہونے پر دلالت کرتا ہے، اختصار کے پیش نظر مختصر الفاظ یعنی "وبلغنا أنه الخ" میں بیان کرتے ہوئے اشارہ کر دیا ہے کہ یہ مقولہ محتاج سند ہے، کیونکہ "بلغنا" کا صیغہ خود بتلاتا ہے کہ اس کی سند تلاش کرنی چاہیے، اگر سند مضبوط ہے تو قابل وثوق واعتماد ہے، ورنہ نہیں۔ كما هو مصرح في كتب الأصول.

اور ہم بتلا آئے ہیں کہ ابومطیع کے آمر بالمعروف ہونے کی بنیاد جس روایت پر ہے وہ مکذوبہ ہے، کیونکہ اس کا دارو مدار محمد بن فضل جیسے غیر معتبر راوی پر ہے۔ اور اگر بالفرض ابومطیع کا بہت بڑا آمر بالمعروف و واعظ ہونا ثابت ہو تو اس سے اس کے کذاب، وضاع، جہمی، مرجی اور غیر ثقہ ہونے کی نفی نہیں ہوسکتی، کیونکہ کتنے واعظین اور آمرین بالمعروف کذاب و وضاع ہوا کرتے ہیں، جو جہمی و خارجی ہونے کے سبب سنن نبویہ اور اہل سنت سے بغض رکھنے کے باوجود جادو بیان مقرر ہوتے ہیں اور اپنے مواعظ کو دلچسپ و اثر انگیز بنانے کے لیے وضع حدیث کا کاروبار کرتے ہیں۔[2]

ابومطیع کے آمر بالمعروف ہونے کے مفروضہ کی بنیاد پر لسان المیز ان کے حنفی حاشیہ نگاروں کا یہ قول کہ ''امر بالمعروف کا اہتمام کرنے والا شخص سنتوں سے کیسے بغض رکھے گا؟'' اس لیے مردود ہے کہ اس شخص نے یہ حدیث وضع کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان میں کمی و زیادتی کا عقیدہ رکھنا شرک و کفر ہے۔[3]

حالانکہ قرآن مجید کی متعدد آیات، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ و تابعین سے ایمان میں کمی بیشی کا ثبوت موجود ہے۔ (كما سيأتي التفصيل) اس جگہ تفصیل میں پڑے بغیر ہم بطور اشارہ صرف ایک اہم بات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، وہ یہ کہ مصنف انوار الباری مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود بدری رضی اللہ عنہ کو فقہ حنفی کا مورث اعلیٰ قرار دیتے ہیں اور مدعی ہیں کہ مذہب حنفی کی عمارت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ پر قائم ہے۔[4]

اور امام احمد بن حنبل کی کتاب الایمان میں بسند صحیح عبداللہ بن عکیم سے مروی ہے:

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: کتاب العبر للذہبی رحمہ اللہ (۱/ ۳۳۰، واقعات ۱۹۹ھ)

[2] كتب مصطلح الحديث.

[3] الموضوعات لابن الجوزي (۱/ ۱۳۰) و میزان (۱/ ۲۶۹) و اللآلیء المصنوعة (ص: ۲۲، ۲۳)

[4] مقدمہ انوار الباری (۱/ ۳۸ و ۱۵۳، ۱۵۴ وغیرہ)

"عن ابن مسعود أنه كان يقول: اللهم زدنا إيماناً و يقيناً وفقهاً."

یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمارے ایمان، یقین اور فقہ میں اضافہ و زیادتی پیدا کر۔

امام طبرانی نے بسند صحیح یہ قول نقل کیا ہے:

"قال ابن مسعود: اليقين الإيمان كله، والصبر نصف الإيمان."[1]

"یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یقین پورے کا پورا ایمان اور صبر آدھا ایمان ہے۔"

مندرجہ بالا دونوں روایات صحیحہ کا حاصل معنی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایمان میں کمی، بیشی اور تجزّی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ مصنف انوار کا دعویٰ جب یہ ہے کہ مذہب حنفی کے مورث اعلیٰ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اور فقہ حنفی کی عمارت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ کی بنیاد پر قائم ہے تو ضروری تھا کہ اس بنیادی عقیدہ کے معاملہ میں حنفی مذہب حضرت ابن مسعود کے مذکورہ بالا عقیدے کے موافق ہوتا اور مصنف انوار الباری کے دعویٰ کے مطابق فقہ حنفی کی تدوین کرنے والی چہل رکنی مجلس تدوین کے سبھی اراکین بشمول ابو مطیع بلخی ایمان میں کمی، بیشی اور تجزی کے معتقد ہوتے، مگر حنفی مذہب حضرت ابن مسعود کے اس عقیدے کا نہ صرف مخالف ہے، بلکہ اس کی تدوین کرنے والی چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن رکین ابو مطیع بلخی نے ابن مسعود کے اس عقیدے کے کفر وشرک ہونے پر ثبوت فراہم کرنے کے لیے ایک حدیث گھڑ کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی۔ بلفظ دیگر ابو مطیع نے مذہب حنفی کے مورث اعلیٰ جلیل القدر صحابی کو کافر ومشرک ثابت کر دکھانے کے لیے ایک حدیث تک وضع کر ڈالی، اور نہ صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ بلکہ عام صحابہ وتابعین کے خلاف بھی اس شخص نے یہی جارحانہ کارروائی کی، کیونکہ نصوص کتاب وسنت کی پیروی میں عام صحابہ وتابعین کا یہی عقیدہ ومسلک تھا، صرف اتنی بات سے لوگ مصنف انوار کی حقیقت بیانی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

مصنف انوار کے استاذ علامہ انور کشمیری نے کہا ہے کہ "میں نے میزان الاعتدال میں ابو مطیع کی وضع کردہ اس روایت کو دیکھا اسے حافظ ذہبی نے ساقط قرار دیا ہے۔"[2]

نیز علامہ انور شاہ لکھتے ہیں:

"اگرچہ مشہور ہے کہ ہمارے امام ابو حنیفہ ایمان میں کمی بیشی کے منکر تھے مگر مجھے اس کی صحت میں تردد ہے، کیونکہ اس سلسلے میں امام صاحب سے کوئی چیز صحیح طور پر منقول نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے امام صاحب کو ایمان میں کمی بیشی کا معتقد بتلایا ہے، مگر ان کی نقل پر اعتماد کرنے میں مجھے اس لیے تردد ہے کہ موصوف پر غلبہ تفرد تھا، وہ غلط سلط باتیں لکھنے میں غیر محتاط تھے، لیکن طبقات الحنفیہ (جواہر المضیہ) میں ابراہیم بن میمون بلخی اور احمد بن عمران استر آبادی جیسے کبار حنفی اماموں کو ایمان میں کمی بیشی کا معتقد بتلایا گیا ہے۔"[3]

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ علامہ انور اولاً ابو مطیع کو ساقط الاعتبار مانتے ہیں، ثانیاً یہ کہتے ہیں کہ بعض اکابر حنفی ائمہ بھی ایمان میں کمی بیشی کے معتقد تھے، حتی کہ بقول ابن تیمیہ امام صاحب بھی اس کے معتقد تھے۔ بہر حال محشی لسان المیز ان

[1] ملاحظہ ہو: فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الإيمان (١/ ٤٨)
[2] فيض الباری (١/ ٥٩)
[3] فيض الباري (١/ ٥٩، ٦٠) جواهر المضية (١/ ٥١، ٥٢ و ٨٥، ٨٦)

مصنف انوار سے پیچھے رہے کہ انھوں نے ابو مطیع سے صرف بغض وعناد کی نفی کرنے کی کوشش کی تھی، کذاب و غیر معتبر ہونے کی نہیں، مگر مصنف انوار نے انھیں فقہ حنفی کا مدون قرار دے کر حنفیوں کا معتمد علیہ امام بنا دیا۔

ناظرین دیکھ آئے ہیں کہ ابو مطیع کو امام ابو داود نے جہمی کہا ہے اور دوسرے ائمہ نے مرجی مگر درحقیقت دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، جہمیت وارجاء درحقیقت ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اس کے باوجود مصنف انوار کے استاذ علامہ انور کشمیری نے کہا ہے کہ ابو مطیع کو امام ذہبی رحمہ اللہ نے جو جہمی کہا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ حالانکہ ناظرین دیکھ آئے ہیں کہ ابو مطیع کو امام ذہبی نے اپنی طرف سے جہمی نہیں کہا ہے، بلکہ ائمہ جرح و تعدیل میں سے نہایت مشہور محدث امام ابوداود سے نقل کیا ہے کہ یہ شخص جہمی تھا۔

امام احمد نے اس کے جہمی ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"حكوا أنه يقول: الجنة والنار ستفنيان، وهذا كلام جهم."[1]

یعنی اہل علم نے ابو مطیع کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے کہ جنت وجہنم فانی ہیں اور یہ جہم کا عقیدہ ہے۔

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے اس روایت پر یہ کلام کیا ہے کہ امام احمد جن سے یہ روایت نقل کرتے ہیں ان کا نام معلوم نہیں ہوسکا، اس لیے یہ روایت معتبر نہیں ہے۔[2] حالانکہ اس میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ امام احمد نے جن لوگوں سے یہ روایت نقل کی ہے، اگرچہ ان کے نام معلوم نہیں، مگر یہ معلوم ہے کہ امام احمد انھی لوگوں سے روایت کرتے ہیں جو ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔[3]

علاوہ ازیں امام احمد نے یہ روایت "حکوا" کے صیغہ جمع کے ساتھ نقل کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے یہ روایت ایک جماعت سے نقل کی ہے جو کم سے کم تین افراد پر مشتمل ہے، اور ایک ایسی پوری جماعت کی روایت، جو امام احمد کے نزدیک ثقہ ہو، یقیناً معتبر ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ امام احمد نے یہ روایت معرض استدلال میں نقل کی ہے۔

چہل رکنی مجلس تدوین فقہ اور ابو مطیع بلخی:

لطف کی بات یہ ہے کہ ابو مطیع اہل علم کی حسب تصریح ۱۱۵ھ میں پیدا ہوا۔[4] اور مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ ۱۱۵ھ میں پیدا ہونے والا یہ ابو مطیع چہل رکنی مجلس تدوین فقہ حنفی کے ان اراکین میں سے تھا جو مجلس تدوین کی تاسیس کے وقت مشاہیر فقہاء و کبار محدثین کی حیثیت سے تدوین فقہ کے لیے منتخب کیے گئے تھے، اور مصنف انوار کے مختلف دعاوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مجلس کی تاسیس ۱۲۰ھ میں یا اس سے بھی پہلے ہوئی تھی۔ (كما سيأتي التفصيل)

ظاہر ہے کہ جس مجلس کی تاسیس ۱۲۰ھ میں یا اس سے بھی پہلے ہوئی اس کی تاسیس کے وقت اس کے اراکین میں ابو مطیع کا فقیہ، مجتہد و محدث کی حیثیت سے شریک ہونا ناممکن ہے، کیونکہ ۱۲۰ھ سے پہلے ابو مطیع کی عمر پانچ سال سے بھی کم ہوگی اور

---

[1] ميزان الاعتدال.　[2] تانیب (ص: ۷۲ تا ۱۷٤)

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التنکیل (۱/ ٤۲۸ ـ ٤۳۰، ترجمہ محمد بن اعین ابو الوزیر) و فتح المغیث (ص: ۱۳٤)

[4] خطیب، لسان وغیرہ۔

پانچ سال سے کم عمر بچے کا فقیہ، مجتہد اور محدث کی حیثیت سے کسی علمی مجلس کا رکن ہونا ناممکن ہے۔

مگر مصنف انوار حنفی مذہب کی مدح سرائی کی خاطر ناممکن کو ممکن بنانے پر تازہ دم نظر آتے ہیں۔ چہل رکنی مجلس تدوین کی پوری کہانی سو فیصدی جھوٹ اور افسانوی ہے، جس پر مفصل بحث آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

ابو مطیع اور مصنف مشائخ بلخ:

ناظرین کرام نے ملاحظہ فرما لیا ہے کہ ابو مطیع کو ائمہ جرح و تعدیل نے غیر ثقہ و کذاب حتی کہ علامہ انور شاہ جیسے غالی حنفی مقلد نے بھی ساقط الاعتبار قرار دیا ہے، لیکن مصنف انوار کی طرح کوثری گروپ کے ایک اور صاحب قلم ڈاکٹر محمد محروس نے اپنی کتاب "مشائخ بلخ من الحنفية" کے متعدد مقامات پر اس کذاب اور غیر ثقہ جہمی کی مدح سرائی کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ موصوف مجروح و ساقط نہیں تھے، بعض لوگوں نے صرف جہمیت کا ان پر غلط الزام لگایا ہے۔❶

حالانکہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ موصوف کا جہمی العقیدہ ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے، اسی طرح موصوف کا غیر ثقہ ہونا بھی ثابت ہے۔ مصنف مشائخ بلخ نے بے سند مکذوبہ طور پر بیان کی ہوئی یہ بات بھی نقل کر دی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ابو مطیع کی مدح کی ہے۔❷

مصنف انوار نے امام ابو حنیفہ کے بعض تلامذہ سے نقل کیا ہے کہ ہم نے جو بات بھی مسائل فقہیہ کے سلسلے میں کہی ہے وہ بات امام ابو حنیفہ نے بھی ضرور کہی ہے۔ مصنف انوار نے اپنی یہ بات بڑے فخر سے حنفی مذہب اور حنفی اماموں کے اثباتِ فضیلت کے لیے کہی ہے۔ اس پر مفصل گفتگو آگے آ رہی ہے۔ یہاں اشارہ کے طور پر عرض ہے کہ مصنف مشائخ بلخ نے ابو مطیع کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ آب کثیر و قلیل کی حد فاصل بیس ہاتھ لمبا اور بیس ہاتھ چوڑا حوض ہے، یعنی اس سے کم پانی آب قلیل ہے اور زیادہ آب کثیر ہے۔❸

حالانکہ مشائخ بلخ کے مصنف کا دعوی ہے کہ امام صاحب نے یہ تحدید نہیں کی ہے، اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں، حتی کہ بعض احناف نے دہ در دہ کی تحدید کو بھی خالی از دلیل قرار دیا ہے۔❹

امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے ان اختلافات کی معلوم نہیں مصنف انوار کیا توجیہ فرماتے ہیں، آخر امام صاحب کے بہت سے تلامذہ آمین بالجہر، رفع الیدین اور فاتحہ خلف الامام کے بھی قائل تھے، تو کیا امام صاحب بھی آمین بالجہر اور رفع الیدین کرتے اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے؟ اور امام صاحب کے بعض تلامذہ بلا شک جہمی العقیدہ اور رافضی تھے، دریں صورت مصنف انوار کیا فرماتے ہیں کہ امام صاحب بھی اپنے ان تلامذہ کے عقائد و افکار کے کسی زمانہ میں حامل تھے؟

امام بخاری کے استاذ نعیم بن حماد کی شان میں انور شاہ اور مصنف انوار کی گستاخیاں:

امام بخاری کے استاذ امام نعیم کی بابت مصنف انوار اور علامہ انور کی متعدد باتوں کا ذکر آ چکا ہے، اس جگہ علامہ انور کا ایک اور بیان ملاحظہ ہو:

---

❶ ملاحظہ ہو: مشائخ بلخ من الحنفية (١/ ١٥٦ وغیرہ)

❷ مشائخ بلخ (١/ ٨٠ و ١٥٦ وغیرہ)

❸ مشائخ بلخ (١/ ٢١٨)

❹ مشائخ بلخ (١/ ٢١٧)

''امام بخاری کے استاذ نعیم بن حماد خزاعی انھی ابو مطیع کے کاتب (منشی) تھے، اس لیے نعیم بن حماد، امام ابو حنیفہ کے مخالف بھی تھے اور امام صاحب کے مثالب میں دوسروں کی بیان کی ہوئی جھوٹی باتوں کو بلا تکلف بیان کرتے تھے، کیونکہ امام صاحب کے مثالب بیان کرنے میں وہ (نعیم) لذت محسوس کرتے تھے، ورنہ وہ بذات خود ثقہ، صدوق اور معتبر امام تھے، ان کی روایت کردہ احادیث معتبر ومعتمد علیہ ہیں۔''❶

پہلے بھی یہ کہا جا چکا ہے کہ مصنف انوار نے بھی شاہ انور سے یہی نقل کیا ہے کہ امام نعیم صدوق، ثقہ اور حجت ہیں، کیونکہ وہ صحیح بخاری کے راوی ہیں، حتی کہ کتب طبقات الحنفیہ میں نعیم کو حنفی بھی کہا گیا ہے۔❷

اس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ انور شاہ نعیم کو وضّاع وکذّاب نہیں مانتے، صرف یہ سمجھتے ہیں کہ وہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں دوسرے کذاب لوگوں کی وضعی روایات کو بلا احتیاط مزہ لے کر بیان کر دیا کرتے تھے، مگر علامہ شاہ انور کے اس تصریحی فرمان کے برعکس مصنف انوار، انوار الباری کو مجموعہ افاداتِ انور قرار دینے کے باوجود فرماتے ہیں:

''ازدی وغیرہ نے کہا ہے کہ نعیم ابو حنیفہ کی تنقیص میں جھوٹی روایات گھڑا کرتے تھے اور تقویتِ سنت کے خیال سے حدیثیں بھی بنا لیا کرتے تھے۔''❸

نیز یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار نے شاہ صاحب کی طرف یہ بھی منسوب کیا ہے کہ وہ امام نعیم کو کذاب کہتے تھے، یعنی موصوف مصنف انوار خود بھی تضاد بیانی کرتے اور اسے اپنے شاہ صاحب کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں، مصنف انوار کے اس طرز عمل سے بھی ان کی صداقت و دیانت اور امانت کا پورا پتہ لگتا ہے۔

موصوف انور شاہ صاحب کا یہ فرمان بھی عجیب ہے کہ چونکہ امام نعیم ابو مطیع کے منشی تھے، اس لیے مثالب ابی حنیفہ میں جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی باتوں کو بیان کرنے میں لذت محسوس کرتے۔ کیونکہ علمائے رجال میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ امام نعیم ابو مطیع کے منشی تھے، البتہ بعض اہل علم نے یہ بات ضرور کہی ہے کہ وہ ابو عصمہ نوح بن مریم کے منشی تھے۔❹

اور ابو عصمہ بھی کذاب، وضاع اور بقول مصنف انوار حنفی فقیہ اور مجلس تدوین فقہ حنفی کے رکن رکین تھے۔❺ مگر سوال یہ ہے کہ علامہ انور کی یہ تعلیل کس دلیل پر مبنی ہے کہ امام نعیم چونکہ ابو مطیع کے کاتب (منشی) تھے، اس لیے مثالب ابی حنیفہ میں جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی روایات کے نشر و اشاعت میں لذت محسوس کرتے تھے؟ کیا کسی جھوٹے شخص کے ثقہ وصدوق کاتب کے لیے یہ بات لازم ہوتی ہے کہ وہ اس جھوٹے کے استاذ محترم کے مثالب بیان کرے؟

یہ عجیب بات ہے کہ ''امام العصر و حافظ حدیث علامہ'' کے لقب سے ملقب ہونے کے باوجود علامہ انور شاہ صاحب نے امام نعیم کی بابت میزان الاعتدال کے اس قول کہ "إن نعيما هذا كان يزور حكايات في أبي حنيفة" کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ ''امام نعیم رحمہ اللہ مثالب ابی حنیفہ رحمہ اللہ میں دوسرے جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی باتوں کو بیان کرنے میں لذت

❶ فيض الباري (٤/ ١٤٥) باب كم غزا النبي صلى الله عليه وسلم (١/ ٣٤٥)
❷ ملاحظہ ہو: أنوار الباري (٧/ ٤٥، ٤٦)
❸ مقدمه أنوار الباري (١/ ٣١ آخری سطر، اور نعیم جیسے وضاع الخ) مقدمه انوار البارى (١/ ٣٢)
❹ تهذيب التهذيب (١٠/ ٤٥٨) خطيب (١٣/ ٣٠٧)　❺ مقدمه انوار (١/ ١٦٩، ١٧٠)

محسوس کرتے تھے، ورنہ بذات خود وہ جھوٹے نہیں تھے۔" حالانکہ لغت وادب کی کسی دلیل سے بھی یہ نہیں ثابت کیا جا سکتا کہ میزان الاعتدال کی مذکورہ عبارت کا مطلب وہی ہے جو شاہ صاحب نے بتلایا ہے۔ نیز یہ عجیب بات ہے کہ ابو مطیع کے جہمی ہونے پر قائم شدہ دلائل سے اعراض کر کے موصوف کو غیر جہمی قرار دینے والے علامہ انور نے یہ دیکھنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں محسوس کی کہ امام نعیم پر الزام تزویر و کذب بیان کرنے والے بذات خود کیسے ہیں؟ حالانکہ امام نعیم کے بارے میں میزان الاعتدال (۳/ ۲۴۱) کے اندر یہ قول ازدی سے نقل کیا گیا ہے اور ازدی مذکور کا مختصر سا تعارف یہ ہے۔

ابو الفتح ازدی کا ترجمہ و تعارف:

"ازدی یعنی ابو الفتح محمد بن حسین ازدی (متوفی ۳۶۷ھ،۳۷۴ھ) کی بابت امام خطیب اور سمعانی نے فرمایا ہے کہ اس نے امیر بغداد کے لیے حدیث وضع کی تھی، یعنی یہ بذات خود کذاب تھا۔ امام برقانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا اور عبدالغفار ارموی نے کہا ہے کہ موصل کے اہل علم اس کو بہت ضعیف کہتے تھے اور اسے کچھ نہیں سمجھتے تھے۔"[1]

حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری زیر ترجمہ اسرائیل بن موسیٰ کہا: "والأزدي لا يعتمد إذا انفرد" اور احمد بن شعیب کے ترجمہ میں کہا: "لا عبرة بقول الأزدي لأنه هو ضعيف، فكيف يعتمد في تضعيف الثقات؟" تہذیب میں زیر ترجمہ احمد مذکور کہا: "الأزدي غير مرضي" علی بنانی رحمہ اللہ کے ترجمہ میں کہا: "زائغ عن القصد" حاصل یہ کہ ازدی غیر معتبر و غیر ثقہ ہے۔ حافظ ابن عبدالہادی نے بھی اسے وضاع و کذاب کہا ہے۔[2]

خود میزان الاعتدال کے مصنف امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ازدی مذکور کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا:

"وله كتاب كبير في الجرح والضعفاء، عليه فيه مواخذات."[3]

یعنی جرح و ضعفاء کی بابت اس شخص کی ایک بڑی سی کتاب ہے جس میں اس کی بہت سی باتوں پر علمی مواخذات ہیں۔

چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال کے سب سے پہلے ترجمہ میں اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ ازدی کی جرح نا قابل قبول ہے، کیونکہ وہ خود ہی مجروح ہے، فرماتے ہیں:

"وأبو الفتح بسرف في الجرح، وله مصنف كبير إلى الغاية في المجروحين، جمع فأوعى، وجرح خلقا بنفسه لم يسبقه أحد إلى التكلم فيهم، وهو متكلم فيه."[4]

یعنی یہ شخص جرح کرنے میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے مجروحین کے سلسلہ میں اس کی ایک بڑی سی کتاب ہے، اس میں اس نے بہت سے ایسے لوگوں کو مجروح قرار دیا ہے جن کو اس سے پہلے کسی شخص نے بھی مجروح نہیں کہا تھا۔ یہ شخص بذات خود مجروح ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں بھی امام ذہبی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ "وهى جماعة بلا مستند طائل"[5] یعنی اس ازدی

---

[1] خطیب (۲/ ۲۴۳، ۲۴۴) كتاب الأنساب للسمعاني (۱/ ۵۱) لسان الميزان (۵/ ۱۳۹، ۱۴۰)
[2] الصارم المنكي (ص: ۱۵۵)
[3] ميزان الاعتدال (۳/ ۴۶)
[4] (ميزان: ۱/ ۴)
[5] تذكره (۳/ ۱۷۶)

شخص نے بلا دلیل پوری ایک جماعت ہی کو مجروح قرار دے دیا ہے۔ اس کو بقول عبدالغفار ارموی علمائے موصل ضعیف، غیر معتبر اور لاشی محض سمجھتے تھے۔ تذکرہ کے بعض نسخوں میں "وھاہ جماعة" کا لفظ تسامح و کاتب کی غلطی سے چھپ گیا ہے، اس سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوسکتی ہے، وہ ہماری اس تفصیل کو ملحوظ رکھیں تو غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

ناظرین کرام! آپ ہماری اس تفصیل سے شاہ صاحب کی تحقیق پسندی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مولانا عبدالحئ فرنگی محلی بھی تو حنفی ہیں، انھوں نے ازدی مذکور کو ضعیف و مجروح مان کر اس کی جرحوں کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔[1]

لطف کی بات یہ ہے کہ ازدی مذکور کو مصنف انوار کے جہمی استاذ کوثری نے "رافضي المذهب والرأي" قرار دے کر اس کی جرح کو غیر معتبر کہا ہے۔[2]

مگر اس کے باوجود یہی کوثری، مصنف انوار اور ان کے امام العصر حافظ حدیث علامہ انور شاہ معلوم نہیں کن اصول جرح کے پابند ہیں کہ امام نعیم رحمہ اللہ کی بابت ازدی کے بیان کو غیر معتبر کہہ کر مردود نہیں قرار دے سکے۔ بہر حال علامہ انور شاہ کا یہ طرز عمل ایک بہت بڑا عجوبہ ہے کہ انھوں نے ازدی کے بیان کی تاویل کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نعیم رحمہ اللہ بذات خود جھوٹے تھے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹوں کی جھوٹی باتوں کے پھیلانے میں لذت گیر ہوتے تھے، حالانکہ کسی ثقہ محدث کے خلاف کسی کذاب کی جرح کو دلیل بنانا، پھر اس کی تاویل، جو درجہ تحریف کو پہنچی ہوئی ہو، کرنا اہل علم کے شایان شان نہیں۔ ازدی کے وضاع و کذاب ہونے میں علامہ البانی نے تامل کیا ہے۔[3] حالانکہ حافظ خطیب اور سمعانی وغیرہ نے اس کے وضاع و کذاب ہونے کی صراحت کی ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔

واضح رہے کہ امام نعیم رحمہ اللہ پر ازدی کی جرح کے معاملے میں مصنف انوار کے استاذ امام العصر کا یہ رویہ موصوف کے دوسرے استاذ کوثری کے رویہ سے مختلف ہے، کیونکہ کوثری نے ایک طرف ازدی کو "لمحات النظر" میں رافضی المذہب کہہ کر ناقابل اعتبار بتلایا ہے، مگر تانیب (ص: ۱۰۷) میں امام نعیم رحمہ اللہ کو مجروح ثابت کرنے کے لیے اسی ازدی کو حجت و معتبر مان لیا ہے۔ نعوذ باللّٰه من الخذلان!

نیز یہ بات گزر چکی ہے کہ مصنف انوار کے دعویٰ کے مطابق علامہ انور شاہ نے اپنے ایک بیان میں نعیم کو کذاب اور دوسرے بیان میں ثقہ و صدوق امام قرار دیا ہے۔

دولابی کا تذکرہ:

ابو بشر محمد بن احمد بن حماد دُولابی (مولود ۲۲۴ھ، متوفی ۳۱۰ھ) نے ایک مجہول شخص سے ازدی کی طرح کا قول نعیم کی بابت نقل کیا ہے۔[4] مگر چونکہ دولابی کی نقل کردہ یہ جرح ایک "مجہول شخص" سے منقول ہے، اس لیے حافظ ابن حجر نے اس جرح کو مردود قرار دیا ہے، لیکن اہل علم نے دولابی کو بھی مجروح بتلایا ہے۔ چنانچہ امام دارقطنی نے تصریح کی ہے:

"تكلموا فيه لما تبين من امره الاخير"[5]

---

[1] ملاحظہ ہو: الأجوبة الفاضلة (ص: ۱۷۸، ۱۷۹)　[2] لمحات النظر (ص: ٣٤)

[3] سلسلة الأحاديث الضعيفة (١/ ٢٤٣)　[4] تهذيب التهذيب (١٠/ ٤٦١، ٤٦٢)

[5] لسان الميزان (٥/ ٤٢) و ميزان الاعتدال (٣/ ١٧) و تذكرة الحفاظ (٢/ ٣٣١) و ديوان الضعفاء (ص: ٢٦٤)

یعنی اہل علم کو جب دولابی کی آخری عمر کے حالات بد معلوم ہوئے، تو انھوں نے اسے مجروح قرار دے دیا۔

امام دارقطنی کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عام اہل علم نے دولابی کو مجروح قرار دیا ہے، حتی کہ ابن عدی نے کہا کہ امام نعیم کی تجریح کرنے میں دولابی متہم یعنی کذاب ہے۔[1]

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ نعیم کی تجریح میں دولابی کے بجائے ان کے ''شیخ مجہول'' متہم ہیں، مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض نعیم کے باب خاص میں دولابی کو بری مان لیا جائے تو امام دارقطنی کے اس فرمان کے ہوتے ہوئے کہ ''اہل علم نے دولابی کو مجروح قرار دیا ہے۔'' دولابی کو کسی طرح بھی غیر مجروح نہیں مانا جا سکتا۔ امام ابن یونس نے بھی دولابی کو ضعیف کہا ہے، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''قد أبدع في رميه نعيما بالكذب''[2]

یعنی دولابی نے امام نعیم کو مجروح بالکذب قرار دینے میں عجیب وانوکھی روش اختیار کی ہے۔

مصنف انوار کی کھلی ہوئی تحریف:

ان تمام امور کے باوجود مصنف انوار نے کہا ہے کہ امام دارقطنی نے کہا کہ کچھ لوگوں نے دولابی پر کلام کیا، مگر ہم کو بجز خیر کے کچھ ظاہر نہیں ہوا۔[3]

حالانکہ ناظرین دیکھ آئے ہیں کہ امام دارقطنی نے عام اہل علم سے دولابی کی تجریح نقل کی ہے۔ بایں ہمہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ ہم نے افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل شاہراہ سامنے کرنے کی کوشش کی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف انوار کو یہ بھی دعویٰ ہے کہ دولابی پر ابن عدی وغیرہ نے بوجہ تعصب کلام کیا ہے۔[4]

کیا مصنف انوار کا خالص علمی، دینی وتحقیقی نقطۂ نظر یہی ہے کہ بذاتِ خود امام دارقطنی رحمہ اللہ کی تصریح کے بالکل خلاف ان کی طرف دولابی کی مدح میں جھوٹی بات منسوب کریں اور اس کے باوجود تعصب کا الزام امام ابن عدی وغیرہ جیسے ائمہ جرح وتعدیل پر لگائیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار عمومی طور پر زمرۂ احناف میں شمار ہونے والے لوگوں کی مدح سرائی میں مبالغہ آرائی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، خواہ ان کے حنفی مدوحین کذاب ہی کیوں نہ ہوں!!

ابوعصمہ نوح بن ابی مریم کا تذکرہ:

مثلاً ابوعصمہ نوح ابن ابی مریم کو لیجیے۔ ان کو حنفی ہونے کے مفروضہ کی بناء پر مصنف انوار اپنا قابل فخر امام اور حنفی فقہ کی مجلس تدوین کا رکن رکین مانے ہوئے ہیں، حالانکہ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا ابوعصمہ مذکور امام ابوحنیفہ کے مذہب سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے احادیث وضع کرنے کا کاروبار کرتے تھے۔

---

[1] تهذيب التهذيب (١٠/ ٤١٢)
[2] تذكرة الحفاظ (٢/ ٣٢١)
[3] مقدمه انوار (٢/ ٨٥)
[4] مقدمه انوار (٢/ ٨٥)

امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ کا تذکرہ:

مگر انھی ابوعصمہ کے کاتب امام نعیم رحمہ اللہ ہیں، ان کو بھی "الجواهر المضية في طبقات الحنفية" میں ذکر کیا گیا ہے۔ مصنف انوار کے استاذ انور شاہ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے کہ نعیم کو زمرۂ احناف میں شمار کیا گیا ہے، مگر مصنف انوار نے نہ جانے کیوں نعیم کو طبقۂ احناف کا امام کبیر، محدث شہیر اور فقیہ بے نظیر قرار دے کر مفروضہ چہل رکنی مجلسِ تدوین فقہ کے اراکین میں نہیں داخل کیا؟ بلکہ انھیں حنفی مذہب اور امام ابوحنیفہ کا مخالف بتلاتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ وہ مثالب ابی حنیفہ میں روایات گھڑتے اور جھوٹ پھیلاتے تھے۔ پھر تضاد بیانی کا شکار ہو کر موصوف مصنف انوار نے نعیم کو ثقہ وصدوق بھی کہا۔ (کما مر)

واضح رہے کہ "الجواهر المضية" میں کہا گیا ہے کہ: امام نعیم رحمہ اللہ امام کبیر تھے، وہ امام ابوحنیفہ سے وتر کی فرضیت کا قول نقل کرتے ہیں۔ یہی امام زفر رحمہ اللہ کا بھی قول ہے، اور امام ابوحنیفہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام احمد نے کہا کہ نعیم رحمہ اللہ ثقات سے تھے، چونکہ یہ فرائض کے بڑے ماہر تھے، اس لیے ان کو ہم "فارض" کہتے ہیں۔ ان سے حکومتِ وقت نے قرآن کو مخلوق کہلوانا چاہا، مگر انھوں نے انکار کر دیا، بنا بریں حکومت نے انھیں محبوس ومقید کر دیا۔ وہ زندگی کے آخر تک مقید رہے اور جیل خانہ ہی میں ۲۲۸ھ میں فوت ہوگئے۔[1] رحمه الله

امام جرح وتعدیل ابن معین نے امام نعیم رحمہ اللہ کو ثقہ وصدوق کہا ہے:

اس میں شک نہیں کہ امام نعیم ایک جلیل القدر ثقہ وصدوق محدث تھے۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

"حدثنا نعيم بن حماد ثقة صدوق، رجل صدق، أنا أعرف الناس به كان رفيقي بالبصرة."[2]

مصنف انوار نے ابن معین کے اوصافِ حمیدہ بیان کرتے ہوئے، ذہبی رحمہ اللہ سے یہ قول فخر کے ساتھ نقل کیا ہے:

> ''ابن معین متصلب حنفی تھے۔ سید الحفاظ ابن معین رحمہ اللہ کی عجیب علمی شان ہے کہ جس سے موافق ومخالف ہر ایک نے فائدہ اٹھایا، امام اعظم اور آپ کے اصحاب عظام کے خلاف جو حسد وعناد اور تعصب وغیرہ کی بنیادوں پر ڈھیرے بندیاں کی گئیں ان کے مقابلے میں حافظ ابن معین نے انتہائی تدبر اور صبر وضبط سے کام لیا۔ آپ کی مدح وتوثیق اور اسی طرح نقد وجرح انتہائی محتاط تھی۔ اپنے اکابر ائمہ اور اساتذہ کے بارے میں بہت مختصر کلمات مدح فرماتے تھے۔''[3]

مگر ایسے متصلب حنفی اور صاحب اوصاف کثیرہ کی توثیق ومدح کے باوجود بھی مصنف انوار نے امام نعیم رحمہ اللہ کو ازدی اور دولابی جیسے مجروحین کی جرح کے سبب کذاب ووضاع قرار دیا اور تضاد کا شکار ہو کر انھیں ثقہ وصدوق بھی کہا۔ حالانکہ عام اہل علم نے انھیں صدوق اور مطلقاً ثقہ کہا ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے اگرچہ امام نعیم رحمہ اللہ کو ضعیف کہا ہے مگر وہ علم ومعرفت سنن میں ان کے فضل وتقدم کے معترف تھے اور انھیں صدوق وجلیل القدر محدث تسلیم کرتے تھے، جیسا کہ دوسرے اہل علم کرتے تھے۔[4]

---

[1] الجواهر المضية (۲/ ۲۰۲)
[2] خطيب (۱۳/ ۳۱۲، ۳۱۳) و تهذيب (۱۰/ ۴۵۹)
[3] مقدمه انوار (۱/ ۲۳۲، ۲۳۳)
[4] تهذيب (۱۰/ ۴۶۱)

اگر موصوف پر کسی کو کچھ کلام ہے تو محض خطا اور وہم کے سبب، ورنہ ازدی اور مقلدین ازدی جیسے کذابین کے علاوہ انھیں کسی نے بھی کذب و زور سے متہم نہیں کیا۔ امام احمد، ابو حاتم، ابن ابی حاتم، ابن معین، عجلی، ابن عدی، ابن حبان وغیرہم نے ان کی توثیق و مدح کی ہے۔ امام دارقطنی نے فرمایا: "إمام في السنة، كثير الوهم" امام نعیم رحمہ اللہ نے فرقہ جہمیہ اور فقہاء اہل الرأی کی تردید میں کئی کتابیں لکھی تھیں۔[1] اور یہ معلوم ہے کہ مصنف انوار کبار جہمیوں مثلاً ابو مطیع، بشر مریسی اور کوثری وغیرہ کو اپنا ممدوح بنائے ہوئے ہیں، اس لیے امام نعیم رحمہ اللہ سے مصنف انوار کا خفا ہونا لازمی ہے، کیونکہ مصنف انوار کے پیشوا کوثری نے امام نعیم کے عیوب میں یہ بھی شمار کیا ہے کہ انھوں نے جہمیہ کے رد میں تیرہ کتابیں لکھی ہیں۔[2]

خلاصہ کلام یہ کہ مصنف انوار نے فقہ اکبر کو امام ابو حنیفہ کی تصنیف اور امام نعیم رحمہ اللہ کو کذاب و وضاع قرار دے کر انور شاہ صاحب کشمیری کی مخالفت کی ہے۔

مسانید ابی حنیفہ کا اجمالی تذکرہ:

اسی طرح شاہ صاحب نے مسانید ابی حنیفہ کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے سے صاف انکار کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی تصنیف امام صاحب کی جانب منسوب کی جا سکتی ہے، تو وہ امالی ابو یوسف ہیں۔[3] اپنے اس بیان کے ذریعہ شاہ صاحب نے مسانید ابی حنیفہ، کتاب الآثار اور امالی ابو یوسف وغیرہ سب کو تصنیف ابی حنیفہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

انور شاہ سے مصنف انوار کی صریح مخالفت:

مگر مصنف انوار نے مسانید ابی حنیفہ اور کتاب الآثار کو تصنیف ابی حنیفہ قرار دیتے ہوئے کافی طول بیانی سے کام لیا ہے۔[4] حتی کہ ان کتابوں کو تصانیف ابی حنیفہ قرار دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ:

> "حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے موطا امام مالک کو مرتبہ کے اعتبار سے صحاح میں سے اول قرار دیا ہے اور ان کی اصل کہا ہے۔ جبکہ موطا مالک رحمہ اللہ امام اعظم کی وفات کے بعد مدون ہوا ہے، اور اس سے پہلے امام صاحب کی کتاب الآثار امام ابو یوسف، محمد، حسن بن زیاد اور امام زفر کی روایت سے الگ الگ مدون ہو چکی تھیں۔ اسی طرح امام ابو یوسف، محمد، ابن زیاد اور حماد بن امام اعظم نے امام صاحب سے مسانید کو بھی روایت کیا اور یہ سب بلا واسطہ امام صاحب رحمہ اللہ کے اخص اصحاب سے ہیں، اور بظاہر ان سب کی کتب آثار و مسانید امام صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں تیار ہو گئی تھیں۔ اور انھی کتابوں اور دوسری کتب مدونہ فقہیہ کے بارے میں یہ نقل ہوا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ امام صاحب کی کتابوں کی تلاش کرتے اور ان میں نظر کرتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا امام صاحب رحمہ اللہ سے حدیث میں تلمذ بھی ثابت شدہ ہے۔[5] یہ بھی صریح طور سے نقل ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ساٹھ ہزار مسائل امام اعظم رحمہ اللہ کے مدونہ حاصل کیے تھے۔ ان سب امور پر نظر کی جائے تو موطا مالک کی اصل

---

[1] تهذيب (١٠/ ٤٦٠)　[2] تانيب (ص: ١٠٧) التنكيل (١/ ٤٩٣)

[3] فيض الباري (١/ ٢٠٣، باب من كذب كتاب العلم)

[4] ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (١/ ١٣ و ٥٤ و ٧٨ و ١٥٥ و ١٢٥، ١٢٦ و ١٢٨ وغيره)　[5] اقوم المسالك للكوثري.

امام صاحب کی کتب آ ثار اور مسانید کو قرار دینا چاہیے۔"[1]

مگر یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار اپنے ایک دوسرے بیان میں خود ہی کتاب الآ ثار کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے کے منکر ہیں، یعنی مصنف انوار کتاب الآ ثار کو تصنیف ابی حنیفہ مانتے بھی ہیں اور نہیں بھی مانتے۔ ع۔

جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

چنانچہ فرماتے ہیں:

"بعض ممتاز[2] اہل علم نے امام محمد کی کتاب الآ ثار کو بھی امام اعظم کی تصنیف قرار دیا ہے اور شاید امام ابو یوسف کی کتاب الآ ثار کے بارے میں بھی یہی خیال ہو، مگر ہمارے ناقص خیال میں ابھی تک اس کی صحیح توجیہ نہیں آئی، کیونکہ اول تو متقدمین علماء نے ان کو امام صاحب کی تصنیفات میں شمار نہیں کیا۔ دوسری یہ کہ ان میں روایت کرنے والے امام محمد و ابو یوسف ہیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مؤلف و مصنف بھی یہی ہیں۔"[3]

مصنف انوار کے اصول سے مسانید ابی حنیفہ تصنیف ابی حنیفہ نہیں:

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں صاف طور سے کتاب الآ ثار تصنیف ابی حنیفہ ہونے سے انکار کرتے ہوئے اس کی دو وجہ بتلائی:

اول: یہ کہ متقدمین علماء نے اس کو امام صاحب کی تصانیف میں شمار نہیں کیا۔

دوم: یہ کہ اس میں روایت کرنے والے امام محمد اور ابو یوسف ہیں۔

اگر کتاب الآ ثار کے تصنیف ابی حنیفہ نہ ہونے کا سبب بقول مصنف انوار یہ ہے کہ متقدمین علماء نے اس کو تصانیف ابی حنیفہ میں شمار نہیں کیا اور اس میں روایت کرنے والے امام محمد و ابو یوسف ہیں، تو یہ دونوں سبب ان مسانید ابی حنیفہ یا جامع المسانید میں بھی جمع ہیں جن کو مصنف انوار نے اپنے اس بیان کے دو ہی صفحہ بعد "جامع المسانيد للإمام الأعظم" کے عنوان کے تحت بڑے زور وفخر سے تصنیف ابی حنیفہ قرار دیا ہے۔ "مسانید ابی حنیفہ یا جامع المسانید" کو بھی مصنف انوار جیسے تضاد بیانی کرنے والوں کے علاوہ متقدمین یا متاخرین علماء میں سے کسی نے بھی تصانیف ابی حنیفہ میں شمار نہیں کیا ہے، بلکہ علم وفن کی تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھنے والے غالی متاخر مقلدین نے بھی مسانید ابی حنیفہ، جامع المسانید اور اس قسم کی کتابوں کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے سے انکار کیا ہے۔ انھی میں علامہ شبلی اور انور شاہ کشمیری بھی ہیں۔ صرف مصنف انوار جیسے لوگ ہی انھیں ایک طرف تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں اور دوسری طرف ایسی بات کہتے ہیں جس سے لازم آئے کہ یہ کتابیں تصنیف ابی حنیفہ نہیں ہیں۔

خوارزمی نے مسانید ابی حنیفہ کی ہر روایت کی جو تخریج جامع المسانید میں دی ہے، وہ اس امر کی دلیل قاطع ہے کہ مروجہ

---

[1] مقدمه انوار (ص: ١٢ و ٥٤، ١٥٥)

[2] مصنف انوار نے اس جگہ ان ممتاز اہل علم کا نام نہیں بتلایا جو امام محمد کی "كتاب الآثار" کو تصنیف ابی حنیفہ قرار دیتے ہیں! خانہ ساز جھوٹی باتوں کو "ممتاز اہل علم" کی طرف منسوب کر دینا بلاشک وشبہ اس عظیم المرتبت نام کی توہین وتذلیل ہے۔ (مؤلف)

[3] مقدمه انوار (١/ ١٢٦)

مسانید ابی حنیفہ میں سے کوئی بھی تصنیف ابی حنیفہ نہیں ہے، ورنہ خوارزمی کو ہر روایت کی تخریج کر کے بتلانے کی ضرورت نہیں پیش آتی کہ فلاں فلاں سند سے یہ روایت امام صاحب سے مروی ہے۔

مسانید اور کتاب الآثار پر مفصل گفتگو آگے آرہی ہے۔ اسی طرح مصنف انوار کے اس خیال کی تردید بھی مدلل طور پر آگے آرہی ہے کہ امام مالک امام صاحب کی کتابوں کی تلاش کرتے اور ان پر نظر کرتے تھے، اور انھوں نے امام صاحب سے ساٹھ ہزار مسائل حاصل کیے، صرف گزشتہ تفاصیل ہی سے ناظرین کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مصنف انوار اپنے دعاوی میں کتنے سچے ہیں؟

ہر مذہب وملت میں قبیح ہونے کے باوجود جھوٹ کا اثر ونفوذ:

یہ حقیقت ہے کہ تمام ادیان وملل اور شرائع میں ممنوع ہونے کے باوجود جھوٹ کا رواج ہر دور میں رہا ہے۔ اس کے موجد ابلیس نے اپنے آپ کو جس طرح صادق القول، خیر خواہ اور مخلص ظاہر کیا: ﴿اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ اسی طرح اس کے متبعین بھی کرتے رہے ہیں۔ امت محمدیہ (علی صاحبها الصلوة والسلام) میں بھی کچھ لوگ بہت بڑے پیمانے پر ایجاد وترویجِ اکاذیب کا کام ہمیشہ کرتے رہے، حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ [النحل: ١٠٥]

یعنی صرف وہی لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں جو ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔

حتی کہ جھوٹی حدیث وضع کرنے کے جرم میں بارگاہ رسالت سے ایک شخص کو قتل کی سزا بھی ہوئی تھی۔[1]

نیز حدیث متواتر میں ارشاد نبوی ہے: ''وضع حدیث کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''[2]

اس کے باوجود ترویجِ اکاذیب کے شائقین نے پوری فنکاری سے کام لے کر اکاذیب کے بہت بڑے انبار کو احادیث نبویہ، آثار صحابہ، فرامین تابعین، اقوال ائمہ متبوعین اور ارشادات سلف صالحین کے نام سے موسوم ومروج کر دیا، جن کے مہلک اثر سے امت کو بچانے کے لیے اگرچہ ہر دور میں اہل علم نے کوشش کی، مگر اچھا خاصہ طبقہ اس زہر کا شکار ہوگیا۔ جھوٹ کا عیب اتنا واضح ہے کہ کفار ومشرکین بھی اسے بہت معیوب سمجھتے ہیں۔ جبکہ انھیں اپنے مذہب کفر وشرک کے حق وصحیح ہونے کا دعویٰ ہوا کرتا ہے۔ حتی کہ جو لوگ ترویج اکاذیب کو اپنا شیوہ وشعار بنائے ہوئے ہیں، وہ بھی جھوٹ کو بہت زیادہ معیوب قرار دیتے ہیں، مگر اپنی عادت وضرورت سے مجبور ہو کر اس کاروبار میں مصروف بھی رہا کرتے ہیں۔ خود مصنف انوار نے بھی جھوٹ کی بڑی مذمت کی ہے، لیکن ناظرین کرام کو معلوم ہوجائے گا کہ موصوف نے اپنے تقلیدی مقصد کی خاطر بڑے پیمانے پر ترویجِ اکاذیب کا کاروبار جاری کر رکھا ہے۔

---

[1] مشكل الآثار (١/ ١٦٤، ١٦٥) وطبراني و ضياء مقدسي.

[2] ملاحظہ ہو: الموضوعات لابن الجوزی (١/ ٥٥ تا ٩٢) وعام کتب حدیث.

وضع حدیث اور معتزلہ و روافض

وضع حدیث کا کاروبار بڑے پیمانے پر فرقہ جہمیہ اور فرقہ معتزلہ زیادہ کیا کرتا تھا۔ یہ دونوں فرقے اصل کے اعتبار سے روافض تھے۔[1] مناقب ابی حنیفہ للکردری (۱/ ۱۰۷) میں ہے کہ "المعتزلة اخوان الرافضة" یعنی معتزلہ روافض کے بھائی ہیں، نیز معتزلہ وجہمیہ کا جماعی مزاج یہود سے ملتا ہے۔[2]

اور یہ بات معلوم ہے کہ روافض بکثرت وضع حدیث کرتے بلکہ بعض حالات میں یہ لوگ اسے کار خیر بھی سمجھتے ہیں، بنا بریں اسلاف کرام خصوصاً امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ، ان کی روایت وشہادت مردود مانتے ہیں۔[3] انھی روافض کے ہم مزاج معتزلہ اور جہمیہ تھے۔

معتزلی حکومت کا قیام:

معتزلہ اور جہمیہ کی سعی مسلسل و سازش سے دوسری صدی کے[4] بعد معتزلی حکومت قائم ہوگئی، جو تقریباً چالیس برس تک برقرار رہی۔ معتزلہ وجہمیہ اگرچہ ہر دور میں سرگرم کار رہے لیکن اپنی حکومت کے زمانے میں اپنے مسلک و مذہب کی ترویج و اشاعت بڑے پیمانے پر بزور شمشیر و سیاست کرتے رہے۔ غیر جہمی و غیر معتزلی علماء کے درس و تدریس، تعلیم وتعلم اور تبلیغ و ارشاد پر پابندی لگائی، انھیں قید و بند اور زد و کوب کیا، حتی کہ بکثرت قتل بھی کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے حکومت کی خوشنودی، رضا جوئی اور سرکاری دربار تک رسائی حاصل کرنے کی خاطر معتزلی مسلک اختیار کیا اور بہت سے لوگ خوف سے معتزلی اور جہمی بن گئے۔

امام نعیم بن حماد (جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے) کو بھی جہمی و معتزلی حکومت نے محبوس و مقید رکھ کر قتل کر دیا تھا، بتصریح کوثری ممدوح و پیشوائے مصنف انوار امام نعیم نے جہمیہ کے رد میں تیرہ کتابیں لکھیں تھیں۔ (کما مر)

معتزلی حکومت کا سرکاری مذہب:

موجودصدی کے مشہور حنفی امام کوثری نے کہا ہے:

"بزور شمشیر و سیاست معتزلی مذہب کی ترویج و اشاعت کرنے والی معتزلی حکومت کے اراکین و افراد حنفی تھے،

---

[1] منهاج السنة (۱/ ۱۰، ۱۱) و مجموعة الرسائل الكبرى لشيخ الاسلام ابن تيميه رحمه الله (۱/ ۷۵ تا ۸۰)

[2] مجموعة الرسائل لابن تيميه (۱/ ۷۷، ۷۸) و تاريخ الجهمية (ص: ٤٤) والفصل لابن حزم.

[3] الكفاية في علم الرواية للخطيب (ص: ۲۵ تا ۲۸) ميزان الاعتدال (۱/ ۱۵ ترجمة إبراهيم بن الحكيم وغيره)

[4] جہمی حکومت کا بانی مامون الرشید ۱۹۸ھ ہی میں تخت نشین ہوگیا تھا، مگر جہمی عقائد ونظریات کا اظہار ۲۱۲ھ کے بعد کرنے لگا تھا۔ (محمد رئیس ندوی)

جن میں امام ابوحنیفہ کا پوتا اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ بھی شامل تھا۔‘‘[1]

مصنف انوار بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ اس حکومت کے قاضی و حکام اکثر حنفی تھے۔[2]

امام ابوقدامہ رحمہ اللہ نے کہا ہے:

’’بغداد کے جملہ اہل ہوا اور روافض کے ساتھ اہل الرأی (احناف) بھی جہمی ومعتزلی مذہب کی اشاعت میں امام احمد بن حنبل کے خلاف صف آرا تھے، صرف بشر بن الولید حنفی جہمیوں کے ساتھ نہیں تھے۔‘‘[3]

دراصل چالیس سالہ معتزلی حکومت اس کے وزیر اعظم احمد بن ابی دؤاد (مولود ۱۶۰ھ ومتوفی ۲۴۰ھ) کے ہاتھ تھی، وہ بذات خود معتزلی وجہمی ہونے کے ساتھ ساتھ حنفی المذہب بھی تھا۔[4] معتزلی حکومت کی جانب سے شائع کردہ ایک طویل نظم میں صاف طور پر صراحت کی گئی ہے کہ ہم جس مذہب کی تبلیغ واشاعت بزور شمشیر وحکومت کر رہے ہیں، وہ حنفی مذہب ہے۔[5] جہمی حکومت کے بانی مامون رشید کو مصنف انوار نے حنفی المذہب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہارون رشید نے مامون کو فقہ حنفی کی اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلائی تھی اور مامون کو خود بھی فقہ حنفی سے بڑی مناسبت تھی، حتی کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف سے مدافعت میں وہ بڑے بڑے محدثین کو لاجواب کر دیتا تھا۔[6] مامون نے کہا کہ اگر ہم امام ابوحنیفہ کے اقوال کو کتاب وسنت کے خلاف پاتے تو انھیں معمول بہ نہ بناتے۔[7] مصنف انوار نے اپنے اس بیان کے ذریعہ خود بانی حکومت جہمیہ کے حنفی ہونے کا اقرار کیا ہے۔

وضع حدیث پر معتزلی حکومت کا جبر:

اوپر کوثری کا یہ بیان گزرا کہ معتزلی حکومت کے سرکاری مذہب کی اشاعت میں امام ابوحنیفہ کے پوتے اسماعیل نے بھی مساعدت کی اور متعدد روایات سے ثابت ہے کہ موصوف اسماعیل معتزلہ کے بنیادی عقیدہ خلقِ قرآن کو اپنا دین وایمان قرار دینے کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ میرے دادا اور باپ امام ابوحنیفہ اور حماد کا دین وایمان بھی یہی تھا۔ اس پر بشر بن الولید نے کہا کہ یہ تمہارا مذہب ومسلک تو ضرور ہے، مگر تمھارے باپ و دادا کا نہیں۔[8]

سبط ابن الجوزی اور لسان المیز ان کے حاشیہ نگار احناف نے کہا ہے کہ اسماعیل نے یہ غلط بات حکومت کے جبر و دباؤ میں آ کر خوف کی بنا پر جان بچانے کے لیے کہی تھی۔[9]

احناف کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ معتزلی حکومت جبراً وضع روایت کرواتی تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ اسماعیل پر جبر ثابت نہیں، پھر بھی وہ یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ میرے باپ دادا یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحب زادے حماد بن نعمان خلق قرآن کے معتقدین تھے۔ (کما سيأتي)

البتہ دوسروں پر جبر کرنے واضح ثبوت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جن رافضی صفت معتزلہ وجہمیہ کا مزاج ہی وضع

---

[1] تانیب الخطیب (ص: ۲) [2] انوار الباری (۱/ ۳۰) [3] تاریخ خطیب (۷/ ۸۳ ذکر بشر بن الولید)

[4] لسان المیزان (۱/ ۱۷۱ بحوالہ فہرست ابن ندیم) و جواهر المضية في طبقات الحنفية (۱/ ٥٦، ٥٧)

[5] قضاة مصر للكندي (ص: ٤٥١، ٤٥٢) [6] مقدمہ انوار (۱/ ۹٤) [7] مقدمہ انوار (۱/ ۹٤)

[8] الانتقاء لابن عبد البر (ص: ١٦٦) [9] لسان المیزان مع حواشی مطبوعہ حیدر آباد ترجمة إسماعيل.

حدیث تھا، انھوں نے اپنے جذبات کی تسکین کی خاطر کیا کچھ نہ کیا ہوگا؟ جبکہ اس کام کی طرف ترغیب دلانے کے لیے یہ مسئلہ بھی گھڑ لیا گیا تھا کہ جو شخص امام صاحب کی مدح میں مبالغہ آرائی نہ کرے اس سے بدظنی رکھنی چاہیے۔[1] حتی کہ مدح ابی حنیفہ میں مبالغہ آرائی کو افضل الاعمال قرار دے لیا گیا۔[2] حالانکہ بفرمان نبوی انبیاء و مرسلین کی مدح سرائی میں مبالغہ آرائی بدترین جرائم میں داخل ہے اور اسے شریعت نے یہود و نصاریٰ کا شیوہ و شعار کہا ہے۔ (صحاح)

افسوس کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے یہود و نصاریٰ کا شیوہ و شعار اور طریق کار اختیار کر کے وضعی روایات کے بھاری انبار کو ائمہ احناف خصوصاً امام ابو حنیفہ کے فضائل و مناقب اور ان کے فقہی و فروعی مسائل کے دلائل قرار دے دیا اور انھیں امت میں مروج کیا۔ نیز کتابوں میں بھی مرتب کیا گیا اور امام صاحب کی طرف بھی بہت سی روایات کو منسوب کر کے کہہ دیا گیا کہ یہ وہ احادیث و آثار ہیں جو امام صاحب کی روایت کردہ ہیں۔

روایات کے صحیح ہونے کا ایک علمی معیار:

اس میں شک نہیں کہ کچھ روایات اور اقوال فی الواقع امام صاحب سے منقول ہیں۔ اسی طرح ان کے فضائل و مناقب میں بھی سلف کے بعض اقوال بطریق صحیح مروی ہیں، مگر ان کے صحیح و معتبر قرار دیے جانے کی دو شرطیں ہیں:

اولاً: جن کتابوں میں یہ روایات درج ہیں، ان کے مصنفین بذات خود ثقہ و معتبر ہوں۔

ثانیاً: ان مصنفین کی بیان کردہ اسانید صحیح، متصل اور علت قادحہ سے خالی ہوں۔

ان دونوں شرطوں میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو روایت صحیح نہیں ہوگی۔ یہ ایسی بات ہے جس سے کسی بھی صاحب علم وفضل کو ذرہ برابر اختلاف نہیں۔ ان امور کو ملحوظ رکھ کر انوار الباری اور اس قسم کی جملہ کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت خود بخود منکشف ہوجائے۔ ہم نے انوار الباری کی حقیقت و اشگاف کرنے کا عزم کر رکھا ہے، کیونکہ اس میں بقول ترجمانِ دیوبند محدثین کرام کو مجروح و مطعون کرنے کے ساتھ فتنے کی آبیاری کی گئی ہے اور ائمہ احناف کے فضائل و مناقب میں ضعیف روایات کو اس انداز میں مرتب کیا گیا ہے کہ محدثین کرام کی امانت و دیانت اور تقویٰ و طہارت کے تار و پود بکھر کر رہ گئے ہیں۔ انوار الباری بقول ترجمان دیوبند چونکہ تصنیفی نظم و ضبط اور تدریجی ترتیب و تنسیق اور زبان و بیان کی ثقاہت اور سلامت روی سے خالی و عاری ہے اور اس کے مضامین غیر مربوط ہیں، اس لیے اس غیر مربوط، ترتیب و تنسیق اور تحقیقی و تاریخی ثقاہت سے محروم کتاب کا جائزہ لینے والے کو بھی خاصی دشواریوں سے دو چار ہونا پڑے گا۔ چنانچہ اصل کتاب اگرچہ صفحہ پچاس سے شروع ہوتی ہے، اور اس کے پہلے کے صفحات بنام پیش لفظ سو سے زائد عناوین پر مشتمل بطور تمہید و مقدمہ ہیں، مگر تمہید و مقدمہ میں وہی سارے مضامین نہایت غیر مربوط، زہریلے اور دل آزار انداز میں پائے جاتے ہیں جو ساری کتاب میں مکرر سہ کرر اور بار بار دہرائے گئے ہیں۔ ہم انوار الباری کی تنقید میں نظم و ترتیب قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔

ظاہر ہے کہ تصنیفی ترتیب سے خالی و عاری اور مکررات سے پُر تاریخی و تحقیقی ثقاہت سے محروم کتاب پر تنقیدی تصنیف کو دائرہ ترتیب میں لانا دشوار ہے، پھر بھی کوشش کی جائے گی کہ مکررات کا ایک ہی جگہ اس انداز میں جائزہ لیا جائے کہ ترتیب

[1] موفق (٢/ ٦١)　　[2] موفق (٢/ ٦٠) مقدمہ انوار الباری (١/ ٧٧)

قائم رہے،اسی مقصد کے تحت ہم اس کتاب پر گفتگو شروع کر رہے ہیں۔ البتہ پہلے بعض کذابین کا تعارف کرایا جا رہا ہے جن کا ہمارے موضوع سے زیادہ تعلق ہے تاکہ آئندہ مباحث کے سمجھنے اور سمجھانے میں سہولت ہو۔

جابر جعفی:

امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے کہ ''میں جب کوئی مسئلہ اپنی رائے و قیاس سے بیان کرتا ہوں تو جابر بن یزید جعفی (متوفی ۱۲۸ھ) اس کے مطابق کوئی خود ساختہ حدیث پیش کر دیتا ہے، اس نے کہا ہے کہ میرے پاس ایسی ہزاروں حدیثیں ہیں جنہیں میں نے ابھی تک ظاہر نہیں کیا۔ میں نے اس سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں دیکھا۔''[1]

ظاہر بات ہے کہ رافضی ہونے کے باوجود اتنے بڑے پیمانے پر فقہ حنفی کے مطابق وضع حدیث کا کاروبار کرنے کا مقصود یہ تھا کہ دین کو بگاڑا جائے۔ واضح رہے کہ جعفی مذکور معتزلی حکومت قائم ہونے سے پہلے فوت ہوگیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ معتزلی حکومت کے دور میں معتزلہ نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔

اسحاق بن نجیح ملطی:

جعفی مذکور کی طرح اسحاق ملطی بھی امام صاحب کے قیاسی مسائل کے مطابق وضع حدیث کا عادی تھا۔ امام احمد نے فرمایا:

''إسحاق أكذب الناس، يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم برأي أبي حنيفة.''[2]

یعنی یہ کذاب ترین شخص رائے ابی حنیفہ کے مطابق احادیث بیان کرتا تھا۔

لطف یہ کہ قیاس ابی حنیفہ کی موافقت میں وضع حدیث کرنے کے باوجود اس نے یہ حدیث بھی وضع کی کہ ''جو شخص دین میں رائے و قیاس سے کام لے اسے قتل کردو۔''[3] اس کی وضع کردہ روایات کی ترویج و اشاعت اسی جیسا ایک دوسرا وضاع جوئباری بھی کیا کرتا تھا۔

ابو علی احمد بن عبداللہ بن خالد شیبانی جوئباری:

کتب رجال میں مرقوم ہے:

''قال ابن حبان: تعلق به (أي بإسحاق الملطي) أحمد بن عبدالله الجوئباري، فكان يروي عنه ما وضعه إسحاق، ويضع عليه مالم يضع.'' الخ[4]

یعنی امام ابن حبان نے کہا کہ جوئباری موصوف اسحاق ملطی کی وضعی احادیث روایت کرتا اور خود بھی وضع کرتا۔ وہ دجالین میں سے ایک دجال ہے، جس نے ہزاروں احادیث مختلف اماموں کی طرف منسوب کر دیں، حالانکہ ان میں سے کسی نے بھی اس کی وضع کردہ احادیث میں سے کوئی حدیث بیان نہیں کی تھی۔''

---

[1] ميزان الاعتدال (١/ ١٧٦)
[2] ميزان الاعتدال (١/ ٩٤) تاريخ خطيب (٦/ ٣٢٣)
[3] تاريخ بغداد (٦/ ٣٢٢) ميزان الاعتدال (١/ ٩٤)
[4] الموضوعات لابن الجوزي (١/ ١٣٢، ١٣٣) لسان الميزان (١/ ١٩٢) اللآلئ الموضوعة (ص: ٢٣) معجم البلدان (٢/ ١٥٧، ١٥٨، لفظ جوئبار)

امام خلیلی اور ابن عدی نے کہا: یہ شخص (یعنی ابوعلی احمد بن عبداللہ شیبانی جوئباری) ابن کرام کی پسند کی احادیث وضع کرتا تھا اور ہزاروں وضعی احادیث ایجاد کر کے ان کی روایت کرتا تھا۔ امام ابوسعید نقاش رحمہ اللہ نے کہا کہ ''اس سے بڑا وضاع میں نے نہیں دیکھا۔'' امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا کہ ''حضرت ابوہریرہ سے امام حسن بصری کے سماع کی بابت اہل علم کو اختلاف ہوا، تو اس نے فوری طور پر یہ حدیث وضع کی کہ حضور رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حسن بصری نے ابو ہریرہ سے سماع حدیث کیا ہے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

''دجال مفتر، وضع حديثاً كثيراً، وهو في عصر البخاري.''[1]

اسی کذاب نے مذہب امام شافعی کی مقبولیت دیکھ کر یہ حدیث وضع کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابوحنیفہ کو سراج الامہ اور امام شافعی کو دجال سے بھی زیادہ مضر بتلایا ہے۔

مصنف انوار نے اسی کذاب اور اس جیسے دوسرے کذابین کی مذکورہ وضعی حدیث کو دلیل بنا کر انوار الباری کے ٹائٹل پیج پر امام صاحب کو ''سراج الامہ'' کہا ہے، مگر اس کے دوسرے حصہ کے ذکر سے مصنف انوار اور ان کے ہم طبقہ نے پرہیز کیا ہے، حالانکہ یہ پوری روایت ہی وضعی ہے اور اس کے کسی بھی حصہ کو حجت بناتے ہوئے ہر آدمی کو پرہیز کرنا چاہیے۔

مامون بن احمد بن خالد سلمی ہروی:

موصوف مامون وضع حدیث میں جوئباری کا استاذ تھا اور آن کی آن میں حدیث وضع کرتا اور اس کے کذاب چیلے اس کی روایت کرتے تھے۔[2]

محمد بن سعید بورقی (متوفی ۲۸۸ھ):

وضع حدیث میں بورقی مذکور کو بھی شہرت حاصل ہے۔ امام حاکم وغیرہ نے کہا ہے:

''قد وضع المناكير على الثقات ما لا يحصى.''[3] یعنی اس نے بے شمار احادیث وضع کی ہیں۔

ابوحنیفہ ''سراج امتی'' والی حدیث کے وضع اور اشاعت کرنے والوں میں یہ بھی شامل ہے۔

ابوبکر محمد بن یزید سلمی طرسوسی مستملی:

طرسوسی مذکور بھی وضع حدیث میں مشہور ہے۔ امام ابن عدی نے کہا ہے:

''يسرق الحديث ويزيد فيه ويضع''[4]

یعنی یہ شخص احادیث کا سرقہ کر کے ان میں اضافے کرتا ہے، اور وضع بھی کرتا ہے۔

امام خطیب نے اسے متروک بتلا کر کہا ہے کہ اس کی منکر روایات محمد بن حامد بن محمد بن ابراہیم بن اسحاق ابو احمد سلمی خراسانی بیان کیا کرتا تھا۔[5]

---

❶ ديوان الضعفاء والمتروكين (ص: ٤)　❷ لسان الميزان (٢/ ٧، ٨) واللآلئ المصنوعة (ص: ٢٨٠)

❸ خطيب (٥/ ٣٠٨ تا ٣١٠) لسان الميزان (٩/ ١٧٨، ١٧٩) ديوان الضعفاء والمتروكين للذهبي (ص: ٢٧٤)

❹ لسان الميزان (٥/ ٤٢٠) و ميزان الاعتدل.

❺ خطيب (٢/ ٢٨٩، تذكره محمد بن أحمد سلمى) و لسان الميزان (٥/ ١١٢)

حامد بن آدم مروزی (متوفی ۳۳۹ھ):

وضع حدیث میں حامد مروزی بھی مشہور ہے۔ بعض نے اسے حامد کی بجائے حاتم بھی کہا ہے اسے امام جوز جانی، ابن عدی، سلیمانی اور ابن معین نے وضاع کہا ہے۔[1]

ابوعلی حسن بن علی بن محمد بن اسحاق بن زر الیمانی الدمشقی:

ابوعلی دمشقی بظاہر ایک مجہول شخص ہے، مگر علی بن بابویہ اِسواری وغیرہ جیسے مجہولین سے مکذوبہ روایت نقل کرنے میں سرگرم ہے۔ امام ابن عساکر نے اس دمشقی اور اس کے استاذ اِسواری کو واضع حدیث بتلایا ہے۔[2]

اس کی مکذوبہ روایات کو مشہور حنفی ومعتزلی امام ابوسعید اسماعیل بن علی السمان (متوفی ۴۴۵ھ) بکثرت روایات کرتا ہے، جس کا اندازہ جامع مسانید ابی حنیفہ کے دیکھنے سے ہوتا ہے۔ احناف نے سمان کو حنفی معتزلی تسلیم کیا ہے۔[3]

احمد بن المغلس کا مفصل ترجمہ وتعارف:

امام خطیب رحمہ اللہ نے ابن مغلس کے تعارف میں کہا ہے:

"أحمد بن محمد بن المغلس أبو العباس الحماني، يعرف بابن الصلت، أبو العباس بغدادي يروي عن ثابت الزاهد، وإسماعيل ابن أبي إدريس، وأبي عبيد القاسم بن سلام، ومن بعدهم، يضع الحديث." الخ[4]

یعنی موصوف ابو العباس حمانی ابن الصلت المعروف بابن المغلس، ثابت وغیرہ سے روایت کرتا ہے اور حدیث وضع کرتا ہے اور ہم اس کا ذکر پہلے بھی کر چکے ہیں۔

چنانچہ تاریخ خطیب (۵/۳۴، ۳۵) میں ہے:

"وبعض الناس يقول فيه: أحمد بن الصلت، وبعضهم يقول: أحمد بن عطية، وقد ذكرناه فيما تقدم، قال الدارقطني: ابن الصلت هذا يضع الأحاديث، قال ابن عدى: ابن الصلت ينزل الشرقية، يحدث عن ثابت الزاهد، و عبد الصمد بن النعمان، وغيرهما، من قدماء الشيوخ، قوم قد ماتوا قبل أن يولد بدهر، ما رأيت في الكذابين أقل حياء منه، رأيته في سنة سنة سبع وتسعين ومائتين، وقد أسلفنا ذكر ذلك." (انتهىٰ ملخصا)

یعنی اس شخص کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ امام دارقطنی نے اس کی بابت فرمایا کہ یہ احادیث وضع کرتا تھا۔ امام ابن عدی نے کہا کہ یہ شخص "الشرقية" میں اقامت گزیں رہتا تھا، ثابت زاہد، عبدالصمد بن نعمان وغیرہ جیسے قدماء شیوخ سے روایت کرتا ہے، حالانکہ جس قسم کے قدیم شیوخ سے روایت کرتا ہے وہ اس کی ولادت سے پہلے ہی مر چکے

---

[1] لسان الميزان (٢/ ١٦٣) [2] لسان الميزان (٢/ ٢٤٠)

[3] الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية لعبد القادر القرشي (١/ ١٥٦، ١٥٧) [4] تاريخ بغداد (٥/ ١٠٤)

تھے۔ پھر بھی وہ ان کے شاگرد ہونے کا مدعی تھا۔ جھوٹے لوگوں میں اس سے زیادہ بے حیا قسم کا جھوٹا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے اسے ۲۹۷ھ میں دیکھا تھا، تو اندازہ ہوا کہ اس کی عمر ساٹھ سال یا اس سے کچھ زیادہ ہی ہوگی۔

معلوم ہوا کہ ابن المغلس کو خطیب کے علاوہ امام دارقطنی اور ابن عدی نے بھی وضاع و کذاب قرار دیا ہے۔ اس کی کذب بیانی کا یہ عالم تھا کہ ان مشائخ و ائمہ سے بھی تلمذ و شاگردی کا مدعی تھا جن کی وفات اس کی ولادت سے بھی پہلے ہو چکی تھی!

ابن المغلس کے سال ولادت کی تعیین:

اس کذاب آدمی کا سال ولادت متعین طور پر معلوم نہیں ہوسکا، لیکن امام ابن عدی کے بیان سے اس کا تقریبی اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ امام ابن عدی نے اسے ۲۹۷ھ میں دیکھا تھا، تو اس کی عمر ساٹھ سال یا اس سے دو چار سال زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس کی عمر اس وقت پینسٹھ سال تھی تو اس کا سال ولادت ۲۳۲ھ متعین ہوتا ہے، لیکن اسے امام ثابت بن محمد زاہد (متوفی ۲۱۵ھ) اور امام عبدالصمد بن نعمان (متوفی ۲۱۶ھ) وغیرہ جیسے شیوخ سے بھی تلمذ و شاگردی کا دعوی تھا، جو اس کی ولادت سے پندرہ سولہ سال پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ اگر یہی فرض کے لیجیے کہ ۲۹۷ھ میں اس کی عمر پینسٹھ سال تھی، جو خلاف قیاس ہے، تو بھی ان دونوں اماموں سے اس کی شاگردی کا دعویٰ کذب محض ہی قرار پاتا ہے اور اس قسم کے کتنے قدیم شیوخ سے اسے دعوی تلمذ تھا۔

مثلاً امام فضل بن دکین (متوفی ۲۱۸، ۲۱۹ھ) وغیرہ، بلکہ جب ابن المغلس کا سال ولادت صحیح ترین تخمینہ کے مطابق ۲۳۲ھ ہے، تو اس کا تلمذان علماء سے بھی صحیح نہیں مانا جا سکتا، جن کی وفات (۲۳۳ھ، ۲۳۲ھ) یا اس سے پہلے ہوئی ہے، حالانکہ اس شخص نے ۲۳۳ھ میں یا اس سے پہلے فوت ہونے والے ائمہ سے بھی سماع و تلمذ اور لقاء و تحدیث کا دعوی کر رکھا ہے۔ مثلاً قاسم بن سلام (متوفی ۲۲۴ھ) اور ابن معین (متوفی ۲۳۳ھ) وغیرہ. ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے کذاب ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بناء پر اسے امام ابن عدی نے کہا کہ جھوٹوں میں اس سے زیادہ بے حیا قسم کا جھوٹا میں نے نہیں دیکھا۔ اور اس کے غیر ثقہ ہونے کی صراحت امام دارقطنی، حاکم، ابونعیم، ابو الفتح، ابن ابی الفوارس، ابن حبان، زرقانی، عبدالباقی وغیرہم نے بھی کی ہے۔ امام ابن عدی سے اوپر ابن مغلس کے کذاب ہونے کی تصریح نقل کی گئی ہے، ان کی پوری بات درج ذیل ہے:

”ما رأيت في الكذابين أقل حياء منه، كان ينزل إلى الوراقين فيحمل من عندهم رزم الكتب، ويحدث عمن اسمه فيها، ولا يبالي متى مات، وهل مات قبل أن يولد أو لا؟“[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن المغلس کس قسم کا جھوٹا انسان تھا۔ ابن عدی کا سال ولادت ۲۷۷ھ اور سال وفات ۳۶۵ھ ہے۔

ابن المغلس پر امام ابن قانع کی جرح:

مشہور و معروف حنفی امام عبدالباقی بن قانع بغدادی (مولود ۲۶۵ھ و متوفی ۳۱۵ھ) نے کہا:

”ابن الصلت ليس بثقة.“[2]

---

[1] لسان الميزان (١/ ٢٧١)	[2] ميزان الاعتدال (١/ ٦٦) و خطيب (٤/ ٢٠٩)

مصنف انوار کا ایک سفید جھوٹ:

واضح رہے کہ امام عبدالباقی حنفی ہیں۔ مصنف انوار نے ان کے ثقہ وحنفی ہونے کی تصریح کی ہے اور حسب عادت ان کی بابت غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا کہ ان کا ذکر تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کیا ہے۔❶ اور مصنف انوار نے یہ غلط بیان جواہر المضیہ کے حنفی حاشیہ نگاروں کی تقلید میں کی ہے۔❷

اس طرح کی غلطی مصنف انوار کی اصطلاح میں اگر حنفی لوگوں سے سرزد ہو تو ''تحقیق وانصاف پسندی ہے لیکن اس سے معمولی تعین تسامح کسی اہلحدیث اور غیر حنفی محدث سے سرزد ہو تو اس کا نام ''الحاق وتحریف'' وغیرہ ہے، دراصل ابن قانع کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان (۳/۳۸۳،۳۸۴) میں کیا ہے۔

ابن المغلس پر امام ابن حبان کی جرح:

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی (مولود ۲۸۰ھ ومتوفی ۳۵۴ھ) نے فرمایا:

"راودنى أصحابنا أن على أذهب إليه، وأسمع منه فأخذت جزء الأنتخب فيه فرأيته حدث عن يحيىٰ بن سليمان بن نضلة عن مالك، وعن هناد فعلمت أنه يضع الحديث، فلم أذهب إليه، ورأيته يروى عن جماعة ما آحسبه رآهم."❸

یعنی میرے ساتھیوں نے چاہا کہ میں ابن المغلس کی مجلس درس میں شرکت کروں۔ میں نے اس کی ایک کتاب لے کر سرسری جائزہ لینا چاہا۔ اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ وہ وضع حدیث کرتا ہے اور ایک ایسی جماعت سے روایت کرتا ہے جس کے افراد میں سے اس نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔

ابن المغلس پر امام حاکم کی جرح:

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم (مولود ۳۲۱ھ ومتوفی ۴۰۳ھ) نے کہا:

''کئی ایسے اساتذہ سے یہ روایت کرتا ہے جن سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی، بلکہ ان لوگوں سے ملاقات کے دعوی ہی میں یہ جھوٹا ہے۔''❹

ابن المغلس پر دوسرے ائمہ فن کی جرح:

امام احمد بن محمد بن غالب البرقانی (مولود ۳۳۳ھ والمتوفی ۴۲۵ھ) نے اس کو ایسے متروکین میں شمار کیا ہے جن کے متروک ہونے پر امام دارقطنی نے بھی موافقت کی ہے۔❺

اسی طرح امام ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی (مولود ۳۳۳ھ ومتوفی ۳۴۰ھ)، امام ابوالفتح محمد بن احمد بن ابی الفوارس (مولود ۳۸۸ھ)، امام ذہبی اور ابن حجر وغیرہ نے بھی اسے کذاب، وضاع اور جھوٹا بتلایا ہے۔

❶ مقدمہ انوار الباری (۲/ ۸۹) ❷ ملاحظہ ہو: الجواهر المضية (۱/ ۲۹۳، حاشیہ بر ترجمہ ابن قانع)
❸ لسان الميزان (۱/ ۲۷۰) ❹ لسان الميزان (۱/ ۲۷۰) ❺ لسان الميزان (۱/ ۲۷۰) تاريخ بغداد (۴/ ۲۰۷)

ابن المغلس کی حمایت میں کوثری اور مصنف کشف الظنون کے بیان کا جائزہ:

اس کے باوجود مصنف انوار کے استاذ کوثری نے ابن المغلس کو ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ ائمہ مذکورین کی جرح شدید کے مقابلے میں کسی صاحب فن نے اسے ثقہ نہیں کہا۔ کوثری کی طرح ایک اور حنفی نے فرط تعصب سے کہہ دیا کہ:

"وقد ضعفه الخطيب في تاريخ بغداد كما هو عادته مع الحنفية." ❶

یعنی خطیب نے تاریخ بغداد میں ابن المغلس کو ضعیف قرار دیا، جیسا کہ حنفیوں کے ساتھ ان کی عادت ہے۔

اس بیچارے صاحب کشف الظنون کو یہی معلوم نہیں کہ خطیب نے تاریخ بغداد میں پچاسوں حنفی فقہاء و محدثین کی توثیق و تحسین کی ہے اور انھیں حجت و معتبر قرار دیا ہے خطیب کی ولادت سے بہت پہلے ائمہ جرح و تعدیل ابن المغلس کو کذاب، وضاع اور جھوٹا قرار دے کر دنیا سے جا چکے تھے، حتی کہ حنفیوں ہی کے ایک امامِ فن ابن قانع نے بھی اسے "ليس بثقة" کہا ہے، اور ابن قانع خطیب سے پہلے گزرے ہیں۔ اب اگر ایسے کذاب و وضاع کو امام خطیب نے بھی کذاب و وضاع کہہ دیا تو کوثری اور صاحب کشف الظنون جیسے حنفیوں کو بہت تکلیف پہنچتی ہے، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اسے لوگوں نے حنفی ہونے کی بناء پر کذاب و وضاع کہا ہے۔ صاحب کشف الظنون کو یہ ہمت نہیں تھی کہ خطیب کی نقل کردہ جرحوں کے مقابلے میں ابن المغلس کے ثقہ ہونے پر دلیل پیش کر سکیں، صرف ان کا شکوہ کر کے رہ گئے، لیکن کوثری نے ایک قدم بڑھ کر اسے ثقہ قرار دے دیا۔ ❷

ابن المغلس کے بارے میں کوثری کی دیانت داری:

ہر دیانت دار آدمی سوچ سکتا ہے کہ جو شخص ائمہ جرح و تعدیل کے کذاب و وضاع قرار دیے ہوئے شخص کو ثقہ کہے، وہ بذات خود کتنا ثقہ اور دیانت دار ہوسکتا ہے؟ ابن المغلس کو غیر ثقہ قرار دینے والے محدثین خصوصاً خطیب رحمہ اللہ کے خلاف زہر افشانی کرتے ہوئے کوثری نے کہا ہے:

"ابن المغلس کا گناہ یہ ہے کہ اس نے مناقب ابی حنیفہ پر کتاب لکھ دی، اسی گناہ کے باعث محدثین نے اسے ضعیف کہہ دیا۔" ❸

مناقب ابی حنیفہ کے مصنف صیمری کا ذکر:

حالانکہ مناقب ابی حنیفہ پر خطیب کے حنفی استاذ قاضی ابوعبداللہ الحسن بن علی صیمری نے بھی کتاب لکھی تھی، جن کی بابت خطیب نے فرمایا:

"كان صدوقا وافر العقل جميل المعاشره عارفا بحقوق أهل العلم حسن العبارة جيد النظر." الخ ❹

❶ كشف الظنون (٢/ ٥٢٨، تذكره كتب مناقب أبي حنيفة)

❷ تانيب (ص: ١٦٥، ١٦٦، مع حاشيه و ترحيب)

❸ تانيب (ص: ١٦٥، مع حواشی)　❹ خطيب (٨/ ٧٨، ٧٩)

مناقب ابی حنیفہ کے مصنف ابن کاس نخعی کا ذکر:

اسی طرح خطیب کے ایک استاذ الاساتذہ ابو القاسم علی بن محمد بن کاس النخعی الکوفی حنفی (متوفی ۳۲۴ھ) نے بھی مناقب ابی حنیفہ پر کتاب لکھی، جس کا تذکرہ مصنف انوار اور صاحب کشف الظنون نے بھی کیا ہے۔[1] مگر خطیب نے اس حنفی (مصنف مناقب ابی حنیفہ) کو ثقہ، فاضل اور عارف بالفقہ وغیرہ قرار دیا ہے۔[2]

ان دونوں حنفی اماموں کی کتاب مناقب ابی حنیفہ سے خطیب نے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ صرف ان دونوں مثالوں ہی سے کوثری اور صاحب کشف الظنون کی بھرپور تکذیب وتردید ہوجاتی ہے، جنہیں دعویٰ ہے کہ خطیب یا دوسرے محدثین نے ابن المغلس کو محض حنفی اور مصنف مناقب ابی حنیفہ ہونے کی بنا پر غیر ثقہ کہا ہے۔ ائمہ دین کے خلاف نیا راستہ نکالتے ہوئے کوثری نے ابن المغلس کے ثقہ ہونے پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ ان ائمہ دین نے اسے محض اس گناہ کے سبب غیر ثقہ کہا کہ اس نے مناقب ابی حنیفہ پر کتاب لکھ دی۔ ہر دیانت دار شخص کوثری کی اس دلیل کو بلا تأمل بے معنی قرار دے گا۔ ناظرین کرام اپنے ضمیر سے خود استصواب کر کے اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

ابن مغلس کی توثیق پر کوثری کی ایک عجیب دلیل کا جائزہ:

ابن المغلس کی ثقاہت پر کوثری نے بزعم خویش ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ:

”امام ابن ابی خیثمہ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ اس شخص (ابن المغلس) کی احادیث و روایات لکھا کرو، کیونکہ وہ ہمارے ساتھ علمی مجلسوں میں شریک ہوکر ستر سال تک علم لکھتا رہا ہے۔“[3]

حالانکہ یہ دلیل بھی ابن المغلس کی توثیق کے لیے بالکل لغو ہے اور اس کا انتساب ابن ابی خیثمہ کی طرف صحیح نہیں، کیونکہ ابن ابی خیثمہ تک اس روایت کی سند مکذوب وموضوع ہے۔ چنانچہ اس مکذوبہ داستان کو نقل کرنے کے بعد امام خطیب فرماتے ہیں:

”لا أبعد أن تكون هذه الحكاية موضوعة، وفي إسنادها غير واحد من المجهولين.“[4]

یعنی اس افسانے کے موضوع ہونے کو میں مستبعد نہیں سمجھتا، کیونکہ اس کی سند میں کئی ایک مجہول راوی ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اس افسانے کی سند میں ابوبکر محمد بن حمدان الصباح نیشاپوری نام کا ایک آدمی ہے، جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خطیب کے حوالہ سے مجہول کہہ کر سکوت اختیار کیا۔[5] جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مجہول ہونے پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی متفق ہیں۔ اس مجہول نے اپنے جس استاذ سے یہ روایت نقل کی ہے وہ حسن بن محمد بن نصر بن عثمان ابو محمد رازی ہے، اسے کذاب کہا گیا ہے۔[6] اور ابن ابی خیثمہ کے جس بیٹے ”عبداللہ“ کی طرف یہ افسانہ منسوب ہے، وہ بھی مجہول ہے۔[7]

حاصل یہ کہ یہ افسانہ بقول خطیب فی الواقع موضوع ہے، مگر اسے کوثری نے ابن المغلس کے ثقہ ہونے کی دلیل بنا لیا ہے، حالانکہ اس سے اس کی ثقاہت ثابت نہیں ہوتی۔ (والتفصيل في التنكيل) جب ابن المغلس کے بارے میں کوثری

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٢٦) و کشف الظنون (٢/ ٥٢٩)
[2] خطیب (١٢/ ٧٠، ٧١)
[3] تانیب الخطیب (ص: ١٦٥)
[4] تاریخ خطیب (٤/ ٢٠٩)
[5] لسان المیزان (٥/ ١٤٥)
[6] لسان المیزان (٢/ ٢٥٣)
[7] التنکیل (١/ ١٧٣) و تہذیب تاریخ لابن عساکر (٢/ ٥٧)

نے اتنی بے راہ روی اختیار کر رکھی ہے تو موصوف امام صاحب کی بابت جو بھی کر گزریں کم ہے اسی ابن المغلس کے ترجمہ میں ابن حبان رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے:

''ابن المغلس، یحییٰ بن سلیمان بن نضلہ اور ھناد (متوفی ۲۴۳ھ) سے روایت کرتا ہے۔ اسی سے میں سمجھ گیا کہ یہ جھوٹا ہے۔ یہ بہت سے ایسے لوگوں سے روایت کرتا ہے جن کو اس نے دیکھا بھی نہیں۔''[1]

امام ابن حبان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شخص مذکور کا ھناد سے سماع ولقاء کا دعویٰ بھی جھوٹ ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۲۴۳ھ میں بھی یہ اس عمر کو نہ پہنچا تھا کہ اساتذہ علوم کی مجالس درس میں شریک ہوسکے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس کا سال ولادت صحیح ترین اندازہ سے ۲۳۲ھ قرار پاتا ہے۔ دریں صورت بوقت وفات اس کی عمر پچھتر سال ہوگی، لیکن اہل علم کے بیانات سے واضع ہوتا ہے کہ اس کی ولادت ۲۳۲ھ کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔ واللّٰه أعلم بالصواب!

ظاہر ہے کہ ۲۳۲ھ کے بعد پیدا ہونے والا آدمی اساتذہ علوم کی درسگاہوں میں عموماً ۲۴۷ھ، ۲۴۸ھ میں شریک ہونے لگتا ہے۔ اگر فرض کیجیے کہ یہ شخص ۲۴۰ھ سے اساتذہ کی مجالس میں علوم لکھنے کے لیے بیٹھنے لگا تو امام ابن ابی خیثمہ کی طرف منسوب روایت کے پیش نظر یہ شخص زیادہ سے زیادہ ان کے ساتھ ۲۷۹ھ تک علوم لکھتا رہا ہوگا، کیونکہ امام ابن ابی خیثمہ (مولود ۱۸۵ھ) کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اساتذہ کی مجالس میں اسے ابن ابی خیثمہ نے زیادہ سے زیادہ اڑتیس انتالیس سال علوم لکھتے دیکھا ہوگا، لیکن افسانوی روایت میں کہا گیا ہے کہ ستر سال تک یہ شخص امام ابن ابی خیثمہ کے ساتھ علوم لکھتا رہا، صرف اتنی سی بات سے بھی اس روایت کا مکذوبہ ہونا ظاہر ہوگیا ہے۔

ناظرین کرام! ابن المغلس کی بابت اس تفصیل کو یاد رکھیں، مصنف انوار اور ان جیسے لوگوں نے اس کذاب کی اختراعی روایات کو بکثرت دلیل و حجت بنایا ہے۔

حارثی و اباء نجیرمی کا ذکر:

مشہور واضعین میں اباء نجیرمی بھی شامل ہے، جس نے تین سو سے زائد وضعی احادیث کو امام ابوحنیفہ کی روایت کردہ بتلایا۔[2]

اور اس کی ان ساری روایات کو دوسری مکذوبہ روایات کے ساتھ حارثی ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بخاری (متوفی ۳۴۰ھ) نے ''مسند أبي حنيفه'' میں جمع کر رکھا ہے۔ فضائل ابی حنیفہ پر بھی اس کی ایک کتاب ''کشف الأسرار'' ہے۔ اس کا تعارف مصنف انوار نے دوسری جگہ میں کرایا ہے، ہم بھی آگے چل کر اس کا حال بیان کریں گے، اجمالاً یہ معلوم رہے کہ یہ بے حد وضاع و کذاب ہے۔

ابو العباس احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ رافضی (مولود ۲۴۹ھ، متوفی ۳۳۲ھ):

امام ابن الجوزی نے کہا:

''ابن عقدة رافضي، رمي بالكذب.''[3]

---

[1] لسان الميزان (۱/ ۲۷۰)　[2] لسان الميزان.

[3] الفوائد المجموعة مع حواشي علامه معلمی یمانی (ص: ۳۵۲ تا ۳۵۴)

ابن عقدہ اس قدر بد دین تھا کہ دوسروں کو بھی وضع حدیث پر آمادہ کرتا اور مکذوبہ کتابیں لکھ کر دوسروں کو دے کر ان سے کہتا کہ ان کی روایت کرو، پھر انھیں کے حوالے سے خود ان کتابوں کی روایت کرتا۔ اسی لیے امام ابوبکر بن ابی غالب فرماتے کہ "لا يتدين بالحديث" امام دارقطنی نے کہا: "لم يكن في الدين بالقوي، هو رجل سوء" امام ابو عمرو بن حیویہ نے اسے متروک اور عبدان اہوازی نے اسے محدثین کی صف سے خارج قرار دیا ہے۔ امام مطین نے اسے کذاب کہا ہے اور ابوبکر بن عبداللہ نے کہا کہ اس کے نقل کردہ اقوال جرح و تعدیل میں حجت نہیں۔ [1]

اس شخص نے بھی دوسرے کئی کذابین کی طرح "مسند ابی حنیفہ" نامی کتاب لکھی، بتصریح خوارزمی جامع مسانید ابی حنیفہ کی اکثر روایات اسی کی جمع کردہ "مسند ابی حنیفہ" میں ہیں۔ [2] مصنف انوار نے اپنے طور پر موصوف کا تعارف کرایا ہے، ہم بھی وہیں مصنف انوار کے تعارف کا جائزہ لیں گے۔

قاضی ابوبکر محمد بن عمر المعروف بابن الجعابی (مولود ۲۸۴، متوفی ۳۵۵ھ):

ابن الجعابی مذکور ابن عقدہ کا شاگرد تھا، اگرچہ حفظ علوم اور تصنیف کتب میں مشہور تھا، مگر آخر میں حفظ سے محروم ہوگیا اور اس نے اپنی ساری تصانیف نذر آتش کرا دیں۔ امام حاکم نے کہا ہے:

"قلت للدارقطني: بلغني عن ابن الجعابي أنه تغير عما عهدنا قال: إي تغير، قلت بالله هل اتهمته؟ قال إي والله، قلت حتى خفت أنه ترك المذهب؟ قال: ترك الصلوة والدين." [3]

یعنی امام دارقطنی نے فرمایا کہ یہ شخص پہلی روش سے بدل گیا اور جھوٹ بولنے لگا، خرابی دماغ کا بھی شکار ہوگیا، حتی کہ دین اور نماز سب کو چھوڑ بیٹھا۔

لسان المیزان (۵/۳۲۳) میں اتنا اضافہ ہے کہ اس شخص نے صرف امام خلیل کی طرف خود ساختہ اسانید سے ایسی بیس احادیث منسوب کیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ نیز امام ابوبکر برقانی نے یہ بھی فرمایا کہ:

"ما سمعت إلا خيرا أي بعدمه." [4] "یعنی اس میں کوئی خیر نہیں۔"

میزان الاعتدال (۳/۱۱۳) میں ہے کہ یہ فاسق و بد دین تھا۔ تاریخ خطیب (۳/۳۰) میں ہے کہ یہ شخص مجلس ابوالفضل بن عمید میں شراب خوری بھی کرتا تھا اور نشہ میں بدمست رہا کرتا تھا۔ صاحب غرائب اور رافضی تھا۔ جس کے سبب اس کے مرنے پر روافض کی طرف سے نوحہ خوانی ہوئی۔ تذکرۃ الحفاظ (۳/۱۳۲) میں ہے کہ یہ قاضی بنا تو قاضی کی حیثیت سے بھی ٹھیک نہیں رہا اور اس نے متکلمین سے بھی گٹھ جوڑ کر لیا۔ علماءِ حدیث نے اسے ساقط قرار دیا۔ دمشق گیا تو رافضی ہونے کے سبب لوگوں نے اسے بھگا دیا۔ "الانتصار والترجيح" نام کی کتاب فضائل ابی حنیفہ میں اس نے بھی لکھی ہے۔ [5]

---

[1] تاريخ بغداد (٥/ ١٤) لسان الميزان (١/ ٢٦٣) التنكيل للعلمي (١/ ١٦٩)

[2] جامع المسانيد (٢/ ٣٩٦)

[3] تذكرة الحفاظ (٣/ ١٣٢) سؤالات الحاكم (ص: ١٥٣)

[4] لسان الميزان (٤/ ٣٢٣)

[5] كشف الظنون (١/ ١٧٣) و سيرة النعمان للعلامة شبلي.

ابو القاسم بن ابی العوام (متوفی ۳۳۴ھ):

ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن الحارث المعروف باابن ابی العوام سعدی مصری (متوفی ۳۳۵ھ) بظاہر ایک مجہول شخص ہے۔ امام طحاوی، نسائی اور دولابی سے روایت کرتا ہے۔ بنام "فضائل أبي حنيفة و أصحابه" اور "مسند أبي حنيفه" دو کتابیں لکھیں۔ جنھیں اس کا لڑکا محمد بن عبداللہ اور اس سے اس کا لڑکا احمد ابو العباس روایت کرتا تھا، مگر یہ تینوں دادا، پوتا اور بیٹا مجہول ہیں، البتہ پوتا مصر کی رافضی باطنی حکومت کا منظور نظر قاضی تھا، جو حنفی ہونے میں شہرت کے باوجود رافضی حکومت کا اس شرط پر قاضی بن گیا کہ مذہب رافضی کے مطابق احکام صادر کرے گا، اس کی نگرانی کے لیے چار رافضی علماء رکھے گئے کہ خلاف معاہدہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھے، یہ ۳۴۹ھ میں پیدا ہوا اور ۴۱۸ھ میں مرا۔ ۴۰۵ھ تا ۴۱۱ھ قاضی رہا۔[1] ایسے مجہول سلسلہ رواۃ کی جن میں سے ایک رافضی حکومت کا آلۂ کار تھا، روایات اور کتابت کا پایہ اعتبار مخفی نہیں۔

حسین بن محمد بن خسرو (متوفی ۵۲۲ھ):

موصوف حسین بن محمد بن خسرو معتزلی حنفی تھا اور رافضی بھی۔ چنانچہ طبقات الروافض میں ابن ابی واسطی نے اس کا ذکر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ مناقب اہل بیت میں اس نے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس نے ایک نسخہ احادیث تیار کیا جس میں علی بن محمد بن عبیداللہ عن ابی بکر محمد بن عمر کے حوالہ سے احادیث جمع کیں، مگر بقول امام ذہبی رحمہ اللہ:

"النسخة كلها مكذوبة على الدقيقي"[2] "یعنی یہ پورے کا پورا نسخہ مکذوب (جھوٹ کا پوٹ) ہے۔"

امام ابن عساکر نے کہا ہے کہ موصوف حسین نے بہت سی روایات بیان کی ہیں، مگر وہ کوئی بھی علم نہیں جانتا تھا۔ ابن ناصر نے کہا کہ وہ حاطب اللیل اور معتزلی تھا۔ اس نے "مسند ابی حنیفہ" کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی ہے اور اسی نام سے ایک دوسری کتاب لکھ کر موصوف نے قاضی محمد بن عبدالباقی مارستانی کی طرف منسوب کر دی ہے۔

ابو القاسم یونس بن طاہر بن محمد بن یونس بن الخیوی النضری:

مذکورہ بالا کذابین میں سے بھی کہیں زیادہ ترویج اکاذیب کا شائق و شیدا نضری موصوف تھا، جس کی تجریح و توثیق میں اگرچہ کسی امام جرح و تعدیل کا کوئی قول نہیں، مگر یہ شخص مذکورہ بالا کذابین اور وضاعین کے اکاذیب کی ترویج میں بہت سرگرم عمل تھا۔ اس کے رائج کردہ اکاذیب کو موفق مکی معتزلی اور اس کے تلمیذ التلمیذ ابو المؤید خوارزمی مصنف جامع مسانید ابی حنیفہ نیز اس قسم کے دوسرے لوگوں نے اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔[3]

نضری کا مکذوبہ احادیث کو احادیث نبویہ کہہ کر رائج کرنا اس کے کذب ہونے کی دلیل صریح ہے۔ ڈاکٹر محمد محروس نے مشائخ بلخ میں موصوف نضری کا سال وفات ۴۱۱ھ بتلایا ہے اور اسے محدثین وفقہاء میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی کئی تصانیف ہیں، ان میں سے ایک "البهجة في ذكر أصحاب أبي حنيفة" بھی ہے۔[4]

---

[1] طليعة التنكيل (ص: ٢٧، ٢٨) ورفع الإصر عن قضاة مصر (ص: ١١٠ تا ١١٢) و كتاب قضاة مصر لكندى (ص: ٤٩٦، ٤٩٧)

[2] لسان الميزان (٢/ ٣١٢)　　[3] ماحصل از التنكيل (١/ ٤٤٨، ٤٤٩)

[4] مشائخ بلخ (١/ ٧١ و ٩٢) بحواله فضائل بلخ (ص: ٣١٦، ٣٥٤)

موفق معتزلی کا جمع کردہ انبار اکاذیب:

ائمہ احناف کے فضائل و مناقب میں مروج شدہ وضعی روایات کو بہت بڑے پیمانے پر رواج دینے والے مشہور معتزلی موفق بن احمد مکی خطیب خوارزم (مولود ۴۸۴ھ ومتوفی ۵٦۸ھ) ہیں، موفق کے معتزلی و رافضی ہونے کی صراحت کردری حنفی نے اس طرح کی ہے:

"صدر الأئمة، أخطب الخطباء، الخوارزمي المعتزلي القائل بتفضيل علي رضي الله عنه على سائر الصحابة"[1]

یعنی خوارزمی معتزلی تھا اور تمام صحابہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قائل تھا۔ یعنی رافضی تھا۔

اوپر تفصیل گزر چکی ہے کہ معتزلہ و روافض وضع حدیث میں بڑے بیباک ہوتے ہیں، نیز اکاذیب کی ترویج و اشاعت کو اپنا شیوہ و شعار سمجھتے ہیں۔ اور کردری ہی نے کہا ہے کہ معتزلہ اِخوان الروافض ہیں، جو ترویج اکاذیب کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔[2]

کوثری نے کہا ہے:

"من لا يقول بقولهم يكون على طرف لسانهم."[3]

یعنی جو معتزلہ کی ہاں میں ہاں نہ ملائے وہ ان کی زبان سے مطعون قرار پاتا ہے۔

موفق مذکور مشہور معتزلی حنفی محمود جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف کا شاگرد و تربیت یافتہ ہے۔[4] موفق نے مناقب ابی حنیفہ کے طرز پر فضائل علی میں بھی ایک کتاب لکھی ہے، جس میں جاہل واضعین کی وضع کردہ کئی کئی اوراق پر مشتمل طویل طویل روایات جمع کر دیں ہیں۔[5] موفق کے معتزلی استاذ زمخشری حنفی نے بھی مناقب ابی حنیفہ پر ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام "شقائق النعمان" ہے۔[6]

امام صاحب کے فضائل و مناقب میں وضعی روایات عموماً کتب مناقب ابی حنیفہ میں اور ان کی طرف منسوب وضعی احادیث مسانید ابی حنیفہ میں مدون کی گئی ہیں۔ امام صاحب کی طرف منسوب روایات کا اپنے طور پر امام ابو حاتم محمد بن حبان بستی (متوفی ۳۵۴ھ) نے اپنی دو کتابوں (۱) علل ما استند إليه أبو حنيفة. (۲) علل مناقب أبي حنيفة ومثالبه" میں جائزہ لے کر بتلا دیا کہ امام صاحب نے کوئی دوسو احادیث روایت کی ہیں۔[7]

مگر ہم اس موضوع پر مفصل و مدلل گفتگو آگے چل کر کریں گے۔

---

[1] مناقب أبي حنيفة للكردري (١/ ٨٨)
[2] کردری (١/ ١٠٧)
[3] تانيب (ص: ٣٨)
[4] الجواهر المضيئة (٢/ ١٨٨)
[5] لسان الميزان (٢/ ٢٤٣، ٢٤٤، ذكر حسن بن غفير مصرى)
[6] كشف الظنون (٢/ ٥٢٨)
[7] التنكيل (١/ ٤٣٥، ٤٣٨)

مذکورہ بالا واضعین حدیث کی وضع کردہ بعض احادیث کا تذکرہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ بطور مثال مذکورہ بالا راویوں کی بعض خانہ ساز روایات کا تذکرہ کیا جائے جو مناقب ابی حنیفہ میں یا ان کے فقہی مسائل کی تائید میں وضع کی گئیں اوپر جوئباری اور مامون بن احمد کا ذکر آ چکا ہے۔ دونوں نے نصوص کتاب وسنت کے خلاف مذہب حنفی کی تائید میں درج ذیل روایت گھڑ کر نبی معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کی۔

ایمان میں کمی بیشی نہ ہونے سے متعلق وضعی حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "الإيمان لا يزيد ولا ينقص." [1] یعنی ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے۔

مامون اور جوئباری کی اس وضعی حدیث کی طرح ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی (جس کا مفصل تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے) نے بھی ایک حدیث وضع کی، بلکہ اس نے اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی ایجاد کیے کہ ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ شرک وکفر اور اسلام سے خروج ہے۔[2] اور اس سے مزید ذرا آگے بڑھ کر محمد بن قاسم طالقانی نے یہ حدیث وضع کی کہ ایمان میں زیادتی کا عقیدہ منافقت اور کمی کا عقیدہ کفر ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے اگر توبہ نہ کریں تو تلوار سے ان کی گردنیں اڑا دو۔[3]

امام شافعی کی قدح و امام ابوحنیفہ کی مدح میں وضعی حدیث:

نصوص کتاب وسنت کے خلاف وضعی روایات کے ان موجدین سے مامون و جوئباری نے مل کر درج ذیل حدیث بھی وضع کی:

"عن أنس مرفوعا: يكون في أمتي رجل يقال له محمد بن إدريس الشافعي أضر على أمتي من إبليس، ويكون في أمتي رجل يقال له النعمان بن ثابت أبو حنيفة هو سراج أمتي." [4]

یعنی میری امت میں محمد بن ادریس (مراد امام شافعی) ابلیس سے بھی زیادہ مضر اور امام ابوحنیفہ میری امت کے چراغ ہوں گے۔

اس وضعی حدیث کو ایک تیسرے کذاب محمد بن سعید مروزی بورقی (جس کا تذکرہ گزر چکا ہے) نے انھی الفاظ و معانی کے ساتھ گھڑ کر مروج کیا۔[5] اور بعض نے اس کے لیے مختلف اور متعدد اسانید وضع کر کے رائج کیا۔ امام خطیب نے محمد بن سعید بورقی کی مذکورہ مکذوبہ روایت کی نقل کے بعد کہا:

---

[1] اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي، كتاب الإيمان (ص: ٢٢، ٢٣) والموضوعات لابن الجوزي (١/ ١٣١، ١٣٢)

[2] اللآلي المصنوعة (ص: ٢٢، ٢٣) الموضوعات لابن الجوزي (١/ ١٣٠)

[3] اللآلي المصنوعة (ص: ٢٣) الموضوعات (١/ ١٣٣)

[4] اللآلئ المصنوعة، باب بقيه المناقب (ص: ٢٨٠)

[5] اللآلئ المصنوعة (ص: ٢٨٠)

”ما كان أجرأ هذا الرجل على الكذب؟ كأنه لم يسمع حديث النبي صلى الله عليه وسلم: من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار.“[1]

یعنی یہ شخص وضع حدیث کرنے پر کتنا جری تھا؟ گویا اس نے یہ فرمان نبوی سنا ہی نہیں کہ جو عمداً وضع حدیث کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

امام خطیب کا یہ فرمان تمام واضعین حدیث کی وضعی روایات پر منطبق ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود بھی تقلید ابی حنیفہ کا دم بھرنے والے متعدد افراد مثلاً مصنف جامع المسانید خوارزمی، عبداللہ بن یعقوب حارثی، حسین بن محمد بن خسرو، ابو القاسم یونس نضری، موفق معتزلی رافضی، کردری، بعابی، غزنوی، مصنف جامع المسانید اور اس قسم کے دیگر لوگوں نے اس کو حدیث نبوی کہہ کر داخل کتاب کیا ہے۔[2] اور یہ سب کچھ خدمت علم و دین کے نام پر! حیرت ہے کہ وضع حدیث پر اس قدر شرعی وعید کے باوجود مذکورہ بالا قسم کی وضعی حدیثوں کو مقبول بنانے پر بعض حنفی کتب فقہ میں زور دیا گیا ہے۔[3] اور اس قسم کی کتب فقہ کے مطالعہ کو تہجد و تعلیم قرآن سے افضل بتلایا گیا ہے۔[4] اسی لیے مصنف انوار، کوثری اور بدر الدین عینی جیسے لوگوں نے اس قسم کی وضعی روایات کی ترویج و اشاعت کو اپنا شیوہ و شعار بنا لیا ہے۔ موصوف محمد بن سعید بورقی کو امام حاکم نے بھی کذاب اور وضاع کہا ہے۔[5]

کردری نے یہ کہنے کے باوجود کہ:

”إن الحاكم صاحب الجرح والتعديل قد تمسك بكلامه كل المحدثين.“ الخ[6]

یعنی حاکم کی باتوں کو تمام محدثین حجت مانتے ہیں۔

بورقی کی گھڑی ہوئی حدیث کو حجت بنا لیا۔ بورقی نے اپنی وضع کردہ اس روایت کے لیے جو سند فٹ کی ہے یعنی ”حدثنا سليمان بن جابر حدثنا بشير بن يحيىٰ أنبأنا الفضل بن موسىٰ الخ“ اس میں سلیمان اور بشیر غیر معروف ہیں۔ اس سے اہل علم کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ بورقی مجہول رواۃ کے نام سے احادیث گھڑتا تھا۔ اس کذاب کی طرح اس روایت کو دوسرے کذاب ابو عبداللہ مامون بن خالد نے بھی بیان کیا، جو آن کی آن میں مکذوبہ سند فٹ کر کے روایت گھڑنے کا عادی تھا۔[7] اسی کذاب نے یہ حدیث گھڑی کہ نماز میں بوقت رفع الیدین کرنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے، نیز اس نے یہ حدیث وضع کی کہ ”الإيمان قول، والأعمال شرائعه.“[8]

الغرض اس قسم کے کذابین نے منظّم سازش کے ذریعہ انبار اکاذیب کو احادیث نبویہ کہہ کر مروج کیا۔ امام صاحب کے ”سراج الأئمة“ ہونے والی روایت کو تاریخ خطیب سے نقل کر کے موفق اور ان کے مقلد خوارزمی و کردری نے حسب عادت ایک بہت بڑی علمی اور دینی دیانت داری کا مظاہر کیا ہے۔ وہ یہ کہ اس روایت کے ایک راوی احمد بن عمر بن روح نہروانی کو خطیب

---

[1] تاريخ خطيب (٥/ ٣٠٨ تا ٣١٠)

[2] مناقب أبي حنيفة للموفق (ص: ١٠ تا ٢٠) و كردري (ص: ٢١ تا ٣٦) و جامع المسانيد للخوارزمي (١/ ١٢ تا ٢٠)

[3] در مختار (١/ ٣٦، ٣٧)

[4] دُر مختار (١/ ٢٧، ٢٨)

[5] لسان الميزان (٥/ ١٧٨)

[6] كردرى (١/ ٢٣)

[7] اللآلئ المصنوعة (١/ ٢٨٠) و جامع المسانيد (١/ ١٧)

[8] لسان الميزان (١/ ١٩٣ وغيره)

نے صدوق کہا، تو ان حضرات نے خطیب کے اس قول کو بذوق وشوق نقل کیا، مگر خطیب نے اس روایت کے متعلق جو یہ کہا کہ:

”لم أكتب هذا الحديث إلا من هذا الوجه، وهو باطل موضوع، و محمد بن يزيد متروك الحديث، و سليمان بن قيس، وأبو المعلى مجهولان وأبان بن عياش رمي بالكذب“[1]

یعنی یہ حدیث موضوع و باطل ہے، اس کا راوی محمد بن یزید متروک اور دو راوی سلیمان و ابوالمعلی مجہول اور ایک راوی ابان کذاب ہے۔[2]

تو امام خطیب کے اس کلام کو موفق، خوارزمی اور کردری میں سے کسی نے نقل کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی۔ ان ساری علل کے ساتھ محمد بن یزید سے اس روایت کے ناقل محمد بن حامد بن ابراہیم السلمی خراسانی کی بابت خطیب کا ارشاد ہے:

”حدث عن محمد بن يزيد أحاديث مناكير.“[3]

مگر موفق اور ان کے متبعین نے خطیب کے ان فرامین کو بھی نقل کرنا گوارا نہیں کیا۔ موفق اور ان کے مقلدین نے اس معنی کی ایک روایت ابن عمر سے بسند محمد بن یزید عن سعید بن بشیر عن حماد عن رجل عن نافع عن ابن عمر نقل کی ہے۔[4]

حالانکہ محمد بن یزید کے متروک ہونے کے ساتھ اس کی سند کے مسلسل تین رواۃ (یعنی سعید، حماد، رجل) مجہول ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ موفق اور ان کی تقلید میں مصنف جامع المسانید نے ابن مبارک کے حوالہ سے یہ نقل کیا:

امام ابوحنیفہ کے سابق الامت ہونے سے متعلق وضعی حدیث:

امام ابن المبارک نے کہا:

”أنا ابن لهيعة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: في كل قرن من أمتي سابقون، وأبو حنيفة سابق في زمانه.“[5]

یعنی میری امت کی ہر صدی میں سابقین ہوں گے اور ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سابق ہوں گے۔

اس روایت کے اکثر رجال حسب سابق غیر معروف ہیں۔ البتہ اس کا ایک راوی حامد بن آدم معروف ہے، جس کی بابت ابن معین نے کہا: ”كذاب لعنه الله“ سلیمانی نے کہا: ”اشتهر بوضع الحديث“[6] یعنی یہ ملعون قسم کا مشہور وضاع و کذاب ہے۔ اور اس نے ابن لہیعہ (یعنی عبداللہ بن لہیعہ مولود ۹۶ھ ومتوفی ۱۷۴ھ) کی طرف یہ روایت مکذوبہ طور پر منسوب کر دی۔ ابن لہیعہ تبع تابعی تھے۔ انھیں تقریب التہذیب کے طبقہ سابعہ میں ذکر کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف بالاتفاق تبع تابعی ہیں۔ نیز موصوف ابن لہیعہ صدوق تھے، مگر آخری عمر میں مختلط ہو گئے اور موصوف مدلس بھی تھے اور مدلّس کی جو روایت بلا تصریح سماع وتحدیث ہو بالاتفاق غیر مقبول ہے، خصوصاً جس روایت کو بلا ”عن“ نقل کیا ہو، وہ قبیح ترین تدلیس ہے۔[7]

---

[1] تاريخ خطيب (۲/ ۲۸۹)

[2] نیز ملاحظہ ہو: اللآلئ المصنوعة (۱/ ۲۸۰) لسان الميزان (۲/ ۳۲۰)

[3] خطيب (۲/ ۲۸۸) لسان (۵/ ۱۱۲)

[4] موفق (۱/ ۱۳) جامع المسانيد (۱/ ۱۶)

[5] موفق (۱/ ۱۶) جامع المسانيد (۱/ ۱۸)

[6] لسان (۲/ ۱۶۳)

[7] كتب مصطلح الحديث.

اس روایت کا بھی یہی حال ہے کہ بلا "عن" بلا تصریح تحدیث مذکور ہے۔ پھر بھی ابن لہیعہ کی ذات اس روایت سے بری ہے، اس کا ذمہ وار حامد کذاب ہے، مگر کردری نے نہایت بے باکی سے ابن لہیعہ کو تابعی کہا ہے۔ مزید یہ بھی فرمایا:

''اگر تم کہو کہ اس روایت کے راوی ابن لہیعہ صغار تابعین سے تھے، جن کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہوئی، تو ہم کہیں گے کہ تابعی صغیر ہو یا کبیر، اس کی بیان کردہ منقطع حدیث محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک مرسل ہوتی ہے، جو ہمارے مذہب میں مقبول ہے۔ اصحاب الشافعی نے ایسی مرسل احادیث کو معطل و غیر مقبول قرار دینے کے باوجود یہ خیال خام کیوں قائم کر رکھا ہے کہ وہ اہل حدیث ہیں، بلکہ بحمداللہ ہم اہل حدیث و اہل رائے دونوں ہیں، کیونکہ ہم مرسل احادیث کو حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔''❶

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اہل حدیث کہلانے کے شوق میں کردری صاحب نے اکاذیب کو احادیث نبویہ کہہ کر قبول کر لیا ہے۔ افسوس ان پر جو "لعنة الله على الكاذبين" کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ کردری صاحب اس جگہ خواہ مخواہ کے لیے صغیر و کبیر تابعی کی منقطع یا مرسل روایت کے حجت ہونے نہ ہونے کی بحث میں پڑ گئے، جب کہ یہ روایت نہ صغیر تابعی سے مروی ہے نہ کبیر سے بلکہ جسے صغیر تابعی کہا جا رہا ہے، وہ تبع تابعی ہیں اور ان کی طرف یہ روایت حامد کذاب نے غلط طور پر منسوب کر دی ہے۔ (کما مر)

یہ عامل بالحدیث صاحب "أبو حنيفة سراج أمتي" والی مکذوبہ روایت کو نص شرعی قرار دے کر ایک اور گتھی سلجھانے بیٹھ گئے کہ ''خاتم النبیین ﷺ کو جب سراج منیر کہا گیا ہے تو امام صاحب کو سراج کہنا درست ہے یا نہیں!'' حالانکہ مکذوب بات کو نص قرار دینا ہی جرم عظیم ہے۔ فرمان نبوی ہے: "من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" مگر موصوف فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر کسی قسم کا اعتراض ''نص شرعی'' پر اعتراض ہے۔❷

حالانکہ مکذوبہ و خانہ ساز باتوں کو نص قرار دینے والوں کی قرآن نے سخت ملامت کی ہے:

﴿يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ [البقرہ: ۷۹]

یعنی یہ کہ اہل کتاب اپنی خانہ ساز باتوں کو نص قرار دے لیتے ہیں۔

اور جھوٹ گھڑنے والوں کی بابت نصِ قرآنی ہے:

﴿اِنَّمَا يَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ [النحل: ۱۰۵]

موفق رافضی نے زیر بحث روایت کو دوسری مکذوبہ سند سے بایں لفظ نقل کیا ہے:

"يكون في آخر الزمان رجل يكنى بأبي حنيفة." الخ❸

یعنی امام ابوحنیفہ آخری زمانے میں ہوں گے۔ الخ

اور دنیا جانتی ہے کہ امام صاحب آخری نہیں پہلی دوسری صدی کے آدمی تھے۔

---

❶ کردری (۱/ ۲۳، ۲٤)

❷ ماحصل از مناقب أبي حنيفة للكردري (۱/ ۲۳، ۲۵)

❸ موفق (۱/ ۱٤، ۱۵)

امام ابوحنیفہ کے لیے مہر نبوت ثابت کرنے کی سعی مذموم:

حد یہ کہ بعض روایات میں امام صاحب کو ''مہر ختم نبوت'' سے بھی بہرہ ور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ کہا:

''امام صاحب نے خواب دیکھا کہ قبر نبوی کھود کر استخوانِ نبوی اپنے سینے سے لگا رہے ہیں۔ اس خواب سے امام صاحب خائف ہو کر بصرہ امام محمد بن سیرین (امام المعبرین) کے پاس گئے، انھوں نے کہا کہ یہ خواب ابوحنیفہ نام کا آدمی ہی دیکھ سکتا ہے۔ امام صاحب نے کہا میں ابوحنیفہ ہوں، موصوف نے امام صاحب کی پیٹھ دیکھی جس میں مسہ (مہر ختم نبوت بھی مسہ کی طرح تھی) نظر آیا، لہٰذا انھوں نے فرمایا کہ تم ہی ابوحنیفہ ہو۔ جن کی بابت ارشاد نبوی ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سنت کو زندہ کرے گا۔''[1]

یہ روایت ابوالقاسم النضری نے گھڑی اور اس کے لیے ایک مجہول ومظلم سند وضع کی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا قسم کی روایت امام ابوحنیفہ کو رسول و نبی کا ہم پلّہ قرار دینے کے لیے وضع کی گئی ہے۔

تورات میں ذکر ابی حنیفہ سے متعلق وضعی حدیث:

موفق رافضی نے عبدالکریم بن مسعر سے یہ بھی نقل کیا کہ:

"سمعت جماعة من أهل العلم يقولون: مكتوب في التوراة صفة كعب الأحبار، والنعمان بن ثابت، ومقاتل بن سليمان."[2]

یعنی میں نے اہل علم کی ایک جماعت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تورات میں کعب احبار، ابوحنیفہ اور مقاتل بن سلیمان کی صفات لکھی ہیں۔

موفق رافضی نے جس عبدالکریم بن مسعر کے نام سے یہ مکذوبہ خود ساختہ روایت بیان کی ہے، اس کا وجود بھی فرضی ہے۔ امام ابونعیم نے فرمایا:

"أولاد مسعر خمسة وهم عبدالله، وكدام، ومحمد، والقاسم، والوليد."[3]

یعنی مسعر کے پانچ بیٹے ہیں: عبداللہ وکدام، محمد، قاسم، ولید۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسعر کے پانچ بیٹوں میں سے کسی کا نام عبدالکریم نہیں تھا، کذابین نے فرضی طور پر اس نام سے یہ مکذوبہ روایت ایجاد کر لی ہے۔

مدح ابی حنیفہ میں کلبی کی طرف منسوب وضعی حدیث:

موفق نے اس کے بعد محمد بن السائب کلبی سے نقل کیا ہے کہ وہ بکثرت مدح ابی حنیفہ کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ان کا تذکرہ بعض آسمانی کتابوں میں ہے۔[4] ظاہر ہے کہ کلبی اس روایت سے بری ہے، مگر وہ رافضی، مرجی، کذاب اور وضاع ضرور

---

[1] موفق (١/ ١٦) جامع المسانيد (١/ ١٨)
[2] موفق (١/ ١٦)
[3] خطيب (٣/ ٢٩٩، تذكره محمد بن مسعر)
[4] موفق (١/ ١٧)

تھا۔ اس کو مرجی ہونے کی بنا پر امام ابراہیم نخعی (امام ابوحنیفہ کے استاذ الاستاذ) نے اپنی درسگاہ سے نکال دیا تھا، مگر اس رافضی، مرجی اور کذوب کی طرف منسوب کر کے موفق نے کعب احبار سے بھی یہ مکذوبہ روایت نقل کی کہ میں تذکرۃ ابی حنیفہ کتب آسمانی میں پاتا ہوں۔❶ غرضیکہ جو بھی یاد آیا اس کے نام سے مدح ابی حنیفہ میں جھوٹی روایات گھڑی گئیں، حتی کہ کچھ فرضی ناموں کے حوالے سے بھی وضع احادیث کا کام کیا گیا۔

مدح ابی حنیفہ میں حضرت علی کی طرف منسوب وضعی حدیث:

موفق نے حضرت علی سے بھی نقل کیا کہ کوفہ سے ابوحنیفہ نام کا ایک شخص برآمد ہوگا، جس کا قلب علم و حلم سے مملو ہوگا۔❷ ظاہر ہے کہ اس مکذوبہ روایت کے لیے بھی جو سند فٹ کی گئی ہے وہ خود ساختہ ہے۔ اس سند کو فٹ کرنے والا بھی نضری کذاب ہے اور اس کے رواۃ میں بھی محمد بن سعید بورقی کذاب موجود ہے۔

مذکورہ روایت کو وضع کرنے کا ایک اہم مقصد مدح کوفہ بھی ہے، کیونکہ روافض اور عام اہل فتن کا اصل موطن کوفہ ہی تھا، کوفہ پر تفصیلی گفتگو آئندہ آئے گی۔ کوفی روافض کی دیکھا دیکھی روافضِ خراسان نے بھی درج ذیل روایت اختراع کی:

امام صاحب کے بدر اور خراسانی ہونے سے متعلق وضعی حدیث:

ابن عباس سے مروی ہے:

"يطلع بعد النبي صلى الله عليه وسلم بدر على جميع خراسان، يكني أبا حنيفة."❸

یعنی زمان نبوی کے بعد خراسان میں ایک ماہتاب کامل طلوع ہوگا جس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی۔

اس روایت کو گھڑنے کا مقصد یہ تھا کہ امام صاحب کی جائے ولادت کوفہ کے بجائے خراسان ثابت کی جائے، چنانچہ بعض لوگوں نے یہی کہا ہے کہ امام صاحب خراسان کے شہر نسا میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے، جب جوان ہوئے تو کوفہ آئے۔❹ یہ مکذوبہ روایت عام احناف کے یہاں مقبول نہ ہوسکی، مگر کردری نے اسے بھی رد کرنا گوارہ نہ کیا، چنانچہ موصوف نے اس کی توجیہ میں سخن سازی سے کام لے کر کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل خراسان علوم ابی حنیفہ کو اہل خراسان خصوصی توجہ سے حاصل کریں گے۔❺ اس روایت کو بھی ابوالقاسم نضری ہی نے اپنی مکذوبہ سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مدح ابی حنیفہ میں ابراہیم نخعی کی طرف منسوب وضعی روایت:

کذابین نے امام صاحب کے استاذ خاص حماد کی طرف یہ منسوب کیا کہ انھوں نے امام صاحب سے کہا: ہم سے امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا تھا کہ وہ زمانہ رحمت خداوندی کی بارش کا ہوگا جس میں نعمان ابوحنیفہ ہوں گے۔❻

یہ حدیث بھی نضری مذکور ہی کی گھڑی ہوئی ہے، جس کے لیے اس نے جھوٹی سند وضع کی ہے۔ ایک روایت یہ بھی موجود ہے کہ حماد مذکور امام ابوحنیفہ کے کہنے سے چالیس ہزار روپے کے بدلے مرجی مذہب کے سرپرست اور سردار بن گئے تھے۔ اس روایت پر مفصل بحث آگے آرہی ہے، کیونکہ اس کو جہمیوں کے ماڈرن ایڈیشن یعنی کوثری گروپ نے حجت بنا رکھا ہے۔

---

❶ موفق (١/ ١٨)　❷ موفق (١/ ١٨)　❸ موفق (ص: ٧٨) جامع المسانيد (١/ ١٧) و كردری.

❹ الخيرات الحسان. ❺ كردری (١/ ٣١)　❻ موفق (١/ ١٨، ١٩) جامع المسانيد (١/ ١٧)

مدح ابی حنیفہ میں ابن عباس کی طرف منسوب وضعی حدیث:

موفق رافضی نے ابن عباس سے ایک دوسری مکذوبہ روایت یہ نقل کی کہ امام ابوحنیفہ مجدد دین ہوں گے۔

مدح ابی حنیفہ میں جعفر صادق کی طرف منسوب وضعی روایت:

نیز امام جعفر صادق سے بھی اس طرح کی بات نقل کی۔[1]

بعض کذابین نے کہا کہ ولادت امام ابی حنیفہ کے تھوڑے دنوں بعد والد ابی حنیفہ کا انتقال ہوگیا تو والدہ ابی حنیفہ نے جعفر صادق سے شادی کر لی۔ امام صاحب انھی کی سرپرستی میں پلے بڑھے۔[2] حالانکہ جس سال امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے اسی سال جعفر صادق بھی پیدا ہوئے۔ پھر انھوں نے والدہ ابوحنیفہ سے، جب کہ یتیم بچے تھے، کب اور کیونکر شادی کی؟

ان ساری مکذوبہ روایات کے تذکرہ سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ قرآن وحدیث کی تہدید شدید وتوعید بلیغ کے باوجود بہت سے خانہ ساز اکاذیب کو اقوال الٰہی، فرامین نبویہ، فرمودات صحابہ وتابعین اور ارشادات ائمہ متبوعین قرار دے کر مسلمانوں میں مروج کر دیا گیا اور مسلمانوں کی ایک فریب خوردہ جماعت ان اکاذیب کے زہریلے اثرات کا شکار ہوگئی، حتی کہ بہت سے لوگ مدح ابی حنیفہ میں مبالغہ آرائی کو افضل الاعمال کہنے لگے۔[3] اور جو لوگ مدح ابی حنیفہ میں مبالغہ آرائی نہ کریں، ان سے بدظنی کو شیوہ وشعار قرار دے بیٹھے۔[4]

تذکرہ مندل میں مصنف انوار کی لکھی ہوئی ایک طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ کسی مسئلہ میں امام صاحب سے خطا سرزد ہوگئی وہ چوپایہ جانور سے زیادہ گمراہ اور بدعتی ہے۔[5]

مندرجہ بالا مکذوبہ احادیث کی طرح امام صاحب کی طرف مکذوبہ طور پر صحابہ سے متعدد روایات بھی کذابین اور وضاعین نے منسوب کردی ہیں، جنہیں کوثری اور عینی جیسے مقلدین نے احادیث نبویہ قرار دے لیا ہے۔ ہم ان روایات کا بھی اجمالاً تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔

---

[1] موفق (١/ ١٩، ٢٠)　[2] کردری.　[3] موفق و کردری.

[5] موفق و کردری.　[4] مقدمہ انوار (١/ ١٦٨)

صحابہ کرام سے امام صاحب کی روایات

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ جو اسانید اور کتابیں تلامذہ ابی حنیفہ کی طرف منسوب ہیں، ان میں سے کسی میں بھی کسی صحابی سے امام صاحب کی ملاقات اور شاگردی بلکہ دیکھنے سے متعلق کوئی روایت نہیں ہے۔ اس قسم کی روایات ان مسانید و کتب میں ہیں جو امام صاحب کے تلامذہ کے علاوہ دوسروں کی طرف منسوب ہیں اور ان کی اسانید میں سے ہر ایک میں بقول صاحب عقود الجمان (جن پر متاخرین احناف کو بہت اعتماد ہے) کذاب، وضاع، غیر ثقہ، مجہول، متروک اور رواۃ ہیں۔ لطف یہ کہ انھی مسانید میں یہ روایت بھی ہے: امام صاحب سے دریافت کیا گیا: ”من أدرکت من الکبراء“ یعنی آپ نے کن اکابر کو پایا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ قاسم، سالم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابوزبیر، عطاء، قتادہ، ابراہیم، نافع، شعبی وغیرہم اور ان جیسے افراد۔[1]

مذکورہ بالا روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی کو نہیں پایا، کسی صحابی کو دیکھا نہ کسی سے ملاقات و روایت کی، کیونکہ اس روایت میں امام صاحب نے جن اکابر کو پانے کا ذکر کیا ہے، ان میں کوئی صحابی نہیں، سب کے سب تابعی ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ کوئی تابعی خواہ کتنا ہی کبیر ہو معمولی ترین صحابی کی عظمت و فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگر امام صاحب نے کسی بھی صحابی کو دیکھ پایا ہوتا، یا کسی سے ملاقات و روایت کی ہوتی تو اس کا تذکرہ ان اکابر کی فہرست میں ضرور کرتے، جن کو انھوں نے پایا تھا۔ لہٰذا مسند ابی حنیفہ کو تصنیف ابی حنیفہ کہنے والوں پر خصوصاً اور ان مسانید کو مرویات ابی حنیفہ قرار دینے والوں پر عموماً لازم ہے کہ وہ روایت مذکورہ کی بنیاد پر یہ ایمان و عقیدہ رکھیں کہ امام صاحب کسی صحابی کو نہیں دیکھ سکے نہ کسی سے ملاقات و روایت کر سکے ہیں۔ البتہ اہل علم کے نزدیک یہ روایت مکذوبہ ہے، کیونکہ یہ حارثی کذاب سے مروی ہے۔ حارثی نے اس مکذوبہ روایت کے لیے جو سند وضع کی ہے اس میں صالح بن ابی رمیح اور ابوحمزہ خالد بن انس انصاری نام کے دو راوی مجہول ہیں۔ حتی کہ مصنف جامع مسانید بھی ان کا کوئی تعارف نہیں کرا سکے، حالانکہ ان کا یہ دعوی اور وعدہ ہے کہ ہم مسانید ابی حنیفہ کے رواۃ و رجال کا تعارف کرائیں گے۔[2]

مگر ان دونوں رواۃ یعنی صالح بن ابی رمیح اور ابوحمزہ خالد بن انس کے تعارف سے مصنف جامع المسانید نے خاموشی اختیار کی، اسی طرح بہت سے رواۃ و رجالِ مسانید کے تعارف سے موصوف نے سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ رواۃ و رجال مجہول تھے، ان کے تراجم مل ہی نہیں سکتے تھے، لیکن بہتر یہ تھا کہ وہ اس کا اعتراف کرتے کہ ان رجال و رواۃ کے تراجم ہمیں نہیں مل سکے، مذکورہ بالا دونوں راویوں (صالح بن ابی رمیح و خالد بن انس) کے تراجم ہم کو کتب رجال میں

[1] مسند أبي حنيفة للخصفكي مع شرح ملا علي قاري (ص: ٩٥، ٩٦) جامع المسانيد (١/ ٣٢٣) باب المواريث والوصايا.

[2] ملاحظہ ہو: جامع المسانيد (٢/ ٣٤٠)

اگرچہ نہیں ملے، لیکن صالح بن ربیح نام کے ایک راوی کی بابت امام دارقطنی کا قول ہے: "لا شيء"[1] ممکن ہے کہ زیر بحث صالح بن ابی ربیح یہی شخص ہو اور جامع المسانید میں اس کے نام میں ربیح کے ساتھ "أبي" کے لفظ کا اضافہ نساخ کی کارفرمائی سے ہوگیا ہو، اگر ایسا ہی ہے تو زیر تذکرہ روایت کے مکذوبہ ہونے کی یہ بھی ایک قوی دلیل ہوئی۔ اسی طرح خالد بن انس نامی ایک راوی کو بلا ذکر کنیت میزان (۱/ ۲۹۵) اور لسان (۲/ ۳۷۳) میں مجہول بتایا گیا ہے۔ ان وجوہ یعنی حارثی کذاب اور دو مجہول یا مجروح رواۃ کے سبب ظاہر ہے کہ زیر تذکرہ روایت قطعی طور پر مکذوبہ ہے۔

الغرض اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب کسی صحابی کو دیکھ سکے نہ کسی سے روایت و ملاقات کر سکے اور اس روایت کے مکذوبہ ہونے کے باوجود دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ امام صاحب فی الحقیقت کسی صحابی کو نہیں دیکھ سکے تھے، چہ جائیکہ کسی سے ملاقات و روایت کر سکے ہوں؟ امام صاحب سے بسند صحیح مروی ہے:

"میں نے عطا تابعی سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔"[2]

اپنے اس فرمان میں امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ میں نے عطاء سے افضل کسی کو نہیں دیکھا اور یہ معلوم ہے کہ عطاء تابعی تھے۔ اس کا مقتضی یہ ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا، ورنہ وہ عطاء تابعی کی بابت یہ ہرگز نہیں کہتے کہ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ امام صاحب کے اس فرمان سے ان تمام دعاوی کی تردید ہوتی ہے جن میں کسی صحابی کی رؤیت و روایت کو امام صاحب کے لیے صحیح مانا گیا ہے۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو امام صاحب کے اس فرمان کو چھوڑ کر دوسروں پر اعتماد کر کے کہتے ہیں کہ امام صاحب نے حضرت انس یا کسی صحابی کو دیکھا ہے، اور صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ روایت بھی کی ہے، حتی کہ موفق رافضی نے آٹھ صحابہ سے امام صاحب کی براہ راست روایات ذکر کی ہیں، اور جامع المسانید کے مرتب خوارزمی، کردری، سبط ابن الجوزی اور عینی نے موفق رافضی کی تقلید میں ان مکذوبہ روایات کو زیب کتاب کر لیا اور ان کی تصحیح کی بھی کوشش کر رکھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام ابوحنیفہ کی ملاقات سے متعلق ایک روایت:

خوارزمی، عینی اور کردری کے پیشتر و موفق رافضی و معتزلی نے مشہور عالم کذاب احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحمانی (جس کا تعارف ہو چکا ہے) کے حوالے سے امام ابونعیم فضل بن دکین (شاگرد ابی حنیفہ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ ۹۵ھ میں انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان سے ملاقات و روایت کی۔[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا سال وفات:

حالانکہ امام جریر بن حازم (متوفی ۱۷۰ھ) نے کہا ہے کہ میں نے شعیب بن حجاب (متوفی ۱۳۰ھ) شاگرد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انتقال کب ہوا؟ شعیب نے جواب دیا: ۹۰ھ میں۔[4] جریر و شعیب کا یہ قول مختصر

---

[1] ميزان الاعتدال (٢/ ٤٥٦) لسان الميزان (٣/ ١٦٩)

[2] الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية (١/ ٣٠) نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية (١/ ٢٤٨) كتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم ترجمة إمام أبي حنيفة و تهذيب التهذيب و جزء القرأة للبيهقي (ص: ١٠٨، ١٠٩)

[3] موفق (١/ ٢٧)

[4] تذكرة الحفاظ (١/ ٣٨) و اصابه (١/ ٧١، بحواله ابن شاهين)

الفاظ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (اصابہ کے مصنف بھی یہی ہیں) نے تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے۔ مگر دائرۃ المعارف حیدر آباد کے حنفی ناشرین نے حسب عادت تصحیف وتحریف کر کے جریر وشعیب کے اس قول کو ۹۰ھ کے بجائے ۹۵ھ کر دیا ہے۔❶

اس قسم کی تصحیفات وتحریفات دائرۃ المعارف کے حنفی مصححین وناشرین نے بکثرت کی ہیں، جن کی تفصیل آتی رہے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خصوصی تلامذہ حضرت قتادہ اور حمید وغیرہ نے کہا کہ حضرت انس کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا ہے اور بعض اولاد انس وغیرہ نے کہا کہ ۹۲ھ میں اور بعض ۹۳ھ میں (تاریخ صغیر للبخاری، ص: ۱۰۱، ۱۰۲ و تاریخ کبیر و ابن سعد: ۷/ ۱٦، تہذیب التہذیب: ۱/ ۳۷۸، ۳۷۹، و اصابہ و استیعاب والعبر للذھبي: ۱/ ۱۰۸) یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہوا اگرچہ زیادہ صحیح ۹۱ھ، ۹۲ھ ہی والا قول ہے، کیونکہ یہ قول حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خصوصی تلامذہ و اولاد سے منقول ہے۔

موفق رافضی نے کہا ہے:

”وهذا خلاف ما تقدم من رواية الحافظ الجعابي، فإنه قال مات أنس سنة ۹۳هـ، وهو الصحيح، فإن أبا نعيم الحافظ الأصبهاني وغيره قالوا: اختلف في وفاة أنس بن مالك، فقيل إحدى وتسعين، وقيل: اثنتين وتسعين، وقيل: ثلاث وتسعين، ولم يختلفوا فوق الثلاث والتسعين، فالصحيح ما ذكره الجعابي، رحمه الله، فإنه كان إماما في الحديث، والتواريخ، وأيام العرب.“❷

یعنی ابن المغلس کا یہ بیان کہ امام صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ۹۵ھ میں دیکھا اور ان سے سماع و روایت کی، حافظ جعابی کے گزرے ہوئے اس قول کے خلاف ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انتقال ۹۳ھ میں ہوا اور یہی بات صحیح بھی ہے، کیونکہ حافظ ابونعیم وغیرہ نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سال وفات ۹۱ھ، ۹۲ھ، ۹۳ھ کے مختلف اقوال ہیں۔ ۹۳ھ سے اوپر کوئی قول نہیں ہے۔ لہٰذا بات وہی صحیح ہے جو جعابی نے کہی ہے، کیونکہ وہ حدیث، تواریخ اور ایام عرب کے امام تھے۔

جامع المسانید کے مصنف خوارزمی نے بھی ابن المغلس کی بات کا کوئی اعتبار نہ کر کے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق صرف ۹۱ھ اور ۹۲ھ کے اقوال کی نقل پر اکتفاء کیا ہے۔❸

اور کوئی شک نہیں کہ بتصریح اہل علم ابن مغلس کذاب و وضاع تھا۔ اس کے کذاب ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ یہ شخص اگرچہ ابونعیم کی وفات کے بعد پیدا ہوا، مگر پوری جرأت کے ساتھ ان سے سماع حدیث وتلمذ کا دعویٰ کرتا تھا۔ اسی طرح دوسرے کئی ائمہ سے بھی سماع ولقاء کا مدعی تھا، جن کی وفات اس کی ولادت سے پہلے ہوچکی تھی۔

افسوس ایسے کھلے ہوئے کذابین پر بھی اعتماد کیا گیا اور ان کے ایجاد کردہ اکاذیب کو احادیث نبویہ، آثار صحابہ، اقوال تابعین اور فرامین ائمہ متبوعین قرار دے لیا گیا۔ ان مکذوبہ روایات کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کے دو

---

❶ تهذيب التهذيب (۱/ ۳۷۸)　　❷ موافق (۱/ ۲۷)

❸ ملاحظہ ہو: جامع المسانيد (۱/ ۲٦) و كذلك مناقب أبي حنيفة للكردري (۱/ ٦)

سال بعد امام ابوحنیفہ نے ان سے سماع کیا۔ نعوذ باللّٰہ من ذلك!

جس طرح موفق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سال وفات کی تعیین میں بظاہر تحقیق پسندی سے کام لے کر ابن المغلس کے قول مکذوب کو رد کر دیا، اسی طرح اگر وہ تمام روایات و امور میں کرتے تو شاید ان کے بعد آنے والے خوارزمی، کردری، عینی، سبط ابن الجوزی اور کوثری وغیرہ کو اس قسم کی غلط روی و غلط کاری کی جرأت و جسارت نہ ہوتی۔

ابن المغلس نے مزید کہا ہے کہ بشر بن الولید نے ابو یوسف سے روایت کی کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نبوی سنی کہ "الدال علی الخیر کفاعله"[1] یعنی امام صاحب نے کہا کہ میں نے حضرت انس سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اس کا ایسا جواب دیا۔ حالانکہ نعیم شخص جس طرح امام ابونعیم کو نہیں دیکھ سکا تھا، کیونکہ وہ ان کی وفات کے بعد پیدا ہوا، اسی طرح بشر و ابن سماعہ سے بھی نہیں مل سکا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ابن المغلس نے اس روایت میں یہ ظاہر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مسائل کی تحقیق کرتے تھے، مگر ترویج اکاذیب میں ابن المغلس کے مشہور پیروکار کوثری کا ارشاد ہے کہ امام صاحب اپنی ''عقلیت جبارہ'' کے سبب حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کی طرح کے کئی صحابہ کی روایت کردہ احادیث نبویہ کو اپنے قیاس کے مقابلے میں اس لیے قبول نہیں کرتے تھے کہ موصوف ان صحابہ کو غیر فقیہ سمجھتے تھے۔[2]

سوال یہ ہے کہ جب بقول کوثری امام صاحب حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کی روایت کردہ احادیث ہی قبول نہ کرتے تھے تو ان سے تحقیق مسائل کیوں فرمانے لگے؟ ابن المغلس نے یہ بھی کہا ہے کہ بشر بن الولید نے بیان کیا کہ ابو یوسف نے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نبوی روایت کی ہے: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم"[3]

اسی قسم کے اکاذیب کی بنیاد پر مصنف جامع المسانید خوارزمی نے کہا کہ:

> ''جب حضرت انس کی وفات ۹۳ھ یا اس سے پہلے ۹۱ھ، ۹۲ھ میں ہوئی، جس وقت امام صاحب کی عمر گیارہ بارہ سال ہوگی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات و روایت کے وقوع میں کونسی چیز مانع ہوسکتی ہے۔''[4]

مطلب یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی روایت و ملاقات کی روایات صحیح ہیں، حالانکہ نصوص کتاب و سنت میں کذابین و غیر ثقہ لوگوں پر اعتماد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہی چیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی روایت و ملاقات کو صحیح ماننے سے مانع ہے۔ اس سے قطع نظر ابن المغلس کے حسب بیان معلوم ہوا کہ وفاتِ انس کے کم از کم دو سال بعد امام صاحب نے حضرت انس سے " طلب العلم فریضة علی کل مسلم" والی حدیث نبوی سنی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر طلب علم فرض ہے۔

ظاہر ہے کہ اس علم سے مراد حنفی نقطۂ نظر سے ''علم فقہ'' ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب کو ۹۵ھ ہی میں یہ فرمان نبوی معلوم ہوگیا تھا کہ علم فقہ کا حصول فرض ہے اور امام صاحب کے جتنے بڑے فقیہ، متبع سنت اور عامل بالحدیث ہونے کی شہرت ہے، اس کا تقاضا تھا کہ موصوف ۹۵ھ سے حصول فقہ میں مشغول ہوجاتے، مگر ابن المغلس اور اس جیسے لوگوں کا

---

[1] موفق (۱/ ۲۶)
[2] الترحیب و سیأتي التفصیل.
[3] موفق (۱/ ۲۸ و ۳۲) جامع المسانید (۱/ ۲۳ تا ۵۸) و کردری وغیرہ.
[4] جامع المسانید (۱/ ۲۶)

پروپیگنڈہ یہ بھی ہے کہ موصوف امام صاحب ۱۰۲ھ،۱۰۳ھ میں سب سے پہلے پہلی بار فقہ پڑھنے کی طرف متوجہ ہو کر درسگاہ حماد میں داخل ہوئے، اس سے پہلے وہ علم کلام سے اشتغال رکھتے تھے۔ ❶

موفق رافضی نے جعابی سے نقل کیا ہے:

"أنبأنا أبوبكر أحمد بن موسىٰ بن عمران من كتابه حدثني محمد بن سعيد العوفي ثني أبي أنبأنا أبو يوسف عن أبي حنيفة قال: رأيت أنس بن مالك في المسجد قائما، قال: وولد أبو حنيفة سنة ۸۰هـ، ومات أنس و جابر بن يزيد سنة ۹۳هـ." ❷

یعنی امام صاحب نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ جعابی نے کہا کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور جابر بن یزید رضی اللہ عنہ ۹۳ھ میں فوت ہوئے۔

اس روایت کے مدار علیہ راوی جعابی (ابو بکر محمد بن عمر بن محمد بن سبرہ مولود ۲۸۴ھ ومتوفی ۳۵۵ھ) کو کتب رجال میں فاسق، بد دین اور ساقط الاعتبار شیعی اور روپیہ لے کر غلط باتوں کا لکھنے والا، تارک صلوۃ، شراب خور، صاحب عجائب وغرائب وغیرہ قرار دیا گیا ہے، اگرچہ اس کے علم وعمل، حفظ اور وسعت معلومات کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ ❸

موصوف جعابی کو مرتے وقت شائد اپنی کتابوں میں جمع شدہ اکاذیب پر مواخذہ خداوندی کا احساس ہوا، اس لیے وہ وصیت کر گیا کہ میری ساری کتابیں نذر آتش کر دی جائیں، چنانچہ اس کی وصیت کے مطابق اس کی تصنیف کردہ ساری کتابیں نذر آتش کر دی گئیں۔ جعابی کی کتابوں میں سے ایک کتاب "الانتصار والترجیح" بھی ہے، جو خاص طور پر امام صاحب کے فضائل ومناقب میں لکھی گئی تھی۔ اس کا ذکر علامہ شبلی نے بھی کیا ہے۔ ❹

ظاہر ہے کہ اسے بھی جعابی نے قابل سوختنی قرار دیا تھا۔ اپنی کتابوں کے شرور وفتن کو مٹانے کے لیے جعابی نے یہ کام اچھا کیا کہ انھیں وہ نذر آتش کر گیا، مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو ان نذر آتش کردہ کتابوں کی روایات کو حجت بنائے ہوئے ہیں۔ جعابی مذکور نے یہ روایت جس ابو بکر احمد بن موسیٰ بن عمران سے نقل کی ہے، اس کا حال معلوم نہیں، شاید بحالت نشہ غلط طور پر اس کا نام لے لیا، غالباً وہ احمد بن موسیٰ ابی عمران ابو الحسن جرجانی (متوفی ۳۰۶ھ) ہے، جو جعابی کا معاصر تھا۔ اس کی بابت ابو سعید نقاش نے قسم کھا کر کہا کہ: "إنه ليضع الحديث" یعنی وہ وضع حدیث کرتا تھا۔

امام حاکم نے بھی یہی بات کہی کہ "ليضع الحديث، ويركب الأسانيد على المتون" امام حمزہ سہمی نے کہا:

"روى مناكير عن شيوخ مجاهيل لم يتابع عليها فكذبوه." ❺

ظن غالب ہے کہ جعابی نے جس احمد بن موسیٰ سے روایت نقل کی ہے وہ یہی احمد ہے، مگر نشہ میں وہ اس کی کنیت ابو الحسن کے بجائے ابو بکر لکھ گیا، ورنہ اگر یہ نہیں ہے تو وہ کوئی مجہول شخص ہے، جس کا حال معلوم نہیں۔ اس نام وکنیت کے ایک آدمی کا ذکر تاریخ خطیب (۵/ ۱۴۸، ۱۴۹) میں ہے، مگر کسی امام جرح وتعدیل سے اس کی توثیق یا تجریح منقول نہیں، یعنی کہ

---

❶ كتب مناقب أبي حنيفة و سيأتي التفصيل.　❷ موفق (۱/ ٤٤، ٤٥) و كردری.

❸ تذكرة الحفاظ (۳/ ۱۳۹ تا ۱٤۰) لسان الميزان (٥/ ۳۲۲ تا ۳۲٤)

❹ سيرة النعمان (ص: ١٤)　❺ لسان (۱/ ۲۳٥، ۲۳٦ و ۳۱٤)

موصوف مجہول ہیں۔ جعابی نے اس مجہول شخص کو بھی صاحب کتاب بتلایا ہے، مگر جعابی کی بات قابل اعتماد نہیں، بحالت نشہ وہ ہر طرح کی لغو طرازی کرسکتا ہے۔ جعابی نے اس مجہول کے توسط سے روایت مذکورہ محمد بن سعد عوفی (متوفی ۲۷۵ھ) سے نقل کی، جو بقول دارقطنی "لا بأس به" (ثقہ) اور بقول خطیب "لین" تھے۔❶ یعنی عوفی مذکور زیادہ مجروح نہیں، مگر یہ روایت انھوں نے اپنے باپ سعد بن محمد عوفی سے نقل کی جو جہمی ہونے کے ساتھ سخت ضعیف حتی کہ اس لائق تھے کہ ان کی حدیث لکھی بھی نہ جائے، یعنی ایک طرح سے متروک تھے۔❷ سعد نے یہ روایت ابو یوسف (شاگرد ابی حنیفہ) سے نقل کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ابن سعد عوفی نے یہ روایت دو واسطوں کے ساتھ امام صاحب سے نقل کی ہے، ان میں سے ایک کی بابت معلوم ہوگیا کہ جہمی ہونے کے ساتھ سخت غیر ثقہ تھے اور دوسرے واسطے ابو یوسف کا تعارف آگے آئے گا۔

اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ روایت مذکورہ موضوع ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم بعنوان "امام صاحب کے تابعی ہونے کی بحث" اس موضوع پر تحقیقی گفتگو کریں گے کہ کسی بھی صحابی کو امام صاحب کا دیکھنا ثابت نہیں ہے۔ یہاں صحابہ سے امام صاحب کی روایت کا تذکرہ اس غرض سے کر رہے ہیں کہ امام صاحب کی طرف منسوب کردہ صحابہ سے روایات کا نمونہ ناظرین کے سامنے آجائے۔ وضاعین اور کذابین نے آٹھ صحابہ سے امام صاحب کی طرف روایات منسوب کی ہیں، ان میں سے ایک صحابی حضرت انس سے امام صاحب کی روایت کا تذکرہ ہوا اور باقی کا تذکرہ اور ان پر تفصیلی جائزہ آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔ حضرت انس کے بعد موفق معتزلی نے حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء صحابی سے امام صاحب کی روایت نقل کی ہے، اس روایت پر مفصل گفتگو بھی "امام صاحب کے تابعی ہونے کی بحث" میں آئے گی۔

حضرت جابر سے امام صاحب کی روایت پر بحث:

موفق نے تیسرے صحابی حضرت جابر سے امام صاحب کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

"مشائخ نے اگرچہ ان سات صحابہ میں جابر کو بھی شمار کیا ہے جن سے امام صاحب نے براہ راست روایت حدیث کی ہے مگر یہ ان کا وہم ہے، کیونکہ متفقہ طور پر ثابت ہے کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور جابر ۷۹ھ میں فوت ہوئے، پھر جابر سے امام صاحب کی روایت کیسے متصور ہوسکتی ہے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ مشائخ کو اس بات میں وہم ہوگیا ہے۔ اس کے وہم ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ جابر سے امام صاحب کی روایت معنعن آتی ہے اور معنعن روایت میں تدلیس کو دخل ہوا کرتا ہے، یہ بات اہل حدیث کے یہاں مشہور ہے۔"❸

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت جابر سے امام صاحب کی براہ راست روایت موفق کو خلاف درایت محسوس ہوئی، مگر اس سے پہلے کی دونوں روایتوں کا بھی درایتاً یہی حال ہے، لیکن ان محقق صاحب کو گزشتہ دونوں روایتوں میں یہ بات سمجھ نہیں آئی، لطف یہ کہ موصوف نے چند ہی صفحات کے بعد امام صاحب کی طرف منسوب اس جھوٹی روایت کو نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ میں فلاں فلاں سات صحابہ سے ملا، ان میں عبداللہ بن انیس (متوفی ۵۴ھ) جابر بن عبداللہ (متوفی ۷۹ھ)

❶ لسان (٥/ ١٧٤) خطیب (٥/ ٣٢٢)

❷ لسان (٣/ ١٨، ١٩) خطیب (٩/ ١٢٦، ١٢٧)　　❸ موفق (١/ ٢٩)

(بقول موفق) معقل بن یسار (متوفی قبل ۶۰ھ) بھی ہیں۔[1]

اس روایت میں صاف طور سے تصریح لقاء و سماع ہے۔ اگرچہ موفق نے اس روایت کو نقل کر کے پھر کہا ہے کہ اس روایت میں معقل اور جابر کا ذکر وہم ہے، مگر اس سے بہر حال ان کے اس دعویٰ کی تکذیب ہوتی ہے کہ ''جابر سے امام صاحب کی روایت معنعن ہے بتصریح سماع نہیں۔'' لطف کی بات یہ کہ جابر والی معنعن روایت کی عزت رکھنے کے لیے موفق صاحب امام صاحب کو مدلس ماننے کے لیے بھی تیار ہوگئے، حالانکہ احناف کے فخر الاسلام قسم کے لوگوں نے تدلیس کو تلبیس کہا ہے۔[2]

جامع المسانید کے مرتب خوارزمی اور کردری نے یہ بھی گوارہ نہیں کرنا چاہا کہ ایسی بد یہی البطلان مکذوبہ روایت کو بھی مکذوبہ مانیں، اس لیے کہا کہ حضرت جابر اگرچہ باختلاف روایت ۷۷ھ یا ۷۸ھ میں فوت ہوئے، مگر امام صاحب کا سال ولادت بعض اقوال میں ۶۱ھ بھی بتلایا گیا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے یہ روایت بھی صحیح ہوسکتی ہے۔[3]

ایسے مدعیان علم کو کیا کہا جائے جو امام صاحب سے مروی اس روایت کو بھی صحیح مانے ہوئے ہیں کہ میری ولادت ۸۰ھ میں ہوئی؟ پھر امام صاحب (جن کی تقلید وہ اپنے اوپر فرض کئے ہوئے ہیں) کی بات سے عدول کر کے مکذوبہ روایات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ متناقض بات بھی فرما رہے ہیں کہ امام صاحب ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ گل افشانی کا سلسلہ اتنا طویل ہے کہ ۶۱ھ میں امام صاحب کی ولادت کا قول اگرچہ ایک غیر معتبر سند سے منقول ہے، جس کی کسی نے بھی بقول امام خطیب متابعت نہیں کی، مگر بعض لوگ حق تحقیق ادا کرتے ہوئے بطور حاشیہ آرائی فرماتے ہیں:

''وقال بعضهم، منهم ابن علية: أنه ولد سنة إحدى وستين.''[4]

یعنی بعض لوگ کہتے ہیں، جن میں سے ابن علیہ بھی ہیں، کہ امام صاحب کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی۔

حالانکہ یہ قول متقدمین میں سے ابن علیہ کے علاوہ کسی سے بھی منقول نہیں اور ابن علیہ کی طرف بھی یہ قول مکذوب طور پر منسوب ہے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ نیز موفق و کردری نے کہا:

''والصحيح هي الرواية الأولى، وهي المجمع عليها.''[5]

یعنی امام صاحب کا ۸۰ھ میں پیدا ہونا اجماعی بات ہے اور یہی بات صحیح بھی ہے۔ ۶۱ھ والی بات اجماع کے خلاف اور غیر صحیح ہے۔

حاصل یہ کہ موفق اور کردری جیسے غالی مقلدین کے مطابق بھی ۸۰ھ امام صاحب کا سال ولادت اجماعی ہے۔ اس کے برعکس امام صاحب کے سال وفات پر کسی نے بھی اجماع کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ امام صاحب کے شاگرد امام مکی بن ابراہیم بلخی سے بسند صحیح مروی ہے کہ امام صاحب ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے اور ابن معین نے کہا ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔[6] اگر کوئی کہے کہ اس بات کے پیش نظر کہ امام صاحب ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے، مکی بن ابراہیم کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق امام صاحب کا

---

[1] موفق (۱/ ۳۴- ۳۷)　[2] مقدمہ انوار (۲/ ۴۷ تذکرہ امام بخاری)

[3] کردری (۱/ ۱۸) جامع المسانید (۱/ ۲۵، ۲۶ و ۲/ ۳۴۶، ۳۴۷)

[4] حاشیہ موفق (ص: ۲۹) و جامع المسانید.　[5] موفق (۱/ ۵) کردری (۱/ ۵)

[6] خطیب (۱۳/ ۴۲۳)

سال ولادت ۸۳ھ قرار پاتا ہے تو کوثری اور مقلدین کوثری کے اصول سے بالکل درست ہوگا، مگر یہ عجیب بات ہے کہ ولادت کے بارے میں اجماعی قول سے انحراف کرنے والے کوثری نے وفات کے بارے میں مکی اور ابن معین وغیرہ کے اقوال کی نقل کو اغلاط مکشوفہ وعدمِ ضبط بتلا کر کہا ہے کہ ان اقوال کو نقل کرنے کی ضرورت خطیب کو نہیں تھی، کیونکہ معتمد علیہ مؤرخین کا اس پر اجماع ہے کہ امام صاحب کی وفات ۱۵ شعبان ۱۵۰ھ میں ہوئی۔[1]

کوثری کی یہ حقیقت پسندی قابل دید ہے کہ مکی و ابن معین جیسے ائمہ فن سے منقول شدہ اقوال کو اغلاط مکشوفہ وغیرہ قرار دے کر ان کی نقل پر بھی چیں بچیں ہیں، مگر ولادت کے اجماعی قول سے انحراف کر کے خانہ ساز باتوں کو دلیل بنائے پھرتے ہیں، اور اہل علم کے اختلاف کے باوجود موصوف ۱۵ شعبان ۱۵۰ھ کو امام صاحب کا اجماعی سال وفات بتلا رہے ہیں۔ مشہور مؤرخ ونساب ومحدث امام سعید بن کثیر بن عفیر (مولود ۱۴۶ھ ومتوفی ۲۲۶ھ) نے کہا ہے کہ امام صاحب ۱۵۰ھ میں بعمر ستر سال بماہ رجب فوت ہوئے۔[2] واضح رہے کہ امام ابن عفیر فن تاریخ پر کتاب کے مصنف ہیں۔[3] اس سے کوثری کے اس زعم باطل کی تکذیب ہوتی ہے کہ ماہ شعبان کی پندرھویں تاریخ کو امام صاحب کا وفات پانا اجماعی ہے، امام ذہبی نے کہا کہ امام صاحب کا ماہ رجب ۱۵۰ھ میں فوت ہونا اصح ہے۔[4]

کوثری کے خصوصی معتمد علیہ موفق نے کہا:

"أكثر الروايات المعتمد عليها على أن وفاته كانت في رجب سنة خمسين ومائة وهو رواية إمام أهل الحديث في زمانه أبي بكر الخطيب البغدادي إلا في رواية الحافظ الجعابي فإنه روىٰ عن عبد الله بن محمد بن سعيد بن عباس بن محمد عن الفضل بن دكين أنه توفي في رجب سنة إحدىٰ وخمسين ومائة، قلت: وهذه رواية شاذة فإن أبا نعيم قال: "وقالوا"، ولم يسنده إلى من يوثق به."[5]

یعنی اکثر معتمد علیہ روایات میں امام صاحب کا ماہ وفات رجب اور سال ۱۵۰ھ بتلایا گیا ہے۔ یہی اہل حدیث کے امام زماں امام خطیب کی بھی روایت ہے، لیکن جعابی نے فضل بن دکین کا یہ قول نقل ہے کیا کہ امام صاحب بماہ رجب ۱۵۱ھ میں فوت ہوئے، فضل بن دکین کی یہ روایت شاذ ہے، کیونکہ انھوں نے اس روایت کے قائلین کا نام نہیں بتلایا کہ وہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں؟

کوثری کے معتمد علیہ موفق کی اس عبارت میں کوثری کے اس دعویٰ کی تکذیب ہے کہ ماہ شعبان میں امام صاحب کا انتقال کرنا اجماعی ہے۔ نیز موفق نے امام خطیب کو اہل حدیث کا امام زماں قرار دے کر قابل اعتماد مانا ہے، جبکہ کوثری خطیب رحمہ اللہ کو نشانۂ طعن وتشنیع بنائے ہوئے ہے۔ نیز موفق نے ۱۵۰ھ کو اکثریتی قول بتایا ہے، اجماعی نہیں۔ الغرض موفق کی پوری عبارت کوثری کی تکذیب کرتی ہے، البتہ موفق کا یہ کہنا کہ فضل بن دکین نے ۱۵۱ھ والے قول کی سند نہیں بیان کی، عجیب

---

1. تأنيب (ص: ١٦٩)
2. خطيب (١٣/ ٤٢٢)
3. اكمال لابن ماكولا (٦/ ٢٢٦)
4. مناقب أبي حنيفة للذهبی (ص: ٣٠)

ہے۔ کیونکہ فضل بن دکین کو سند بیان کرنے کی حاجت کیا تھی، جب کہ وہ امام صاحب کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے، البتہ فضل کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند میں جعابی کذاب اور وضاع ہے۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

بہر حال یہاں کوثری کی بے راہ روی دکھلانی مقصود ہے کہ اس کا طریق تحقیق اس انداز کا ہے۔ کوثری نے سبط ابن الجوزی رافضی کذاب کی کتاب الانتصار سے نقل کیا ہے کہ امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ نے امام صاحب کے لیے رؤیت تسلیم کی ہے۔ [1] حالانکہ اس کذاب رافضی کی تحریر معتبر نہیں۔ اس کا مفصل تعارف آئندہ صفحات میں آئے گا۔

۶۱ھ کو امام صاحب کا سال ولادت قرار دینے والی جماعت مدعی ہے کہ صحابہ سے امام صاحب کی ملاقات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ [2] مگر یہ عجیب بات ہے کہ ۶۱ھ میں پیدا ہو کر صغر سنی میں "طلب العلم فريضة" اور "من يتفقه في الدين" قسم کی احادیث سننے، عامل بالحدیث، فقیہ اور زیرک ہونے کی بھاری شہرت کے باوجود موصوف امام صاحب ۱۰۲ھ ۱۰۳ھ تک یعنی اپنی عمر کے چالیس سال سے زیادہ مدت تک علم کلام (جسے خود موصوف نے زندقہ و بددینی کہا ہے) میں مصروف رہے، بعد ازیں علم فقہ کے حصول میں اٹھارہ سال مصروف رہ کر ۱۲۰ھ میں بعمر ساٹھ سال فارغ ہو کر رونق افروز مسندِ درس ہوئے۔

واضح رہے کہ حضرت جابر سے امام صاحب کی زیر بحث روایت کا دارو مدار ابو علی حسن بن علی دمشقی پر ہے، جو کذاب یا مجہول ہے۔ [3] اسی شخص نے مذکورہ بالا روایت خود ساختہ جھوٹی سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ صحابی سے امام صاحب کی روایت:

اسی دمشقی کذاب نے ایک چوتھے صحابی حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۴ھ) سے امام صاحب کی روایت بایں لفظ ذکر کی ہے:

> "امام صاحب نے فرمایا ۹۴ھ میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کوفہ آئے، اس وقت میری عمر چودہ سال تھی، اس وقت میں نے انھیں دیکھا اور ان سے روایت کی۔" [4]

اس مکذوبہ روایت کی بابت صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ کردری جیسے کذب نواز سے بھی یہ کہے بغیر نہ رہا گیا کہ:

> "لكن في ملاقاة ابن أنيس به إشكال لأن أهل السير و التواريخ مجمعون على أنه مات بالمدينة عام أربع وخمسين قبل ولادة الإمام بسنين." [5]

> یعنی ابن انیس سے امام صاحب کی ملاقات پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اہل سیر و تواریخ متفق ہیں کہ امام صاحب کی ولادت سے کئی سال پہلے صحابی موصوف ۵۴ھ میں انتقال کر گئے۔

حالانکہ کردری اپنی عادت معروفہ کے مطابق اس مکذوبہ روایت کو "حدیث صحیح و نص قطعی" قرار دے کر اہل سیر و تواریخ کے اجماع کو رد کر سکتے تھے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا لیکن ان کی کتاب پر دائرۃ المعارف کے حاشیہ نگاروں نے بحوالہ تذہیب

[1] موفق (۲/ ۱۸۲، ۱۸۳) و كردري. [2] تانيب (ص: ۱۵) [3] تأنيب الخطيب.

[4] لسان الميزان (۲/ ۲٤۰) [5] موفق (ص: ۳۰ و ۳۲) وبسند آخر (۱/ ۳٥) و كردري و جامع المسانيد للخوارزمي.

[6] كردري (۱/ ۱۹)

التہذیب کہا کہ ''بقول ابن یونس حضرت عبداللہ بن انیس ۸۰ھ میں فوت ہوئے، جسے حافظ عسقلانی نے متعذر قرار دیا ہے، مگر فرمان ابی حنیفہ سب کی باتوں پر غالب ہے، یعنی کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا ۹۴ھ کے بعد تک زندہ رہنا ہی صحیح ہے۔''[1]

محشی کی کذب نوازی کی داد دیجیے کہ وہ امام صاحب کی طرف مکذوبہ طور پر منسوب بات کو صحیح قرار دینے کے درپہ ہے، جب کہ حضرت ابن انیس کی صاحبزادی خالدہ صحابیہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ میرے باپ کا انتقال حضرت ابوقتادہ (متوفی ۵۴ھ) کے پندرہ دن کے بعد ہوا۔[2]

ایک صحابیہ اور جمیع اہل علم کی تصریح کے بالمقابل مکذوبہ باتوں پر اعتماد کرنے والوں کو اپنے دین و ایمان کی خبر لینی چاہیے، کیونکہ فرمان نبوی ہے کہ جھوٹی حدیث بیان کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴾ [النحل: ١٠٥]

یعنی صرف وہی لوگ افترا پردازی کرتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔

ذات نبوی پر افتراء کرنے والے شخص کو بارگاہ نبوی سے قتل کی سزا دی گئی تھی۔[3]

۸۰ھ میں ابن انیس کے انتقال والے قول کی غلطی اصابہ (۲/ ۲۷۸، ۱۷۹) میں حافظ عسقلانی نے واضح کر دی۔ اس سال وفات کو صحیح ماننے کی صورت میں بھی چونکہ ان سے امام صاحب کی روایت محال و مکذوب قرار پانے کے لائق تھی، اس لیے اس مکذوبہ روایت کو صحیح قرار دینے کے لیے محشی نے دعوی کیا کہ ۹۴ھ کے بعد ہی ابن انیس کا انتقال ہوا۔

حضرت سہل صحابی سے امام صاحب کی روایت:

محشی کی دیانتداری کا حال یہ ہے کہ کردری نے صاف طور سے حضرت سہل بن سعد انصاری صحابی سے امام صاحب کی ملاقات کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحابی مذکور ۸۶ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، جب امام صاحب پہلی بار ۹۶ھ میں حجاز گئے۔[4] مگر کردری کے اس بیان کا مطلب محشی نے یہ نکالا کہ جن صحابہ سے امام صاحب نے روایت و ملاقات کی ان میں سہل رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔[5]

حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ سے امام صاحب کی روایت:

اسی طرح کردری نے صرف اتنا کہا تھا کہ امام صاحب نے حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ کا زمانہ پایا، مگر محشی نے اس کا مطلب یہ بتلایا کہ ان سے بھی امام صاحب ملے۔[6]

عائشہ بنت عجرد سے امام صاحب کی روایت:

اسلاف کے طریق کار کی پیروی میں انوکھی گل افشانی کرتے ہوئے کہا کہ:

کوثری گروپ کے ایک فرد موسوم مولانا تقی الدین مظاہری نے اپنے لسان المیز ان میں ترجمہ عائشہ بنت عجرد کے تحت

---

[1] ملخص حاشيه كردری (١/ ١٩)
[2] تاريخ صغير للبخاري (ص: ٥٤، ٥٥)
[3] مشكل الآثار (١/ ١٦٤، ١٦٥) والطبراني، التنكيل (١/ ٢٩)
[4] كردری (١/ ١١)
[5] حاشيه مناقب أبي حنيفة للكردری (١/ ١١)
[6] كردری معه حاشيه (١/ ١٢)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: إن أبا حنيفة صاحب الرأي سمع عائشة بنت عجرد تقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ." یعنی امام صاحب نے عائشہ بنت عجرد کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ٹڈی اللہ کا سب سے بڑا لشکر ہے۔ یہاں امام صاحب کا سماع حضرت عائشہ سے واضح طور پر ثابت ہے۔" الخ[1]

ہم کہتے ہیں کہ مظاہری موصوف کی دیانتداری قابل دید ہے:

اولاً: یہ کہ لسان المیز ان کے مقدمہ میں تصریح ہے کہ:

"فإني أسقطتهم لجلالة الصحابة ولا أذكرهم في هذا الصنف."[2]

یعنی اس کتاب میں کسی صحابی کا ترجمہ نہیں ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عائشہ بنت عجرد کا ذکر لسان المیز ان میں صحابیہ کی حیثیت سے نہیں ہے۔ پھر عائشہ مذکورہ کو مظاہری صاحب کا صحابیہ کہنا کہاں کی دیانتداری ہے؟ اور جب یہ عورت صحابیہ نہیں تو اس سے امام صاحب کی روایت بالفرض ثابت ہو بھی جائے تو اس سے امام صاحب کی تابعیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

ثانیاً: امام ذہبی نے عائشہ کی بابت کہا ہے:

"لا تكاد تعرف، قال الدارقطني: لا تقوم به حجة، ويقال: لها صحبة، ولم يثبت ذلك، بل أرسلت فأوهمت أنها صحابية."[3]

یعنی یہ عورت معروف نہیں ہے۔ امام دارقطنی نے فرمایا کہ یہ حجت نہیں، کہا جاتا ہے کہ اسے شرف صحابیت حاصل ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے، بلکہ اس نے حضور سے مرسلاً روایت کر کے لوگوں کو وہم میں مبتلا کر دیا کہ اسے صحبت حاصل ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بقول ذہبی و دارقطنی یہ عورت صحابیہ نہیں ہے اور جب یہ صحابیہ نہیں تو بالفرض اس سے امام صاحب کی روایت ثابت ہو جائے تو بھی امام صاحب کا تابعی ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ جب مظاہری صاحب نے اپنی محولہ کتاب میں امام دارقطنی و ذہبی کی پوری صراحت دیکھی کہ یہ عائشہ صحابیہ نہیں ہے تو اس کے صحابیہ ہونے کا ثبوت دیے بغیر اس سے روایت کی بنیاد پر امام صاحب کو کیسے تابعی کہہ دیا؟

ثالثاً: لسان المیز ان میں مظاہری صاحب کو یہ تو نظر آیا کہ امام یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ ابو حنیفہ صاحب الرأی نے عائشہ سے سنا کہ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی۔ لیکن مظاہری صاحب موصوف کو اس روایت کے ذکر کے بعد اس روایت کے ناقل امام ابو موسیٰ (متوفی ۵۸۰ھ) کا درج شدہ یہ قول نظر نہیں آیا کہ:

"ذكروها في التابعيات، وقد قال الشافعي في الأم. الخ"[4]

یعنی اس عورت کو اہل علم نے تابعی عورتوں میں شمار کیا ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ یہ عورت غیر معروف عورتوں میں سے ہے۔

---

[1] محدثین عظام (ص: ۵۳)

[2] مقدمه لسان الميزان (۱/ ۶)

[3] لسان الميزان (۲/ ۲۲۷ ترجمہ عائشہ رضی اللہ عنہا) نیز ملاحظہ ہو: سنن دارقطنی (۱/ ۲۲۹)

[4] لسان الميزان (۳/ ۲۳۸)

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی اور ابوموسیٰ بھی اس عورت کے غیر صحابیہ ہونے پر دارقطنی و ذہبی کے خیال سے متفق ہیں۔ دریں صورت مظاہری کا اس عورت کو صحابیہ کہنا کون سی دیانت داری ہے؟

رابعاً: لسان المیز ان کی یہ عبارت جب مظاہری صاحب نے خود نقل کی ہے کہ ابن معین کا قول ہے کہ ''إن أبا حنيفة صاحب الرأي سمع عائشة الخ'' تو کیا مظاہری صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ امام یحییٰ بن معین کا لقاء وسماع امام ابو حنیفہ سے ممکن نہیں، کیونکہ ابن معین وفات ابی حنیفہ کے آٹھ سال بعد ۱۵۸ھ کے آخر میں پیدا ہوئے۔[1]

جس کا مطلب ہے کہ اس سند میں امام ابوحنیفہ اور یحییٰ بن معین کے مابین انقطاع ہے۔ کیا ایسی منقطع السند روایت کو حجت بنا سکتے ہیں، جب مذکورہ ائمہ کرام نے عائشہ کے غیر صحابیہ ہونے کی تصریح کر دی ہے بہر حال یہ روایت اسی صورت میں تسلیم کی جا سکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ امام صاحب اپنی وفات کے زمانہ بعد زندہ ہو کر ابن معین سے ملاقات کر کے بتلانے آئے تھے کہ میں نے عائشہ سے حدیث سنی ہے اور حیرت ہے کہ امام صاحب نے یہ بات اپنی وفات کے زمانہ بعد ابن معین کو تو بتلائی مگر اپنی زندگی میں اپنے معاصرین و تلامذہ میں سے کسی کو نہیں بتلائی، حالانکہ یہ بات ایسی تھی جسے امام صاحب کو اپنے تمام تلامذہ اور ملنے جلنے والوں سے بہت فخر کے ساتھ بیان کرنی چاہیے تھی۔ حاصل یہ ہے کہ عائشہ کے صحابیہ ہونے کا قول محض مکذوب اور وہم ہے۔

خامساً: مظاہری صاحب نے کمال دیانتداری سے کام لے کر لسان المیز ان سے عائشہ کے صحابیہ ہونے اور اس سے امام صاحب کی روایت کا تذکرہ کیا، حالانکہ صحابہ کے تراجم پر جو مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی مظاہری صاحب نے کھول کر نہیں دیکھا کہ عائشہ مذکورہ کا حال معلوم کریں۔ تراجم صحابہ کی مشہور کتاب اصابہ (۴/ ۳۷۲) کے طبقہ رابعہ میں اس عورت کا صرف نام لکھا ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ موصوفہ کو اگر وہم کی بنا پر صحابیہ کہا گیا ہے تو اس وہم کی بنیاد بھی قوی نہیں ہے۔[2]

طبقات ابن سعد (۸/ ۳۵۶) میں بھی موصوفہ کا ذکر موجود ہے، مگر بطور صحابیہ نہیں۔ اسد الغابہ (۵/ ۵۰۵) میں بھی اس عورت کا ذکر ہے، مگر صحابیہ ہونے کا فیصلہ نہیں، بلکہ تجرید اسماء الصحابہ للذہبی (۲/ ۳۰۲) میں کہا ہے کہ اسے محض وہم و شذوذ کے سبب ابن معین نے صحابیہ میں شمار کیا ہے۔ حاصل یہ کہ یہ عورت صحابیہ نہیں ہے۔

سادساً: لسان المیز ان (۴/ ۱۴۰) سنن دارقطنی (۱/ ۴۳) تعجیل المنفعہ (ص: ۳۸۳ و ۳۶۶) اور جامع مسانید ابی حنیفہ (۱/ ۲۶۹) کتاب الطہارۃ وغیرہ میں ہے کہ عائشہ سے امام صاحب نے بواسطہ عثمان بن راشد روایت کی ہے اور یہ کہ عائشہ بھی ابن عباس سے روایت کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب نے عثمان بن راشد کے واسطہ سے عائشہ سے روایت کی ہے۔ اس کے خلاف بلا واسطہ والی روایت چونکہ غلط طور پر منسوب ہوگئی ہے، اس لیے تابعیت ثابت نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ جس عثمان بن راشد سے امام صاحب نے یہ روایت نقل کی ہے وہ ضعیف ہے۔[3] اور اسے کتب

---

[1] تهذيب التهذيب (۱۱/ ۲۸۷)　[2] مقدمه إصابه جلد اول.

[3] لسان الميزان و تعجيل المنفعة.

مناقب ابی حنیفہ میں امام صاحب کا استاذ کہا گیا ہے۔[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ مصنف انوار کا یہ پروپیگنڈہ غلط ہے کہ امام صاحب تورع وتقویٰ کے سبب کسی ضعیف و غیر ثقہ سے نہیں روایت کرتے تھے۔ نیز یہ کہ کسی ضعیف راوی پر امام صاحب کے اعتماد نہ کرنے کا پرپیگنڈہ بھی یہیں سے باطل ہوگیا۔ حاصل یہ کہ عائشہ کا صحابیہ ہونا ہی مکذوب اور وہم ہے، پھر عائشہ سے امام صاحب کی براہ راست روایت بھی ثابت نہیں، مگر ان امور کے ساتھ کوثری گروپ کے ایک صاحب کا مناقب ابی حنیفہ للموفق (۱/ ۳۱) پر حاشیہ ملاحظہ ہو کہ:

"وفي تجريد أسد الغابة: إنما هي سمعت ابن عباس في الغسل، قال الدارقطني: ليس لها سواه، رواه أبو حنيفة عن عثمان بن راشد عنها، وقيل: روى عنها، قال ابن معين: لها صحبة."[2]

محشی نے اصل عبارت میں سے "عائشة من الأوهام" اور "قال ابن معين: لها صحبة" کے بعد لفظ "شذ" کو اڑا دیا تا کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ عائشہ کے صحابیہ ہونے کے پروپیگنڈہ کی بنیاد وہم اور ابن معین سے مروی شاذ قول پر ہے۔ حاصل یہ کہ یہ پوری کی پوری پارٹی ترویج اکاذیب میں مصروف ہے، جن کذابوں نے عائشہ والی زیر بحث روایت گھڑی انھوں نے یا انھیں جیسے لوگوں نے صحابی عبداللہ بن ابی اوفی ومعقل بن یسار سے بھی روایات گھڑی ہیں، اس لیے اس موضوع پر مزید گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تفصیل سے مسانید ابی حنیفہ کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ لطف یہ کہ مصنف جامع المسانید بھی مسانید ابی حنیفہ کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے کے مدعی نہیں، مگر کوثری گروپ کے رکن رکین مصنف انوار الباری اوران جیسے بعض حضرات کی جرأت نرالی ہے کہ وہ مسانید ابی حنیفہ کو تصنیف ابی حنیفہ قرار دے کر بہت سے دوسرے اکاذیب کو خالص علمی، دینی، تحقیقی اور صحیح ومعتبر باتیں قرار دیے ہوئے ہیں، ہم انھی حضرات کی گل افشانیوں پر تحقیقی نظر کرنے کے ارادے سے یہ کتاب لکھ رہے ہیں۔

ناظرین! مصنف انوار کا یہ دعویٰ ملاحظہ کر آئے ہیں کہ امام مالک شاگرد ابی حنیفہ ہیں اور یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ سے ساٹھ ہزار مسائل حاصل کیے۔ مصنف انوار کے اس دعوی کی صداقت مندرجہ ذیل صرف ایک روایت صحیحہ سے واضح ہوجائے گی، ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

تلامذہ امام مالک سے امام ابوحنیفہ کا تلمذ:

امام ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ:

''امام ابوبکر محمد بن نضر جارودی حنفی نیشاپوری (متوفی ۲۹۲ھ) نے امام احمد بن حفص بن عبداللہ سلمی سے اور انھوں نے اپنے باپ[3] سے نقل کیا کہ امام ابراہیم[4] بن طہمان (متوفی ۱۶۸ھ) نے کہا کہ میں مدینہ منورہ سے

---

[1] موفق (۱/ ٤٨) جامع المسانيد (۲/ ٥٠٥ وغيره)　　[2] موفق (۱/ ۳۱)

[3] ان دونوں باپ بیٹے کے تراجم تہذیب التہذیب وخلاصہ میں موجود ہیں، دونوں ثقہ وصدوق اور قابل اعتبار ہیں۔

[4] ابراہیم موصوف امام مالک کے شاگرد امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں، اس کی تصریح تاریخ خطیب (ص: ۱۰۵) میں موجود ہے، ان کا ترجمہ تاریخ خطیب کے علاوہ تہذیب التہذیب، جواہر المضیئۃ وغیرہ میں بھی ہے، موصوف ثقہ امام ہیں۔

پڑھ کر واپس ہوا تو امام ابوحنیفہ سے ملنے کے لیے آیا، انھوں نے پوچھا! وہاں کے کن اہل علم سے آپ نے علوم لکھے؟ ابراہیم نے بعض کے نام بتلائے۔ امام صاحب نے پوچھا: امام مالک سے؟ ابراہیم نے کہا: ان سے بھی! امام صاحب نے فوراً کاغذ وقلم لے کر ان کے ذریعہ بطریقۃ املا امام مالک کے علوم حاصل کر کے قلمبند کر لیے۔"[1]

یہ روایت محدثین کے اصول وضوابط کے مطابق قطعی طور پر صحیح ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی علت نہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے اسے نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

"ما كتب أبو حنيفة عن إبراهيم بن طهمان عن مالك بن أنس، ومالك حي إلا وقد رضيه، ووثقه، ولا سيما إذ قصد من بين جميع من كتب عنه بالمدينة مالك بن أنس وسأله أن يملئ عليه حديثه، فقد جعله إماماً لنفسه ولغيره."[2]

یعنی حیات امام مالک میں امام ابوحنیفہ نے امام مالک کے شاگرد ابراہیم سے علوم مالک صرف اسی بنیاد پر حاصل کیے کہ وہ امام مالک سے راضی تھے، انھیں ثقہ وامام سمجھتے تھے۔

مسانید ابی حنیفہ (جسے کوثری گروپ تصنیف ابی حنیفہ کہتا ہے) میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے بواسطہ بہلول بن عمرو الصیرمی امام مالک سے حدیث روایت کی۔[3]

"تزيين الممالك بمناقب امام مالك" (ص: ۲۱) میں بہلول کو تلامذہ مالک اور مناقب ابی حنیفہ للموفق (۱/ ۴۰) میں اساتذہ ابی حنیفہ میں شمار کیا گیا ہے۔ تزیین الممالک (ص: ۶۹) میں ہے کہ امام مالک سے امام ابوحنیفہ کی متعدد روایات ہیں۔ مسند ابی حنیفہ للحصکفی میں بھی امام مالک سے ابوحنیفہ کی روایات موجود ہیں، مگر تعجب ہے کہ مسانید ابی حنیفہ کو معتبر وتصنیف ابی حنیفہ ماننے والے مصنف انوار اور ان کے ہم خیال ان روایات کے باوجود امام ابوحنیفہ کو امام مالک کا شاگرد نہیں مانتے۔ ہمارے نزدیک جامع المسانید اگرچہ معتبر نہیں، لیکن دوسرے دلائل سے امام ابوحنیفہ کا تلامذہ امام مالک کا شاگرد ہونا ثابت ہے۔ (كما مر و سيأتي)

مگر کوثری گروپ مسخ حقیقت اور تعکیس موضوع کا مرتکب ہوکر مدعی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ ہی شاگردِ ابی حنیفہ ہیں!!

امام دار الہجرۃ کی حیثیت سے امام مالک کی مسند نشینی کا سن وسال:

واضح رہے کہ امام ابوحنیفہ کے دو جلیل القدر اساتذہ امام شعبہ اور امام ایوب سختیانی نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ حیاتِ نافع (متوفی ۱۱۷ھ) میں مسند درس وافتاء پر رونق افروز ہو چکے تھے۔ چنانچہ شعبہ سے بسند صحیح منقول ہے:

"دخلت المدينة، ونافع حي، ولمالك حلقة"[4]

اس معنی کا قول ایوب سختیانی سے بسند صحیح الانتقاء (ص: ۲۲) میں منقول ہے۔ ظاہر ہے کہ حیاتِ نافع میں مسند درس پر متمکن ہونے والے امام مالک کی درسگاہ وفاتِ نافع کے بعد اور زیادہ ترقی کر گئی ہوگی۔ چنانچہ شعبہ ہی سے منقول ہے کہ

---

[1] مقدمة الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (۱/ ۳)
[2] ماحصل از مقدمة الجرح والتعديل (۱/ ٤)
[3] جامع المسانيد (۲/ ۳۰٥)
[4] (تقدمة الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ص: ۲٦)

وفاتِ نافع کے ایک سال بعد مدینہ گیا تو "الحلقة لمالك" ''علمی حلقہ پس امام مالک ہی کا تھا۔''[1]

امام ابوخلید عتبہ بن حماد بن خلید دمشقی سے بسند صحیح مروی ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ میں نے موطأ ساٹھ سال میں تصنیف کی ہے۔[2]

اگر امام مالک نے یہ بات اپنی وفات کے صرف چند سال پہلے کہی ہو تو لازم آتا ہے کہ موصوف نے (۱۱۴ھ، ۱۱۵ھ) میں موطأ کی تصنیف شروع کر دی تھی، ظاہر ہے کہ مسند آرائے درس ہونے کے بعد ہی موصوف مصروف تصنیف ہوئے ہوں گے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ موصوف حیاتِ نافع میں مسند درس پر رونق افروز ہو چکے تھے۔ قاضی عیاض و دیگر بہت سے اہل علم کی تصریح ہے اور کوثری گروپ کے کتنے اسلاف کو تسلیم ہے کہ امام مالک اپنی عمر کے سترھویں سال مسند درس پر متمکن ہو گئے تھے۔[3]

اس بات کی مفصل تحقیق آگے آرہی ہے کہ امام مالک بقول خویشی ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اس سے لازم آتا ہے کہ موصوف ۱۰۷ھ میں مسند درس پر بیٹھ چکے تھے، مگر کوثری گروپ کے ایک فرد ابو زہرہ نے اس سن و سال میں امام موصوف کے مسند نشین ہونے کا بلا وجہ انکار کرنے کی سعی کی ہے، حالانکہ قدیم و جدید ہر زمانے میں اس سن و سال کے کتنے افراد کے مسند نشین درس ہونے کی مثالیں موجود ہیں۔ امام موصوف مدینہ منورہ کے ستر جلیل القدر ائمہ محدثین و فقہاء مثلاً یحییٰ بن سعید انصاری و ربیعہ وغیرہ (اساتذہ ابی حنیفہ) کی اجازت و حکم سے مسند نشین درس ہوئے تھے۔[4]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام مالک کی مسند نشینی کے وقت امام ابوحنیفہ درسگاہِ حماد میں معمولی طالب علم کی حیثیت سے زیر تعلیم تھے اور ۱۲۰ھ میں بوقتِ وفاتِ حماد جب موصوف امام ابوحنیفہ فارغ التحصیل ہوئے تو امام مالک کی مدرسی کو تیرہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اور امام مالک کی شان تدریس یہ تھی کہ اہل علم نے موصوف ہی کو اس حدیث نبوی کا مصداق بتلایا ہے کہ دنیا بھر کے طالبین علوم علمی پیاس بجھانے کے لیے تلاش بسیار کے باوجود مدینہ منورہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں پا سکیں گے۔[5]

یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ بھی علومِ مالک کے لیے بے قرار ہو کر کوفہ آنے والے بعض تلامذہ مالک سے علوم مالک حاصل کرتے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

امام مالک کے بعض شاگردوں کا شاگرد ہونے کے باعث امام ابوحنیفہ بقول اشہب بن عبدالعزیز خدمتِ مالک میں باادب بچوں کی طرح بیٹھتے تھے۔[6]

کوثری اور متبعین کوثری نے روایتِ اشہب پر یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ وفاتِ ابی حنیفہ کے وقت اشہب دس سال کے کم سن بچے تھے اور وہ مصر کے باشندہ تھے۔ اس کم سنی میں وہ مصر سے مدینہ منورہ آکر خدمتِ مالک میں امام ابوحنیفہ کو کیونکر دیکھ سکے ہوں گے؟[7] حالانکہ مصر سے بھی دور دراز ممالک کے لوگ مواسم حج میں اپنے دس سالہ بچوں ہی کو نہیں بلکہ چار پانچ سالہ بچوں

[1] الجرح التعديل (١/ ٢٠٥ قسم أول) و تاريخ صغير للبخاری (ص: ١٣١) و سنن دارقطني (٢/ ٣٩) و حلية الأولياء (٦/ ٣١٩) والانتقاء وغیرہ)

[2] حلية الأولياء (٦/ ٣٣١) و تهذيب التهذيب (٧/ ٥٩ ترجمة عتبة و تزيين الممالك)

[3] ترتيب المدارك و مقدمه شرح موطأ لرزقاني ومقدمه اوجز المسالك شرح موطأ و مقدمه تعليق الممجد وغیرہ.

[4] حلية الأولياء و كتب رجال مناقب.　　[5] مسند أحمد (٢/ ٢٩٩)

[6] طبقات الحفاظ و تذكرة الحفاظ للذهبي (١/ ٢٠٩)　　[7] احقاق الحق للكوثری وغیرہ.

کے ساتھ خدمتِ مالک میں حاضری کو باعث سعادت سمجھتے تھے۔ اس قسم کے مواقع پر اشہب کا امام ابوحنیفہ کو خدمتِ مالک میں دیکھنا مستبعد نہیں، مگر خوئے بدرا بہانۂ بسیار! جب امام ابوحنیفہ کا مالک کے بعض شاگردوں کا شاگرد ہونا ثابت ہے تو یہ بات بظاہر خلاف قیاس ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے اس تلمیذ التلمیذ سے علمی استفادہ کیا ہو اور خلاف قیاس وہی بات قابل قبول ہوتی ہے جس کے لیے دلائل قویہ موجود ہوں اور امام مالک کے شاگرد ابی حنیفہ نہ ہونے پر معتبر دلائل وقرائن قائم ہیں۔

امام مالک کا امام ابوحنیفہ سے تلمذ کیوں نہیں؟

مثلاً یہ کہ امام مالک نے کسی کوفی سے روایت نہیں لی اور نہ وہ اسے پسند کرتے تھے، لہٰذا بغیر دلیل معتبر امام مالک کو امام ابوحنیفہ جیسے کوفی شخص کا شاگرد کہنا غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ امام مالک جس شخص کو مجروح قرار دیتے تھے اس سے روایت نہیں کرتے تھے، اور اس بات کی مفصل تحقیق آگے آرہی ہے کہ امام مالک بھی امام ابوحنیفہ کو مجروح کہتے ہیں۔ نیز امام ابوحنیفہ کو مجروح کہنے سے پہلے امام موصوف سے امام مالک کے مستفید ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا امام مالک کو تلمیذ ابی حنیفہ قرار دینا غلط ہے۔ بایں ہمہ کوثری گروپ کے افراد امام مالک کے تلمیذ ابی حنیفہ ہونے کے مدعی اور امام ابوحنیفہ کے تلمیذ مالک ہونے کے منکر ہیں۔

ناظرین کرام! تفصیل کا انتظار کریں۔ اس جگہ ناظرین کرام انوار الباری سے متعلق چند حقائق کا مشاہدہ کرتے چلیں۔

مصنف انوار کا عملی تضاد:

انوار الباری کے اشتہاری بیان میں کہا گیا ہے:

''صحیح بخاری حدیث کی عظیم المرتبت کتاب ہے اور دین کی عمارت دو مضبوط بنیادوں قران مجید اور حدیث صحیح پر کھڑی ہے۔''

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دین کی ان دونوں مضبوط بنیادوں میں مسلمانوں کو ایسی روش اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، جو انوار الباری میں اختیار کی گئی ہے۔ یعنی صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث نبویہ کو خلاف شرع کہنا، ان کے بالمقابل قیاس ورائے کو دلیل و حجت بنانا، کذاب و وضاع و بدعقیدہ لوگوں............ کی مدح سرائی کرنا، ائمہ ثقات کو کذاب قرار دینا، تقلیدی مذہب کی حمایت میں محدثین کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنا، غیر معتبر و غیر صحیح باتوں کو دلیل و حجت بنا لینے کے باوجود یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ ہم صرف صحیح ومعتبر باتیں لکھتے ہیں اور جھوٹے قسم کے دعاوی کرنا وغیرہ جیسا کہ ناظرین کرام کو گزشتہ صفحات سے اندازہ ہو چکا ہوگا کہ انوار الباری میں نہایت غیر محتاط، غیر محمود اور شرعی نقطۂ نظر سے قابل مواخذہ روش اختیار کی گئی ہے۔ خاص طور سے کتاب وسنت کے نصوص صریحہ میں تقلید پرستی سے بتاکید منع کیا گیا ہے، حتی کہ جن اماموں کی تقلید کی جاتی ہے وہ خود بھی تقلید پرستی سے منع کر گئے ہیں، مگر مصنف انوار جیسے اہل تقلید منعِ تقلید میں ان کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ حمایت تقلید پرستی میں انوار الباری جیسے ضخیم کتاب لکھ کر اس کی بابت کہتے ہیں: ''چودہ سو سال بعد احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیا پاشیاں نئے انداز میں!''

حالانکہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ انوار الباری احادیث نبویہ کی ضیا پاشیاں کرنے کے بجائے جھموں اور جھوٹوں کی قصیدہ خوانی، مدح سرائی اور اسی قسم کی دوسری مختلف ظلمت آفریں چیزوں پر مشتمل ہے۔ انوار الباری کے اشتہار میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

''جس طرح دینی و دنیوی قانون کے لیے توضیحات وتشریحات کی ضرورت ہے، قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کی شرح وتفسیر کی بدرجۂ اولیٰ ضرورت تھی۔''

مگر ناظرین کرام کو گزشتہ صفحات سے اندازہ ہوگیا ہوگا اور آئندہ صفحات سے بخوبی معلوم ہوجائے گا کہ انوار الباری میں کس طرح احادیث مقدسہ کی شرح کی گئی ہے؟!

دعوی مصنف انوار کہ اردو میں انوار الباری جیسی کوئی شرح بخاری نہیں:

اشتہار مذکور میں لکھا ہے:

''کتب حدیث کی عربی و فارسی وغیرہ زبانوں میں صدہا شروح تصنیف ہوئیں، مگر اس کا دامن حدیث کی کما حقہ اس خدمت سے خالی تھا۔''

یہ اشتہاری بات صرف اس معنی میں درست ہوسکتی ہے کہ انوار الباری سے پہلے اس کے طرز پر صحیح بخاری اور اس کے جلیل القدر مصنف نیز جملہ محدثین پر رد وقدح اور قلب ومسخ حقائق کے لیے کوئی کتاب نہیں لکھی جاسکی تھی، حتی کہ عربی و فارسی زبان میں بھی نہیں، یعنی عمدۃ القاری، تیسیر القاری، فیض الباری جیسی حنفی شروح بھی اس معنی میں حدیث کی کما حقہ خدمت نہیں، جس معنی میں انوار الباری ہے۔ البتہ انوار الباری کے عالم وجود میں آنے سے پہلے علماءِ اہلحدیث بہت سی کتب حدیث کے اردو تراجم وشروح خصوصاً تسہیل القاری شرح بخاری وشرح مسلم للنووی کا ملخص ترجمہ مع ضروری فوائد اور شروح صحاح ستہ وغیرہ شائع کر چکے ہیں، جن کی تفاصیل علامہ نوشہروی ﷫ کے مقالہ ''علماءِ اہلحدیث ہند کی علمی خدمات'' میں موجود ہیں۔

اشتہار میں مزید کہا گیا ہے:

''اسلام کا مکمل قانون دینی و دنیاوی زندگی میں قرآن مجید کی جہاں تاب روشنی کے بعد حدیث رسول اکرم ﷺ کے ارشادات کی تنویر ہے۔''

ناظرین کرام کو یہ بات جلد معلوم ہوگی کہ قرآن مجید و حدیث نبوی میں اگرچہ اکاذیب کو صحیح ومعتبر باتیں کہہ کر مروج کرنے سے بتاکید بلیغ منع کیا گیا ہے، لیکن انوار الباری کی بنیاد ہی اکاذیب پر قائم ہے۔

نیز اشتہار میں کہا گیا ہے:

''جس میں یعنی حدیث میں مسائل فقہیہ کے علاوہ عقائد، عبادات، معاملات اور معاشرت و اخلاق انسانی کے دینی و دنیوی زندگی کے تمام مسائل غرض تمام اسلامی معاشرے کی مکمل وصحیح ترین تصویر سامنے آجاتی ہے۔'' الخ

مصنف انوار کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقائد، عبادات، معاملات وغیرہ مسائل فقہیہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہیں،

حالانکہ ان تمام چیزوں سے متعلق کتاب وسنت کے قوانین ہی کو مسائل فقہیہ کہا جاتا ہے۔ فقہ کے موضوع پر ہدایہ وغیرہ جیسی کتابوں کے اندر عبادات ومعاملات وغیرہ ہی سے متعلق مسائل جمع کیے گئے ہیں۔

صحیح بخاری کی مدح سرائی مصنف انوار کی زبانی:

اشتہار میں کہا گیا ہے:

''فخر موجودات ﷺ کی بلند پایہ احادیث کو جس حسن وخوبی اور صحت و اہتمام کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ نے مرتب فرمایا ہے، اس کی نظیر اول وآخر میں نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے خالص دینی وعلمی نقطۂ نظر سے بخاری کی اردو تشریح کا نیا باب کھولا ہے۔''

مگر ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کا خالص دینی وعلمی نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک طرف امام بخاری رحمہ اللہ جیسے اماموں کی عظمت وجلالت کا راگ الاپا جائے اور دوسری طرف ان کو روافض، حاسدین اور متعصبین کی صف میں کھڑا کیا جائے۔ اسی طرح کی بے شمار متضاد باتیں مصنف انوار کے خالص دینی وعلمی نقطۂ نظر سے انوار الباری میں تحریر کی گئی ہیں۔

اس اشتہار میں کہا گیا ہے کہ:

''ان تشریحات میں حدیث رسول کی بڑی عظمت محسوس ہوگی۔ دور حاضر کے تمام مسائل اور الجھنیں اس طرح حل نظر آئیں گی کہ حدیث زندگی کے تمام شعبوں میں کارفرما ہو، فقہیات کا تمام مجموعہ احادیث رسول کا ایک عطر محسوس ہوگا۔''

حالانکہ انوار الباری میں اکاذیب کو احادیث نبوی وصحیح ومعتبر باتیں کہہ کر حقائق کو پوری طرح مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے اور تقلیدی مذہب کی حمایت میں احادیث کے رد وابطال اور محدثین کی توہین وتذلیل کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، حتی کہ حضرت ابوہریرہ اور بہت سے صحابہ کرام کی بیان کردہ احادیث نبویہ کو خلاف شرع قرار دیا گیا ہے اور اس طرح کے سینکڑوں اقدامات کیے گئے ہیں جن کی پوری تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ کیا ایسی کتاب یعنی انوار الباری میں عظمت حدیث محسوس کی جا سکتی ہے اور اسے حدیث کا عطر کہا جا سکتا ہے؟ ایسی کتاب میں عطرِ حدیث محسوس کرنے والوں کا خالص دینی وعلمی نقطۂ نظر اگر یہ ہو کہ محدثین کرام کو حاسد ومتعصب کہہ کر مطعون کیا جائے تو تعجب نہیں۔ مصنف انوار نے کہا ہے کہ ''فرق باطلہ کے لیے یہ مجموعہ صاعقہ محرقہ ثابت ہوگا۔'' مگر ہم بتلائیں گے کہ اس مجموعہ انوار سے فرق باطلہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس میں جہمیہ ومرجیہ کی قصیدہ خوانی میں مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ اس اشتہار میں صحیح بخاری کو نسخہ شفاء کہہ کر دعویٰ کیا گیا ہے کہ مصائب ومشکلات کے وقت تمام علماء نے بخاری شریف پڑھنے کا معمول رکھا ہے.'' کہ مگر ناظرین پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ اس نسخۂ شفاء اور اس کے مرتب کی تردید ہی میں انوار الباری لکھی جا رہی ہے۔

اشتہار میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ: ''بخاری شریف کی قدیم شروح سے اہم مباحث فصاحت کے ساتھ درج ہوں گے۔''

ناظرین کرام! آئندہ صفحات میں مصنف انوار کے مندرجہ بالا دعویٰ کی حقیقت ملاحظہ فرمالیں گے۔

اشتہار میں کہا گیا ہے:

''اپنے اکابر حضرت گنگوہی، شیخ الہند، مولانا مدنی کی تقاریر، درس ترمذی و بخاری کے افادات علمیہ شامل ہوں گے۔ محدث یگانہ مولانا انور شاہ کی مطبوعہ تقاریر و درس ترمذی و بخاری وملفوظات بھی شامل ہوں گے۔''

نیز ارشاد ہے:

''انوار الباری کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ اردو میں اپنے اکابر سلف کے حدیثی افادات شرح و بسط کے ساتھ پیش کیے جائیں۔''[1]

اس جگہ مصنف انوار کے اکابر کے افادات کا ایک نمونہ کوثری کے درج ذیل بیان میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

بہت سے صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث حنفی مذہب میں حجت نہیں ہیں:

کوثری نے کہا:

"وأسماء الصحابة الذين رغب الإمام عما انفردوا به من الروايات مذكورة في المؤمل لأبي شامة الحافظ، وليس هذا إلا تحريا بالغا في المرويات يدل على عقلية أبي حنيفة الجبارة."[2]

یعنی کتنے صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث کو امام ابو حنیفہ نے قبول نہیں کیا ہے، امام صاحب کا یہ کارنامہ ان کے بہت بڑے عقلمند ہونے کی دلیل ہے۔

کوثری کے اس بیان سے مصنف انوار کے اکابر کے حدیثی افادات کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ جب صحابہ کی شان میں اور ان کی روایت کردہ احادیث کی بابت مصنف انوار کے اکابر کے یہ بیانات ہیں تو صحیح بخاری کی شرح میں اپنے ان اکابر کے افادات کے بل بوتے پر مصنف انوار نے کیا کچھ کہا ہوگا؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اور جب صحابہ کے ساتھ مصنف انوار کے اکابر کا یہ حال ہے تو عام محدثین خصوصاً امام بخاری کی شان میں مصنف انوار کے اکابر میں سے علامہ انور شاہ کا درج ذیل بیان کچھ بھی تعجب خیز نہیں۔ ملاحظہ ہو:

محدثین پر علامہ انور شاہ کاشمیری کی کرم فرمائی:

مصنف انوار نے کہا ہے:

''حضرت الاستاذ المعظم شاہ قدس سرّہ یعنی شاہ انور اس امر سے بہت دل گیر تھے کہ ابو حنیفہ اور محدثینِ احناف کو گرانے کی سعی ہر زمانے میں کی گئی اور مذہب حنفی کے خلاف ناروا حملے مسلسل ہوتے رہے۔ اس سلسلے میں درس بخاری کے وقت اکثر حافظ ابن حجر کے تعصب و بے انصافی کا شکوہ فرمایا کرتے تھے۔ امام بخاری کے بارے میں محتاط تھے، لیکن آخری سالوں کے درس میں امام بخاری کی زیادتیوں پر بھی تنقید فرمائی اور فرمایا اب ضعف کا وقت ہے، صبر کم ہوگیا، اور ادب کا دامن چھوٹ گیا۔ مجھے کہنا پڑا کہ امام بخاری نے اکابر حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۷)

[2] الترحيب للكوثري (ص: ۲٤) و التنكيل (۱/ ۱۳)

اوران کی جرح غیر معتبر ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری کو مذہب حنفی کی پوری واقفیت نہ تھی، جس کی وجہ سے ''باب الحیل'' وغیرہ میں حنفیہ کی طرف مسائل کا انتساب غلط کیا۔''

''حضرت شاہ صاحب ''کے'' درسی خصوصیات میں سے یہ بات بہت نمایاں تھی کہ وہ نہ صرف مذہب حنفی کی طرف سے بہترین دفاع کرتے تھے، بلکہ تائید مذہب حنفی کے لیے محدثانہ محققانہ طرز سے اونچی سطح کے کافی دلائل و براہین جمع فرما دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مذہب حنفی کی بنیادوں کو اس طرح مضبوط کر دیا ہے کہ مخالفانہ و معاندانہ ریشہ دوانیاں بیکار ہوگئی ہیں۔ میرے نزدیک ایک دو مسئلوں کے سوا فقہ حنفی کے تمام دلائل و حجج دوسرے مذاہب سے زیادہ قوی ہیں۔''[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ شاہ صاحب نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں امام بخاری کو نا انصاف، فن جروح و تعدیل میں غیر معتبر، حنفی اماموں پر ظلم و زیادتی کرنے والا اور مذہب حنفی سے عدم واقفیت کے باوجود حنفی اماموں کی طرف مسائل کو غلط طور پر منسوب کرنے والا وغیرہ قرار دیا ہے اور محدثین پر الزام لگایا ہے کہ ان کی طرف سے ہر زمانہ میں احناف کو گرانے کی کوشش اور حنفی مذہب کے خلاف مسلسل ناروا حملے کیے گئے۔ شارح بخاری حافظ ابن حجر کو بھی متعصب و نا انصاف کہا گیا، ہم شاہ صاحب موصوف کی ان باتوں کا تحقیقی جائزہ آئندہ صفحات میں لیں گے۔

سبب تالیف انوار الباری مصنف انوار کی زبانی:

مصنف انوار اپنے اکابر سلف کے حدیثی افادات کو شرح صحیح بخاری کے نام سے شائع کرنے کا سبب بتلاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''صحاح میں جامع صحیح بخاری کی اہمیت سب پر ظاہر ہے، اس لیے اس کا انتخاب ہوا، مگر شرح حدیث کے وقت دوسری صحاح، مصنفات و مسانید بھی پیش نظر رہیں گی، خصوصاً احادیث احکام کے ذیل میں چونکہ آثار صحابہ و تابعین اور اقوال اکابر محدثین پر بھی نظر ضروری ہے، اس لیے ان کو بھی زیادہ سے زیادہ پیش کرنے کی سعی ہوگی۔''[2]

مگر اہل نظر پر یہ بات مخفی نہیں کہ مصنف انوار کے اپنے اکابر سلف کے حدیثی افادات کا جو مجموعہ انوار الباری شرح صحیح البخاری کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے، وہ حقیقت میں مصنف انوار اور ان کے ''اکابر سلف'' کے تقلیدی مذہب کی حمایت و حفاظت کے لیے ایک نئی کوشش ہے، لیکن ناظرین کرام کو گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے اندازہ ہو چکا ہوگا کہ ان اکابر سلف کے افادات میں مذہب تقلید کی حفاظت کرنے کی کتنی صلاحیت موجود ہے اور آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ اس کی تفصیل بھی آئے گی اور ناظرین کرام کو معلوم ہوجائے گا کہ مصنف انوار نے جس انداز میں شرح بخاری کے نام سے شائع کردہ انوار الباری کی عبارتوں کو ترتیب دیتے وقت صحاح، مصنفات، مسانید، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم، فتاوی تابعین اور اقوال اکابر محدثین پر نظر رکھی ہے اور جس منصوبہ بند طریق کے مطابق آثار صحابہ رضی اللہ عنہم و فتاوی تابعین وغیرہ کو زیادہ سے زیادہ پیش کرنے کی سعی کی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

---

[1] مقدمہ انوار الباري (۱/ ۱۱)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۷)

اساتذہ دیوبند کی درسی خصوصیات:

مصنف انوار اپنے اکابر سلف کے حدیثی افادات کی خصوصیات بتلانے کی غرض سے ایک عنوان ''اساتذہ دارالعلوم دیوبند کی درسی خصوصیات'' قائم کر کے فرماتے ہیں:

''ہمارے حضرات اساتذہ و اکابر دارالعلوم کی درسی خصوصیات میں یہ بھی نمایاں خصوصیت تھی کہ احادیث احکام کے ذیل میں شرح حدیث کے ساتھ بیان مذاہب اور ہر مذہب کے مؤیدات و مرجحات کا ذکر فرماتے تھے۔ حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ نے قدیم محدثانہ رنگ کی تجدید فرماتے ہوئے اس طریق تحقیق کو اور زیادہ مستحکم کیا۔''

مصنف انوار کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے پہلے اپنے حضرات اساتذہ و اکابر دارالعلوم کی متعدد درسی خصوصیات کا تذکرہ کر چکے ہیں، حالانکہ اس کے پہلے انھوں نے کسی ایک خصوصیت کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے باوجود ان کا دعویٰ ہے کہ مقدمہ میں اکابر امت کے معتبر حالات اور شرح میں ان کی تحقیقات عالیہ کو زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع سے بہتر سلیس اردو میں پیش کیا گیا ہے۔[1]

مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان میں اگرچہ یہ دعوی کیا گیا ہے کہ اکابر و اساتذہ دیوبند کی نمایاں درسی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ احادیث احکام کے ذیل میں شرح حدیث کے ساتھ بیان مذاہب اور ہر مذہب کے مؤیدات و مرجحات کا ذکر فرماتے تھے، مگر اکابر اساتذہ دیوبند کی درسی خصوصیات کے بارے میں علامہ رشید رضا مصری نے ایک بار بعض اساتذہ دیوبند سے پوچھا تو جواب یہ ملا:

"فإن كان مذهب الإمام الكوفي من الحديث في بادي الرأي يوفق مذهبه به، ويبين تطبيق المذهب بالحديث."[2]

یعنی اساتذہ دار العلوم کی درسی خصوصیات میں یہ بات شامل ہے کہ جو حدیث نبوی بظاہر حنفی مذہب کے خلاف ہوتی ہے، اس کو یہاں کے اساتذہ حنفی مذہب پر فٹ کر لینے کی تدبیر بتلاتے ہیں۔

علامہ مصری نے اساتذہ دارالعلوم کی اس درسی خصوصیات پر واقف ہوتے ہی متحیر ہو کر کہا:

"وهل ذلك في كل حديث؟" کیا اساتذہ دیوبند ہر حدیث کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں؟

اساتذہ دیوبند کی طرف سے جواب ملا کہ "نعم" ہاں! ہر حدیث کے ساتھ یہی برتاؤ ہوتا ہے۔ اساتذہ دارالعلوم کی اس جرأت انگیز درسی خصوصیت کو دیکھ کر علامہ رشید رضا نے فرمایا:

دیوبند کے طریقہ درس پر علامہ رشید رضا کی تنقید:

علامہ رشید رضا نے کہا:

"هل الحديث حنفي"؟ کیا حدیث بھی حنفی مذہب کی مقلد ہوگئی؟ کیا حدیث کا حنفی ہونا ممکن بھی ہے؟

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۴۰)

[2] نفحة العنبر في حياة إمام العصر الشيخ انور لمحمد يوسف البنوری (ص: ۷۱ مطبوعہ کراچی پاکستان)

"وهل هذا إلا عصبية ما لها من سلطان!" یعنی یہ درس حدیث نہیں ہے بلکہ مقلدانہ عصبیت ہے۔ ایسے طریقہ درس کے جائز ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں۔

یہ ساری تفاصیل "نفحة العنبر" میں موجود ہیں، جو مصنف انوار کی طرح بلکہ ان سے زیادہ ایک غالی ترین دیوبندی مقلد کی تصنیف ہے۔ مصنف انوار اور مصنف نفحة العنبر کے بیانات اس امر پر متفق ہیں کہ علامہ رشید رضا مصری نے جب اساتذہ و اکابر دیوبند کی اس نمایاں درسی خصوصیت پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور اس طریق درس کو تعصب پر مبنی بتلاتے ہوئے سخت نکیر وتنقید فرمائی، اس وقت دیوبندیوں کے امام العصر حافظ حدیث انور شاہ کشمیری خود بھی اساتذہ دیوبند میں شامل تھے، جب انھیں معلوم ہوا کہ علامہ مصری اساتذہ دیوبند کی درسی خصوصیت سے برہم و برافروختہ اور بد دل ہیں تو علامہ موصوف کے اعزاز میں منعقد کردہ جلسہ استقبالیہ میں دیوبند کی طرف سے صفائی پیش کی گئی تھی۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصنف انوار نے یہاں کہا کہ:

"علامہ رشید رضا مصری جس وقت دیوبند تشریف لائے تھے تو حضرت شاہ صاحب نے اپنی عربی تقریر میں اسی طرز تحقیق کی صراحت کی تھی، جس پر علامہ مصری نے غیر معمولی تاثرات کا اظہار کیا تھا، اس کی تفصیل مقدمہ ہذا کے حصہ دوم میں پیش ہوگی۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے بھی مصنف انوار کے اس بیان کی حقیقت آئندہ صفحات میں واضح کی جائے گی، جس سے ناظرین کرام کو معلوم ہوگا کہ علامہ انور شاہ مجلس استقبالیہ میں اپنے دیئے ہوئے بیان میں کس حد تک حق بجانب تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ اساتذہ دیوبند کا طریق درس و تحقیق دراصل کیسا ہوا کرتا ہے؟ اور اسی سے مصنف انوار کے اس طویل بیان کی حقیقت بھی واضح ہوجائے گی کہ:

"یہاں صرف اتنی بات کہنی ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث قدیم محدثین کے طرز سے ملتا جلتا تھا۔ ان کی نظر زمانہ رسالت، صحابہ و تابعین سے گزر کر ائمہ مجتہدین و اکابر محدثین سے ہوتی ہوئی اپنے زمانہ تک کے تمام اکابر محققین کے فیصلوں پر ہوتی تھی، جس کا صحیح اندازہ آپ کی تالیفات فصل الخطاب، نیل الفرقدین، بسط الیدین، کشف الستر وغیرہ سے ہوسکتا ہے۔"[2]

بقول مصنف انوار شاہ انور کی کتابیں نقائص و اغلاط سے پُر ہیں:

مصنف انوار فرماتے ہیں:

"افسوس ہے کہ آپ (انور شاہ) کی مطبوعہ تقاریر درس ترمذی و بخاری آپ کی تحقیقات عالیہ کے بہت ہی ناقص نقوش ہیں، جن میں جامعین کے اخذ و ضبط و ادا کے بھی نقائص و اغلاط ہیں اور مطبعی تصحیفات و اخطاء بھی۔"[3]

درحقیقت انور شاہ کی مطبوعہ تقاریر کو اس جگہ نقائص و اغلاط اور تصحیفات و اخطاء سے متصف کرنے اور انھیں شاہ صاحب کی تحقیقات عالیہ کے بہت ہی ناقص نقوش قرار دینے کا اصل سبب یہ ہے کہ انوار الباری کے مضامین انور شاہ کی مطبوعہ تقاریر

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۷)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۷)　[3] مقدمہ انور (۱/ ۷)

سے میل نہیں کھاتے۔ بہت سے معاملات و مقامات میں ان مطبوعہ تقاریر اور انوار الباری کے مضامین کے درمیان شدید اختلاف ہے، مگر چونکہ انوار الباری کے بارے میں یہ دعوی ہے کہ یہ مجموعہ افاداتِ امام العصر علامہ انور ہے، اس لیے انور شاہ کی مطبوعہ تقاریر کے مقابلے میں انوار الباری کے مضامین کو اصلی فرمودات و افاداتِ انور شاہ ثابت کرنے کی غرض سے ان مطبوعہ تقاریر کو شاہ صاحب کے بہت ہی ناقص نقوش وغیرہ قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اگر اعتراض ہو کہ آپ انوار الباری کو مجموعۂ افادات انور کہہ کر شائع کر رہے ہیں، مگر انوار الباری میں آپ کا فلاں فلاں بیان انور شاہ کی مطبوعہ تقاریر کے خلاف و معارض ہے، تو مصنف انوار بآسانی یہ کہہ کر نجات حاصل کر لیں گے کہ یہ مطبوعہ تقاریر دراصل شاہ صاحب کی تحقیقات عالیہ کے نہایت ناقص نقوش ہیں۔ اس میں تصحیفات و اخطاء ہیں اور جامعین کے اخذ و ضبط و اداء کے نقائص و اغلط ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ مصنف انوار کی نظر میں اگر شاہ صاحب کی مطبوعہ تقاریر ان کی تحقیقات عالیہ کے نہایت ناقص نقوش ہیں اور پُر از اغلاط و نقائص و تصحیفات و اخطاء بھی تو انوار الباری کے اشتہاری بیان کی اس تصریح کا کیا مطلب ہے کہ:

''اس میں شاہ صاحب کی مطبوعہ تقاریر، ملفوظات عالیہ اور غیر مطبوعہ تقاریر کے مضامین عالیہ بھی درج ہیں۔''

اس بیان میں صاف طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ انوار الباری میں شاہ موصوف کی مطبوعہ تقاریر درج ہوں گی۔ مصنف انوار کے ان دونوں بیانات کا حاصل مطلب کیا ہے؟ آخر اشتہاری بیان میں مصنف انوار نے کیوں نہیں بتلایا کہ شاہ صاحب کی مطبوعہ تقاریر نقائص و اغلاط اور تصحیفات و اخطاء کی حامل ہیں؟!

حافظ ابن حجر پر انور شاہ کا طعن:

اس کے بعد مصنف انوار نے کہا کہ:

''حضرت شاہ صاحب کا حافظہ بے نظیر اور مطالعہ بہت وسیع تھا...... حافظ ابن حجر نے جن باتوں کا ذکر مقابل کی نظر سے بچانے کے لیے یا کسی دوسری مصلحت سے غیر محل میں کیا ان پر بھی حضرت شاہ صاحب کی نظر حاوی تھی۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ اگر بے نظیر حافظہ اور بہت وسیع مطالعہ کا حاصل یہی ہے کہ امام بخاری کو ناانصاف، متعصب، زیادتی کرنے والا، فن جرح میں غیر معتبر اور ائمہ کی طرف غلط مسائل منسوب کرنے والا اور حافظ ابن حجر کو مقابل کی نظر سے بچانے کے لیے عمداً بے محل باتیں کرنے والا قرار دیا جائے۔ نیز اس قسم کی دوسری بہت ساری باتیں کہی اور بکی جائیں تو اللہ ایسے بے نظیر قوت حافظہ اور بہت وسیع مطالعہ کے شر سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

اس کے بعد مصنف انوار نے فرمایا:

''راقم الحروف نے بزمانہ قیام مجلس علمی ڈابھیل دو سال درس بخاری میں حاضر رہ کر حضرت کی تقریر درس قلم بند کی۔ اس کے علاوہ علامہ نیموی کی آثار السنن پر حضرت نے جو بے نظیر حدیثی تحقیقات لکھیں... ان سب کو پیش نظر رکھ کر اور فتح الباری وغیرہ کو سامنے رکھ کر ایک مجموعۂ افادات اردو زبان میں مرتب کرنے کا خیال ہوا۔'' الخ[2]

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۷، ۸)   [2] مقدمہ انوار (۱/ ۸)

آثار السنن نیموی کا تذکرہ:

ہم کہتے ہیں کہ حضرت کی تقریر درس اور آثار السنن پر بے نظیر حدیثی تحقیقات جو بنام مجموعۂ افادات انور، انوار الباری کی شکل میں شائع ہو رہی ہے اس کی حقیقت واضح کرنے کے لیے ہم بھی انوار الباری پر یہ علمی و تحقیقی تنقید لکھ رہے ہیں، اس سے عوام و خواص سب کو ''حضرت'' کی بے نظیر درسی تحقیقات، بے نظر حافظہ اور بہت وسیع مطالعہ وغیرہ کا حال معلوم ہو جائے گا۔

تمام محدثین پر مصنف انوار کا طعن:

مصنف انوار نے بعنوان ''مقدمہ کی ضرورت'' لکھا ہے:

> ''شرح بخاری سے قبل یہ بھی مناسب معلوم ہوا کہ حدیث کی ضرورت و تاریخ مختصر لکھ کر محدثین کا تذکرہ بھی ہو جائے، جس سے ہر دور کے اکابر محدثین کا ضروری تعارف ہو۔ حضرت شاہ صاحب کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ اثنائے درس میں جا بجا اکابر ائمہ و محدثین و فقہاء کا تعارف کراتے تھے۔ اس لیے موزوں ہوا کہ ابتدا ہی میں ان سب حضرات کا یکجائی تعارف ہو۔ اگرچہ اثناءِ شرح میں بھی رجال پر کلام حسب ضرورت ہوتا رہے۔ دوسری ضرورت یہ بھی ہوئی کہ دوسری صدی کے بعد اکثر محدثین نے محدثینِ احناف کے ذکر و اذکار کو نظر انداز کیا۔ الخ''

یہ پوری عبارت ایک جگہ ہم نقل کر آئے ہیں، ناظرین وہی ملاحظہ کریں یا مقدمہ انوار (ص: ۸) کا مطالعہ کریں۔

مصنف انوار الباری کے ایک دعوی کی تردید ان کے دوسرے دعویٰ سے:

مصنف انوار کے مندرجہ بالا فصیح و سلیس بیان میں کئے گئے متعدد بھاری بھر کم دعاوی کی پوری حقیقت تو صفحات آئندہ میں واضح کی گئی ہے، مگر انھوں نے جو یہ کہہ رکھا ہے کہ:

''دوسری صدی کے بعد اکثر محدثین نے محدثینِ احناف کو نظر انداز کیا'' الخ اس کی تکذیب کے لیے خود مصنف انوار کا ایک طویل و عریض دعویٰ بہت کافی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کی قائم کردہ چھل رکنی مجلس تدوین کے بتیس اراکین کی روایت کردہ احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس سے بڑھ کر مصنف انوار کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ:

> ''اگر صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث سے امام صاحب کے تلامذہ کے سلسلے کی احادیث و آثار کو الگ کر دیا جائے تو ان میں باقی ماندہ حصہ بمنزلہ صفر رہ جائے گا۔''[1]

نیز مصنف انوار کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ:

> ''امام ابو حنیفہ کے اصحاب و تلامذہ میں بہت بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو ارباب صحاح ستہ کے شیوخ اور شیوخ الشیوخ ہیں۔''[2]

ناظرین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ ایک طرف مصنف انوار کا یہ دعویٰ ہے کہ حسد و تعصب کے سبب محدثین نے امام

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۵٦)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۸)

صاحب کے تلامذہ کو اپنی مجلس حدیث سے نکال دیا اور دوسری طرف یہ دعویٰ کہ صحاح و دیگر کتب حدیث میں تلامذہ ابی حنیفہ کی روایت کردہ احادیث بھری پڑی ہیں اور یہ کہ امام صاحب کے اصحاب و تلامذہ کی بڑی تعداد اربابِ صحاح ستہ کے شیوخ و شیوخ الشیوخ ہیں۔ جب بدعویٰ مصنف انوار محدثین نے تلامذہ ابی حنیفہ کو مجلس حدیث سے نکال دیا تو انھیں کی روایت کردہ احادیث سے اپنی کتابوں کو بھر کیسے دیا؟ اور انھیں اپنے شیوخ یا شیوخ الشیوخ کیسے بنا لیا؟ صحاح ستہ کے مصنفین اور دیگر کتب حدیث کے مرتبین نے دوسری صدی کے بعد ہی عموماً اپنی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ الغرض مصنف انوار کے دعاوی باہم متعارض ہیں اور صرف یہی بات مصنف انوار کی تکذیب کے لیے کافی ہے۔ در اصل مصنف انوار کو اس بات کا قلق ہے کہ عام محدثین نے اپنی کتابوں میں امام صاحب کی روایت کردہ احادیث اور ان کے وضع کردہ فقہی مسائل کیوں قلم بند نہیں کیے؟ نیز یہ لوگ امام صاحب کے مقلد و معتقد کیوں نہیں بن گئے؟

قول ابی حنیفہ سے مسانید ابی حنیفہ وغیرہ کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے کی نفی:

آئندہ صفحات میں اس بات کی تفصیل آ رہی ہے کہ امام صاحب نے اپنی کسی بھی بات (حدیث یا فقہی مسئلہ) کی تحریر و نقل سے منع فرما دیا تھا۔ یہی وجہ ہے (لیکن بعض دوسرے معقول وجوہ بھی ہیں جن کی تفصیل آ رہی ہے ہے) کہ عام محدثین نے امام صاحب کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے اپنی کتاب کو امام صاحب کی احادیث و فقہی مسائل کی نقل سے پاک رکھا ہے۔ اس سے مصنف انوار کے اس دعویٰ کی تغلیط ہوتی ہے کہ محدثین نے حسد و عناد و تعصب کے سبب ایسا کیا نیز امام صاحب کے اس فرمان سے مصنف انوار کے اس دعویٰ کی بھی تغلیط ہوتی ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین کے ذریعہ امام صاحب نے ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کی تدوین کی، کیونکہ جو شخص اپنی کسی بھی فقہی بات کی تحریر و نقل سے روک دے، اسے بلا دلیل ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کی تدوین کرنے والا کہنا قطعی طور پر غلط ہے۔ اور امام صاحب کے اسی ارشاد سے مصنف انوار کے اس دعویٰ کی بھی تکذیب ہوگئی کہ امام صاحب نے مسانید و آثار وغیرہ کئی کتابوں کی تصنیف کی، کیونکہ جو شخص اپنی ایک بھی بات (حدیث یا فقہی مسئلہ) کی نقل و تحریر کا روادار نہ ہو وہ اتنی ساری کتابیں لکھ کر اپنی روایات و فقہی مسائل کیونکر قلم بند کرے گا؟ امام صاحب کے اسی ارشاد سے علامہ انور شاہ کے اس دعویٰ کی بھی تغلیط ہوگئی کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں مذاہب کے بیان میں امام صاحب کا مذہب اس لیے بیان نہیں کیا کہ انھیں بسند صحیح امام صاحب کا مذہب نہیں پہنچ سکا۔[1]

کیونکہ امام ترمذی نے انور شاہ کے بیان کردہ سبب سے نہیں بلکہ امام صاحب کے ارشاد "لا ترو عني شيئاً" کے پیش نظر نیز دوسرے کئی معقول اسباب کی بنا پر اپنی کتاب کو امام صاحب اور ان کے مذہب و مسلک کے ذکر سے پاک رکھا، ان معقول اسباب پر مفصل گفتگو آئندہ آئے گی۔

خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت:

اپنے مندرجہ بالا طویل بیان کے بعد مصنف انوار نے بطور نصیحت فرمایا:

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۱)

''تمام محدثین اولین و آخرین کو ایک نظر سے دیکھنا چاہیے اور اس میں کچھ بھی فرق کرنا حدیث کے مقدس علم پر ظلم کرنا ہے۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ ہونا تو یہی چاہیے جو مصنف انوار اپنے بیان مذکورہ میں کہہ رہے ہیں کہ تمام محدثین کو ایک نظر سے دیکھا جائے، مگر ناظرین کرام دیکھتے آرہے ہیں کہ مصنف انوار نے احادیث نبویہ کی روایت کرنے والے صحابہ کرام کے خلاف نہایت جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ نعوذ باللہ خلاف اصولِ شریعت احادیث بیان کرتے تھے؟ جب صحابہ کرام کے ساتھ مصنف انوار کی جارحیت کا یہ حال ہے تو دوسرے محدثین کے ساتھ کیا ہوگا، اس کا اندازہ ناظرین کرام خود کر سکتے ہیں۔ بلکہ کر رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنی اس نصیحت کے خلاف عمل کرتے ہوئے بقول ترجمان دیوبند ''القاسم'' محدثین وفقہاء کو متحارب گروہ میں تقسیم کر کے محدثین کے خلاف نہایت جارحانہ باتیں لکھی ہیں اور الٹ کر پھر انھیں پر یہ اتہام لگا دیا کہ یہی لوگ تعصب، حسد اور عناد کے باعث احناف کو بلا وجہ نظر انداز کرتے اور مطعون کرتے تھے۔

ناظرین کرام! خود دیکھتے آرہے ہیں کہ مصنف انوار نے غیر حنفی محدثین و اہل علم کے خلاف کس قدر جارحیت سے کام لیا ہے، یعنی کہ امام ابو حنیفہ اپنے جن استاد الاساتذہ امام مالک بن انس کے سامنے باادب بچے کی طرح بیٹھتے تھے، انھی امام مالک اور دوسرے محدثین کے بارے میں مصنف انوار کہتے ہیں کہ امام صاحب کی تدوین فقہ وغیرہ جیسے کارناموں کے احسانات کے سامنے ان کی گردنیں جھکی رہتی تھیں، حالانکہ درحقیقت امام صاحب نے اپنی فقہ کی تدوین سے منع کر دیا تھا۔ بلفظ دیگر امام صاحب نے تدوین فقہ کا کارنامہ انجام ہی نہیں دیا کہ ان کے اس احسان کے سامنے کسی بھی فرد بشر کی گردن جھکنے اور احسان مند ہونے کی نوبت آئے۔

معتدل شاہراہ:

اپنی مذکورہ بالا بات کے بعد موصوف فرماتے ہیں:

''تفسیر کتاب اللہ کی طرح شرح معانی حدیث میں جزوی اختلافات ہوئے اور ہو سکتے ہیں، لیکن اس اجارہ داری کے زعم باطل کو کسی طرح گوارہ نہیں کیا جا سکتا کہ ایک نقطۂ نظر تو سراسر احادیث کے مطابق اور دوسرا خلاف ہے، پھر اس غلط طرزِ فکر میں جو ترقیات ہوئیں وہ اور بھی زیادہ قابل اعتراض ہیں۔'' الخ[2]

ہم کہتے ہیں کہ شرح معانی حدیث میں جزوی کیا بنیادی اختلافات بھی ہوئے اور ہو سکتے ہیں، مگر مصنف انوار انوار الباری کو اسی اجارہ داری کے زعم باطل کے تحت شرح بخاری کے نام سے لکھ رہے ہیں کہ حنفی نقطۂ نظر ہی صحیح اور غیروں کا غلط ہے۔ چنانچہ مصنف انوار نے ایک جگہ کہا ہے:

''جو شخص یہ گمان کرے کہ امام ابو حنیفہ نے کسی مسئلہ میں غلطی کی ہے اور حق بات امام صاحب کے خلاف ہے، وہ چوپایہ بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہے، نیز وہ نئے دین کا ایجاد کرنے والا بھی ہے۔''[3]

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۸)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۸)

[3] ماحصل از مقدمہ انوار الباري (۱/ ۱٦۸) وتذکرہ مندل.

نیز امام ابن المبارک شاگرد ابوحنیفہ کی طرف کذب طور پر منسوب کیا گیا کہ ؎

فلعنة ربنا إعداد رمل
علی من رد قول أبي حنيفة ❶

یعنی امام ابوحنیفہ کا کوئی قول رد کرنے والے پر بے شمار لعنتیں ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ بات مصنف انوار نے اسی زعم باطل کے تحت کہی ہے کہ تمام مختلف فیہ مسائل میں حنفی نظریہ ہی احادیث کے مطابق اور دوسروں کا سراسر خلاف ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے اکاذیب کا بکثرت استعمال کرتے ہوئے مسخ و ردحقائق اورتحریف وترمیم کا سلسلہ نہایت منظّم پیمانے پر چلا رکھا ہے، حتی کہ اپنے باطل خیالات کی تصویب کی خاطر انھوں نے یہاں تک کہہ رکھا ہے کہ احادیث نبویہ کی روایت کرنے والے صحابہ اصول شریعت کے خلاف احادیث روایت کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ) اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے اس بات کا کہ مصنف انوار اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ وہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور دوسرے لوگ کچھ نہیں سمجھتے؟ وہ اپنے آپ کو اس بات کا پورا ٹھیکیدار سمجھ کر ہی مسخ وقلب حقائق کی یہ مہم چلا کر اپنی باتوں کو سچ کر دکھانے کے درپے ہیں۔

صحیح تنقید اور حافظ ابن ابی شیبہ:

مصنف انوار اپنی مذکورہ بالا بات کے بعد فرماتے ہیں:

''صحیح تنقید کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ ایک مفید علمی مقبول طریقہ ہے، مگر اس کو تعصب، تنگ نظری اور غلط کلام سے خالی ہونا چاہیے۔'' ❷

ہم کہتے ہیں کہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار کی تنقید کا کیا رنگ ہے، حتی کہ صحابہ کرام کے خلاف بھی یہ جارحانہ اقدام ہے کہ یہ لوگ خلاف اصول شریعت احادیث بیان کرتے ہیں اور یہ کہ امام بخاری متعصب، تنگ نظر، بدنیت اور غیر معتبر تھے اور جملہ محدثین حاسد، معاند، متعصب اور مخالفِ سلف صالح تھے۔ اس موقع پر مصنف انوار نے بزعم خویش مفید علمی ومقبول ترین راہ اختیار کرتے ہوئے بتلایا ہے:

''امام ابوحنیفہ پر امام بخاری کے استاذ ابوبکر بن ابی شیبہ نے بھی تنقیدیں کیں، مگر وہ اپنی تنقیدوں میں مخلص، نیک نیت، غیر متعصب وغیر جارح تھے، لیکن ان کے بعد امام بخاری آئے تو ان کی تنقیدوں کا رنگ دوسرا ہوا، جنہوں نے (بخاری نے) لاعلمی کے سبب امام ابوحنیفہ کی طرف غلط باتیں منسوب کیں اور بےضرورت تشدد سے کام کیا اور سخت کلامی تک پہنچ گئے۔ امام صاحب اور ان کے اصحاب کو اہل علم کا درجہ دینے کو بھی تیار نہ ہوئے، حالانکہ امام صاحب کے تلامذہ ابن المبارک وغیرہ کی انتہائی تعریف کی۔'' ❸

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے امام بخاری کو کھل کر بدنیت، غیر مخلص، متعصب،

---

❶ مقدمه شرح وقايه فرنگی محلی وغيره۔ ❷ مقدمه انوار (١ / ٨)

❸ ماحصل از مقدمه انوار الباري (١ / ٨، ٩ بعنوان صحیح تنقید اور حافظ ابن ابی شیبہ)

جارح، غلط باتوں کا منسوب کرنے والا، غیر ضروری طور پر تشدد برتنے والا اور سخت کلامی کرنے والا بتلایا ہے، مگر اپنے اسی بیان میں متضاد و متعارض بات بھی اپنی عادت کے مطابق مصنف انوار نے کہہ ڈالی ہے، وہ یہ کہ موصوف نے اس بیان میں کہا ہے کہ امام بخاری امام صاحب اور ان کے اصحاب کو اہل علم کا درجہ دینے کو تیار نہیں اور دوسری طرف یہ دعوی کہ امام بخاری نے امام صاحب کے تلامذہ ابن المبارک کی انتہائی تعریف کی ہے، تو یہ کھلا ہوا تضاد و تعارض ہے، کیونکہ بدعوائے مصنف انوار ابن المبارک امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سے ہونے کے ساتھ امام صاحب کے اصحاب میں سے بھی تھے، حتی کہ وہ (ابن المبارک) بدعوائے مصنف انوار امام صاحب کی چہل رکنی مجلس تدوین فقہ کے ایک رکن رکین بھی تھے۔ [1]

جب بدعویٰ مصنف انوار ابن المبارک امام صاحب کے ان اصحاب و تلامذہ میں تھے جو امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کے رکن رکین تھے اور مصنف انوار ہی کا یہ دعوی بھی ہے کہ امام بخاری نے ابن المبارک کی تعریف کی ہے تو دوسری طرف مصنف انوار کا یہ کہنا کہ امام بخاری امام ابوحنیفہ کے اصحاب کو اہل علم کا درجہ دینے کو بھی تیار نہیں، کیا معنی رکھتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ مصنف انوار کا کھلا ہوا تضاد ہے اور اسی قسم کی تضاد بیانیوں کے ذریعہ موصوف نے اپنی تکذیب کا کافی و وافی سامان خود ہی فراہم کر لیا ہے۔ مصنف انوار ایک طرف امام بخاری کی شان میں مندرجہ بالا باتیں کہنے والے ہیں اور دوسری طرف نعوذ باللہ اس طرح غیر مخلص، بدنیت، جارح اور غلط باتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرنے والے شخص کی کتاب صحیح بخاری کو امت کے لیے نسخۂ شفاء، مصائب و مشکلات میں کام آنے والا نسخۂ کیمیا، فلاح دنیا و آخرت کا سرچشمہ اور احادیث نبویہ کا بیش بہا ذخیرہ کہتے پھر رہے ہیں۔ یعنی اپنی اس قسم کی متضاد باتوں کے ذریعہ خود اپنی تکذیب کرتے جا رہے ہیں، اس کے باوجود خود کو بڑا مخلص، دیانت دار، اعتدال پسند، خالص علمی و دینی خدمت انجام دینے والا ظاہر کرتے ہیں۔ مصنف انوار کی ان ساری باتوں کی حقیقت ناظرین کرام پر خود بخود ظاہر ہوتی جا رہی ہے، لیکن آئندہ صفحات میں ہم اس کی حقیقت اچھی طرح واضح کریں گے۔ امام بخاری کے خلاف مذکورہ بالا قسم کی باتوں کو لکھنے کے بعد مصنف انوار نے یہ بھی کہا ہے:

امام ابن تیمیہ کا اجمالی ذکر:

''اختلاف صرف افضلیت کا تھا، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ کی تصریحات بھی ہم نے اس مقدمہ کے صفحہ (۱/ ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵) پر نقل کر دی ہیں۔ اس کی مزید تفصیل امام بخاری کی تالیفات پر تبصرہ کے ضمن میں آئے گی۔'' [2]

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان کو اس کے پہلے والے بیان سے ملا کر دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس جگہ اپنے قارئین کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام بخاری نے احناف کے خلاف تعصب، تنگ نظری اور بدنیتی وغیرہ سے کام لے کر جو بیجا تشدد و غلط انتساب کا استعمال کیا ہے، وہ کسی بنیادی اور بڑی بات کی بنا پر نہیں بلکہ نہایت معمولی وجہ سے، یعنی ان کے (امام بخاری) اور احناف کے مابین مختلف فیہ مسائل میں محض فضیلت کا اختلاف تھا اور محض اتنے سے اختلاف کی بنا پر امام بخاری نے احناف کے خلاف اتنے بڑے بڑے اقدامات کر ڈالے۔ یہاں مصنف انوار نے بزعم خویش تیسری صدی کے امام بخاری کے غلط طریقہ کار کے بالمقابل آٹھویں صدی کے ابن تیمیہ کے طریق کار کو اچھا بتلاتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ احناف کے

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۱۷۲)
[2] مقدمه انوار (۱/ ۹)

ساتھ ابن تیمیہ نے اس تعصب، تنگ نظری، غیر مخلصانہ تنقید اور بدنیتی وغیرہ سے کام نہیں لیا ہے۔ جس طرح سے امام بخاری نے لیا ہے، چونکہ مصنف انوار نے آگے چل کر امام ابن تیمیہ کو احناف کی حمایت میں امام بخاری کے خلاف متعدد مقامات پر پیش کیا ہے، نیز امام ابن تیمیہ کا مستقل تعارف بھی کرایا ہے، اس لیے ہم بھی آگے چل کر موقع کی مناسبت سے مصنف انور کے بیانات کا جائزہ لیں گے۔ اس جگہ امام بخاری کے بالمقابل امام ابن تیمیہ کے طریق کار کو بہتر بتلانے کے بعد مصنف انوار نے امام بخاری کے خلاف امام ترمذی اور امام ابو داود کو پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

امام ترمذی اور ابو داود کا اجمالی ذکر:

''پھر کچھ رد عمل ہوا، امام ترمذی آئے تو انھوں نے اہل کوفہ کو نہ صرف اہل علم کے لقب سے نوازا بلکہ ان کو معانی حدیث کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا طبقہ قرار دیا۔ امام صاحب کا قول بھی جرح و تعدیل میں نقل کیا اور اپنے استاذ حدیث امام بخاری کا فقہی مذہب بھی نہیں نقل کیا، جس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے شیخ کو اس درجہ سے نازل سمجھتے تھے کہ ان کا مذہب نقل ہو۔ امام ابوداود نے امام اعظم کو ''امام'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔''[1]

یہی بات مصنف انوار نے آگے چل کر اس طرح کہی ہے:

''یہی وجہ ہے کہ محدثین نے اپنی کتب صحاح میں تعامل سلف کے ساتھ اہل کوفہ کا تعامل بھی بڑی اہمیت سے نقل کیا ہے۔ یہاں تک کہ امام ترمذی نے احکام فقہی کا کوئی باب کم چھوڑا ہے۔ جہاں اعتناء کے ساتھ اہل کوفہ کا مذہب نقل نہ کیا ہو، اور اہل کوفہ کو ''أعلم بمعاني الحديث'' اور ''اہل علم'' کے خطاب سے نوازا ہے۔'' الخ[2]

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں بتلایا ہے کہ جملہ کتب صحاح کے مصنفین نے تعامل سلف کے ساتھ تعامل اہل کوفہ بڑی اہمیت کے ساتھ نقل کیا ہے، حالانکہ صحاح ستہ میں سے جامع ترمذی کے علاوہ کسی بھی کتاب میں تعامل سلف خصوصاً کوفہ کے اسلاف کے تعامل کو نقل کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔

ناظرین کرام! مصنف انوار یا کسی دیوبندی مولوی سے مطالبہ کریں کہ جامع ترمذی کے علاوہ صحاح ستہ کی کسی بھی کتاب میں تعامل اسلاف کے نقل کرنے کے اہتمام کا ثبوت پیش کریں۔ تمام کتب صحاح بآسانی ملتی ہیں، انھیں دیکھ کر مصنف انوار کے دعویٰ کی حقیقت بآسانی معلوم کی جا سکتی ہے۔ ہاں یہ بات ضرور صحیح ہے کہ امام ترمذی نے تقریباً ہر باب میں تعامل اسلاف کے تذکرہ کا اہتمام کیا اور جملہ اسلام کے تعامل کے ذکر کے ساتھ محدثین اہل کوفہ کا تعامل بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک محدثین کوفہ سے مراد فقہائے اہل الرائے (یعنی احناف) نہیں ہیں، بلکہ اس سے ان کی مراد کوفہ کے اہل حدیث اسلاف صحابہ و تابعین و اتباع تابعین وغیرہ ہیں۔ (كما سيأتي)

امام ترمذی کی نظر میں مذہب حنفی بدعت ہے:

امام ترمذی نے اہل الرأی کی بابت امام وکیع کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ:

''لا تنظروا إلى قول أهل الرأي فإن قولهم بدعة.'' الخ

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۹)
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۴۷)

یعنی اہل الرائے (مراد امام ابوحنیفہ اوران کی جماعت) کے قول کی طرف نظر بھی مت اٹھاؤ، کیونکہ ان کا قول بدعت ہے۔

دریں صورت یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں اہل الرائے فقہاء کے مذاہب اور تعامل کو اہمیت دے کر ذکر کیا ہے؟ البتہ ایسا ہوا ہے کہ امام ترمذی نے جن علمائے کوفہ کے تعامل کے تذکرہ کا اہتمام کیا ہے، ان میں سے بعض اقوال اہل الرائے کے اقوال کے موافق ہیں، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ اہل الرائے ہی کے مذہب کا تذکرہ کیا ہے۔ كما لا يخفى على صاحب العقل.

مصنف انوار کے اس دعوی کا وجود ہم کو جامع ترمذی میں کہیں بھی نظر نہیں آیا کہ:

''امام ترمذی نے اہل کوفہ کو ''أعلم بمعاني الحديث'' کے خطاب سے نوازا ہے۔''

مصنف انوار اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو جامع ترمذی سے وہ عبارت مع قید باب وصفحہ نقل فرمائیں، البتہ امام ترمذی نے فقہائے کرام کو اعلم بمعانی الحدیث کہا ہے اور ان فقہاء سے امام ترمذی کی مراد اہل الرائے نہیں بلکہ فقہائے محدثین ہیں، جیسا کہ تفصیل امام ترمذی و بخاری کے تذکرہ میں آ رہی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہاں ایک طرف مصنف انوار نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام ترمذی کے ذکر کردہ علمائے اہل کوفہ سے مراد امام صاحب اور دیگر احناف ہیں اور دوسری طرف تھوڑی دور آگے چل کر (۱/ ۱۱،۲/ ۵۸) اپنے اس بیان کی تکذیب کا سامان خود کرتے ہوئے اس کے خلاف و معارض ایک دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ:

''امام ترمذی نے بیان مذہب میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ انھیں امام ابوحنیفہ کا مذہب بسند صحیح مل نہ سکا۔''

یعنی اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے پہلے والے دعویٰ کے خلاف دوسرے دعوی میں کہا کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں امام ابوحنیفہ کے مذہب و تعامل کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ انھیں بسند صحیح امام صاحب کا مذہب پہنچا ہی نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے یہ دونوں بیانات یا دعاوی آپس میں متعارض ومتضاد ہیں اور یہی تضاد بیانی ہی موصوف مصنف انوار کی تکذیب کے لیے کافی ہے۔ مصنف انوار کے اس دوسرے دعوی سے وہی بات ثابت ہوئی جو ہم نے کہی ہے کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں امام صاحب کے مذہب کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ امام صاحب کا ذکر بھی صرف دو جگہوں پر تنقید و تجریح کے لیے کیا ہے۔

حاصل یہ کہ جامع ترمذی میں اہل کوفہ سے امام ترمذی کی مراد امام ابوحنیفہ اور احناف نہیں ہیں، کیونکہ اولاً ان کے پیش نظر امام وکیع کا یہ ارشاد تھا کہ احناف کی باتوں سے کوئی سروکار نہ رکھو، ثانیاً: ان کے پیش نظر امام ابوحنیفہ کا یہ ارشاد بھی تھا کہ ''لا تروعني شيئاً'' اس کے علاوہ دوسرے اسباب بھی تھے جن کا ذکر اپنے محل پر آئے گا۔

حافظ ابن حجر کے خلاف مصنف انوار کی نیش زنی:

امام بخاری کو خوب جی بھر کر مطعون کرنے کے ساتھ مصنف انوار نے شارح بخاری حافظ ابن حجر کے خلاف اس طرح زہرافشانی کی:

''بقول حضرت شاہ صاحب (علامہ انور شاہ) حافظ ابن حجر سے رجال حنفیہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا، اس

جملہ کی شرح بھی آپ کو اس مقدمہ میں ملے گی۔ ہم نے محدثین احناف کی طرف بھی زیادہ توجہ کی ہے، تا کہ ان کے صحیح حالات روشنی میں آجائیں۔'' الخ[1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے مذکورہ بالا دعوی کی حقیقت بھی ہم اس جگہ واضح کریں گے جہاں مصنف انوار نے بزعم خویش اس جملہ کی شرح کی ہے۔ ناظرین کو بہر حال گزشتہ تحریروں سے مصنف انوار کے اس قسم کے دعاوی کی حقیقت کا اندازہ ہو چکا ہے کہ ''ہم نے محدثین احناف کی طرف بھی زیادہ توجہ کی ہے، تا کہ ان کے صحیح حالات روشنی میں آجائیں۔''

محدثین احناف کا طرز فکر مصنف انوار کی زبانی:

حافظ ابن حجر پر مذکورہ بالا نیش زنی کے بعد مصنف انوار نے کہا:

''محدثین احناف کے تذکروں میں یہ بات اکثر نظر آئے گی کہ ان کے طرز فکر میں احادیث کے ساتھ آثار صحابہ، فتاویٰ تابعین اور اقوال اکابر امت کا پورا لحاظ تھا۔ تعصب و تنگ نظری بھی ان میں نہیں تھی۔ حدیث کے ساتھ فقہ کو بھی لازم رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب (علامہ انور شاہ) بھی ان اوصاف کے ساتھ متصف تھے اور آپ کا درس متقدمین محدثین احناف کے درس کا نمونہ تھا۔''[2]

ہم کہتے ہیں کہ اپنے مذکورہ بالا دعویٰ کو مصنف انوار نے بار بار دہرایا ہے جس کی حقیقت ناظرین کرام پر ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہو جائے گی۔ بطور اجمال اس جگہ اتنا کہنا کافی ہے کہ جملہ احناف بشمول علامہ انور شاہ کشمیری نے بہت ساری احادیث نبویہ اور اقوال و آثار صحابہ کو محض اپنے خانہ ساز اصول کے تحت رد کر دیا ہے، حتی کہ ان احادیث نبویہ کی روایت کرنے والے صحابہ کرام کو خلاف اصولِ شرع احادیث کا روایت کنندہ کہا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلك)

جن معاندین سنت کا صحابہ کرام کے ساتھ اس طرح کا عناد، تعصب اور تنگ نظری ہو ان کا دوسرے لوگوں کے ساتھ کیا حال ہوگا؟ جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اصول شریعت کے خلاف احادیث کا روایت کنندہ کہیں وہ ان صحابہ کرام اور دوسرے اکابر کے اقوال و آثار و فتاویٰ کے ساتھ کیا کچھ کرنا روا نہ رکھتے ہوں گے؟ بہر حال آنے والی تفاصیل سے حقیقتِ امر منکشف ہو جائے گی۔

تلامذہ شاہ انور انھیں کے نقش قدم پر:

اس کے بعد مصنف انوار نے بتلایا کہ تلامذہ شاہ انور بھی مذکورہ بالا امور میں شاہ انور ہی جیسے تھے جس سے ناظرین کرام کو اصل حقیقت کا اندازہ ہو گیا ہے، تفصیل سے پوری بات معلوم ہو جائے گی۔

مصنف انوار کے شیخ زکریا اور گنگوہی کا اجمالی ذکر:

اس کے بعد مصنف انوار نے اپنے شیخ مولانا زکریا شارح موطأ اور بانی دار العلوم مولانا گنگوہی کا تذکرہ کر کے ظاہر کیا ہے کہ ''یہ بہت محقق و محدث ہیں اور ان کی تالیفات سے انوار الباری میں استفادہ کیا گیا ہے۔''[3]

ناظرین کرام پر مصنف انوار کے دعاوی کی حقیقت کھلتی جا رہی ہے اور آئندہ بھی کھل جائے گی۔

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۹)　[2] مقدمہ انوار (۱/۹)　[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۰)

امام اوزاعی اور سفیان ثوری کے خلاف انوار کی شرانگیری:

مذکورہ بالاقسم کی گل افشانیوں کے بعد مصنف انوار نے ایک نہایت دل خراش بحث کا آغاز کرتے ہوئے کہا ہے:

''محدث شہیر حماد بن زید نے محدث کبیر ایوب سختیانی سے نقل کیا کہ آپ کے سامنے جب کوئی شخص امام صاحب کا ذکر کسی برائی سے کرتا تو فرماتے تھے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں، مگر اللہ اس سے انکار کرتا ہے۔ ہم نے ان لوگوں کے مذاہب دیکھے ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ پر تنقید کی ہے کہ ان کے مذاہب دنیا سے ناپید ہوگئے اور امام صاحب کا مذہب ترقی پر ہے اور قیامت تک رہے گا۔ (عقود الجواهر المنيفة) یہ اشارہ غالبًا امام اوزاعی وسفیان ثوری وغیرہ کی طرف ہوگا اور یہ تنقید کی بات ان کے ابتدائی دور کی ہے، آخر میں ان کی غلط فہمیاں امام صاحب کے متعلق باقی نہ رہیں، بلکہ وہ امام صاحب کے علم وفضل اور تفوق کے بہت زیادہ قائل ہوگئے، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی۔'' الخ[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار اپنے مندرجہ بالا بیان میں مدعی ہیں کہ امام ایوب سختیانی نے بطور اشارہ بتلایا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ پر تنقید کے سبب مذہب اوزاعی وثوری ناپید ہوگئے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ امام سختیانی نے اپنی زندگی میں اپنی وفات سے پہلے اپنی آنکھوں سے مذہب اوزاعی وثوری کے ناپید ہونے کا مشاہدہ کر لیا تھا، کیونکہ امام ایوب سختیانی کی وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی اور اس کے عرصہ بعد بھی اوزاعی وثوری زندہ رہے، اوزاعی ۱۵۷ھ میں اور ثوری ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

اور جب مصنف انوار کا دعویٰ یہ ہے کہ ایوب سختیانی نے اوزاعی وثوری کے مذہب کو مٹتے اور ناپید ہوتے بچشم خود ملاحظہ کیا تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اوزاعی وثوری نے اپنی زندگی میں اپنے مذاہب کے مٹنے کا مشاہدہ کر لیا، کیونکہ یہ دونوں حضرات امام ایوب کے بعد عرصہ تک زندہ رہے۔ مگر اہل علم خصوصاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی صراحت و وضاحت کے مطابق چوتھی صدی ہجری سے پہلے کسی بھی تقلیدی مذہب کا وجود دنیا میں نہیں تھا، تقلیدی مذاہب کا ظہور چوتھی صدی کے بعد ہوا ہے۔[2]

اور مصنف انوار کے امام العصر انور شاہ کی یہ صراحت ہے کہ علمائے دیوبند طریق شاہ ولی اللہ پر چلتے ہیں، لہٰذا مصنف انوار کو بھی یہ ماننا لازم ہے کہ امام سختیانی، اوزاعی اور ثوری کی زندگی میں اوزاعی وثوری کے مذاہب کا وجود نہیں تھا اور یہ بالکل واضح وظاہر بات ہے کہ جن مذاہب کا وجود ہی زمانۂ سختیانی میں نہیں تھا، ان کے حیات سختیانی میں ناپید ہونے کا تصور وتوہم بھی باطل ہے، مگر ایسی ناممکن الوجود بات کے وقوع کا دعویٰ کرتے ہوئے مصنف انوار مدعی ہیں کہ ہماری ہر بات خالص علمی اور دینی نقطۂ نظر کے مطابق معتدل، معتبر اور صحیح ہے۔ بھلا جن مذاہب کا وجود ہی حیات سختیانی میں نہ ہو ان کے حیات سختیانی میں ناپید ہونے کا تصور کوئی صاحب ہوش وگوش کیونکر کر سکتا ہے؟

الغرض اوزاعی وثوری کے تقلیدی مذاہب چوتھی صدی کے بعد رواج پذیر ہوئے، جب کہ امام سختیانی، اوزاعی اور ثوری کے انتقال کئے دوسو سال سے زیادہ گزر چکے تھے۔ ان حضرات کو اپنی زندگی میں اس کا تصور وتوہم بھی نہیں ہوا ہوگا کہ ایک

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۰)　[2] حجة اللّٰه البالغة، باب الكلام على حال الناس قبل المائة الرابعة (۱/ ۱۵۲)

ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ تقلید پرستی سے شرعی ممانعت کے باوجود بھی لوگ تقلید پرست بن جائیں گے الحاصل یہ حضرات بذات خود کسی تقلیدی مذہب کا رواج دے کر دنیا سے نہیں گئے تھے بلکہ نصوص کتاب وسنت کے مطابق تقلید پرستی کے مخالف تھے اور خود جس مذہب ومسلک کے پابند وپیرو تھے، وہ ظاہر ہے کہ مذہب اہل الحدیث تھا، جس کے ناپید ہونے کا تصور وتوہم نہ تو ایوب سختیانی کو ہوسکتا تھا نہ کسی دوسرے صاحب ہوش وگوش کو، اور یہ بالکل معروف اور واضح حقیقت ہے کہ امام سختیانی و اوزاعی وثوری وغیرہ جس مذہب یعنی مذہب اہل حدیث کے پیروکار و پابند تھے، وہ روز اول سے لے کر آج تک اہل باطل کے لیے پریشان کن بنا ہوا ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الصف: ٨]

یعنی اہل باطل اس مذہب حق کو اگرچہ اپنی تصانیف اور دوسری تدابیر کے ذریعہ اپنی پھونکوں سے بجھا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے مگر اللہ تعالیٰ اسے باقی و برقرار رکھے گا۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد | کسے آں تف زندریشش بسوزد

''جو چراغ اللہ کا روشن کردہ ہے، اسے جو بھی پھونک مار کر بجھانا چاہے گا، خود تباہ ہوگا۔''

البتہ چوتھی صدی کے بعد جب متعدد اور مختلف تقلیدی مذاہب کا ظہور ہوا تو ان کے ساتھ اوزاعی وثوری کے تقلیدی مذاہب کا رواج بھی ہوگیا اور مصنف انوار کے دعوی کے مطابق اگرچہ اوزاعی وثوری کے مذاہب حیات سختیانی ہی میں ناپید ہوگئے مگر اہل علم کی تصریح کے مطابق مصنف انوار کے علی الرغم مذہب اوزاعی کی تقلید دوسو سال تک ہوتی رہی تھی۔[1]

ان حقائق کے باوجود معلوم نہیں کس طرف سے مصنف انوار پر یہ وحی نازل ہوگئی کہ بطور اشارہ امام سختیانی نے فرمایا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ پر تنقید کرنے کے سبب مذہب ثوری و اوزاعی مٹ گئے؟ واضح رہے کہ بتصریح اہل علم تقلیدی مذاہب اور تقلید پرستی کا رواج اگرچہ چوتھی صدی کے بعد ہوا ہے، لیکن تقلید پرستی کے ظہور سے پہلے جن ائمہ متقدمین کے فتاوی واقوال کی زیادہ موافقت اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق جو لوگ کیا کرتے تھے، انھیں لوگ ان ائمہ متقدمین کی طرف لوگ منسوب کر دیا کرتے تھے، یہ انتساب تقلید پرستی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ کثرت موافقت و اصول وفروع میں ہم آہنگی کی بنیاد پر تھا۔ (كما سيأتي) لطف کی بات یہ ہے کہ ایک طرف مصنف انوار مدعی ہیں کہ حیات سختیانی میں ہی مذاہب اوزاعی وثوری ناپید ہوگئے، دوسری طرف فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی کا مذہب تو کچھ دنوں تک رائج بھی ہوا، امام بخاری کا مذہب تو ان کے شاگرد خاص ترمذی نے بھی ذکر نہیں کیا۔'' الخ[2]

مصنف انوار سے پوچھنا چاہیے کہ مذہب اوزاعی آپ کے دعوی کے مطابق کچھ دنوں تک جو رائج رہا تو کب سے کب تک؟ ظاہر ہے کہ یہ تقلیدی مذہب چوتھی صدی تک موجود ہی نہیں تھا، چوتھی صدی کے بعد ہی رائج ہوا اور جب وہ رائج ہونے کے بعد بدعویٰ مصنف انوار کچھ دنوں تک باقی تھا تو اس سے مصنف انوار کے اس بیان کی خود بخود تکذیب ہوگئی کہ حیات ایوب سختیانی ہی میں مذہب اوزاعی ناپید ہوگیا۔

---

[1] تدريب الراوي وغيره. [2] مقدمه انوار (١/ ١٠)

امام بخاری کو مصنف انوار کے سب وشتم کی ایک گھناونی مثال:

''مگر محدث جلیل شیخ ایوب سختیانی کو کیا خبر تھی کہ ان کے بعد ایک دور امام بخاری وغیرہ کا بھی آئے گا جو امام صاحب کے تلامذہ میں ہوتے ہوئے اور امام صاحب کے علمی وعملی کمالات و خصائل سے مکمل واقفیت کے اسباب مہیا ہوتے ہوئے بھی امام صاحب کو ہدف طعن وتنقید بنائیں گے۔ پھر امام اوزاعی وغیرہ کا مذہب تو کچھ عرصہ تک رائج ہوا، امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب تو ان کے تلمیذ خاص امام ترمذی نے دوسرے مذاہب کے ساتھ ذکر بھی نہیں کیا اور دوسرے تلمیذ امام مسلم نے بعض شرائط پر سخت الفاظ میں تنقید بھی کی۔ امام بخاری کے شیخ اعظم حمیدی (صاحب مسند) جو امام اعظم کی تنقید میں بھی امام بخاری کے شیخ تھے، وہ تفقہ میں امام بخاری کے درجہ پر بھی نہ پہنچ سکے اور اسی کمال کے باعث امام شافعی کی جاں نشینی سے محروم ہوئے، اور نعیم بن حماد خزاعی وہ اسماعیل بن عرعرہ تو امام حمیدی کے مرتبہ تک بھی نہ پہنچ سکے۔ یہ دونوں بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی برائیوں میں پیش پیش تھے۔ ہر انسان خطا ونسیان سے مرکب ہے، بڑے بڑے جلیل القدر انسانوں سے غلطی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی لغزشوں سے درگزر کرے اور ان کو اپنی بے پایاں نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے۔ آمین

''یہ محدث تابعی تھے اور ارباب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں۔ انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور وہ ان کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ ایوب اہل بصرہ کے نوجوانوں کے سردار ہیں امام شعبی نے آپ کو سید الفقہاء کا لقب دیا۔ سب محدثین و ناقدین فن رجال نے آپ کو ثقہ، ثبت فی الحدیث، جامع العلوم، کثیر العلم، حجۃ اللہ علی الارض کہا۔ امام مالک نے آپ کو عالمین وخاشعین وعباد وخیار میں سے بتلایا، امام حاتم نے کہا کہ وہ تو ایسے مسلم ثقہ ہیں کہ ان جیسوں کے بارے میں سوال بھی فضول ہے۔ آپ کی پیدائش ۶۸ھ اور وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی۔

''غرض امام صاحب کا فضل وتفوق ظاہر و باہر ہے اور اکابر امت کے اقوال آپ کے مناقب وفضائل میں اس قدر ہیں کہ کم از کم مجھ جیسا نااہل تو ان کو اس تطویل کے باوجود بھی جمع کرنے سے قاصر رہا۔ جتنا مطالعہ کرتا گیا ایک سے ایک شہادت بڑھ چڑھ کر ہی ملتی گئی۔ کاش امام صاحب کے مناقب پر کوئی جامع کتاب اردو میں تالیف ہو کر شائع ہوجاتی۔ بعض اہل علم احباب نے اس کا ارادہ بھی کیا ہے اور راقم الحروف نے اپنے پاس سے اس کا مواد اور کتابیں بھی ان کو دے دی ہیں، خدا کرے ایک کامل ومکمل سیرت الامام، نور نظر اپنے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔''[1]

مصنف انوار کی تکذیب مصنف انوار کے اصول سے:

سب سے پہلے ناظرین کرام یہ ملحوظ رکھیں کہ امام ابو حنیفہ پر ان کے شیخ و استاذ حماد بھی تنقیدیں کرتے تھے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) لہٰذا امام صاحب پر تنقید کرنے کے سبب مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق مذہب حماد کو بھی ناپید ہوجانا چاہیے تھا، مگر بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب خود مذہبِ حماد کے پابند تھے اور حماد مذہب ابراہیم نخعی کے پابند تھے

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۰)

اورنخعی مذہبِ ابن مسعود کے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار کی تعلیل کے مطابق مذہب ابی حنیفہ کو مٹ جانا چاہیے، مگر ظاہر ہے کہ مذہب ابی حنیفہ زندہ وسلامت ہے، لہٰذا مصنف انوار کی یہ تعلیل خود بخود باطل ہوگئی کہ امام صاحب پر تنقید کرنے کے سبب تنقید کرنے والوں کے مذاہب ناپید ہوگئے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام ایوب سختیانی اہل الرأی کو سخت مبغوض، مکروہ اور معتوب قرار دیتے تھے۔[1] حتی کہ اہل الرای کے امام وقت حماد بن ابی سلیمان (استاذ ابی حنیفہ) ایک بار ایوب کے شہر بصرہ گئے، تو ایوب ان سے ملنے تک نہیں آئے اور انھیں کی طرح ان کے تلامذہ نے بھی حماد کا بائیکاٹ کیا۔[2]

"وقال سلیمان بن حرب: کان أیوب یرغب عن هؤلاء الثلاثة ربیعة والبستي وأبي حنیفة."[3]

یعنی ابو ایوب سختیانی امام صاحب کو ناپسند کرتے تھے۔

حماد سے بائیکاٹ کا ایک بھاری سبب یہ تھا کہ وہ اپنے استاذ خاص امام نخعی کے مسلک اہل سنت کو چھوڑ کر اہل الرأی اور مرجی المذہب ہوگئے تھے۔ اس کی وجہ سے عام تلامذہ نخعی نے حماد کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ (کما سیأتي)

امام صاحب کے استاذ خاص حماد نے امام صاحب سے برافروختہ ہوکر امام صاحب کے خلاف حکومت وقت کے یہاں شکایت کی تھی اور انھوں نے اپنے تلامذہ کو حکم دے دیا تھا کہ امام صاحب سے سلام وکلام ترک کر دیں۔ اس معاملہ کی تفصیل و تحقیق آئندہ صفحات میں شرح وبسط کے ساتھ آئے گی۔ ناظرین کرام منتظر رہیں۔

امام ایوب سختیانی کی تنقید امام ابوحنیفہ پر:

اب ناظرین کرام امام صاحب کے بارے میں امام سختیانی کے اصل بیان کو ملاحظہ فرمائیں:

"عن حماد بن زید سمعت السختیاني، وقد ذکر عنده أبو حنیفة، فقال: ﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ﴾."[4]

یعنی بقول حماد بن زید امام سختیانی کے پاس امام ابوحنیفہ کا تذکرہ آ گیا تو انھوں نے آیت قرآنی ﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ﴾ تلاوت کی۔

حاصل یہ کہ امام ایوب سختیانی نے امام ابوحنیفہ کو آیت مذکورہ کا مصداق بتلایا، یعنی کہ موصوف نے امام ابوحنیفہ پر بہت ہی سخت تنقید وتجریح کی۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس فرمانِ سختیانی میں مصنف انوار کے ذکر کردہ درج ذیل الفاظ نہیں ہیں کہ:

''ہم نے ان لوگوں کے مذاہب کو دیکھا، جنہوں نے امام صاحب کے مذاہب پر تنقید کی کہ وہ مذاہب دنیا سے ناپید ہوگئے اور امام صاحب کا مذہب ترقی پر ہے۔'' الخ

مصنف انوار نے یہ الفاظ مصنف عقود الجواہر (۱/ ۱۱) کی تقلید میں بڑھائے ہیں، حالانکہ مصنف عقود الجواہر نے یہ الفاظ فرمانِ ایوب پر تبصرہ کے طور پر اپنی طرف سے لکھے ہوئے ہیں، مگر مصنف انوار نے عقود الجواہر کے الفاظ کو اس طرح نقل کر دیا

---

[1] حلیة الأولیاء (۳/ ۸، ۹)　[2] طبقات ابن سعد (۷/ ۲۸۶) فسوی (۲/ ۷۹۱)　[3] فسوی (۳/ ۲۰)

[4] تاریخ خطیب (۱۳/ ۳۹۷) و حلیة الأولیاء (۳/ ۱۱)

گویا وہ بھی فرمانِ ایوب میں شامل ہیں، حالانکہ فرمانِ ایوب دراصل امام ابوحنیفہ پر تنقید و تردید ہے۔ چنانچہ امام خطیب رحمہ اللہ نے اس فرمانِ ایوب کو امام ابوحنیفہ کی قدح و جرح ہی میں نقل کیا ہے اور اس کی تائید مزید کے طور پر نہایت مستحکم سند کے ساتھ دوسری روایت اس طرح نقل کی ہے:

"قال سلام بن أبي مطيع: كان أيوب قاعدا في المسجد الحرام، فرآه أبو حنيفة فأقبل نحوه، فلما رأسه أيوب قد أقبل نحوه قال لأصحابه: قوموا لا يعدنا بجربه فقاموا فتفرقوا."[1]

یعنی ایوب مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے تو امام ابوحنیفہ نے ان کی طرف رخ کیا۔ امام ایوب نے اپنے تلامذہ سے کہا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ، کہیں یہ تمھیں اپنی خارش نہ لگا دیں۔ مراد ان کی صحبت سے بچو۔ ایوب کے اس فرمان کی فوراً تعمیل کی گئی۔

ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ امام ایوب استاد ابی حنیفہ حماد کے اہل الرأی و مرجی ہونے کے سبب ان سے ملاقات تک کے روادار نہ تھے اور یہ دونوں ہی وجوہ امام صاحب کے اندر جمع ہیں۔ ایوب کے شاگرد خاص امام حماد بن زید ایوب کے طریق کی پیروی کرتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ حماد بن زید امام ابوحنیفہ پر سخت تنقید و تجریح کرتے تھے۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

نیز امام خطیب سے بہت پہلے امام ابو العباس احمد بن مسلم الأبار رحمہ اللہ نے امام ایوب سختیانی کو امام ابوحنیفہ کے جارحین و ناقدین میں شمار کیا ہے۔[2]

اور ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت صاف طور پر قدح ابی حنیفہ پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا سابقہ روایت کو بھی قدح کے معنی میں ماننا چاہیے، جیسا کہ امام خطیب اور امام ابونعیم صاحب حلیۃ الاولیاء نے کیا ہے، مگر مصنف عقود الجواہر کی طرح مصنف انوار کے دوسرے ممدوح ملک معظم شاہ عیسیٰ نے پہلی روایت کو قدح و جرح پر محمول کرنے والے امام خطیب رحمہ اللہ کے خلاف کہا ہے کہ:

"خطیب رحمہ اللہ نے اس روایت کو قلتِ فہم کی بنا پر امام ابوحنیفہ کی شان میں جرح سمجھا ہے، ورنہ یہ امام صاحب کی مدح ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے بھی مذاہب ابی حنیفہ پر کلام کیا، اس کا مذہب اس طرح ناپید ہوگیا کہ لوگ اسے جانتے بھی نہیں۔ اس کے برعکس مذہب ابی حنیفہ دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے اور اکثر لوگ اس کے پیرو ہیں۔"[3]

معلوم ہوا کہ ملک معظم اور مصنف عقود الجواہر کی خانہ ساز خلاف حقیقت بات کو مصنف انوار نے ایوب سختیانی کا قول قرار دے لیا ہے، مگر ملک معظم اور ان کے ہم خیالوں کی تکذیب کے لیے محض اتنی بات کافی ہے کہ مذہب ابی حنیفہ پر امام مالک، شافعی، احمد اور دیگر بہت سے محدثین نے سخت کلام کیا ہے، لیکن ان حضرات کے مذاہب ملک معظم کے علی الرغم زندہ ہیں، خود ملک معظم کا پورا خاندان ان کے آباء و اجداد سمیت شافعی المذہب تھا۔ ملک معظم ہی نے اپنے آبائی مذہب سے انحراف کر کے حنفی مذہب اختیار کیا۔ لطف کی بات یہ کہ ایوب سے مروی دوسری روایت کو ملک معظم نے قدح ہی کے معنی پر

---

[1] الفسوي (٢/ ٧٩١) نیز ملاحظہ ہو: حلية الأولياء (٣/ ١١، ترجمہ ایوب)
[2] تاريخ خطيب (١٣/ ٣٦٩، ٣٧٩)
[3] الرد على الخطيب للملك العظيم (ص: ٨١)

محمول کیا ہے، مگر اس کے غیر مؤثر بتلاتے ہوئے کہا کہ ایوب نے ابوحنیفہ کے مناظرہ کے ڈر سے اپنی مجلس برخواست کی تھی۔ اس جگہ ملک معظم نے کہا کہ ایوب کا مذہب اس طرح مٹ گیا کہ اسے کوئی جانتا بھی نہیں کہ یہ بھی کوئی مذہب تھا۔ یعنی ایک طرف ملک معظم ایوب کے پہلے بیان کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ یہ مدح ابی حنیفہ ہے۔ دوسری طرف فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ کی قدح کے سبب مذہب ایوب مٹ گیا۔ کیا مدح ابی حنیفہ ایسا جرم تھا کہ اس کی سزا میں مذہبِ ایوب مٹ گیا؟ یہ عجیب بات ہے کہ ایک ایوب کو مداح ابی حنیفہ کہا گیا، دوسری طرف یہ کہا گیا کہ قدح ابی حنیفہ کے باعث ان کا مذہب مٹ گیا۔ ایوب کی دوسری روایت کے جواب میں کوثری نے دوسرا رنگ اختیار کیا ہے، اگرچہ پہلی روایت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکے۔

سلام بن ابی مطیع کی توثیق:

کوثری نے کہا ہے کہ دوسری روایت کے راوی سلام بن ابی مطیع ضعیف ہیں۔ حالانکہ تقریب التہذیب میں ہے کہ سلام ثقہ صاحب السنہ ہیں، البتہ قتادہ سے ان کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ موصوف صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ وصدوق ہیں۔[1] مگر کوثری جیسے جہمیوں کو اصول وضوابط کی پابندی کرنی نہیں ہے، اس لیے من مانی جو بات چاہی لکھ ماری۔ سلام کا تذکرہ حلیۃ الاولیاء (۲/ ۱۸۸ تا ۱۹۲) میں ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف اولیاء کرام سے تھے۔

سعید بن عامر کی توثیق:

کوثری نے یہ بھی کہا کہ سلام سے اس روایت کے راوی سعید بن عامر کی حدیث میں بعض غلطیاں ہوتی تھیں۔ بس جہمیوں کے نزدیک اتنی سی بات اس روایت کے سقوط کی دلیل ہوگئی، حالانکہ انھیں ابن مہدی، یحیٰی قطان، ابن معین، ابن سعید اور ابن قانع حنفی نے ثقہ و مامون قرار دیا ہے۔[2] بعض غلطیوں کے سبب کسی بھی ثقہ وصدوق راوی کو کسی بھی صاحب علم نے کوثری سے پہلے ساقط الاعتبار نہیں قرار دیا تھا، یہ مسلک اور اصول کوثری نے اپنے دوسرے کئی نظریات کی طرح چودھویں صدی میں بذات خودتن تنہا ایجاد و اختراع کیا ہے، اس اختراعی بات سے پہلے اسلام قطعاً ناآشنا تھے کہ اس طرح کی بات بھی کوئی مدعی علم کہہ سکتا ہے، امام سعید موصوف صحاح ستہ کے راوی ہیں۔[3]

الغرض مصنف انوار اور ان کے جہمی استاذ کوثری کو جو روایت خلاف مزاج محسوس ہوجائے، بس وہ ضعیف اور مکذوب ہے، خواہ وہ کتنی ہی مضبوط سند سے مروی ہو۔ واضح رہے کہ امام ایوب سختیانی بھی امام ابوحنیفہ کے اساتذہ میں سے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ استاذ اپنے شاگرد کے مزاج و حالات کو زیادہ بہتر جانتا ہے، خصوصاً جب کہ استاذ کبار اولیاء اور اذکیاء نامدار میں سے ہو۔ امام ایوب کا تذکرہ حلیۃ الاولیاء (۳/ ۳ تا ۲۷) میں موجود ہے، وہ سید الفقہاء، جہبذ العلماء، افضل الائمہ وغیرہ کے القاب عالیہ سے ملقب ہیں، موصوف مذہب اہل الرأی کو سخت ناپسند کرتے تھے۔[4]

اس سے بھی ظاہر ہے کہ موصوف امام ابوحنیفہ سے خوش نہیں تھے، کیونکہ امام ابوحنیفہ مذہب اہل الرأی کے امام تھے،

---

[1] التنكيل (١/ ٢٩٥)　[2] التنكيل (١/ ٢٥٧، ٢٥٨)

[3] تهذيب التهذيب (٤/ ٤٤)　[4] حلية الأولياء (٢/ ٨)

(كما سيأتي التفصيل) یہ بات بھی اس کی دلیل ہے کہ پہلی والی جس روایت کو ملک معظم یا دوسرے حنفیوں نے مدح ابی حنیفہ پر محمول کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔

ایک روایت صحیحہ کے مطابق ایوب نے امام صاحب کو کذاب کہا۔[1]

امام ابوحنیفہ پر حماد بن زید کی تنقید:

اس امر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام ایوب سے اس روایت کے راوی امام حماد بن زید بھی (جو امام سختیانی کے تلمیذ خاص و مزاج سناش اور انھیں کے طریق پر عمل کرتے ہوئے اہل الرأی و مرجیہ سے بیزار و نالاں رہتے تھے) امام ابو حنیفہ پر جرح و قدح کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ انھوں نے اپنے قیاسی مسائل کے ذریعہ سنن نبویہ کا ابطال کیا ہے، جس وقت انھیں وفات ابی حنیفہ کی خبر ملی انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا:

"الحمد لله الذي كنس بطن الأرض به."[2]

موصوف امام سختیانی کے خاص شاگرد تھے، وہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں سختیانی کے رویہ سے زیادہ واقف تھے، مصنف انوار امام سختیانی اور حماد بن زید کو حاسد و معاند بھی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ انھیں پر اعتماد کر کے انھوں نے ابوحنیفہ کی فضیلت کی زیر بحث داستان مرتب کی ہے۔ حماد بن زید ہی کے توسط سے تاریخ خطیب (۱۳/ ۲۹۹) میں ابن عون (استاذ ابی حنیفہ) سے بھی امام ابوحنیفہ پر تنقید منقول ہے۔

بایں ہمہ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا ہے کہ تاریخ خطیب (۱۳/ ۳۴۱) اور انتقاء (ص: ۱۲۵ و ۱۳۰) میں امام سختیانی سے امام ابوحنیفہ کی مدح منقول ہے، حالانکہ تاریخ خطیب (۱۳/ ۳۴۱) اور انتقاء (ص: ۱۲۵) میں صرف اس قدر منقول ہے کہ:

> "حماد بن زید نے کہا کہ مجھے ارادۂ حج ہوا تو ایوب کو الوداع کہنے کے لیے آیا، اس وقت ایوب نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ اہل کوفہ کے فقیہ (روایت خطیب میں فقیہ صالح کا لفظ ہے) بھی اس سال حج کرنے آئیں گے، ان سے آپ کی ملاقات ہو تو میری طرف سے انھیں سلام کہیے گا۔
>
> "ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ ایوب کے مذکورہ الفاظ میں امام ابوحنیفہ کی کتنی مدح کی گئی ہے، کیونکہ عام مسلمانوں میں ایک دوسرے کو سلام کہلوانے کا رواج ہے، لیکن اس سے قطع نظر روایت مذکورہ باعتبار سند غیر معتبر اور ضعیف ہے۔
>
> انتقاء والی روایت کو حماد سے عارم محمد بن فضل سدوسی نے نقل کیا ہے، جنہیں کوثری نے ساقط الاعتبار بتلایا ہے۔[3]

حالانکہ عارم ثقہ، صدوق اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔[4] البتہ آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔[5] ان سے اس روایت کے ناقل علی بن عبدالعزیز کی بابت معلوم نہیں ہو سکا کہ اختلاط سے پہلے روایت کی یا بعد میں۔ دریں صورت یہ روایت سنداً معتبر نہیں۔ دوسری علت یہ ہے کہ عارم سے روایت مذکورہ کے راوی علی بن عبدالعزیز غیر متعین ہونے کے سبب بمنزلۂ مجہول ہیں۔

---

[1] الكامل لابن عدي (۳/ ۷۹)
[2] حلية الأولياء (٦/ ٢٥٨، ٢٥٩، تذكره حماد بن زيد)
[3] تأنيب الخطيب (ص: ٩٤)
[4] تهذيب التهذيب (٩/ ٣٥٧) التنكيل للمعلمي (١/ ٤٦٦)
[5] ميزان الاعتدال (٤/ ٧) تهذيب التهذيب (٩/ ٣٥٧) الكواكب النيرات (ص: ٧٤)

تیسری علت یہ کہ غیر متعین علی بن عبدالعزیز سے روایت مذکورہ کے ناقل عمر بن شجاع حلوانی کا حال بھی نامعلوم ہے۔ ان تین علتوں کے باعث روایت مذکورہ غیر معتبر ہے، البتہ عارم کو کوثری کا علی الاطلاق غیر معتبر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح تاریخ خطیب کی سند میں محمد بن سعدان غیر متعین ہیں اور ان سے اسے روایت کرنے والے علی بن موسیٰ قمی کا ترجمہ جواہر المضیہ میں بلا توثیق مذکور ہے، نیز اس کے دوسرے رواۃ بھی غیر موثق ہیں۔ انتقاء (ص: ۱۳۰) والی روایت میں ہے کہ میں امام ابوحنیفہ سے اس لیے محبت کرتا ہوں کہ ان سے ایوب محبت کرتے تھے۔ مگر اس کی سند میں ابو بشر دولابی غیر ثقہ ہیں اور ایک اور راوی محمد بن سعدان غیر معروف ہیں، اس کے برعکس باسانید صحیحہ ایوب سے حماد بن زید نے امام ابوحنیفہ پر تنقید میں نقل کی ہیں۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اس سے مصنف انوار کے اس دعویٰ کی بھی تکذیب ہوتی ہے کہ امام بخاری اور ان جیسے محدثین سے پہلے امام ابوحنیفہ پر تنقید نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ امام بخاری سے پہلے بہت ۱۳۱ھ میں فوت ہونے والے امام سختیانی بھی امام ابوحنیفہ پر سخت تنقید و تجریح کرتے تھے۔ اسی طرح یہ تفصیل بھی آ رہی ہے کہ سختیانی کے علاوہ ان کے دوسرے معاصرین بھی امام صاحب پر سخت جرح کرتے تھے۔ دریں صورت مصنف انوار کا یہ بیان ایک بھاری عجوبہ ہے کہ ناقدین ابی حنیفہ کے مذاہب ناپید ہوگئے، کیونکہ ناقدین ابی حنیفہ مثلاً امام ایوب سختیانی، اوزاعی، سفیان ثوری، حماد بن زید، شعبہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل، بخاری، حمیدی، نعیم بن حماد، اسماعیل بن عرعرہ، امام نسائی اور دارقطنی وغیرہم مذہب اہلحدیث کے پابند و پیرو تھے اور بحمداللہ تعالیٰ مذہب اہلحدیث یا بلفظ دیگر مذہب اوزاعی و سفیان ثوری، بخاری، نسائی وغیرہ پورے آب و تاب اور صحت مندی کے ساتھ آج بھی زندہ وسلامت ہے۔ اور مصنف انوار جیسے مقلدین متعصبین کے لیے دردسر کا باعث بھی ہے۔ البتہ بقول ابن حجر رحمہ اللہ قرب قیامت میں تقلید پرستی کا تسلط ہوجائے گا، لہٰذا مصنف انوار کو تقلیدی مذہب کے تسلط سے بہت زیادہ خوش ہونے کے بجائے غمگین ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ تقلیدی مذاہب کا تسلط قرب قیامت کی نشانی ہے، مگر افسوس ہے کہ لوگ آثار قیامت بھی دیکھ کر نصیحت پذیر نہیں ہوتے۔

آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ امام مالک، شافعی اور احمد وغیرہ جیسے اماموں نے امام ابوحنیفہ پر امام اوزاعی و ثوری سے زیادہ سخت تنقیدیں کیں، لیکن اس حقیقت سے کسی بھی صداقت پسند اور صاحب ہوش و گوش کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ان ائمہ یعنی امام مالک، شافعی اور احمد کے تقلیدی مذاہب آج بھی دنیا میں موجود ہیں اور مصنف انوار کے لیے دردسر بھی، مگر مصنف انوار کہتے ہیں کہ ناقدین ابی حنیفہ کے مذاہب امام صاحب پر تنقید کرنے کے سبب مٹ گئے۔ لطف کی بات ہے کہ عقود الجواہر المنفیۃ کی زیر بحث عبارت میں صرف مجمل و مبہم طور پر کہا گیا تھا کہ امام صاحب پر تنقید کرنے والوں کے مذاہب ناپید ہوگئے، یعنی عقود الجواہر کی عبارت میں ان لوگوں کے ناموں کی کوئی تصریح نہیں، جن کے مذاہب امام صاحب پر تنقید کرنے کے سبب ناپید ہوگئے، مگر مصنف انوار نے اپنے زور کمال سے ان کے نام دریافت کر لیے، یعنی حسب عادت انھوں نے بعض ناموں (مثلاً امام اوزاعی اور ثوری وغیرہ اساتذہ امام ابی حنیفہ کے ناموں) کو اپنی طرف سے گھڑ کر لکھ دیا کہ یہی لوگ امام صاحب پر تنقیدیں کرتے تھے، جن کے مذاہب اس جرم کی پاداش میں مٹ کر فنا ہوگئے۔ مصنف انوار نے اس موقعہ پر امام سختیانی کی

فضیلتوں کا ذکر بھی محض اس وجہ سے کر دیا کہ ان کے خیال کے مطابق موصوف امام سختیانی نے مدح ابی حنیفہ کی ہے، ورنہ مصنف انوار نے اپنے تقلیدی مذہب کی نصرت وحمایت میں صحابہ کرام، تابعین اور محدثین سبھی کو بہت کثرت سے نشانۂ سب و شتم بنایا ہے اور ان کے ساتھ بہت سارے اقدامات کئے ہیں، حتی کہ موصوف مدعی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان جیسے کئی صحابہ اصول وقواعد شرع کے خلاف احادیث نبویہ بیان کرتے تھے۔ ❶

صحابہ پر اس قسم کا اتہام بکثرت اکاذیب کا استعمال اور اساتذہ ابی حنیفہ کی شان میں اس طرح گستاخی وغیرہ کیا، ان لوگوں کی خصلت و عادت اور شیوہ و شعار نہیں، جو بقول مصنف انوار جھوٹ کو کار ثواب سمجھ کر پھیلاتے اور استعمال کرتے ہیں؟! ❷

اپنے مندرجہ بالا طویل بیان میں مصنف انوار نے اعتراف و اقرار کر لیا ہے کہ حیات سختیانی ہی میں اساتذہ ابی حنیفہ اوزاعی وثوری وغیرہ امام صاحب پر تنقید کرتے تھے اور مصنف انوار ہی کی تصریح یہ ہے کہ امام سختیانی کا انتقال ۱۳۱ھ ہی ہو گیا تھا گویا بدعویٰ مصنف انوار امام ابو حنیفہ پر ۱۳۱ھ سے پہلے یہ جرح وتنقید ہوا کرتی تھی، مگر مصنف انوار نے اپنے دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے خود دوسری جگہ یہ دعویٰ کیا کہ:

> ''یحییٰ قطان کے زمانہ میں اور ان کے اساتذہ و تلامذہ کے زمانہ میں امام صاحب اور تلامذہ امام صاحب کے بارے میں کوئی کلام نہ تھا، بعد میں ان کے تلامذہ کے تلامذہ امام بخاری وغیرہ کے دور ہی امام صاحب کے صحیح حالات و مذہب سے ناواقفیت اور غلط پروپیگنڈہ کی وجہ سے امام صاحب اور آپ کے بہترین مذہب سے بد گمانیاں شروع ہوگئیں۔'' ❸

حاصل یہ کہ مصنف انوار نے اپنے متناقض دعاوی کے ذریعہ خود ہی اپنی تکذیب کا پورا سامان کر لیا ہے۔ مصنف انوار کے اس دعویٰ کے مطابق کہ مذہب ابی حنیفہ پر تنقید کرنے والوں کے مذہب مٹ گئے، امام بخاری کا مذہب بھی مٹ جانا چاہیے، مگر مصنف انوار اور ان کے ہم خیال امام بخاری کی کتاب کو مقدس ترین کتابِ حدیث اور نسخۂ شفاء، احادیث نبویہ کا بیش بہا ذخیرہ کہتے اور اپنی درسگاہوں میں خدمت دین کے نام پر اسے پڑھاتے اور اس کی شرح بھی لکھتے ہیں۔ نیز جب یہ تقلیدی جماعت کسی مشکل میں پھنستی ہے تو ختم بخاری کراتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کی کسی مقدس کتاب یا کسی حنفی امام کی تصنیف کا ختم نہیں کراتی۔ امام سختیانی کی طرف خانہ ساز بات منسوب کر کے مصنف انوار نہایت دیانت داری کے ساتھ فرماتے ہیں کہ غرض امام صاحب کا فضل وتفوق ظاہر و باہر ہے۔ الخ۔ ❹

حالانکہ فضل وتفوق ثابت کرنے کے لیے استعمالِ اکاذیب نصوص کتاب وسنت کسی رو سے ممنوع ہے۔ امام ایوب سختیانی کی طرف جھوٹی بات منسوب کر کے محدثین کرام خصوصاً اساتذہ ابی حنیفہ، امام بخاری اور اساتذہ امام بخاری کو جی بھر کر مطعون کرنے کے بعد مصنف انوار بعنوان ''ائمہ احناف اور مخالفین'' فرماتے ہیں:

---

❶ مقدمه أنوار (١/ ٢١، ٢٢)
❷ مقدمه أنوار الباري (١/ ١٣٠)
❸ مقدمه انوار (١/ ٣٠٨)
❹ مقدمه انوار (١/ ١١)

ائمہ احناف اور مخالفین (تمام محدثین پر ایک بھاری اتہام):

''حضرت الاستاذ شاہ صاحب اس امر سے بہت دلگیر تھے کہ ائمہ حنفیہ اور محدثین احناف کو گرانے کی سعی ہر زمانے میں کی گئی اور مذہب حنفی کے خلاف نارو ا حملے مسلسل ہوتے رہے۔ اس سلسلہ میں درسِ بخاری کے وقت اکثر حافظ ابن حجر کے تعصب و بے انصافی کا شکوہ فرمایا کرتے تھے۔ امام بخاری کے بارے میں محتاط تھے، لیکن آخری سالوں میں امام بخاری کی زیادتیوں پر بھی تنقید فرمائی اور کہا کہ امام بخاری نے حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کی جرح غیر معتبر ہے۔ امام بخاری کو مذہب حنفی کی پوری واقفیت نہ تھی، اس لیے ان کی طرف مسائل کا انتساب غلط کیا۔'' الخ [1]

ہم کہتے ہیں کہ علامہ انور شاہ نے یہ بات اپنی آخری عمر میں بقولِ خویش اس وقت کی جب وہ ادب وصبر کی دولت سے محروم ہو کر کبرسنی اور عمر رسیدگی کے سبب اختلاط کے شکار ہو گئے تھے۔ نیز اچھی یادداشت اور تحمل و حلم سے بھی محروم ہو گئے تھے۔ ورنہ جب تک وہ اختلاط کے شکار نہیں ہوئے تھے اور صبر و ادب سے بھی بہرہ ور تھے تو ایسا نہیں کرتے تھے، جیسا کہ خود ان کے اپنے بیان سے ظاہر و باہر ہے، مزید برآں موصوف غالی مقلد تھے۔ دریں صورت ان کی زبان سے اگر یہ بات نکل گئی تو وہ معذور تھے، آئندہ صفحات میں آنے والی تفصیل سے مندرجہ عبارت کی حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔

امام ترمذی کا اجمالی تذکرہ:

مصنف انوار نے کہا ہے کہ:

''امام ترمذی میں تعصب کم ہے اور انھوں نے جو بیانِ مذہب کے وقت امام صاحب کا نام نہیں لیا وہ تعصب یا امام صاحب سے کسی کشیدگی کے باعث نہیں ہے، جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ نے سمجھا ہے بلکہ اس لیے ہے کہ امام ترمذی کو امام صاحب کا مذہب صحیح سند سے نہیں پہنچا۔ دوسرے ائمہ کے مذاہب ان کو صحیح سندوں سے مل گئے تھے، جن کو اپنی کتاب العلل میں ذکر بھی کیا ہے۔'' [2]

امام ترمذی نے اپنی کتاب میں امام صاحب اور ان کے مذہب کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

ہم کہتے ہیں کہ امام ترمذی میں تعصب کم کیا ان میں تعصب تھا ہی نہیں، بلکہ وہ بھی اپنے استاد امام بخاری کی طرح غیر متعصب، متورع اور محتاط محدث تھے۔ البتہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی کسی بات (فقہ یا حدیث) کی نقل و تحریر سے منع کر دیا تھا۔ نیز امام وکیع سے امام ترمذی ہی نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کسی بات سے سروکار نہ رکھو، کیونکہ ان کا مذہب بدعت ہے، نیز دوسرے کئی اسباب (جن کی تفصیل آ رہی ہے) کی بنا پر اپنی کتاب کو امام صاحب اور ان کے مذہب کے ذکر سے پاک رکھا۔ اس سے علامہ انور شاہ کے اس خیال کی تکذیب ہوتی ہے کہ بسند صحیح نہ پہنچنے کے سبب امام ترمذی نے مذہب ابی حنیفہ کا ذکر ہی اپنی کتاب میں نہیں کیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر علامہ انور شاہ کا یہ دعوی صحیح ہے کہ ''شیخ عبدالحق محدث

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۱)
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۱)

دہلوی کا یہ خیال غلط ہے کہ امام ترمذی نے تعصب کے سبب امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا۔'' تو یہی کیا ضروری ہے کہ علامہ انور شاہ کا اپنا ایجاد کردہ یہ خیال صحیح ہو کہ ''ترمذی تک بسند صحیح چونکہ امام صاحب کا مذہب نہیں پہنچا، اس لیے انھوں نے مذہب ابی حنیفہ کا ذکر نہیں کیا؟''

اسی طرح علامہ انور شاہ کا یہ خیال کیوں صحیح مان لیا جائے کہ امام بخاری اور انھی کی طرح کے دیگر محدثین نے تعصب کے سبب ابوحنیفہ و ائمہ احناف پر ظلم و زیادتی کی؟ جب شیخ عبدالحق کا یہ خیال غلط ہوسکتا ہے، جو علم وفضل اور زمانہ کے اعتبار سے انور شاہ پر کہیں مقدم تھے، تو کوئی شک نہیں کہ انور شاہ کا خیال بھی غلط ہوسکتا ہے۔ پھر بدعویٰ مصنف انوار جب امام صاحب ۱۵۰ھ سے پہلے چہل رکنی مجلس کے ذریعہ اپنی فقہ مدون کرا چکے تھے تو اس مدون شدہ فقہ کا امام ترمذی تک نہ پہنچ سکنا عجیب وغریب بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چہل رکنی مجلس کی مدون کردہ فقہ حنفی کا وجود امام ترمذی کے زمانے میں نہیں تھا، پھر جب امام صاحب فرما گئے تھے کہ ''لا ترو عني شيئاً'' میری کوئی بات نقل نہ کرو۔ تو امام ترمذی امام صاحب کی کوئی بات کیوں نقل کریں گے؟

اس موقع پر مصنف انوار نے حضرت شاہ صاحب اور دفاع عن الحنفیہ کے عنوان سے فرمایا ہے کہ ''شاہ صاحب کے درسی خصوصیات میں سے یہ بات بہت نمایاں تھی کہ وہ حنفی مذہب کی طرف سے بہترین دفاع کرتے تھے۔'' ہم پہلے یہ پوری عبارت نقل کر آئے ہیں اور آئندہ صفحات میں شاہ صاحب کے طریق دفاع عن الحنفیہ کی حقیقت واضح کریں گے۔ اپنی مذکورہ بالا بات کے بعد مصنف انوار نے بعنوان ''امام صاحب کی کتاب کتاب الآثار اور مسانید'' ایک طویل بات کہی، جسے ہم اپنی اس کتاب میں بعنوان ''انور شاہ سے مصنف انوار کی صریح مخالفت'' نقل کر آئے ہیں۔ اور بتلا آئے ہیں کہ موصوف کییہ بات بھی ان کی عام باتوں کی طرح ان کے دوسرے بیانات کے معارض ہونے کے ساتھ مکذوب محض ہے۔ نیز ہم یہ بھی بتلا آئے ہیں کہ موصوف نے اپنی عادت کے مطابق یہ بات بھی مکرر وسہ کرر بار بار دہرائی ہے۔ اس سے ملتی جلتی ایک بات موصوف نے درج ذیل عنوان کے تحت اس طرح کی بھی کہی ہے، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

مسانید امام اعظم کی عظمت:

مصنف انوار نے کہا ہے:

''آگے مقدمہ میں یہ امر بھی ذکر ہوگا کہ امام صاحب کے مسانید بڑے بڑے محدثین بڑی عظمت و وقعت کے ساتھ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔'' الخ[1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار پہلے یہ بتائیں کہ مسند امام صاحب کو بڑی وقعت وعظمت کے ساتھ اپنے پاس رکھنے والے بڑے محدثین کی فہرست میں وہ مولانا انور شاہ صاحب شامل ہیں یا نہیں، جن کی بابت خود مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ:

''ان کی نظر زمانہ رسالت، صحابہ وتابعین سے گزر کر ائمہ مجتہدین و اکابر محدثین سے ہوتی ہوئی اپنے زمانہ کے تمام اکابر محققین کے فیصلوں پر ہوا کرتی تھی۔''[2]

---

[1] مقدمہ انوار (۱ / ۱۲)
[2] مقدمہ انوار (۱ / ۷)

اور آپ کے درس میں معلوم ہوتا تھا کہ امام طحاوی یا بخاری و مسلم بول رہے ہیں اور فقہ الحدیث پر گفتگو کرتے تھے، تو امام محمد معلوم ہوتے تھے، بلاغت پر کلام کرتے تھے تو تفتازانی و جرجانی کا خیال گزرتا، اسرار شریعت بیان کرتے تو ابن العربی و شعرانی کا گمان ہوتا۔[1] اور کوثری نے کہا کہ ابن الہمام کے بعد ایسا محدث (علامہ انور شاہ جیسا) امت میں نہیں گزرا۔[2]

اگر علامہ انور شاہ ان مسانید ابی حنیفہ کو اپنے پاس رکھنے والے بڑے محدثین کی فہرست میں تھے تو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ موصوف انھیں تصنیف ابی حنیفہ نہیں مانتے۔ یعنی شاہ صاحب موصوف مصنف انوار کے اس دعویٰ کی تکذیب کر چکے ہیں کہ مسانید ابی حنیفہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف ہے۔ ناظرین کرام پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مصنف انوار نے انوار الباری کو مجموعہ افاداتِ شاہ انور قرار دینے کے باوجود تصریحاتِ شاہ انور کے خلاف بکثرت بہت ساری باتیں اس کتاب انوار الباری میں لکھ کر اپنی تکذیب کا خود ہی پورا سامان کر لیا ہے۔ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شاہ انور صاحب کے علاوہ بہت سے دوسرے حنفی اہل علم نے بھی ان مسانید ابی حنیفہ کے تصنیف ابی حنیفہ نہ ہونے کی تصریح کر دی ہے، مگر یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار نے ان حنفی اہل علم پر بھی ناک بھوں چڑھائی ہے۔[3]

اگر مصنف انوار کہیں کہ مسانید ابی حنیفہ و کتب آثار علامہ انور شاہ کے پاس نہیں تھیں، یا یہ کہ ان کا علم شاہ صاحب کو نہیں تھا، تو اس سے مصنف انوار کے بہت سے دعاوی کی خود تکذیب ہو جائے گی۔ (کما لا یخفی)

مصنف انوار کے ایک رافضی ممدوح و معتمد علیہ ابن ندیم اس بات کا پروپیگنڈہ کرنے کے باوجود کہ امام ابو حنیفہ کئی صحابہ سے ملے ہیں، یہ فرما گئے کہ امام صاحب اصل و نسل کے اعتبار سے کابل کے مملوک غلام خاندان کے تھے، یعنی فارسی نہیں تھے کہ "لو کان الدین معلقا بالثریا لناله رجال من أبناء فارس" والی حدیث نبوی امام صاحب پر فٹ کی جا سکے۔ نیز وہ یہ بھی فرما گئے کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا اور ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے، یعنی مصنف کے اس زعم باطل کے خلاف کہ امام صاحب ۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔[4]

انھی ابن ندیم نے امام صاحب کی طرف غلط طور پر منسوب کردہ خانہ ساز کتابوں کی فہرست فقہ اکبر، کتاب العالم والمتعلم، الرد علی القدریہ، الرسالۃ إلی البتی کا ذکر کیا۔ مگر کتب آثار و مسانید یا جامع المسانید کا ذکر تصنیف ابی حنیفہ کی حیثیت سے نہیں کیا۔[5]

اس سے معلوم ہوا کہ چوتھی صدی میں ترویج اکاذیب کے بہت زیادہ شوقین روافض بھی مسانید ابی حنیفہ و کتب آثار کو تصنیف ابی حنیفہ ہونے کا پروپیگنڈہ کرنے کی جرأت نہیں کر پاتے تھے، مگر اس چودھویں صدی کے مدعی علم و تحقیق مصنف انوار جیسے لوگ خالص دینی و علمی خدمت کے نام پر لکھی جانے والی کتاب میں پوری جرأت و جسارت سے بانگ دہل ان کتابوں کو تصنیف ابی حنیفہ کہتے پھر رہے ہیں۔ سیعلم الذین ظلموا أي منقلب ینقلبون!!

---

[1] مقدمہ انوار (۲/ ۲۰۵)　[2] مقدمہ انوار (۲/ ۲٤۵)

[3] ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۸)　[4] ابن الندیم کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو، لسان المیزان (۵/ ۷۲)

[5] ملاحظہ ہو: فہرست لابن الندیم (ص: ۲۸٤، ۲۸۵)

امام شعرانی اور مسانید ابی حنیفہ:

مصنف انوار نے اپنے زیر بحث بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا ہے:

''امام شعرانی نے بڑے فخر ومسرت کے ساتھ بیان کیا کہ میں امام اعظم کے چند مسانید کی زیارت سے مشرف ہوا جن پر بہت سے حفاظ حدیث کے تصدیقی دستخط تھے اور ان کی اسناد بہت قوی ہیں۔ ان کے رجال سب ثقہ ہیں، کوئی شخص بھی ان میں سے متہم بالکذب نہیں اور وہ اسناد رسول اکرم ﷺ سے بہت قریب ہیں۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ امام شعرانی کے اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے مذکورہ بالا بیان میں جن مسانید ابی حنیفہ کا تذکرہ کئے ہوئے ہیں وہ تصنیف ابی حنیفہ ہیں، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسانید ابی حنیفہ کے نام سے کچھ متاخر اہل علم کے مرتب کردہ ایسے مسانید ابی حنیفہ میری نظر سے گزرے ہیں جن میں میرے علم کے مطابق امام صاحب کی روایت کردہ احادیث ثقہ رجال سے مروی ہیں، کیونکہ شعرانی کے دوسرے بیان میں اس کی صراحت ہے کہ:

''ہر انصاف پسند کا یہ اعتقاد ہے کہ ابو حنیفہ کے زمانہ میں احادیث کی تدوین نہیں ہوئی تھی، اگر ہوئی ہوتی تو وہ بھی احادیث نبویہ پر عمل کرتے اور اپنے ان قیاسی مسائل کو چھوڑ دیتے جو بکثرت احادیث نبویہ کے خلاف ہیں۔ اس طرح ان کے مذہب میں بھی قیاسی مسائل کی مقدار بہت کم رہتی، جس طرح دوسرے اماموں کے مذاہب میں ہے، مگر چونکہ ان کے زمانے میں احادیث نبویہ کی تدوین نہیں ہوئی، اس لیے ان کے یہاں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں قیاسی مسائل کی کثرت اور بھرمار ہے۔''[2]

امام شعرانی نے اس مضمون کو مختلف انداز میں میزان الکبریٰ میں بیان کیا ہے، حتی کہ انھوں نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ امام صاحب کو یہ حدیث بھی نہ معلوم ہوسکی کہ شرمگاہ چھونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، ورنہ وہ مس ذکر سے عدم نقض وضوء کا فتویٰ نہ دیتے، یہی بات وہ اپنے ہر اس مسئلہ میں کرتے، جو خلاف حدیث ہیں۔[3]

شعرانی نے یہ بھی کہا کہ ''کل مجتهد یصیب''[4]

''یعنی کسی مجتہد سے غلطی نہیں ہوتی، بقول شعرانی ان کا مندرجہ بالا بیان کشف ومشاہدہ پر مبنی ہے، انھوں نے یہ باتیں ''حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھی تھیں،'' چنانچہ فرماتے ہیں:

''إني أخذتها اولاً عن الخضر عليه السلام علما وايماناً وتسليما. ''الخ[5]

اور مصنف انوار چونکہ یہ نہیں مانتے کہ امام صاحب کے اکثر مسائل احادیث نبویہ کے خلاف ہیں، اس لیے شعرانی کی تصریح کے مطابق بے انصاف ثابت ہوئے، جن کو وہ اپنے دعویٰ کی شہادت میں پیش کیے ہوئے ہیں۔ نیز بقول شعرانی

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲)

[2] الميزان الكبرىٰ (۱/ ٦٢، فصل في بيان ضعف قول من نسب الإمام أبا حنيفة إلى أنه يقدم القياس على الحديث)

[3] ميزان (۱/ ۳۳، ۳٤)   [4] ميزان (۱/ ۱۹)

[5] ميزان (۱/ ۱۹، فصل إن قال قائل كيف الوصول إلى الاطلاع على عين الشريعة)

خضر علیہ السلام کی تعلیم اور کشف و مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے زمانہ میں عدم تدوینِ حدیث کے سبب موصوف امام صاحب کو مسائل میں قیاس سے زیادہ کام لینا پڑا، بنا بریں ان کے اکثر مسائل احادیث نبویہ کے خلاف ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ شعرانی کے نزدیک امام صاحب نے کتب آثار و مسانید کی تصنیف نہیں فرمائی تھی، ورنہ شعرانی کو بذریعہ خضر علیہ السلام اور کشف و مشاہدہ میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سرمایہ حدیث کی قلت کے باعث امام صاحب کے اکثر مسائل احادیث نبویہ کے خلاف ہیں، بلکہ شعرانی کے کہنے کا مطلب وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ متأخر علماء میں سے بعض کے مرتب کردہ مسانید ابی حنیفہ کو موصوف نے دیکھا تھا، لیکن ان مسانید ابی حنیفہ کو تصنیف ابی حنیفہ ثابت کرنے کے لیے مصنف انوار اگر شعرانی کے قول مذکور کو دلیل قرار دینے پر اصرار کریں تو امام صاحب کے زمانے میں کتب حدیث کی عدم تدوین اور حدیث نبوی میں امام صاحب کی کم واقفیت پر بھی شعرانی کے مندرجہ بالا بیان کو دلیل بنائیں، ورنہ تفریق بین القولین کی وجہ بتلائیں!

یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب کے پاس چار صندوق بلکہ کمرہ بھر سرمایہ کتب حدیث موجود تھا۔[1] حالانکہ ان کے استاذ انور شاہ امام صاحب کی طرف کتب آثار و مسانید ہی کے انتساب کو غلط مانتے ہیں، چہ جائیکہ کہ چار صندوقوں بھر یا کمرہ بھر کتابوں کو تصنیف ابی حنیفہ مانیں۔ یہ کون سا طریق انصاف و معتدل شاہراہ ہے کہ جس کتاب کو انور شاہ کے افادات کا مجموعہ کہا جائے، اس میں ان کی تصریحات کی مخالفت کی جائے؟

ناظرین کرام! اب شعرانی کے اصل الفاظ کو ملاحظہ فرمائیں، جن کو مصنف انوار نے دلیل بنا کر کہا ہے کہ مسانید ابی حنیفہ تصنیف ابی حنیفہ ہیں:

"وقد من الله علي بمطالعة مسانيد الإمام أبي حنيفة الثلاثة من نسخة صحيحة، عليها خطوط الحفاظ، آخرهم الحافظ الدمياطي، فرأيته لا يروي إلا عن خيار التابعين العدول الثقات الذين هم من خير القرون، بشهادة رسول الله صلى الله عليه وسلم كالأسود و علقمة وعطاء وعكرمة ومجاهد ومكحول والحسن البصري وأضرابهم."[2]

یعنی امام ابو حنیفہ کے تین مسانید کے مطالعہ کا شرف بخش کر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا۔ ان مسانید کے نسخے صحیح ہیں۔ ان پر حفاظ کے دستخط ہیں، آخری دستخط حافظ دمیاطی کا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان مسانید میں امام چیدہ چیدہ ثقہ و عادل تابعین کے علاوہ کسی اور سے روایتِ حدیث نہیں کرتے، مثلاً امام اسود، علقمہ، عکرمہ، مجاہد، مکحول، حسن بصری اور ان جیسے تابعین۔

امام شعرانی کے یہ الفاظ کہ "لا يروي إلا عن خيار التابعين" الخ بتلا رہے ہیں کہ امام صاحب نے ان مسانید میں کسی غیر تابعی سے روایت نہیں کی ہے، یعنی نہ کسی صحابی سے اور نہ تبع تابعین سے۔ اور "الثقات العدول" کی قید بتلا رہی ہے کہ امام صاحب نے کسی غیر ثقہ راوی سے بھی روایت نہیں کی۔ یعنی شعرانی کی یہ عبارت جس کو مصنف انوار نے اپنے مقصود پر دلیل بنایا ہے، وہ اس خیال کی تکذیب کرتی ہے کہ امام صاحب نے کئی صحابہ سے روایت کی ہے، کیونکہ اگر ان مسانید میں کسی ایک

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ٢٥)　[2] میزان (١/ ٦٤)

صحابی سے بھی امام صاحب کی روایت موجود ہوتی تو صاحب کشف و مشاہدہ اور شاگر دِ خضر علیہ السلام حصر کے ساتھ نہ فرماتے کہ امام صاحب نے صرف ثقات تابعین سے روایتِ حدیث کی ہے۔ یعنی شعرانی صاحب اس کا ذکر ضرور فرماتے کہ امام صاحب نے ان مسانید میں فلاں صحابی سے بھی روایت کی ہے، تا کہ امام صاحب کے تابعی اور شاگرد صحابی ہونے کی فضیلت ثابت کی جا سکے۔

شعرانی کے بیان میں یہ بھی ہے کہ امام صاحب ان مسانید میں اسود وعلقمہ سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ ان دونوں کا انتقال امام صاحب کی ولادت سے بہت پہلے ہو گیا تھا، مصنف انوار نے علقمہ کا سال وفات ۶۲ھ بتلایا ہے، اور اسود کا انتقال ۷۴ھ، ۷۵ھ میں ہوا ہے۔[1] حالانکہ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب کی ولادت ۷۰ھ میں ہے اور اہل علم کے نزدیک ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ یعنی یہ ممکن نہیں کہ امام صاحب علقمہ و اسود سے روایت کر سکیں اور ظاہر ہے کہ شعرانی کے یا کسی کے بھی جس بیان میں ناممکن الوجود بات موجود ہو اس کے غلط ہونے میں کوئی شک نہیں۔ چونکہ شعرانی کی بات بذات خود اپنے غلط وخلاف واقع ہونے پر دلالت کر رہی تھی، اس لیے مصنف انوار نے چالاکی سے کام لے کر شعرانی کی اصل بات نقل کرنے کے بجائے اسے مسخ کر کے پیش کیا اور اپنی اس قسم کی کارستانیوں کا نام خالص علمی و دینی خدمت اور بالکل صحیح و تحقیقی باتیں قرار دے لیا ہے، مگر ناظرین کرام بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ مصنف انوار اپنے ان دعاوی میں کتنے سچے اور دیانت دار ہیں؟

حاصل یہ کہ شعرانی کی کہی ہوئی بات کے غلط ہونے پر واضح دلائل قائم ہیں، پھر بھی شعرانی نے جن تین مسانید ابی حنیفہ کا ذکر کیا ہے انھوں نے ان کو تصنیف ابی حنیفہ نہیں کہا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار کے اکابر اسلاف دسویں صدی میں نمودار ہونے والے شعرانی کے دیکھے ہوئے تینوں مسانید ابی حنیفہ کے نسخ صحیح پر مطلع نہ ہو سکے، حتی کہ امام ابوحنیفہ کے یہ مسانید، جو بقول شعرانی نسخ صحیحہ ہیں، ساتویں صدی کے خوارزمی صاحب کو بھی نہیں مل سکے، جنہوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے مسانید ابی حنیفہ کے مکذوب سے مکذوب ترین نسخوں مثلاً نسخہ حارثی کذاب و ابن عقدہ رافضی کذاب و ابن خسرو و مارستانی وغیرہ کو بنام جامع المسانید جمع کیا۔ اگر شعرانی کے ذکر کردہ مسانید ابی حنیفہ کا وجود زمانہ خوارزمی میں ہوتا تو خوارزمی انھیں بھی جامع المسانید میں جمع کرتا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ شعرانی کے ذکر کردہ مسانید ابی حنیفہ کو خوارزمی کے بعد کے لوگوں نے مرتب و مدون کیا ہے، ورنہ خوارزمی ان مسانید ابی حنیفہ کو ضرور جامع مسانید ابی حنیفہ میں جمع کرتا۔ امام شعرانی کے ذکر کردہ مسانید کے بارے میں اگرچہ شعرانی ہی کی تصریح ہے کہ اس میں صرف ثقہ، عدول اور چیدہ چیدہ تابعین سے امام صاحب کی مرویات ہیں، مگر خوارزمی کی جامع مسانید ابی حنیفہ میں بہت سے غیر تابعین سے بھی امام صاحب کی مرویات موجود ہیں، مثلاً امام شعبہ (متوفی ۱۶۰ھ) علقمہ بن مرثد (متوفی ۱۲۱، ۱۲۲ھ تقریباً) (یہ علقمہ بن مرثد تابعی نہیں ہیں، جن کا ذکر شعرانی نے اساتذہ ابی حنیفہ میں کیا ہے) یحییٰ بن ابی حیہ، یزید بن ابی یزید الرشک، امام اوزاعی (عبدالرحمٰن بن عمرو) مجاہد بن سعید بن عمیر ہمدانی، اسماعیل بن عیاش وغیرہ حتی کہ داود طائی سے بھی امام صاحب کی روایت موجود ہے۔[2]

اور مسند ابی حنیفہ للحصکفی مع شرح ملا علی قاری (ص: ۲۴۷) میں مکی بن ابراہیم سے بھی امام صاحب کی روایت موجود ہے

---

[1] تقریب التهذیب (ص: ۱۱۱)　　[2] جامع المسانید (ص: ۱۱۹ كتاب الإيمان)

اور مکی موصوف امام بخاری رحمہ اللہ کے بھی استاذ ہیں، گویا مکی کا شاگرد ہونے میں امام صاحب اور امام بخاری برابر ہیں، اس لحاظ سے امام صاحب و امام بخاری ایک ہی طبقے کے قرار پاتے ہیں۔ (وسيأتي التفصيل)

ہم نے امام صاحب کے صرف چند غیر تابعی اساتذہ حدیث کا ذکر کیا ورنہ ایسے اساتذہ کی تعداد بہت ہے۔ امام صاحب کے مذکورہ بالا چند اساتذہ میں یحییٰ بن ابی حیہ (متوفی ۱۵۰ھ) اور مجاہد بن سعید ہمدانی جمہور اہل علم کے نزدیک ضعیف و مجروح ہیں اور امام شعبہ امام مالک کے شاگرد ہیں۔ اس اعتبار سے امام ابو حنیفہ امام مالک کے شاگرد کے شاگرد ہوئے، اس موضوع پر مفصل بحث آئندہ صفحات میں آئے گی۔

امام صاحب کے کذاب اساتذہ کی ایک فہرست:

جامع مسانید ابی حنیفہ خوارزمی میں امام صاحب کے اساتذہ کی فہرست میں مشہورِ عالَم کذابین کی خاصی تعداد ہے۔ مثلاً:

۱۔ ابان بن ابی عیاش (متوفی ۱۳۸ھ)۔[1]

اس کو امام شعبہ اور ابن معین وغیرہ نے کذاب کہا ہے۔[2]

۲۔ جابر بن یزید جعفی (متوفی ۱۲۷ھ)۔[3]

اس کو امام ابو حنیفہ نے اَکذب الناس اور دوسرے کئی اہل علم نے کذاب کہا ہے۔[4]

۳۔ ابو العطوف جراح بن منہال۔[5]

یہ بھی ائمہ جرح و تعدیل کی تصریح کے مطابق کذاب، شرابی اور غیر ثقہ ہے۔[6]

۴۔ نصر بن طریف بن جزء۔[7]

اس کو امام یحییٰ نے کہا: "ومن المعروفين بوضع الحديث" یعنی وضع حدیث میں یہ شخص معروف و مشہور ہے۔ امام فلاس نے کہا: ''جن کے جھوٹے ہونے پر تمام اہل علم کا اجماع ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔''[8]

۵۔ عطاء بن عجلان بصری۔[9]

اس کو امام ابن معین و فلاس وغیرہ نے کذاب و وضاع کہا ہے۔[10]

۶۔ عمرو بن عبید۔[11]

اس کو امام ایوب، یونس، حمید اور ابن حبان نے کذاب کہا ہے۔ نیز یہ شاتم صحابہ بھی تھا اور بقول ابن علیہ رحمہ اللہ مذہب اعتزال کا سب سے پہلا موجد تھا۔[12]

---

❶ الموفق (١/ ٤١) جامع المسانيد (٢/ ٢٧٣، ٢٧٤) ❷ تهذيب التهذيب (١/ ٩٩- ١٠١) ميزان الاعتدال (١/ ٦ - ٩)
❸ جامع المسانيد (١/ ٣٠٤، ٣٠٥) ❹ تهذيب التهذيب (٢/ ٤١)
❺ الموفق (١/ ٤٢) و جامع المسانيد. ❻ ميزان الاعتدال (١/ ١٨٠، ١٨١ وغيره)
❼ جامع المسانيد (٢/ ٥٦٢) ❽ ميزان الاعتدال (٣/ ٢٣١ وغیرہ) ❾ جامع المسانيد (٢/ ٥٠٢)
❿ ميزان الاعتدال (٢/ ١٩٩) ⓫ جامع المسانيد (ص: ٢٩٤) ⓬ ميزان الاعتدال (٢/ ٢٩٤)

۷۔ محمد بن السائب کلبی (متوفی ۱۴۲ھ)۔[1] میزان اور تقریب میں ہے کہ "متهم بالكذب، ورمي بالرفض"

۸۔ محمد بن زبیر۔[2] میزان (۳/ ۵۷) میں ہے:"مر به رجل فافترى عليه، فقلت: هذا من مثلك كثير."

حاصل یہ کہ یہ بھی کذاب ہے۔

روایتِ حدیث میں امام صاحب کی شدتِ احتیاط کے دعوی کا ابطال:

ہم نے نمونہ کے لیے صرف چند نام دیے ہیں جو صرف غیر ثقہ، غیر قوی، غیر معتبر بلکہ کذاب و وضاع بھی ہیں۔ اس کے باوجود مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب نقلِ روایت میں بے حد محتاط اور سخت شرائط رکھتے تھے، جس کے باعث ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے۔[3]

حیرت ہے کہ ایک طرف یہ دعویٰ کہ شدتِ احتیاط و شرائط و تورع کے باعث امام صاحب قلیل الروایۃ تھے اور دوسری طرف یہ حالت کہ مشہورِ عالم کذابین و وضاعین سے امام صاحب کی روایتِ حدیث ان کتابوں سے ثابت ہے، جن کو مصنف انوار تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں۔ نیز ایک طرف مصنف انوار کا یہ دعویٰ ہے کہ امام صاحب قلیل الروایۃ تھے، دوسری طرف یہ گل افشانی کہ امام صاحب کی تصنیف کردہ کتب حدیث وفقہ میں ہزارہا احادیث مرفوعہ و ہزارہا آثار موقوفہ مروی ومنقول ہیں۔[4] حتی کہ امام صاحب نے ایک پورے گھر کو ان کتب حدیث سے بھر دیا تھا، جن کو انھوں نے مرتب و مدون کرایا تھا۔[5] یہاں تک کہ صرف ایک استاذ حماد سے دو ہزار حدیثیں روایت کر ڈالیں۔[6]

ایسے امام ابوحنیفہ کو قلیل الروایۃ کہنا اور سبب یہ بتلانا کہ شدت احتیاط وتورع کے باعث ایسا ہوا ایک عجوبہ ہے، اور اس سے بڑا عجوبہ یہ کہ بقول مصنف انوار امام صاحب احادیث رسول پر عمل سے قبل یہ ضروری سمجھتے تھے کہ صحابہ سے ان کو روایت کرنے والے متقی و پرہیز گار حضرات ہوں۔[7] حالانکہ امام صاحب نے بکثرت ایسے اساتذہ کی روایت کو معمول بہ بنایا ہے، جن کا تعارف مشہورِ عالم کذابین و وضاعین کی حیثیت سے اوپر کرایا جا چکا ہے۔

امام صاحب نے بقول ہلال الرائی احادیث متواترہ کی بھی مخالفت کی ہے:

جوازِ وقف کے ثبوت میں بقول ہلال الرائی حنفی "هذه الأخبار متواترة لا يجوز ردها" ایسی احادیث متواترہ موجود ہیں جن کا رد جائز نہیں۔[8] مگر امام صاحب ان احادیث متواترہ پر بھی واقف نہ ہو سکے، حتی کہ ہلال الرای نے یہ بھی کہا:

"من قال بقول أبي حنيفة أمر لا يجوز."[9] ''امام یعنی ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ ناجائز ہے۔''

ہلال الرائی نے مزید کہا:

"ومن حجتنا على أبي حنيفة" یعنی ابوحنیفہ کے خلاف ہمارے پاس بہت سے عقلی ونقلی دلائل موجود ہیں۔[10]

---

[1] جامع المسانید (۲/ ۳۵)
[2] جامع المسانید (۲/ ۲۵۰)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰ وغیرہ)
[4] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲٦)
[5] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۵)
[6] مقدمہ انوار (۱/ ۲۷)
[7] مقدمہ انوار (۱/ ۲۵)
[8] کتاب الوقف لهلال الرائی (ص: ۵، ٦)
[9] کتاب الوقف (ص:۱۲)
[10] کتاب الوقف (ص:۱۲، ۱۳)

حتی کہ کوثری نے بھی امام صاحب کے اس فتویٰ کو غلط مانا ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ امام صاحب بہت سی مشہورِ عام احادیث متواترہ پر بھی مطلع نہ ہو پائے تھے، چہ جائیکہ اخبار آحاد۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن مسانید ابی حنیفہ یا دیگر کتب حدیث کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، وہ تصنیف ابی حنیفہ ہرگز نہیں، ورنہ احادیث سے ناواقفیت کے معاملہ میں امام صاحب کی یہ حالت نہ ہوتی، جو مذکورہ بالا حوالوں سے منقول ہوئی۔

ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے جس شعرانی کی عبارت کو اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا کہ امام صاحب مسانید ابی حنیفہ کے مصنف ہیں، انھی شعرانی کی تصریح نیز دوسرے اہل علم کی تصریح سے ثابت ہوگیا کہ امام صاحب پر مشہور ومعروف عام احادیث بھی مخفی تھیں۔

حاسدین ابی حنیفہ کا تذکرہ مصنف انوار کی زبانی:

مصنف انوار فرماتے ہیں:

> ''درحقیقت امام صاحب اور آپ کے اصحاب وتلامذہ کے یہ امتیازات وتفوقات ہی ان سے حسد کا بڑا باعث بن گئے اور حاسدین ومعاندین (محدثین کرام) کی نظر میں یہی ایک سلوک ان سب حضرات کے حق میں موزوں ومزین ہوگیا کہ ان کی وقعت وعظمتِ شان کو پوری کوشش سے گرا دیا جائے اور پھر جو کچھ ناروا سلوک بعد کے بعض کوتاہ اندیش لوگوں کی طرف سے ان کے ساتھ کئے گئے، ان کا ذکر جابجا تذکرہ محدثین حصہ اول ودوم میں آئے گا۔''[2]

مصنف انوار کی مذکورہ بالا بات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے پہلے امام صاحب اور ان کے اصحاب وتلامذہ کے ایسے امتیازات وتفوقات کا تذکرہ کر چکے ہیں، جن کے سبب ان سے لوگ حسد وعناد رکھنے لگے اور حسد وعناد رکھنے والے لوگوں نے ان حضرات کی وقعت وشان کو گرانے کی پوری کوشش کی۔ صاف ظاہر ہے کہ ائمہ احناف سے حسد وعناد رکھنے والوں سے مصنف انوار کی مراد محدثین کرام ہیں، جن پر مصنف انوار کا یہ الزام ہے کہ یہ سب حاسدین ومعاندین تھے اور حاسد ومعاند ہونے کے سبب ائمہ احناف کی وقعت گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ محدثین کی شان میں مصنف انوار نے ائمہ احناف کے امتیازات وتفوقات کا صرف اس قدر ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے مسانید اور کتاب الآثار کی تصنیف کی اور ساڑھے بارہ لاکھ فقہی مسائل کی تدوین کی۔ انھیں دو باتوں کو مصنف انوار نے امام صاحب اور ان کے اساتذہ وتلامذہ کے وہ امتیازات اور تفوقات قرار دیے جن کے سبب ان سے محدثین حسد وعناد رکھتے اور ان کی وقعت گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مصنف انوار نے اس عبارت سے پہلے ائمہ احناف کے کسی امتیاز وتفوق کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ مصنف انوار انوار الباری کو جن انور شاہ کے افادات کا مجموعہ بتلاتے ہیں، انھوں نے مسانید وآثار کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے کی تردید کی ہے۔

اور بالفرض امام صاحب نے یہ دونوں کام فی الواقع کئے تو اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کے معاصر اور بعد کے محدثین نے حدیث وفقہ پر امام صاحب اور ان کے تلامذہ سے کہیں زیادہ اچھی تصانیف کی تھیں۔ پھر محدثین امام صاحب اور ان کے تلامذہ سے کتب حدیث وفقہ کی تصنیف کے سبب کیوں حسد وعناد رکھنے لگے؟ نیز اگر امام صاحب نے ساڑھے بارہ

---

[1] الترحیب للکوثري.　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲)

لاکھ مسائل مدون کیے، تو بتصریح مصنف انوار ان میں غیر واقع شدہ امور و غیر مسئولہ مسائل سے متعلق فتاویٰ و احکام کی خاصی تعداد ہے، حالانکہ اس قسم کے مسائل سے اشتغال کو تمام صحابہ نے ملعون و مردود فعل کہا ہے۔ (كما سيأتي) اکاذیب کے ذریعہ مدح احناف کر کے محدثین کو حاسدین و معاندین کہنے والے اپنی عاقبت پر ضرور غور کریں!!

اہل الرأی کا پروپیگنڈہ:

مصنف انوار نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت کہا:

''امام صاحب اور ان کے جلیل القدر اصحاب و تلامذہ کے بارے میں ایک بہت ہی سخت مخالفانہ پروپیگنڈہ یہ کیا گیا کہ وہ اصحاب الرأی ہیں، اور اس کا مطلب یہ باور کرایا گیا کہ انھوں نے احادیث و آثار کے مقابلہ میں قیاس و رائے کا استعمال کیا ہے، حالانکہ یہ بھی ایک حربہ تھا، جس کا مقصد اس مقدس جماعت خادم حدیث و سنت کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنی تھی۔''[1]

گویا مصنف انوار کے نزدیک محض مخالفانہ پروپیگنڈہ کی بنیاد پر امام صاحب اور ان کے ہم مسلک اصحاب و تلامذہ کو ''اصحاب الرأی'' کہا جاتا ہے، ورنہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں مفصل بحث آئندہ صفحات آئندہ میں آئے گی، مگر اس جگہ بطور اشارہ عرض ہے کہ مصنف انوار نے بذات خود امام ابن معین کا مندرجہ ذیل قول بڑے فخر کے ساتھ دلیل و حجت بناتے ہوئے نقل کیا ہے:

''اصحاب الرأی میں امام ابو یوسف سے زیادہ أثبت فی الحدیث میں نے نہیں دیکھا۔''[2]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے امام ابن معین کے مندرجہ بالا جس قول کو دلیل و حجت بنا رکھا ہے، اس میں بالصراحت امام صاحب اور ان کے اصحاب و تلامذہ کو ''اصحاب الرأی'' کہا گیا ہے، اور ہم عرض کر آئے ہیں کہ مصنف انوار امام ابن معین کو حنفی المذہب امام جرح و تعدیل قرار دیے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ بنقلِ مصنف انوار امام ابن معین جیسے ماہر فن امام جرح و تعدیل نے بھی امام صاحب اور ان کے اصحاب کو ''اصحاب الرأی'' کہا ہے، اور چونکہ مصنف انوار نے امام ابن معین کے قول مذکور کو دلیل و حجت بنا کر پیش کیا ہے، اس لیے نتیجہ یہ نکلا کہ مصنف انوار بذات خود امام صاحب اور ان کے اصحاب کے بارے میں بہت ہی سخت مخالفانہ پروپیگنڈہ کرنے والے ثابت ہوگئے۔ اس طرح مصنف انوار کے وہ الفاظ خود انھی کی ذات پر منطبق و چسپاں ہو گئے، جو موصوف نے دوسروں کے خلاف کہے تھے۔ یعنی مصنف انوار نے بے خبری میں غیر شعوری طور پر وہ حربہ خود اپنے خلاف استعمال کر لیا، جسے وہ محدثین کرام کو مطعون کرنے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ اس طرح مصنف انوار ایک ایسے حربے کے استعمال کنندہ بھی ثابت ہوئے، جس کا مقصد خادم حدیث و سنت جماعت کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنا ہے۔

مصنف انوار نے انوار الباری کو جن علامہ انور شاہ کا مجموعہ افادات قرار دے رکھا ہے، انھوں نے علامہ رشید رضا مصری کی خدمت میں اپنے پیش کردہ سپاسنامہ میں دعوی کیا ہے کہ تمام اساتذہ دیوبند بشمول انور شاہ درس حدیث میں شاہ ولی اللہ محدث

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۶)

دہلوی کے طریق کے پابند ہیں۔[1] اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اہل الرائے واہل الحدیث کا فرق ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ:

”لم يكن عندهم من الأحاديث والآثار ما يقدرون به على استنباط الفقه على الأصول التي اختارها أهل الحديث الخ.“[2]

یعنی اہل الرأی کے پاس احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کا اتنا علم نہیں تھا، جس سے یہ لوگ اہل الحدیث کے اختیار کردہ اصول پر فقہی مسائل مستنبط کر سکتے اور نہ ان کے دلوں میں اتنی وسعت و ہمت ہی تھی کہ وہ تمام علماء کے اقوال پر نظر کر سکتے اور نہ ان کے سینوں میں اتنی فراخی تھی کہ وہ اقوالِ اہل علم کو جمع کر کے ان پر بحث و نظر کرتے۔ الحاصل ان کا طریق کار اہل حدیث کے طریق کار کے خلاف تھا اور اہل حدیث کا طریق یہ تھا کہ وہ احادیث و آثار کے مطابق عمل کرتے تھے۔

”آن یکے شخص است کہ رؤوس محدثین مثل امام احمد و بخاری و مسلم و ابو داود و ترمذی و ابن ماجہ و نسائی و دارمی از وے روایت نہ کردہ و رسم حدیث از وے بطریق ثقات جاری نشدہ“ الخ[3]

یعنی امام ابوحنیفہ وہ شخص ہیں، جن سے اکابر محدثین مثلاً امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی وغیرہ نے حدیث روایت نہیں کی، بلکہ امام ابوحنیفہ سے بطریق ثقات سلسلہ روایت ہی جاری نہیں ہوسکا۔

”إذا تحققت هذه المقدمة اتضحت لك أن أكثر المقاييس التي يفتخر بها القوم، ويطاولون لأجلها على معشر أهل الحديث يعود وبالاً عليهم من حيث لا يعلمون.“[4]

یعنی اس تمہید سے تم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل الرأی اپنے جن قیاسی اصول پر فخر کرتے ہیں، وہ انھیں کے لیے وبال جان ہیں۔

”بل المراد من أهل الرأي قوم توجهوا بعد المسائل المجمع عليها بين المسلمين وبين جمهورهم إلى التخريج على أصل رجل من المتقدمين، وكان أكثر أمرهم حمل النظير على النظير والرأي أصل من الأصول دون تتبع الأحاديث والآثار.“ الخ[5]

یعنی اہل الرأی سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جب متقدمین میں سے کسی آدمی کے وضع کردہ کسی اصول کے مطابق مسائل کا استنباط و استخراج کرتے ہیں تو انھیں احادیث و آثار کی تلاش وجستجو نہیں ہوتی۔“

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مذکورہ بالا عبارتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ”اہل الرای والقیاس“ ہیں، جو کسی آدمی کے وضع کردہ اصول پر احادیث و آثار کو تلاش کیے بغیر مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ حتی کہ شاہ ولی اللہ کی یہ تصریح بھی ہے کہ امام ابوحنیفہ سے سلسلہ روایتِ حدیث بطریق ثقات جاری ہی نہیں ہوا۔

شاہ ولی اللہ کے مذکورہ اقوال سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ امام صاحب اہل الرأی سے ہیں، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل

---

[1] نفحة العنبر.
[2] حجة الله البالغة (١/ ١٢١) والإنصاف (ص: ٣٠، ٣١)
[3] مقدمه مصفى شرح موطأ (ص: ٦)
[4] حجة الله (١/ ١٠٤)
[5] الإنصاف في بيان سبب الإختلاف (ص: ٢٧)

الرأی احادیث وآثار پر نظر کیے بغیر کسی آدمی کے وضع کردہ اصول پر تخریج مسائل کرتے تھے اور موصوف امام صاحب (جن کو مصنف انوار اساتذہ محدثین کہتے ہیں) سے بطریق ثقات سلسلہ روایت ہی جاری نہیں ہو سکا۔ دیکھنا یہ ہے کہ مصنف انوار شاہ ولی اللہ کی بابت کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ اس سلسلے میں جو مفصل بحث آئندہ صفحات میں آرہی ہے، اس سے مصنف انوار کی حقیقت بیانی واضح ہوجائے گی۔ البتہ یہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ذکر کر دینا مناسب ہے کہ:

"أهل الرأي أعداء السنن أعيتهم الأحاديث أن يحفظوها، وتفلتت منهم أن يرووها فعارضوا السنن برأيهم فإياكم وإياهم." [1]

"اہل الرأی دشمنانِ سنن نبویہ ہیں، کیونکہ یہ لوگ احادیث کو یاد رکھ پاتے ہیں اور نہ روایت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، مگر خلاف سنت رائے و قیاس کے ذریعہ مسائل وضع کرنے میں تیز ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے بچ کر رہو۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل الرأی کا جو وصف بیان کیا ہے، اسے ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں اور جن ابن مسعود کو مصنف انوار نے مذہب حنفی کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"اگر پوری دنیا کا علم ایک طرف اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم دوسری طرف رکھا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم بھاری پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علوم کے دس حصوں میں سے نو حصوں کے ماہر تھے۔" [2]

ناظرین کرام! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود اور شاہ ولی محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فرامین مذکورہ بالا کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے مندرجہ ذیل قول کو ملاحظہ فرمائیں:

"وقد روى أبو يوسف والحسن بن زياد كلاهما عن أبي حنيفة أنه قال: علمنا هذا رأي وهو أحسن ما قدرنا عليه." الخ [3]

یعنی امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ ہمارا پورے کا پورا علم فقہ و فتاوی سب رائے و قیاس ہی ہے، اپنی رائے و قیاس کے مطابق جہاں تک ہو سکا، ہم نے صحیح بات کہی ہے۔ مطلب یہ کہ امام ابوحنیفہ کی فقہ انھی کے بقول تمام تر قیاس و رائے پر قائم ہے۔

امام ابوحنیفہ کے اس فرمان سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ ان کا مرتب و مدون کردہ یا بیان کردہ سارا علم فقہ و علم کلام وغیرہ محض رائے و قیاس ہے۔ امام صاحب نے جب اپنی فقہ و علوم کو خود رائے قرار دیدیا تو یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ جس امام ابوحنیفہ کی تقلید کا دم مصنف انوار بھر رہے ہیں، ان کی طرف منسوب شدہ وہ فقہ جس کا مصنف انوار اپنے کو پیرو کار و متبع کہتے ہیں، وہ سرتا سر رائے و قیاس ہے، اس سلسلے میں تفصیل کے ناظرین منتظر رہیں۔ ہم بتلائیں گے کہ امام صاحب کی طرف جو فقہ منسوب ہے وہ بتصریح امام صاحب ایسی رائے و قیاس پر قائم ہے جس سے خود امام صاحب بعد میں اپنی آخری زندگی میں بد دل و منحرف ہوگئے تھے اور لوگوں کو انھوں نے اس کی تدوین و پیروی سے منع کر دیا تھا۔ احناف کو اہل الرأی کہنا

---

[1] إعلام الموقعين (١/ ٥٥ بأسانيد صحيحة)　　[2] إعلام الموقعين (١/ ١٦)

[3] إعلام الموقعين (١/ ٧٥) تاريخ بغداد للخطيب (١٣/ ٣٥٢ وغيره)

اور اس کا مطلب یہ بتلانا کہ یہ لوگ احادیث کے بالمقابل قیاس و رائے کا استعمال کرتے تھے، مصنف انوار کے نزدیک زہر کے مترادف ہے، جس کا تریاق مصنف انوار نے انوار الباری کی شکل میں پیش کیا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

''اس زہر (یعنی احناف کو اہل الرای کہنے اور انھیں قیاس و رائے سے مسائل مستنبط کرنے والا بتلانے) کا تریاق بھی تذکرہ محدثین یعنی انوار الباری میں ملے گا۔''[1]

لیکن ناظرین کرام کو انوار الباری کی حقیقت ''اللمحات'' کے مطالعہ سے معلوم ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ العزیز

محدث خوارزمی کا جواب:

مذکورہ بالاعنوان کے تحت مصنف انوار نے کہا ہے:

''محدث خوارزمی نے مقدمہ جامع المسانید میں خطیب کا رد کرتے ہوئے مختصر علمی پیرایہ میں چند اچھے جوابات پیش کئے ہیں، مثلاً...'' الخ[2]

مصنف انوار نے اس جگہ خطیب کے رد میں خوارزمی کے چار جوابات نقل کے ہیں، جن کی حقیقت عن قریب واضح ہوگی۔

امام اعظم اور تدوین قانون اسلامی کا بے نظیر کارنامہ:

خوارزمی کے جوابات نقل کرنے کے بعد مصنف انوار نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت لکھا ہے:

''افسوس کہ امام اعظم اور آپ کے چالیس شرکاءِ تدوین فقہ اکابر محدثین نے تدوین فقہ اسلامی کا جو بے نظیر تاریخی کارنامہ انجام دیا، اس کو بے وقعت بنانے کی کوشش کی گئی۔''[3]

ہم کہتے ہیں کہ امام صاحب کی جس چہل رکنی مجلس تدوینِ فقہ کا تذکرہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں کیا ہے اور بار بار اس بات کو موصوف نے مختلف انداز میں چھیڑا اور دھرایا ہے، اس کا اور اس کے چہل ارکان کا مکمل و مفصل تعارف ہم آئندہ صفحات میں اس طرح کرائیں گے کہ ان شاء اللہ اس سلسلے میں تشنگی باقی نہ رہ جائے گی، ناظرین تھوڑا صبر کریں۔

امام بخاری کا شکوہ و جواب شکوہ:

مصنف انوار الباری نے چہل رکنی مجلس تدوین فقہ کا ذکر کرنے کے بعد مذکورہ بالاعنوان کے تحت کہا:

''امام بخاری نے اپنے رسائل میں شکوہ کیا ہے کہ اس زمانے کے لوگ بعد کے لوگوں کی تقلید کرنے لگے ہیں، حالانکہ پہلے زمانے میں لوگ اُول فالاً ول کا اتباع کرتے تھے۔''[4]

ہم کہتے ہیں کہ اس موضوع پر مکمل گفتگو تذکرہ امام بخاری میں آئے گی، اس موقع پر ہم امام بخاری سے متعلق مصنف انوار کے منتشر مباحث پر سیر حاصل بحث کریں گے۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲، ۱۳)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۳)　[4] مقدمہ انوار (۱/ ۱۳)

تذکرۂ محدثین کا مقصد:

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کا شکوہ و جواب شکوہ کے بعد مصنف انوار نے تذکرہ محدثین (مقدمہ انوار الباری) کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ:

''کبار محدثین کے صحیح حالات سے روشناس کرایا جائے اور بہت سی غلط فہمیاں بھی رفع کر دی جائیں، جو حدیث و فقہ کے متعلق پیدا ہوگئی ہیں۔ اس سلسلے میں بعض اپنے اکابر کے کچھ ناپسندیدہ واقعات و حالات بھی لکھنے پڑے، جن کی کسی مسئلہ کی تنقیح یا دوسرے اکابر سے دفاع کے لیے ضرورت تھی۔''[1]

مگر ہماری زیر نظر کتاب ''اللمحات إلىٰ ما في أنوار الباري من الظلمات'' کا مطالعہ کرنے والے اہل انصاف وحق پسند لوگوں پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ حقیقت امر مصنف انوار الباری کے دعوی مذکورہ بالا کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ کبار محدثین کے صحیح حالات سے روشناس کرانے اور حدیث و فقہ سے متعلق غلط فہمیوں کو رفع کرنے کے بجائے مصنف انوار نے انوار الباری میں دوسرے بہت سے کام کیے ہیں۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر مصنف انوار کا کسی مسئلہ کی تنقیح اور اپنے اکابر کی طرف سے دفاع کے لیے اپنے بعض اکابر کے کچھ ناپسندیدہ واقعات و حالات کا لکھنا معیوب و قابل نکیر نہیں بلکہ درست و بجا ہے تو بہت سے مساءل کی تنقیح اور سنت نبویہ کی طرف سے دفاع نیز سنت نبویہ کی حفاظت و صیانت کے لیے بعض فقہاء اور رواۃ کے بعض ناپسندیدہ واقعات اور حالات اگر محدثین کرام نے لکھے تو اس پر مصنف انوار اس قدر برہم و ناراض کیوں ہیں کہ ان محدثین کی تردید وتنقید کے لیے اتنی طویل وعریض کتاب لکھ رہے ہیں؟

عجیب بات ہے کہ مصنف انوار نے اپنے طریق کار کو درست و بجا مگر محدثین کرام کے طریق کو قابل صد ملامت اور لائق ہزار طعن بنا لیا ہے اور بار بار محدثین کرام کی روش کا شکوہ کرنے کو اپنا فریضہ قرار دے لیا ہے۔ مصنف انوار کی یہ روش بذات خود ان کی اعتدال و انصاف پسندی اور سلامت روی کی حقیقت نمایاں کرنے کے لیے کافی ہے اور ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے موصوف کی پوری حقیقت واضح ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ العزیز

مصنف انوار کا احساسِ عظمتِ حدیث:

مصنف انوار مقدمہ (ص: ۸) میں یہ وعدہ کر چکے تھے کہ ''شرح بخاری رحمہ اللہ سے قبل مناسب معلوم ہوا کہ حدیث کی ضرورت و تاریخ مختصر لکھ کر محدثین کا تذکرہ بھی ہو جائے۔'' غالباً ایفائے وعدہ کے لیے انھوں نے (ص: ۱۷ تا ۱۹) سب سے پہلے حدیث نبوی کی عظمت و تقدس اور اہمیت و حجیت اور ترویج و تدوین سے متعلق ایک مضمون بعنوان ''احادیث رسول کی حجیت اور دوسرے تمہیدی مباحث'' کئی ذیلی عناوین کے تحت سپرد قلم کیے۔ مصنف انوار الباری کی مندرجہ ذیل ایک عبارت قابل ملاحظہ ہے:

''عملی طور سے آپ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ رفیع کو اتنا اونچا کیا گیا کہ آپ کے اسوۂ حسنہ کو کامل و مکمل اتباع و اطاعت خداوندی کا معیار بنایا، تحلیل طیبات اور تحریم خبائث کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرما کر آپ کے خصوصی منصب رسالت اور اعلیٰ مقام نیابت و خلافت کی طرف اشارہ ہوا۔ تمام اختلافات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو آخری حکم

[1] مقدمه انوار الباری (۱/ ۱٤)

اور قاضی القضاۃ کا درجہ پوری وسعتِ قلب وانشراحِ صدر کے ساتھ تسلیم کرنا ہر امتی کا فرض قرار دیا گیا۔"❶

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار الباری نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں جس نبی (ﷺ) کے اسوہ حسنہ کو اطاعت خداوندی کا معیار اور جس کے حکم و فیصلے کو پوری وسعت قلب وانشراح صدر کے ساتھ ماننے کو ہر امتی کا فرض بتلایا ہے، اس نبی (ﷺ) نے اس روش کو اختیار کرنے سے بشدت روکا ہے جس کو مصنف انوار نے انوار الباری میں اختیار کیا ہے، یعنی حقائق کا ردّ ومسخ وانکار اور غیر معتبر و غیر صحیح ومکذوبہ باتوں کو معتبر و صحیح کہہ کر بیان کرنا وغیرہ۔

نشر واشاعتِ حدیث:

مصنف انوار الباری نے بعنوان "نشر واشاعتِ حدیث" فرمایا:

"اوپر کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ گو کتابتِ حدیث کا سلسلہ عہد رسالت میں شروع ہو گیا تھا، مگر عام طور سے اس کا رواج نہیں ہوا تھا، البتہ موافق فرمان رسالت تحدیث و روایت کے ذریعہ احادیث کی نشر واشاعت کا اہتمام برابر صحابہ میں رہا، کیونکہ حضور ﷺ ترویج سنت وحدیث کی ترغیب فرمایا کرتے تھے۔" الخ❷

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار الباری اپنے مندرجہ بالا بیان میں معترف ہیں کہ نبی ﷺ نے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی ترویج واشاعت کا حکم دیا ہے اور اس کے لیے ترغیب بھی دلائی ہے اور اس فرمان رسالت کے مطابق صحابہ کا عمل بھی تھا۔ ایک دوسری جگہ مصنف انوار لکھتے ہیں:

"عرض یہ کیا جا رہا تھا کہ قرن اول (پہلی صدی یعنی صحابہ کے زمانے) میں حدیث کی جمع و تدوین، کتابت وغیرہ قرآن مجید کی طرح نہیں ہوئی تھی، اگرچہ روایت وحفظ حدیث کا اہتمام بہت کافی رہا اور کچھ صحابہ کے پاس نوشتہ احادیث بھی موجود تھیں، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار احادیث کا مجموعہ تھا، جس کا نام صادقہ تھا۔" الخ❸

مصنف انوار الباری کے اس بیان کا حاصل بھی یہی ہے کہ فرمانِ رسالت کی تعمیل میں صحابہ کرام بذریعہ تحدیث و روایت نیز بذریعہ تحریر و کتابت احادیث نبویہ کی ترویج واشاعت کا اہتمام کرتے تھے اور یہ بالکل معروف بات ہے کہ صحابہ کرام تمام فرامین نبویہ کی تعمیل کا حتی الوسع زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے تھے، خاص طور سے کبار صحابہ عمومی طور پر فرامین نبویہ واحکام شرعیہ کی تعمیل میں سب سے زیادہ پیش پیش رہا کرتے تھے، البتہ کبار صحابہ میں عظیم المرتبت صحابی خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کا یہ ارشاد بیان ہو چکا ہے کہ اہل الرأی والقیاس چونکہ احادیث نبویہ کو یاد رکھنے کی صلاحیت سے محروم ہوتے تھے، اس لیے وہ احادیث نبویہ کی روایت وتحدیث کرنے سے عاجز و قاصر تھے، مگر دینی مسائل میں دخل انداز بننے کا جذبہ و ذوق رکھنے کے سبب علوم حدیث سے تہی دست ہونے کے باوجود محض رائے و قیاس سے مسائل دین بیان کرتے پھرتے تھے۔

فرمان فاروقی سے یہ حقیقت واضح ہے کہ اہل الرأی والقیاس کے عدیم الروایہ یا قلیل الروایہ ہونے کا سبب محض یہ ہے کہ وہ احادیث کو یاد رکھنے اور ان کی تحدیث و روایت کی صلاحیت سے محروم رہا کرتے تھے۔ دریں صورت اس فرمانِ فاروقی

❶ مقدمہ انوار الباری (۱/ ۱۷) ❷ مقدمہ انوار (۱/ ۱۹) ❸ مقدمہ انوار الباری (۱/ ۲۲)

کے خلاف اگر کسی کا یہ دعویٰ ہو کہ اہل الرأی کے قلیل الروایۃ یا عدیم الروایۃ ہونے کا سبب وہ نہیں تھا جو ارشادِ فاروقی میں مذکور ہے، تو اسے قابل قبول دلیل وثبوت پیش کرنا ضروری ہے۔

ناظرین کرام مصنف انوار کا یہ اعترافِ صریح ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا فرمان نبوی موجود ہے، جس کی تعمیل صحابہ کرام کرتے بھی تھے۔ نیز ہم عرض کر چکے ہیں کہ عام صحابہ کے بالمقابل کبار صحابہ فرامین نبویہ کی تعمیل میں عموماً زیادہ سرگرم رہا کرتے تھے، پھر بھی بعض کبیر ترین صحابہ سے مروی شدہ احادیث کی تعداد دوسرے صحابہ کے بالمقابل کم ہے، جس کے مختلف اسباب ہیں، مگر یہ اسباب اہل الرأی کے قلیل الروایۃ یا عدیم الروایۃ ہونے کے اس سبب سے مختلف ہیں جن کی صراحت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے، مثلاً کبیر ترین صحابی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی شدہ احادیث کی تعداد اس لیے کم ہے کہ وفات نبوی کے بعد وہ صرف ڈھائی سال زندہ رہے اور خلافت کبریٰ کی ذمہ داریوں اور فتنہ ارتداد کے انسداد وغیرہ میں مصروف تھے۔

ظاہر ہے کہ ان کے بالمقابل ان صحابہ کی مرویات زیادہ ہوں گی جو وفات نبوی کے بعد پچاسوں سال زندہ رہے۔ نیز وفات نبوی کے بعد قریبی زمانہ میں صحابہ کرام بکثرت تھے اور سب لوگ احادیث نبویہ سے عام طور پر واقف تھے، اس زمانہ میں روایت وتحدیث کی طلب وتلاش بعد کے زمانہ کے بالمقابل کم تھی، اس کا حاصل ہوا یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مرویات کی قلت کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ ارشاد فاروقی کے مطابق اہل الرأی کی طرح علوم حدیث یاد رکھنے اور روایتِ حدیث کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ صحابہ کرام پر غیر صحابہ خصوصاً اہل الرأی کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ تمام صحابہ کرام عموماً اور کبار صحابہ کرام خصوصاً عام احکام شرعیہ اور تمام فرامین نبویہ کی تعمیل کا حتی الوسع زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ومعروف بات ہے کہ کسی وجہ وسبب کے تحت کسی صحابی سے کسی فرمان نبوی وحکم شرعی کے خلاف کوئی قول و عمل سرزد ہوجایا کرتا ہے، جیسا کہ جنبی کے لیے تیمّم کر کے نماز پڑھنے کی شرعی اجازت کے خلاف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ موقف تھا کہ جنبی کو بذریعہ تیمّم نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، لیکن فرمان نبوی وحکم شرعی کے خلاف کسی صحابی کا ذاتی قول وعمل کسی شخص کے لیے دلیل راہ بن سکتا ہے اور نہ اس ذاتی قول وعمل کی مدح وثناء خوانی کی جا سکتی ہے، البتہ بعض احکام شرعیہ وفرامین نبویہ فرض کفایہ ہوتے ہیں، جن کی تعمیل تمام افرادِ امت پر ضروری نہیں ہوتی، بلکہ بقدر ضرورت ان پر بعض افرادِ امت کے عمل سے بھی مقصود شرع حاصل ہوجایا کرتا ہے، دریں صورت ان پر عمل نہ کرنے والوں سے مواخذہ نہیں ہوسکتا۔

العلاء بن سعد بن سعید نے کہا ہے:

"قيل لرجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: ما لك لا تحدث كما يحدث فلان وفلان؟ فقال: مالي ألا أكون سمعت مثل ما سمعوا، و حضرت مثل ما حضروا، ولكن لم يدرس الأمر بعد، والناس متماسكون فأنا أجد من يكفيني، وأكره التزيد، والنقصان في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم."[1]

---

[1] الزهد لابن المبارك (ص: ٣٠) و دفاع عن أبي هريرة (ص: ٨٨)

یعنی ایک صحابی سے پوچھا گیا کہ فلاں فلاں صحابہ کی طرح آپ بھی بکثرت حدیث کیوں نہیں بیان کرتے؟ تو انھوں نے کہا کہ میرے اس طرز عمل کا سبب یہ نہیں ہے کہ میں نے ان کی طرح حدیث نبوی سنی نہیں ہے اور ان کی طرح میں خدمت نبوی میں حاضر نہیں رہا ہوں، بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ روایت حدیث کا سلسلہ دوسروں کے ذریعہ جاری ہے۔ لوگ اس عمل پر قائم ہیں۔ میری جگہ پر دوسرے لوگ روایت حدیث کا کام کر رہے ہیں اور مجھے حدیث بیان کرنے میں کمی بیشی سرزد ہوجانے کا خطرہ ہے، اس لیے میں روایت حدیث ان کی طرح بکثرت نہیں کرتا۔

حضرت زید بن ارقم سے کہا گیا:

”حدثنا يا زيد ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا ابن أخي والله لقد كبرت سني، وقدم عهدي، ونسيت بعض الذى كنت أعي من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فما حدثتكم فاقبلوه، وما لا فلا تكلفونيه.“ ❶

یعنی آپ اپنی سنی ہوئی حدیث نبوی بیان کیجیے، تو حضرت زید نے کہا کہ بخدا میں سن رسیدہ ہوگیا اور سنی ہوئی بعض احادیث بھول گیا، لہٰذا جو میں بیان کردوں اسے قبول کرو اور جو نہ بیان کرسکوں اس کی مجھے زحمت مت دو۔

مذکورہ بالا روایات میں ایک صحابی نے روایتِ حدیث کی قلت کا سبب یہ بتلایا کہ دوسرے لوگ یہ کام مجھ سے بہتر کرتے ہیں، کیونکہ مجھے حدیث میں کمی بیشی ہونے کا خطرہ ہے، اس لیے میں بکثرت روایت نہیں کرتا۔ دوسرے صحابی نے یہ عذر بیان کیا کہ عمر رسیدگی کے سبب مجھے احادیث بخوبی یاد نہیں، اس لیے جس قدر ہیں انھی کو بیان کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔ مستدرک میں مروی ہے:

”إن معاذ بن جبل أوصىٰ أصحابه أن يطلبوا العلم وسمى لهم، أبا الدرداء وسلمان، وابن مسعود، و عبد الله بن سلام، فقال يزيد بن عميرة: وعند عمر بن الخطاب؟ فقال: لا تسأله عن شيء فإنه عنك مشغول.“ ❷

یعنی حضرت معاذ نے اپنے تلامذہ کو وصیت کی کہ ابو درداء، سلمان، ابن مسعود اور عبداللہ بن سلام سے علم حاصل کرو، تو ان سے یزید بن عمیرہ نے کہا کہ اور حضرت عمر بن خطاب سے بھی علم حاصل کریں؟ حضرت معاذ نے جواب دیا کہ وہ دوسرے کاموں میں مصروف رہتے ہیں، اس لیے ان کے پاس پڑھنے مت جاؤ۔“

مندرجہ بالا روایت میں واضح کیا گیا ہے کہ بعض اکابر صحابہ کی دوسری مشغولیات کے پیش نظر لوگ ان کے پاس حدیث پڑھنے نہیں جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے روایت کم ہوگی، اس طرح مختلف اسباب کے تحت بعض صحابہ اس فرمان نبوی پر عمل نہیں کر سکے کہ بذریعہ تحدیث و روایت احادیث کی ترویج و اشاعت کرو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس فرمان نبوی پر عمل کرنے کے بالمقابل عمل نہ کرنا زیادہ اچھا ہے۔ نیز جو لوگ کسی وجہ و سبب کے تحت زیادہ روایتِ

❶ مسند أحمد (٤/ ٣٦٦) و سنن ابن ماجه (١/ ١١ بسند صحيح)

❷ الأنوار الكاشفة (ص: ١٤١) و دفاع عن أبي هريرة (ص: ٩١)

حدیث نہیں کر سکے، انھیں کثیر الحدیث والروایۃ کہنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ وہ احادیث کثیرہ کے راوی ہیں اور ان سے بہت بڑا ذخیرہ حدیث منقول ہے، ایک بھاری ظلم و ستم ہے۔ مصنف انوار نے کہا ہے:

''صحابہ میں کثرت سے روایت حدیث کرنے والے بھی تھے اور کم روایت کرنے والے بھی تھے، مگر کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔''[1]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں یہ بتلایا ہے کہ روایتِ حدیث کے معاملہ میں صحابہ کرام کے تین گروہ تھے:

۱۔ ایک گروہ بکثرت روایتِ حدیث کرنے والا۔

۲۔ دوسرا گروہ بکثرت روایت حدیث کرنے کے بجائے بقلت روایتِ حدیث کرنے والا۔

۳۔ تیسرا گروہ روایتِ حدیث سے احتراز کرنے والا تھا۔

پہلے دو گروہوں کی بابت مصنف انوار نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ کبار صحابہ میں سے تھے، یا صغار صحابہ میں سے تھے، مگر تیسرے گروہ کے بارے میں یہ صراحت کر دی کہ ''کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔'' مصنف انوار کی اس بات کا حاصل یہ ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت اس فرمان نبوی کی تعمیل سے احتراز کرتی تھی، جس کا ذکر کرتے ہوئے موصوف مصنف انوار رقم طراز ہیں:

''موافق فرمان رسالت تحدیث و روایت کے ذریعہ احادیث کی نشر و اشاعت کا اہتمام برابر صحابہ میں رہا'' الخ

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیانات کو دیکھ ہر صاحب عقل کے ذہن میں یہ سوال ابھرے گا کہ جب بدعویٰ مصنف انوار بذریعہ تحدیث و روایت رسول اللہ ﷺ نے احادیث کی ترویج و اشاعت کا حکم دے رکھا تھا اور اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کرام احادیث کی ترویج و اشاعت بھی بذریعہ تحدیث و روایت کرتے تھے تو دوسری طرف مصنف انوار کا یہ دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت رسول اللہ ﷺ کے فرمان مذکورہ کی تعمیل کے بجائے روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی؟ خصوصاً ایسی صورت میں کہ فرامین نبویہ و احکام شرعیہ کی تعمیل میں کبار صحابہ کو پیش پیش رہنے کی عادت تھی۔ یوں سبھی صحابہ حتی الامکان فرامین نبویہ و احکام شرعیہ کی تعمیل میں سرگرم عمل رہا کرتے تھے، مگر بہر حال یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کبار صحابہ میں تعمیل فرامین نبویہ کا جذبہ و ذوق زیادہ تھا، صحابہ کبار کی اس عادت معروفہ نیز حقیقت ثابتہ کے خلاف مصنف انوار کو اپنے اس دعوی پر کوئی ٹھوس اور مضبوط ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا کہ کبار صحابہ کی اکثریت عام صحابہ کے طرز عمل کے بالکل برعکس نبی ﷺ کے فرمان مذکورہ کی تعمیل کے بجائے روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔ آخر مصنف انوار کی اس بات کے خالص علمی، دینی و تحقیقی نقطۂ نظر سے صحیح و معتبر ہونے پر وہ کون سی قابل قبول دلیل قائم ہے جس کی بنیاد پر موصوف کی اس بات کو اس فرقہ کے پھیلائے ہوئے اکاذیب اور جھوٹے پروپیگنڈوں میں نہیں شمار کیا جا سکتا، جو موصوف مصنف انوار کے دعوی کے مطابق سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے مسلمانوں میں جھوٹ کو کار خیر و ثواب سمجھ کر پھیلاتا تھا؟[2]

---

[1] ماحصل از مقدمہ انوار الباري (۱/ ۱۹، سطور: ۱۱ تا ۱۳)

[2] ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۳، ۱۲۴)

مصنف انوار اپنے مذکورہ دعوی پر نہ کوئی دلیل پیش کر سکے ہیں اور نہ کبھی کر سکیں گے، خواہ ان کی مدد پوری تقلیدی پارٹی مل کر کرے، البتہ ان کی تکذیب وتردید کے لیے بکثرت دلائل قاہرہ اور براہین ساطعہ موجود ہیں، اس جگہ بعض کا ذکر مناسب ہے۔

اشاعتِ حدیث کے لیے حکم صدیقی و فاروقی:

یہ ایک معروف ومعلوم حقیقت ہے کہ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سبھی کبار و صغار صحابہ کے سرتاج وسردار ہیں اور ان دونوں سردارانِ کبار وصغار صحابہ کی بابت حضرت امام میمون بن مہران جزری (متوفی ۱۱۷ھ) کا ارشاد ہے:

"إذا ورد عليه الخصم نظر في كتاب اللّٰه تعالىٰ، فإن وجد فيه ما يقضي بينهم قضى به، وإن لم يكن في الكتاب، وعلم من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في ذلك الأمر سنة قضى به، فإن أعياه خرج فسأل المسلمين، وقال: أتاني كذا وكذا فهل علمتم أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قضى في ذلك بقضاء؟ فربما اجتمع إليه النفر كلهم، يذكر من رسول اللّٰه فيه قضاء فيقول أبوبكر: الحمد للّٰه الذي جعل فينا من يحفظ على نبينا، فإن أعياه أن يجد فيه سنة من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، جمع رؤوس الناس وخيارهم، فاستشارهم، فإذا اجتمع رأيهم على أمر قضى به." [1] وفی لفظ لأبي عبيد: "وكان عمر يفعل ذلك، فإن أعياه ذلك، سأل هل كان أبوبكر قضى فيه بقضاء؟ فإن كان فيه لأبي بكر قضاء قضى به وإلا جمع علماء الناس، واستشارهم، فإذا اجتمع رأيهم على شيء قضىٰ به." [2]

یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی معاملہ آتا اور وہ اس کے بارے میں کسی قرآنی فیصلہ سے واقف ہوتے تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر نہیں تو اس سلسلہ میں اپنی معلوم شدہ حدیث کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر اس سلسلے میں انھیں کتاب وسنت کا علم نہ ہو پاتا تو باہر نکل کر صحابہ کے پاس جاتے اور ان سے پوچھتے کہ اس بارے میں آپ لوگ سنت نبویہ کا علم رکھتے ہیں؟ اس وقت بسا اوقات جمع شدہ تمام لوگ متفقہ طور پر کوئی نہ کوئی حدیث سنا دیتے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہو کر اللہ کا شکر ادا کرتے کہ ہم میں اس نے ایسے اہل علم بنا رکھے ہیں۔ جو سنت نبویہ کو یاد رکھتے اور ضرورت کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اگر اس طریقہ پر معاملہ نہیں حل ہو پاتا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ علماء و رؤساء کو جمع کر کے مشورہ طلب کرتے اور ان کے متفق علیہ مشورہ پر عمل کرتے اور یہی طرز عمل حضرت عمر فاورق رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔

مذکورہ بالا روایت مرسل ہے اور مرسل حنفی و مالکی مذہب میں حجت ہے اور دوسروں کے نزدیک شواہد کی موجودگی میں مرسل حجت ہے اور اس روایت کے متعدد معنوی شواہد ہیں، جن کا ذکر بنظر اختصار ہم نہیں کر رہے ہیں، چونکہ یہ روایت اپنے

---

[1] مسند دارمي، باب الفتيا وما فيه من الشدة (ص: ۳۲، ۳۳) وكتاب القضاء لأبي عبيد.

[2] إعلام الموقعين (۱/ ۶۲) حجة اللّٰه البالغة (۱/ ۱۴۹) و إزالة الخفاء وغيره.

معنوی شواہد کے ساتھ معتبر ہے، اس لیے ہم اسے پیش کر رہے ہیں۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ حدیث مذکور بالصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بذات خود احادیث نبویہ یاد رکھتے تھے اور پیش آمدہ مسائل میں اپنی معلوم ومحفوظ احادیث پر عمل بھی کرتے تھے اور جن امور میں انھیں احادیث نبویہ معلوم نہ ہوتی تھیں، ان کے بارے میں صحابہ کرام کی طرف مراجعت کر کے کہتے کہ اس سلسلے میں آپ لوگوں کو جو احادیث معلوم ہوں انھیں بیان کیجیے۔ ان حضرات کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے احادیث نبویہ کو یاد اور محفوظ رکھنے والے صحابہ ان سے احادیث بیان کرتے، جس پر دونوں حضرات خوش ہوتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے احادیث بیان کرنے والے صحابہ کو خراج تحسین پیش کر کے فرماتے کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے امت مسلمہ میں ایسے خوش نصیب افراد بنائے جو احادیث نبویہ کو محفوظ رکھتے اور بیان کرتے ہیں۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ سبھی کبار و صغار صحابہ کے سردار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا حکم دیتے تھے۔ حتی کہ بسند صحیح مروی ہے کہ اپنی وفات سے صرف پانچ دن پہلے بروز جمعہ خطبہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا:

”إني أشهد اللّٰه على أمراء الأمصار فإني إنما بعثتهم ليعلموا الناس دينهم، وسنة نبيهم صلى اللّٰه عليه وسلم." الخ [1]

یعنی میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے تمام ممالک اسلامیہ میں حکام و امراء کو علم دین اور سنت نبویہ کی ترویج و اشاعت کے لیے مقرر کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کے لیے ممالک اسلامیہ میں حکام و امراء کی تقرری کا کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طریق پر عمل کرتے ہوئے کیا تھا، کیونکہ پہلی روایت میں تصریح ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیرو تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کبار و صغار سبھی صحابہ کے سرتاج حضرت ابوبکر وعمر احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا خاص اہتمام کرتے اور لوگوں کو ترویج احادیث کا حکم دیتے اور ممالک اسلامیہ میں ایسے علماء و امراء و حکام کو مقرر کرتے جو ان کے حکم کے مطابق احادیث کی ترویج و اشاعت کرتے اور لوگوں کو علوم حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ تمام صحابہ کے ان سرداروں کے اس طرز عمل پر کسی بھی کبیر یا صغیر صحابی نے کبھی کوئی نکیر و اعتراض نہیں کیا کہ احادیث وسنن نبویہ کی ترویج و اشاعت کا اس قدر اہتمام کبار صحابہ کی اکثریت کے تعامل کے خلاف ہے، بلکہ تمام کبار و صغار صحابہ رضی اللہ عنہم ان دونوں حضرات کے حکم و فرمان کے مطابق اپنی محفوظ شدہ احادیث کی ترویج و اشاعت بذریعہ تحدیث و روایت کرتے رہے، جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ بات مصنف انوار کے اس دعوی کی پوری پوری تکذیب و تردید کرتی ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ دلائل قاہرہ مصنف انوار کے اس زعم باطل کے بالکل خلاف قائم ہیں، مگر ہم زیادہ تفصیل میں پڑنے کے بجائے صرف مذکورہ بالا نقل پر ہی اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ اہل عقل و انصاف

[1] مسند أبي عوانه (١/ ٤٠٩ كتاب الصلوة) و طبقات ابن سعد (٣/ ٣٣٥، ٣٣٦)

کے لیے اتنی نقل بھی اصل معاملہ کو سمجھنے کے لیے کافی ہے اور بصیرت و بصارت سے محروم و فطرت سلیمہ سے خالی و عاری شخص کے لیے دفاتر بھی غیر مفید ہوتے ہیں۔

مصنف انوار نے اپنے خالی از دلیل و خلاف حقیقت مذکورہ بالا دعوی کے فوراً بعد بعنوان ''قلت روایت'' چند ایسی روایات کا ذکر کیا ہے، جن کا حاصل مضمون یہ ہے کہ تین کبار صحابہ حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن العوام اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ذاتی طور پر بعض وجوہ اور عذر کے سبب کثرت روایت کے بجائے تقلیل روایت پر اکتفاء کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات مصنف انوار کے صرف اس دعویٰ کی دلیل بن سکتی ہے کہ صحابہ میں کم روایت کرنے والے بھی تھے۔ اس سلسلے میں مصنف انوار کی نقل کردہ روایات میں سے صرف ایک روایت ایسی ہے جو حقیقت میں تو نہیں مگر بظاہر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے، لیکن اس امر کی تفصیل آ رہی ہے کہ:

اولاً: یہ روایت از روئے حقیقت مصنف انوار کے دعویٰ پر دلالت نہیں کرتی۔

ثانیاً: یہ روایت باعتبار سند ساقط الاعتبار ہے۔

ثالثاً: یہ ساقط الاعتبار روایت حقیقت ثابتہ کے خلاف و معارض ہے۔

رابعاً: حقائق ثابتہ کے معارض یہ ساقط الاعتبار روایت صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک خاص سبب کے تحت یعنی حدیث میں کمی بیشی کے ڈر سے حضرت عمر ذاتی طور پر بعض احادیث کی روایت سے احتراز کرتے تھے۔

اور احتیاط وتقویٰ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس صورت میں روایت حدیث سے احتراز کیا جائے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سبب مذکور کے نہ ہونے اور صحیح طور پر بلا کم و کاست روایت پر اپنے اوپر وثوق و اعتماد ہونے کی صورت میں بھی حضرت عمر روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عمر روایتِ حدیث کے بالمقابل روایت حدیث سے احتراز کے موقف وطریق کو اچھا سمجھتے تھے اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایتِ حدیث سے احتراز کرتی تھی۔

ظاہر ہے کہ کبار صحابہ میں سے کسی ایک صحابی یا چند صحابہ کے ذاتی عمل کو اکثر صحابہ کا تعامل نہیں کہا جا سکتا۔ اگر کسی خاص سبب و عذر سے مجبور ہوکر بعض کبار صحابہ نے کوئی عمل کیا تو اسے اکثر صحابہ کا عمل قرار دینا یا یہ کہنا کہ یہی طریق عمل دوسرے کے بالمقابل زیادہ صحیح ہے، کسی طرح بھی درست نہیں ہے، مثلاً حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کھجلی کی وجہ سے ریشمی لباس پہننے پر مجبور تھے، حالانکہ بلا عذر ریشمی لباس مردوں کے لیے ممنوع ہے، بوجہ مجبوری اگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ریشمی لباس استعمال کیا تو یہ دعوی درست نہیں ہوسکتا کہ اکثر کبار صحابہ ریشمی لباس پہنتے تھے یا یہ کہ ریشمی لباس پہننا ہی مردوں کے لیے زیادہ اچھا اور بہتر ہے۔

تکثیر روایت افضل ہے یا تقلیل؟

مصنف انوار الباری بہر حال اس حقیقت کے معترف ہیں کہ تحدیث و روایت کے ذریعہ احادیث کی ترویج و اشاعت کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ حکم نبوی ان احکام شرعیہ میں سے ہے جن کی تعمیل ہر امتی پر استطاعت کے مطابق ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کا عمل مختلف نظر آتا ہے۔ کسی نے تکثیر روایت سے کام لیا اور کسی نے تقلیل سے، پھر اس تقلیل وتکثیر میں بھی تفاوت ہے۔

دریں صورت یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ تکثیر و تقلیل روایت میں سے کون سا طریقہ افضل و بہتر اور امت مسلمہ کے حق میں زیادہ نفع بخش و مفید ہے۔ اتنی بات ہر صحیح العقل و سلیم الفطرت مسلمان کی سمجھ میں آسانی سے آ سکتی ہے کہ حدود شرع کے دائرہ میں رہتے ہوئے فرامین نبویہ و احکام شرعیہ کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کم سے کم تعمیل کے مقابلہ میں افضل و بہتر اور زیادہ مفید و نفع بخش ہے۔ یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جس سے کسی بھی سلیم الطبع صاحب عقل کو اختلاف نہیں ہوسکتا، حتی کہ جو لوگ حکم شریعت کی تعمیل میں دوسروں کے بالمقابل کسی عذر و سبب سے قاصر و عاجز اور قلیل العمل و کوتاہ دست ہوتے ہیں، وہ اگرچہ اسباب معقولہ کی بنا پر معذور ہیں، لیکن وہ بھی اس حقیقت کا احساس و ادراک رکھتے ہیں کہ کسی بھی حکم شرعی کی تعمیل میں تقصیر و تقلیل کے بالمقابل تکثیر افضل و بہتر ہے، الّا یہ کہ تکثیر کی شریعت میں ممانعت ہو۔ اس آسان سی بات کا سمجھنے والا کوئی سلیم الطبع انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ حکم نبوی کی تعمیل میں تکثیر روایت کے بالمقابل روایت حدیث سے احتراز یا تقلیل روایت زیادہ عمدہ و بہتر ہے، کیونکہ یہ بہت واضح حقیقت ہے کہ تعمیل حکم نبوی میں تکثیر روایت بہر حال تقلیل کے بالمقابل بہتر ہے۔

نیز یہ بھی ایک واشگاف حقیقت ہے کہ مجموعی حیثیت سے جس صحابی کی عظمت و فضیلت معروف و معلوم ہو، وہ بعض احکام شرعیہ کی تعمیل میں اپنے سے کمتر کسی صحابی کے بالمقابل کسی بھی وجہ سے پیچھے رہ سکتا ہے۔ اگر بعض احکام شرعیہ کی بجا آوری میں اسباب و عوارض کی بنا پر بعض کبار صحابہ اپنے سے کمتر صحابہ کے بالمقابل پیچھے ہوں تو ان احکام شرعیہ کی عظمت و فضیلت اپنی جگہ پر قائم و ثابت رہے گی۔

حاصل یہ کہ تکثیر روایت فی نفسہٖ بہتر ہے، اگر کسی صحابی یا متعدد صحابہ نے اسباب و عوارض کے تحت تقلیل روایت سے کام لیا تو اس سے لازم نہیں آتا کہ تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل افضل و بہتر ہے، مگر مصنف انوار نے دلیل پیش کئے بغیر تقلیل روایت کو اکثر صحابہ کا تعامل اور افضل بتلایا ہے۔

صحابہ کرام اور اہل الرای کی تقلیل روایت کے اسباب مختلف ہیں:

روایتِ حدیث سے اکثر کبار صحابہ کے احتراز یا تقلیل روایت کا سبب مصنف انوار نے یہ بتلایا ہے کہ ان صحابہ کو روایتِ حدیث کی اہم ترین ذمہ داریوں کا شدید احساس تھا۔ نیز ان پر خشیتِ الٰہی و تورع کا غلبہ تھا۔[1]

ہم عرض کر آئے ہیں کہ مصنف انوار کا یہ دعوی خالی از دلیل ہے کہ اکثر کبار صحابہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے، البتہ بعض صحابہ کی تقلیل روایت کا سبب بعض روایات میں وہی مذکور ہے جس کا ذکر مصنف انوار نے کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سبب مذکور کی بنا پر بعض صحابہ کا کثرتِ روایت کے بجائے تقلیل روایت پر عمل پیرا ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ کثرت روایت کے بالمقابل تقلیل روایت بہتر ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

نیز سبب مذکور کی بنا پر بعض صحابہ کی تقلیل روایت اس امر کو بھی مستلزم نہیں کہ غیر صحابی حضرات کی تقلیل روایت کا سبب بھی وہی تھا جو صحابہ کرام کی تقلیل روایت کا تھا۔ باسانید صحیحہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطاب کا یہ ارشاد منقول ہے:

أهل الرأی أعداء السنن، أعيتهم الأحاديث أن يعوها، وتفلتت منهم أن يرووها، فقالوا في

[1] مقدمه انوار (١/ ٩١، ٢٠)

الدین بر أیهم."[1]

یعنی احادیث وسنن نبویہ کے دشمن اہل الرای چونکہ احادیث وسنن کے حفظ وضبط سے عاجز وقاصر ہونے کے سبب ان کی روایت کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں، اس لیے احادیث کے بجائے اپنی رائے وقیاس سے فتویٰ دیتے اور مسائل مستنبط کرتے ہیں۔[2]

مذکورہ بالا ارشاد فاروقی سے معلوم ہوا کہ روایت حدیث سے اہل الرأی کے احتراز یا تقلیل روایت کا سبب شدت تقویٰ و تورع کے بجائے احادیث کو محفوظ رکھنے اور روایت کرنے کی صلاحیت سے محرومی ہے۔ اس فرمان فاروقی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احادیث کی تحدیث و روایت وہی شخص کرسکتا ہے جو حفظ و روایتِ احادیث سے عاجز و قاصر نہ ہو بلکہ وہ حافظ احادیث اور روایت احادیث پر قادر ہو۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحابہ و اہل الرأی کی تقلیل روایت کے اسباب مختلف ہیں۔

ہم اس جگہ مصنف انوار کے اس دعویٰ پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کہ:

''امام اعظم ابوحنیفہ بھی ان اکابر صحابہ کی طرح غلبۂ خشیت و غایت ورع کی وجہ سے روایت حدیث سے بہت احتراز کرتے تھے اور روایت حدیث کے لیے سخت سخت شرائط رکھتے تھے، جو دوسرے ائمہ اور بعد کے محدثین کے یہاں نہیں تھیں۔''[3]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار کا یہ دعویٰ ہے کہ روایت حدیث سے امام ابوحنیفہ کے بہت زیادہ احتراز کا سبب وہی تھا جو اکابر صحابہ کے احتراز کا تھا اور روایت حدیث میں امام صاحب جیسی سخت شرائط دوسرے محدثین کے یہاں نہیں تھیں۔

ناظرین کرام اس جگہ اس حقیقت کو ملحوظ رکھیں کہ کسی صحابی یا کئی صحابہ کا روایت حدیث سے احتراز یا تقلیل روایت اس امر کو مستلزم نہیں کہ یہ صحابہ روایت حدیث سے احتراز اور تقلیل روایت کو تکثیر روایت کے بالمقابل افضل سمجھتے تھے، یا یہ کہ فی نفسہٖ تقلیل روایت بمقابلہ تکثیر افضل ہے۔ نیز شدت تقویٰ وتورع کی بناء پر بعض صحابہ کی تقلیل روایت کا ثبوت بھی اس امر کو مستلزم نہیں کہ جس صحابی نے بھی تقلیل روایت پر اکتفاء کیا، اس کا سبب صرف غلبۂ تقویٰ وتورع ہی تھا، بلکہ اس کے دوسرے اسباب معقولہ ہو سکتے ہیں اور ہیں بھی۔

حضرت ابوبکر کی قلت روایت کا سبب:

مثلاً بہت سے صحابہ کرام کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد کم ہے۔ اگرچہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر صحابہ میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ تقویٰ شعار تھے، لیکن موصوف کی تقلیل روایت کا سبب وہ نہیں ہے جو بقول مصنف انوار کبار صحابہ کی تقلیل روایت یا روایت سے احتراز کا سبب تھا۔ یعنی روایت حدیث میں غلطی ہونے کا خطرہ اور شدت تقویٰ وتورع بلکہ حضرت ابوبکر کی قلت روایت کا سبب دوسرا ہے اور وہ یہ کہ وفات نبوی کے بعد موصوف صرف ڈھائی سال زندہ رہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ وفات نبوی کے بعد موصوف کی اس ڈھائی سالہ زندگی کا زمانہ ہی ان کی تحدیث و

[1] إعلام الموقعین (١/ ٥٥) و الإحکام لابن حزن (٦/ ٤٢، ٤٣) و جامع بیان العلم.

[2] نیز ملاحظہ ہو: ہماری اسی کتاب کا: (١/ ١٦٦، ١/ ١٩٦)

[3] مقدمہ انوار (١/ ٢٠)

روایت کا زمانہ ہوسکتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ڈھائی سال کی مدت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی شدہ احادیث سے کہیں زیادہ تعداد میں احادیث کی تحدیث و روایت ہر وہ شخص کر سکتا ہے، جس میں درج ذیل تین باتیں پائی جاتی ہوں:

۱۔ اسے بہت بڑی تعداد میں احادیث نبویہ یاد، محفوظ اور مضبوط ہوں۔

۲۔ بہت بڑی تعداد میں ان محفوظ شدہ احادیث کی تحدیث و روایت پر وہ شخص قادر ہو۔

۳۔ ان دونوں اوصاف کے ساتھ احادیث کی تحدیث و روایت میں دوسرے اسباب وعوارض مانع اور حارج نہ ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ وصف نمبر اول و دوم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بدرجہ اتم و اکمل موجود تھے، مگر اس کے باوجود احادیث کی تحدیث و روایت کے لیے فراغت کے بجائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے راستے میں دوسرے عوارض وعوامل حائل تھے۔ یہ عوارض وعوامل موصوف کو تحدیث و روایت کا موقع نہ دیتے تھے۔ وفات نبوی کے بعد ہی موصوف کو خلافت کبریٰ کی ان ذمہ داریوں نے اپنے ساتھ مشغول کر لیا جو احادیث کی تحدیث و روایت کو موصوف کا موقع نہ دیتی تھیں، فتنہ ارتداد کی بیخ کنی کا مسئلہ ہی اتنا پیچیدہ اور مصروفیت کا طالب تھا کہ احادیث کی تحدیث و روایت کا موقع ان کے لیے ملنا مشکل تھا۔ اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ احادیث کی تحدیث و روایت سے متعلق حکم نبوی کی تعمیل ہر امتی پر فرداً فرداً ضروری نہیں ہے، اگر وہ کام دوسروں کے ذریعہ ہو رہا ہے تو حکم نبوی کا مقصود حاصل ہو رہا ہے۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر دوسرے متعدد صحابہ اس حکم نبوی کی تعمیل میں مصروف ہیں، جس سے دینی ضرورت پوری ہو رہی ہے، خود کو امور خلافت کی انجام دہی میں مصروف رکھا، کیونکہ پوری امت نے مل کر موصوف کو امور خلافت کی انجام دہی کی ذمہ داری سونپ دی تھی، اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی سے موصوف کو اتنی فرصت نہ مل سکی کہ تکثیر روایت بھی کرتے۔

الحاصل تکثیر روایت کے بجائے تقلیل روایت پر حضرت ابوبکر کے اکتفاء کا اصل سبب خلافت کبریٰ کی ذمہ داریاں تھیں۔ نیز ان کی زندگی میں روایت حدیث کرنے والوں کی کثرت بھی تھی اور عام لوگ احادیث سے واقف تھے، اس لیے انھیں ضرورت بھی روایت کرنے کی کم ہی پیش آئی۔

اس کے برعکس حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے مکثرین صحابہ پر اولاً خلافت کبریٰ کی ذمہ داریاں نہیں تھیں۔ ثانیاً یہ لوگ وفات نبوی کے بعد حضرت ابوبکر کے بالمقابل کہیں زیادہ زمانہ تک زندہ رہے اور کبھی بھی خلافت کبریٰ کی ذمہ داریوں سے بوجھل نہیں بنائے گئے۔ اس لیے انھیں احادیث کی تحدیث و روایت کا موقع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ حاصل ہوا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ تحدیث و روایت حدیث کے متعلق حکم نبوی کی تعمیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کر سکے۔ اسی وجہ سے ان کی روایات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہیں۔ پھر جیسا کہ ہم نے عرض کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ احادیث کی ترویج و اشاعت کے معاملہ سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور وہ صحابہ کو حکم دیتے رہتے تھے کہ احادیث نبویہ کی تحدیث و روایت اور ترویج و اشاعت کرتے رہو، اور نہ صرف یہ کہ موصوف دوسروں کو احادیث کی تحدیث و روایت کا حکم دینے پر اکتفاء کرتے تھے، بلکہ حسب موقع وضرورت خود بھی تحدیث و روایت کرتے تھے، اس کی بعض مثالوں کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہے، اور تدریب الراوی، النوع التاسع والثلاثون (ص: ۴۰۳) میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک سو بیالیس احادیث مروی ہیں۔

اپنے تقلیدی مقاصد کو بروئے کار لانے کا بے پناہ جذبہ و ذوق رکھنے والے تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت کو افضل و بہتر ثابت کر دکھانے کی مہم چلانے والے اپنی تائید میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقلیل روایت کے معاملہ کو بھی پیش کرتے ہیں، مگر ہماری مذکورہ بالا معروضات کو پیش نظر رکھنے والے اہل انصاف کبھی بھی ان کے دھوکہ میں نہیں آسکتے اور نہ وہ یہ مان سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور صحابہ کرام کی تقلیل روایت کا جو سبب ہے وہی سبب ان اہل الرأی کی تقلیل روایت کا بھی ہے، جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ احادیث کے حفظ وضبط سے عاجز و قاصر رہنے کے سبب یہ لوگ روایتِ حدیث نہیں کر سکتے۔

ابھی ہم مصنف انوار کے اس دعویٰ پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کہ احادیث کی روایت سے امام ابوحنیفہ کے احتراز یا تقلیل روایت کا سبب وہی تھا، جو صحابہ کی تقلیل روایت کا تھا۔

البتہ اہل نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وفات نبوی کے بعد صرف ڈھائی سال اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارہ سال اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ چوبیس سال زندہ رہے اور خلافت کبریٰ کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے پر بھی مامور رہے اور دوسرے مقلین صحابہ کے ساتھ بھی مختلف قسم کے معاملات موجود رہے، مگر بدعویٰ مصنف انوار امام ابوحنیفہ پچاس سال کی عمر تک تحصیل علوم و فقہ میں چار ہزار اساتذہ کے ساتھ مشغول رہنے کے بعد مسند درس و تدریس اور کاروبار تصنیف و تالیف میں مسلسل تیس سال مصروف رہے اور ایک دن کے لیے بھی خلافت جیسے کام پر مامور نہیں ہوئے اور نہ ان حالات سے دوچار ہوئے جو مقلین صحابہ کو پیش آئے، لیکن ان صحابہ کی مرویات کے بالمقابل امام صاحب کی روایت حدیث میں صحابہ جیسی شدت احتیاط وتورع کا معاملہ ہے، وہ اس بات سے عیاں اور ظاہر ہے کہ جن کتب مسانید و آثار کو مصنف انوار امام صاحب موصوف کی مرویات پر جب تحقیقی بحث ہمارے سامنے آئے گی تو حقیقتِ امر منکشف ہوگی، اور جہاں تک امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہیں، وہ اس بات پر شاہد ہیں کہ امام صاحب بکثرت کذاب، وضاع، غیر ثقہ، کثیر الخطاء اور سیٔ الحفظ رواۃ سے منقطع، مرسل، معضل، غیر مستند اور غیر متصل روایات نقل کئے ہوئے ہیں، جیسا کہ اس موضوع پر مفصل بحث آگے آ رہی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کثیر الروایۃ ہونے پر بحث:

کبار صحابہ کی اکثریت کو روایت حدیث سے محترز بتلانے یا بعض صحابہ کے قلیل الروایہ ہونے سے متعلق روایات کی نقل کی طرف اس قدر توجہ صرف کرنے کی زحمت مصنف انوار نے محض اس لیے اٹھائی ہے کہ جن امام ابوحنیفہ کی تقلید و پیروی کا موصوف دم بھرتے ہیں، ان کا قلیل الروایہ ہونا مشہور و معروف حقیقت ہے اور امام صاحب کے قلیل الروایہ ہونے کی حقیقت مشہورہ کو مسخ کرنے کی مہم جوئی و کوشش کے باوجود بھی مصنف انوار کے دل سے امام صاحب کے قلیل الروایہ ہونے کا احساس وشعور ختم نہیں ہوا۔ لہٰذا موصوف نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ امام صاحب قلیل الروایہ ہونے میں صحابہ مذکورین کے مماثل و مشابہ ہیں اور ان صحابہ کی تقلیل روایت کا جو سبب ہے، وہی امام صاحب کی تقلیل روایت کا بھی سبب ہے، مگر ہم اس جگہ اس موضوع

پر تفصیلی بحث میں پڑے بغیر صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ بدعوی مصنف انوار مذہب حنفی کے مورث اعلیٰ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور بخیال مصنف انوار فقہ حنفی کی عمارت فقہ ابن مسعود پر قائم ہے۔[1]

اور مسند احمد بن حنبل اور سنن ابن ماجہ میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن زبیر صحابی سے منقول ہے:

”قلت للذبیر: مالي لا أسمعك تحدث عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کما أسمع ابن مسعود و فلانا وفلانا.“[2] الحدیث

”میں نے اپنے باپ زبیر بن العوام سے کہا کہ جس طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور فلاں فلاں صحابہ بکثرت روایت حدیث کرتے ہیں، اس طرح آپ کیوں بکثرت روایت حدیث نہیں کرتے؟“ الخ

اس حدیث صحیح سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بکثرت روایتِ حدیث کرتے تھے اور صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی نہیں دوسرے صحابہ کا بھی یہی حال تھا۔ ایک دوسری صحیح روایت میں اس طرح ہے:

”ما یمنعك أن تحدث عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کما یحدث عنه أصحابك.“[3]

یعنی جس طرح آپ کے اصحاب (صحابہ کرام) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت روایت حدیث کرتے ہیں، اس طرح آپ بھی بکثرت روایت حدیث کیوں نہیں کرتے؟

اس روایت صحیحہ کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح دوسرے کبار صحابہ بھی بکثرت روایت کرتے تھے، کیونکہ حضرت زبیر کے اصحاب عام طور سے کبار صحابہ ہی تھے۔ اس روایت سے ایک طرف مصنف انوار کے اس زعم باطل کی تکذیب ہوتی ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی اور دوسری طرف ثابت ہوتا ہے کہ مصنف انوار جس ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ حنفی کا مورث اعلیٰ قرار دیتے ہیں، وہ کثیر الحدیث صحابی تھے، حتی کہ ان کی بکثرت روایتِ حدیث کو دیکھ کر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تمنا ہوئی کہ کاش میرے باپ زبیر بھی انھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح بکثرت روایت حدیث کرتے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر بحوالہ زبیر بن بکار ناقل ہیں:

”عن عبداللّٰه بن الزبیر قال: عناني ذلك، یعني قلة روایة الزبیر.“[4]

یعنی عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ مجھے اپنے باپ زبیر کی قلت روایت دیکھ کر شاق گزرا۔

اس لیے میں نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی، جس پر انھوں نے اپنا عذر بیان کیا۔ مصنف انوار نے اس حدیث کو صحیح بخاری کے حوالے سے بذات خود یہ ثابت کرنے کے لیے نقل کیا ہے کہ حضرت زبیر قلیل الروایۃ تھے۔[5]

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۳۸، ۱/ ۱۵۳، ۱۵٤)

[2] مسند إمام أحمد مع تعلیقات علامه أحمد شاکر حدیث (۱٤۱۳) (۳/ ۱٤۱۲، ۱٤۱۳ و ۷، ۸) و سنن ماجه (۱/ ۱۰) و فتح الباري: کتاب العلم، باب إثم من کذب علی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم (حدیث ۱۰۷) (۱/ ۲۰۰ وغیره)

[3] سنن أبي داود، مع عون المعبود باب التشدید في الکذب علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم (۳/ ۲۵۷) و طبقات ابن سعد (۱، ۳ / ۷٤، ۷۵ وغیره)

[4] فتح الباري (۱/ ۲۰۰)

[5] مقدمه انوار (۱/ ۱۹)

مگر نہ جانے کیوں موصوف نے اس کے وہ محولہ الفاظ کتب حدیث سے نقل نہیں کئے، جن میں صراحت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے دوسرے اصحاب کی طرح بکثرت روایت حدیث کرتے تھے، حالانکہ جب مصنف انوار مدعی ہیں کہ فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ ابن مسعود ہیں تو انھیں بتلانا چاہیے تھا کہ امام ابوحنیفہ اپنے مذہب وعلمی خاندان کے مورث اعلیٰ کے طریق کثرتِ روایت پر عمل پیرا ہونے کے بجائے دوسرا طریق عمل اختیار کر کے قلت روایت حدیث سے کام لیتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو کم ازکم یہ معلوم ہوجاتا کہ روایت حدیث جیسے اہم معاملہ میں امام صاحب ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریق کے خلاف دوسرے طریق پر عمل پیرا تھے، جن کو بار بار فقہ حنفی کا مورث کہا جاتا ہے۔

ناظرین کرام کو ہماری ذکر کردہ وہ بات یاد ہوگی کی ایمان میں کمی بیشی اور تجزی جیسے بنیادی مسئلہ میں بھی امام ابوحنیفہ حضرت ابن مسعود کے موقف کے خلاف ہیں، حتی کہ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب نے جس چہل رکنی مجلس تدوین کے ذریعہ فقہ حنفی کی تدوین کی اس کے رکن رکین ابومطیع بلخی نے وضع حدیث کر کے ابن مسعود کو ایمان میں کمی بیشی و تجزی کا عقیدہ رکھنے کے سبب نعوذ باللہ کافر ومشرک تک قرار دیا ہے۔ جس فقہ کی تدوین کرنے والے بذریعہ وضع حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ کافر ومشرک قرار دیں، اس فقہ کا مورث اعلیٰ انھی ابن مسعود کو بتلانا مصنف انوار ہی جیسے دل گردہ رکھنے والے لوگوں کا کام ہوسکتا ہے۔ اس سے قطع نظر ہم کو اس جگہ صرف یہ بتلانا ہے کہ جس ابن مسعود کو مصنف انوار فقہ حنفی کا مورث کہتے ہیں، ان کے طریق کثرت روایتِ حدیث پر فقہ حنفی کے بانی امام صاحب عامل نہیں تھے اور نہ صرف ابن مسعود بلکہ عام کبار صحابہ کا بھی یہی حال تھا، جیسا کہ ہماری نقل کردہ حدیث ابن زبیر سے معلوم ہوتا ہے، نیز دوسری متعدد دلیلوں کا ذکر آگے آرہا ہے۔ اس کے باوجود مصنف انوار نے جو یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی، اس کی حقیقت کا اندازہ ناظرین کرام خود لگا سکتے ہیں۔

مصنف انوار نے قلت روایت کے معاملہ میں امام صاحب کو جن صحابہ کا مماثل قرار دینے کے لیے چند روایات کو بطور دلیل وحجت پیش کیا ہے، ان روایات سے بہر حال مصنف انوار کا مقصود نہیں حاصل ہوسکتا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، مگر مصنف انوار کی ذکر کردہ ان روایات پر یہاں فنی طریقہ پر بحث ونظر بھی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

کیا روایتِ حدیث سے کبار صحابہ احتراز کرتے تھے؟

قلت روایتِ عثمان:

ہم اوپر اجمالی طور پر عرض کر چکے ہیں کہ مصنف انوار نے بلا دلیل اپنے اس دعویٰ کہ ''کبار صحابہ کی اکثریت روایتِ حدیث سے احتراز کرتی تھی'' کے فوراً بعد بعنوان ''قلتِ روایت'' چار کبار صحابہ کے بارے میں چار روایات ایسی نقل کی ہیں، جن کا حاصل مضمون یہ ہے کہ تین کبار صحابہ بعض وجوہ سے ذاتی طور پر تقلیل روایت سے کام لیتے تھے۔ اب ہم فرداً فرداً ان روایات کا تحقیقی جائزہ لے کر مصنف انوار الباری کی حقیقت بیانی اور دیانت داری واضح کرنی چاہتے ہیں۔ مصنف انوار فرماتے ہیں:

> ''ابن سعد اور ابن عساکر نے عبدالرحمٰن بن حاطب سے روایت کی کہ صحابہ میں سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہتر طریقہ پر حدیث بیان کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو پوری پوری نقل کیا کرتے تھے، مگر وہ بہت کم روایت کرتے تھے، کیونکہ ڈرتے تھے۔''[1]

اولاً: مصنف انوار نے مذکورہ روایت بالا اور اس معنی ومفہوم کی دوسری روایات کو اپنے اور اپنے ہم مذہب اہل الرای کے موقف کے موافق و مطابق سمجھ کر ہی نقل کیا ہے اور اس قسم کی عام روایات کو محدثین کرام ہی نے اپنی کتب حدیث و تاریخ اور رجال و سیر میں نقل کیا ہے، مگر مصنف انوار کا کہنا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے حسد وتعصب کی وجہ سے موقفِ حنفیہ کی تائید کرنے والی روایات کو نقل کرنے سے احتراز و گریز کیا ہے۔ مصنف انوار اپنے اس دعویٰ پر یقیناً کوئی دلیل معتبر نہیں رکھتے۔ البتہ اپنے ہی طرز عمل سے موصوف اپنے اس دعویٰ کی تکذیب و تردید بار بار کرتے ہیں، کیونکہ اپنی تائید وموافقت میں پیش کرنے کے لیے جو روایات و احادیث موصوف کو ملتی ہیں، وہ محدثین ہی کے یہاں ملتی ہیں۔ آخر محدثین کرام کی کتابوں سے اپنے موقف پر دلائل حاصل کرنے والے مصنف انوار مدلل طور پر یہ کیوں نہیں ثابت کرتے کہ محض تعصب وتنگ نظری اور حسد وعناد کی بنیاد پر فلاں فلاں محدثین نے احناف کے موافق روایت کی نقل سے احتراز کیا؟

ثانیاً: انوار الباری میں مصنف انوار کے اس دعویٰ کو کہ ''ہم نے خالص علمی و تحقیقی نقطۂ نظر سے صرف صحیح ومعتبر باتیں ہی لکھی ہیں۔'' دیکھ کر سادہ لوح لوگ یہی سمجھتے ہوں گے کہ مصنف انوار نے مندرجہ بالا جس روایت کو بطور دلیل پیش کر رکھا ہے، وہ خالص علمی و تحقیقی نقطۂ نظر سے صحیح ومعتبر ہوگی، کیونکہ مصنف انوار کو اس بات کا بہت شدید افسوس ہے کہ سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے ایک فرقہ جھوٹ کو کار خیر وثواب سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلایا کرتا ہے۔ اس لیے بھی سادہ لوح لوگ یہی سمجھتے ہوں گے کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی مذکورہ بالا روایت یقیناً صحیح ومعتبر ہوگی۔ ہم دیکھتے ہیں

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹)

کہ مصنف انوار نے جس طبقات ابن سعد سے مذکورہ روایت نقل کی ہے، اس کا دارومدار محمد بن عمر واقدی اُسلمی (مولود ۱۳۰ھ ومتوفی ۲۰۷ھ) پر ہے۔[1] اور واقدی مذکور مشہور ومعروف کذاب، متروک اور غیر ثقہ راوی ہے۔[2] اور واقدی موصوف نے یہ روایت ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرۃ بن ابی رہم بن عبدالعزیٰ قرشی عامری مدنی (متوفی ۲۶۲ھ) سے نقل کی ہے اور یہ شخص بھی کذاب و وضاع ومتروک ہے۔[3]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار کی مذکورہ مستدل روایت مکذوبہ اور وضعی ہے۔ دریں صورت ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار اپنے اس دعویٰ میں کتنے سچے ہیں کہ ہم نے خالص علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے صرف صحیح ومعتبر باتیں ہی انوار الباری میں لکھی ہیں؟!

ثالثاً: ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ روایت مذکورہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی دوسرا شخص حدیث کا بیان کرنے والا نہیں تھا، البتہ صرف اتنی بات تھی کہ وہ روایت حدیث کم کرتے، اور اس کے لیے روایت مذکورہ میں ان کا یہ عذر ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ڈرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ عذر کی بنا پر کبار صحابہ میں سے کسی ایک کا یا چند کا روایت حدیث کم کرنا زیادہ سے زیادہ اس دعوی کی دلیل ہوسکتا ہے کہ کثرتِ روایت سے معذور بعض کبار صحابہ تقلیل روایت پر اکتفاء کرتے تھے۔ اس لیے روایت مذکورہ اور اس معنی کی دوسری روایات اس امر کی دلیل تو قرار دی جا سکتی ہیں کہ بعض صحابہ کبار بوجہ عذر تقلیل روایت پر اکتفا کرتے تھے، مگر مصنف انوار کا یہ دعوی ہنوز خالی از دلیل ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔ پھر جب مصنف انوار کی مستدل روایت مذکورہ مکذوبہ ہے تو اسے صحیح ومعتبر کہہ کر بطور دلیل پیش کرنا کونسی دیانت داری ہے؟!

زیر بحث اس مکذوبہ روایت کے ہم معنی ایک روایت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[4] لیکن اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی الزناد (مولود ۱۰۰ھ ومتوفی ۱۷۴ھ) ہیں۔[5]

انھوں نے یہ روایت اپنے باپ ابو الزناد سے نقل کی ہے، جن کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی، یعنی کہ ابو الزناد کی وفات کے وقت ان سے حدیث مذکور کی نقل کرنے والے ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کی عمر تین چار سال تھی۔ ظاہر ہے کہ اس عمر میں اپنے باپ سے موصوف کا سماع وتحدیث مستبعد ہے، چنانچہ امام صالح بن محمد نے کہا ہے:

"روى عن أبيه أشياء لم يروها غيره، وتكلم فيه مالك لروايته عن أبيه، وقال ابن سعد: كان يضعف لروايته عن أبيه."[6]

---

[1] طبقات ابن سعد (۳/ ۳۹، قسم دوم) [2] تاريخ بغداد (۳/ ۳) ميزان الاعتدال (۳/ ٦٦٢) تهذيب التهذيب (۹/ ۳۲۳)

[3] تهذيب التهذيب (۱۲/ ۳۱) المجروحين (۳/ ۱٤۷)

[4] مسند أحمد مع تعليقات علامه أحمد شاكر (۱/ ۳٦۳، ۳٦٤) و مسند طبالسی (ص: ۱٤) و أبو يعلىٰ ومجمع الزوائد (۱/ ٥٦)

[5] ملاحظہ ہو ان کے ترجمہ کے لیے: تاريخ خطيب (۱۰/ ۲۲۸ - ۲۳۰) و تهذيب التهذيب (٦/ ۱۷۰ - ۱۷۳)

[6] تهذيب التهذيب (٦/ ۱٥٦)

اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اپنے باپ سے عبدالرحمٰن موصوف کی روایت غیر معتبر ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ روایت معتبر نہیں۔ دریں صورت اسے بطور دلیل پیش کرنے والے مصنف انوار کا یہ دعویٰ قابل داد ہے کہ ہم نے خالص علمی و تحقیقی نقطۂ نظر سے صرف صحیح و معتبر باتیں لکھی ہیں! نیز اس روایت میں دیگر علل بھی ہیں، جن کا ذکر بنظر اختصار نہیں کیا جا رہا ہے۔

رابعاً: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قلیل الروایہ ہونے پر دلالت کرنے والی مکذوبہ روایت کے مکذوب ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ امام ذہبی نے حضرت عثمان اور ابن مسعود وغیرہ کو مکثرین صحابہ میں شمار کیا ہے۔❶

صحیحین میں مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ﴾ کا قرآنی حکم نہ ہوتا تو میں احادیث نہ بیان کرتا۔❷

اس کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت عثمان کا یہ عقیدہ و خیال تھا کہ قرآن مجید کا حکم ہے کہ احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کی جائے اور اس حکم قرآنی کی تعمیل سے سرتابی کرنے والوں کو وعید شدید بھی سنائی گئی ہے۔ دریں صورت ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ روایتِ حدیث کے معاملہ میں حضرت عثمان کا کیا نظریہ تھا۔ اگر بالفرض یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا متعدد صحابہ کسی عذر کی وجہ سے روایتِ حدیث کم کرتے تھے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ ان کے نزدیک تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت زیادہ بہتر تھا؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بوجہ عذر بعض صحابہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے تو اس سے یہ کیونکر لازم آیا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے مقابلہ میں بیٹھ کر نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے؟

الحاصل یہ ثابت ہونے سے کہ صحابہ کی ایک جماعت تکثیر روایت کے بجائے تقلیل روایت پر عامل تھی، ہرگز ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت کا موقف فی نفسہ زیادہ بہتر اور امت کے لیے زیادہ نفع بخش و مفید ہے اور جو لوگ تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت کے طریق پر عمل پیرا ہیں، ان کا طریق عمل زیادہ بہتر اور عمدہ ہے۔ ان دونوں طریق ہائے عمل میں سے کسی ایک کا زیادہ بہتر و نافع اور مفید ہونا ایک علیحدہ اور مستقل مسئلہ ہے جس پر تحقیقی بحث کی ضرورت ہے، لیکن اتنی بات ہر سلیم الطبع اور صحیح الفطرت انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ فرمان نبوی کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کم سے کم تعمیل کے بالمقابل زیادہ بہتر و نفع بخش ہے اور مصنف انوار معترف ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بذریعہ تحدیث و روایت احادیث کی نشر و اشاعت کی جائے۔ ہر صاحب عقل بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس فرمان نبوی پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے والوں کا طریق کار ان لوگوں کے طریق کار کے بالمقابل انفع و افضل ہے، جو اس فرمان نبوی پر عمل کرنے کے معاملہ میں دوسروں سے کمتر ہیں۔ جو شخص اس آسان سی بات کو سمجھ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ کبھی بھی تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت کی ثنا خوانی و مدح سرائی کرتے ہوئے یہ نہیں کہے گا کہ تقلیل روایت تکثیر روایت کے بالمقابل افضل ہے، مگر مصنف انوار نہ صرف یہ کہ تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت کی ثنا خوانی و مدح سرائی کو اپنا فریضہ بنائے ہوئے ہیں، بلکہ تکثیر روایت اور مکثرین

❶ شذرات الذهب (١/ ٦٣ واقعات ٥٧هـ)

❷ صحيح البخاري: كتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، رقم الحديث (١٥٨) صحيح مسلم: كتاب الطهارة، باب صفة الوضوء كما له، رقم الحديث (٢٢٦)

صحابہ پر طعن و تشنیع کی مہم چلائے ہوئے ہیں، جیسا کہ ناظرین کرام کو عنقریب معلوم ہوگا۔

خامساً: صحیحین میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا جس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث کی ترویج و اشاعت کا حکم دیا ہے، اس کی شرح لکھتے وقت نہ جانے کیوں مصنف انوار نے یہ نہیں بتلایا کہ اس سے تقلیل روایت کے بالمقابل تکثیر روایت کی زیادہ فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ [1]

اور نہ موصوف نے مقدمہ ہی میں روایت مذکورہ کو دلیل و حجت بنا کر وضاحت کی کہ تقلیل روایت کے بالمقابل تکثیر کی فضیلت اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس موصوف نے مکذوبہ و غیر معتبر روایت کو دلیل و حجت بنا کر حضرت عثمان کو قلیل الروایۃ ثابت کر کے یہ ظاہر کیا کہ تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت افضل و بہتر ہے۔ حدیث صحیح کے بالمقابل روایت مکذوبہ کو دلیل و حجت بنا کر یہ کہنا کہ معتدل شاہ راہ پر چلتے ہوئے افراط و تفریط سے ہٹ کر ہم نے خالص علمی و تحقیقی نقطۂ نظر سے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی لکھی ہیں کونسی دیانت داری ہے؟

سادساً: تکثیر روایت کی فضیلت پر دلالت کرنے والی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی حدیث کے بالمقابل موصوف کے قلیل الروایۃ ہونے پر دلالت کرنے والی غیر معتبر روایت سے تقلیل روایت کے طریق کار کے افضل و بہتر ہونے پر اس صورت میں استدلال کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ جس ابن مسعود کو مصنف انوار فقہ حنفی اور امام ابو حنیفہ کے علمی خاندان کا مورث اعلیٰ قرار دیتے ہیں، ان کا کثیر الروایۃ ہونا ثابت ہے۔ اپنے مورث اعلیٰ کے طریق تکثیر روایت کی مدح سرائی و ثنا خوانی چھوڑ کر محض اس بنا پر مکذوبہ و غیر معتبر روایت کو دلیل بنا کر دوسروں کے طریق تقلیل روایت کی مدح سرائی کرنا کہ امام ابو حنیفہ اپنے اس مورث اعلیٰ کے طریق تکثیر روایت پر عمل پیرا ہونے کے بجائے دوسرے طریق پر عامل تھے، کونسا طریق تحقیق ہے؟ یعنی فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ کے صرف اسی طریق کار کو افضل و بہتر اور صحیح قرار دینا جس کو امام ابو حنیفہ نے اختیار و پسند کیا، مگر اسی مورث اعلیٰ کے جس طریق عمل کو امام صاحب نے اختیار نہیں کیا، اس کو بہتر بتلانے اور اس کی مدح سرائی کے بجائے دوسرا کام کرنا کونسا خالص علمی و دینی اور تحقیقی نقطۂ نظر ہے؟

واضح رہے کہ بتصریح اہل علم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک سو چونسٹھ احادیث کے راوی ہیں۔ [2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وفات نبوی کے بعد ۲۳ و ۲۴ سال زندہ رہے، جن میں سے بارہ سال خلافت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے اور زندگی کے آخری کئی سالوں میں باغیوں کی ریشہ دوانیوں کے شکار رہے۔ اس کے برعکس بدعوئ مصنف انوار امام ابو حنیفہ پچاس سال کی عمر تک چار ہزار اساتذہ سے حدیث و فقہ پڑھتے رہے۔ پھر ۱۲۰ھ میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد سے لے کر ۱۵۰ھ تک یعنی تیس سال تک خدمت حدیث و فقہ کرتے رہے، حتی کہ بدعوی مصنف انوار امام صاحب نے ہزاروں تلامذہ کو اپنے درس کے ذریعہ محدث و فقیہ بنا دیا، مگر امام صاحب کی مرویات کی تعداد پر آئندہ صفحات میں ہماری پیش کردہ تحقیقی و تفصیلی بحث سے ناظرین کرام پر اصل حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ تقلیل یا تکثیر روایت کے کس طریق پر امام صاحب عمل پیرا تھے؟

---

[1] انوار الباری (٥/ ٤٠ ـ ٤٤)

[2] تلقيح فهوم أهل الأثر لابن الجوزی (ص: ١٤٨) و شذرات الذهب (١/ ٦٣، واقعات ٥٧ھ ذكر أبي هريرة)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قلیل الحدیث ہونے پر بحث:

مصنف انوار بزعم خویش خالص علمی و تحقیقی نقطۂ نظر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قلیل الروایت ثابت کر دکھانے کے بعد آگے بڑھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بخاری میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ دوسروں کی طرح کثرت سے روایتِ حدیث کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا کہ میں خدمت نبوی سے جدا نہیں رہا، یعنی اوروں سے زیادہ یا ان کے برابر حدیث روایت کرسکتا ہوں، مگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث "من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" سنی ہے۔ یعنی اس کی وجہ سے ڈرتا ہوں اور کم روایت کرتا ہوں۔"[1]

اولاً: یہ عرض ہے کہ جب مصنف انوار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ ذات نبوی کی طرف مکذوبہ روایت کو منسوب کر کے حدیث نبوی قرار دینا موجب جہنم ہے تو وہ کیوں اور کس اصول کے تحت بکثرت مکذوبہ و خانہ ساز روایات کو انوار الباری میں دلیل بنا کر تحقیق و خدمت حدیث کے نام پر شائع کر رہے ہیں؟ کیا انھیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث نبوی میں وارد شدہ وعید شدید اور تہدید بلیغ کے سنگین نتیجہ کا احساس نہیں ہے؟

ثانیاً: جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنی مستدل اس حدیث کا ایک حصہ حذف کر دیا ہے جو ان کے خلاف حجت بالغہ اور رد بلیغ ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے کبار صحابہ بکثرت روایت حدیث کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ مصنف انوار نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اس قابل اعتراض رویہ کو دلیل کیوں بنایا جس کے سبب انھیں معذرت کرنی پڑی اور ان کبار صحابہ کے رویہ کو دلیل کیوں نہیں بنایا، جو فرمان نبوی کے مطابق بقول حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ بکثرت احادیث روایت کرتے تھے؟ فرمان نبوی کی تعمیل سے ایک معذور آدمی کی روش مصنف انوار کے لیے حجت بن گئی، مگر فرمان نبوی کی تعمیل کرنے والے کئی صحابہ کرام خصوصاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روش حجت نہیں بن سکی، یہ عجیب قسم کا طریق تحقیق ہے!

زیر بحث حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث امور ذیل کی حامل ہے:

۱۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں دوسرے کبار صحابہ، جن میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، بکثرت روایتِ حدیث کرتے تھے۔

۲۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا طریق عمل دوسرے صحابہ کے طرز عمل کے خلاف تھا۔

۳۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل پر ان کے بیٹے نے اعتراض کیا۔

۴۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کا جواب بطور معذرت یہ دیا کہ مجھے روایت حدیث میں غلط بات منہ سے نکل جانے کا خطرہ ہے۔

۵۔ باپ کی اس معذوری کے سبب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ چپ ہوگئے۔ گویا روایتِ حدیث کے سلسلے میں فرمان نبوی کی تعمیل

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹)

میں اگر کوئی آدمی معذور ہو تو قابل اعتراض نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مصنف انوار نے کبار صحابہ خصوصاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کی مدح و توصیف کرنے کے بجائے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی کے طرز عمل کی مدح سرائی کیوں کی؟ جب کہ وہ مدعی ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا جب وہ فقہی مسائل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنا مورث اعلیٰ مانتے ہیں تو روایتِ حدیث کے معاملے میں ان کے طرز عمل کو کیوں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے بالمقابل نازل و کم درجہ سمجھتے ہیں؟ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرے کبار صحابہ بھی موجود ہیں اور بدعویٰ مصنف انوار فرمان نبوی بھی ہے کہ احادیث نبویہ کی اشاعت کرو۔ جب بخاری کی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ والی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ کبار صحابہ بکثرت روایتِ حدیث کرتے تھے؟ تو مصنف انوار نے اس سے یہ استدلال کیوں کیا کہ روایتِ حدیث سے احتراز کرنا ہی کبار صحابہ کا شیوہ و شعار تھا؟ کہیں ایسا معاملہ تو نہیں کہ ؎

پڑھتا ہے بخاری جو بلا عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آتا ہے بخار اس کو بخاری نہیں آتی

جب بسند صحیح یہ بات ثابت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ روایتِ حدیث کم کرتے تھے تو ان کے بارے میں اگر یہ جھوٹا دعویٰ کیا جائے کہ انھوں نے بہت زیادہ احادیث بیان کیں اور فن حدیث پر بہت ساری کتابیں حتی کہ بیس سے زیادہ مسانید و کتب آثار تصنیف کیں، یا یہ کہ وہ حدیثوں کو لکھ کر ایک گھر بھرے ہوئے تھے تو بلاشبہ یہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔ پھر اسی طرح جب بااعتراف مصنف انوار اور بدلائل قویہ ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ بہت قلیل الحدیث تھے۔ تو ان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے کہ وہ حدیثوں کی کتابیں لکھ کر گھر بھرے ہوئے تھے؟

الحاصل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ و دیگر کبار صحابہ بکثرت روایت حدیث کرتے تھے اور مصنف انوار معترف ہیں کہ:

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ زمانہ خیر القرون کے مشاہیر فضل و کمال سے تھے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے، ان کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ: ''إنك علیم معلم'' ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آنے جانے میں کوئی پردہ نہیں تھا۔ صحابہ انھیں خاندان نبوت کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ علوم صحابہ کے سرچشمہ چھ صحابہ تھے۔ جن میں ایک یہ بھی تھے، ان چھ کے علوم صرف دو میں جمع ہو گئے، ایک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دوسرے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام ابوحنیفہ کے علمی خاندان کے مورث اعلیٰ وغیرہ ہیں۔''[1]

اپنی مذکورہ بالا تحریر کے ہوتے ہوئے مصنف انوار ابن مسعود کو غیر فقیہ کہہ کر یہ پروپیگنڈہ نہیں کر سکتے کہ ان کا طریق عمل کبار صحابہ کے خلاف تھا اور اگر ایسا کہنے کی جرأت کریں، تو ناظرین کرام انوار الباری میں مصنف انوار کی مذکورہ بالا تصریحات دکھلائیں تاکہ وہ راہ فرار نہ پائیں۔ واضح رہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکثرین صحابہ میں شمار کیا ہے۔[2]

---

[1] ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/ ۳۶ ۔ ۳۸)　[2] شذرات الذهب (۱/ ٦۳، واقعات ۵۷ھ)

کیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قلیل الحدیث تھے؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے متعلق مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد مصنف انوار فرماتے ہیں:

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے درخواست کی کہ حدیث بیان کیجیے، فرمایا کہ اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ حدیث میں کمی وبیشی ہوجائے گی تو میں تم سے ضرور بیان کرتا۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت طبقات ابن سعد (۳/ ۲۱۰ ق اول) میں بسند امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مروی ہے، لیکن اس کی سند میں یزید ابن الحوتکیہ کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا:

"لا یعرف، تفرد به موسی بن طلحة."[2]

تہذیب میں ان کا ذکر ہے، مگر کسی سے ان کی توثیق منقول نہیں۔ صرف یہ مذکور ہے کہ ابن حبان نے ان کا ذکر "الثقات" میں کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ "الثقات لابن حبان" میں کسی راوی کا تذکرہ اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ ثقہ ہے۔ (کما سیأتي)

اسی وجہ سے امام ذہبی نے انھیں مجہول "لا یعرف" اور حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں انھیں ''مقبول'' کہا، اور مقدمہ تقریب میں صراحت کی کہ "مقبول حیث یتابع وإلا فلین الحدیث" یعنی متابع کی حیثیت سے ان کی روایت قبول کی جا سکتی ہے، ورنہ فی نفسہٖ یہ راوی لین الحدیث (ضعیف) ہے۔ دریں صورت روایت مذکورہ کو صحیح ومعتبر کہہ کر دلیل بنانا درست نہیں، کیونکہ ابن الحوتکیہ بطور متابع اس روایت کا راوی نہیں ہے۔ نیز ابن الحوتکیہ سے یہ روایت امام صاحب نے بواسطہ موسیٰ بن طلحہ نقل کی ہے اور روایت حدیث کے معاملہ میں امام صاحب کا معتبر یا غیر معتبر ہونا بھی ایک مستقل مسئلہ ہے، جس پر تفصیلی بحث آ گے آ رہی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ روایت باعتبار سند ساقط الاعتبار ہے، مگر اس سے قطع نظر اس جگہ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اس روایت کی نقل میں اور اس کا معنی بیان کرنے میں حسب عادت مصنف انوار نے اپنی کرشمہ سازی دکھلائی ہے۔ وہ یہ کہ ابن الحوتکیہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"سئل عمر عن شيء، فقال: لولا أني أكره أن أزيد في الحديث أو أنتقص منه لحدثتكم؟ به."

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بات دریافت کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ اگر مجھے حدیث میں کمی بیشی سرزد ہوجانا ناپسند نہ ہوتا ہے تو میں اس سلسلے میں حدیث بیان کر دیتا۔

اس روایت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ پوچھی گئی چیز سے متعلق حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کمی بیشی صادر ہوجانے کا خطرہ تھا، اس لیے اس خاص باب سے متعلق انھوں نے حدیث بیان نہیں کی، کسی ایک معاملہ سے کسی حدیث کے بیان کرنے میں کمی بیشی کا خطرہ لاحق ہونے کی بنیاد پر اسے بیان کرنے سے احتراز اس بات کو ہرگز مستلزم نہیں کہ تمام احادیث کے معاملہ ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی رویہ وعمل تھا۔ نیز ابن الحوتکیہ کی غیر معتبر روایت سے مصنف انوار کے نکالے ہوئے نتیجہ ومعنی کی

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹، بحوالہ ابن سعد)　[2] میزان الاعتدال (۳/ ۳۰۹)

تکذیب کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ باعتراف مصنف انوار حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پانچ سو پینتالیس احادیث مروی ہیں۔[1]

امام ابن حزم نے فرمایا:

”إن عمر قد حدث بحديث كثير عن النبي صلى الله عليه وسلم فإن كان الحديث عنه مكروها فقد أخذ عمر من ذلك بأوفر نصيب، ولا يحل لمسلم أن يظن بعمر رضي الله عنه أنه نهى عن شيء، وفعله... فصح أنه كثير الرواية والحديث.“[2]

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو بہت ساری احادیث نبویہ روایت کی ہیں، اگر روایتِ حدیث ان کے نزدیک مکروہ تھی تو انھوں نے بہت کافی مقدار میں مکروہ کام کیا، حالانکہ کسی بھی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ حضرت عمر کے ساتھ یہ بدگمانی رکھے کہ انھوں نے ایک کام سے منع کیا ہو اور اسے خود بکثرت انجام بھی دیا ہو، لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کثیر الروایۃ والحدیث تھے۔

امام ابن حزم کے مذکورہ بالا قول کی صداقت و متانت اتنی واضح ہے کہ اس پر دلیل و ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں، اور اہل نظر پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ امام ابن حزم کا قول مذکور مصنف انوار کے اس دعوی کی تکذیب و تردید کے لیے بہت کافی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے۔

روایت حدیث سے جی چرانے والے اہل الرأی پر حضرت عمر کی نکیر:

مصنف انوار ایک طرف مدعی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایتِ حدیث سے احتراز کرتے تھے، دوسری طرف ان کی تکذیب کے لیے باسانید صحیحہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایسے اقوال موجود ہیں جن میں صراحت ہے کہ موصوف حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایتِ حدیث سے عاجز و قاصر اہل الرأی پر نہایت سخت الفاظ میں نکیر کرتے تھے۔

چنانچہ موصوف نے فرمایا:

”أصبح أهل الرأي أعداء السنن أعيتهم الأحاديث أن يعوها وتفلتت منهم أن يرووها فاستبقوها بالرأي، وفي لفظ إياكم وأصحاب الرأي فإنهم أعداء السنن أعيتهم الأحاديث أن يحفظوها فقالوا بالرأي وفي لفظ أصحاب الرأي أعداء السنن أعيتهم الأحاديث أن يحفظوها وتفلتت منهم أن يعوها واستحيوا حين سئلوا أن يقولوا لا نعلم فعارضوا السنن برأيهم فإياكم وأياهم.“[3]

یعنی اہل الرأی احادیث وسنن نبویہ کے دشمن ہیں، یہ بدنصیب لوگ چونکہ احادیث وسنن کے حفظ و ضبط سے عاجز و قاصر ہوتے ہیں، اس لیے ان کی روایت و ترویج کی صلاحیت سے بھی محروم ہوتے ہیں اور احادیث وسنن کے حفظ و ضبط اور ترویج و اشاعت کی صلاحیت سے محروم ہونے کے باوجود علمی مسائل کے جواب کے درپے

---

[1] ملاحظہ ہو: مقدمہ (١/ ٦٦) نیز شذرات الذهب (١/ ٦٣) و تلقيح الفهوم وغیرہ۔

[2] الأحكام لابن حزم (٢/ ١٤٠)

[3] إعلام الموقعين (١/ ٥٥) و جامع بيان العلم والإحكام لابن حزم.

ہوتے ہیں، اس لیے احادیث کے مقابلہ میں رائے و قیاس کا استعمال کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا اقوال کی سندوں کے بارے میں حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

"أسانيد هذه الآثار عن عمر في غاية الصحة."[1]

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول شدہ ان آثار کی سندیں صحیح ہیں۔

ناظرین کرام! حضرت عمر سے مروی ان اقوال کو ملاحظہ فرمائیں، جن کے ذریعہ موصوف نے احادیث وسنن کی روایت و حفظ سے عاجز و قاصر رہنے والے اہل الرأی کی شدید مذمت کی ہے اور انھیں دشمنانِ سنت قرار دیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر بذریعہ تحدیث و روایت حدیث کی ترویج و اشاعت کے حامی تھے، مگر مصنف انوار چونکہ مسخ و ردحقائق پر کمر بستہ ہیں، اس لیے اصل معاملہ کو الٹ کر اس پروپیگنڈہ میں مصروف ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے۔ خدمت علم و دین کے نام پر علمی و دینی حقائق کو مسخ و رد کرنے کی اتنی زبردست مہم چلانے والے مصنف انوار کا یہ دعوی عجیب ہے کہ ہم خالص علمی و تحقیقی و دینی نقطۂ نظر سے معتدل شاہراہ پر چلتے ہوئے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی انوار الباری میں لکھ رہے ہیں!!

احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گہری دلچسپی سے متعلق درج ذیل روایت قابل ذکر ہے:

"عن أبي موسیٰ الأشعري قال: بعثني إليكم عمر بن الخطاب أعلمكم كتاب ربكم وسنة نبيكم."[2]

یعنی اہل بصرہ کو خطاب کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے کہا کہ مجھے تمہارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں کتاب وسنت نبویہ کی تعلیم دوں۔

مذکورہ بالا روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کو احادیث کی ترویج و اشاعت سے گہری دلچسپی تھی۔ اس مفہوم کی روایات بہت کافی ہیں، ہم تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے، البتہ ایک روایت اور ملاحظہ ہو:

"عن عمر بن الخطاب قال: تعلموا الفرائض والسنة كما تتعلمون القرآن."[3]

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ علوم حدیث و فرائض اسی طرح حاصل کرو جس طرح علوم قرآن حاصل کرتے ہو۔

یہ روایت اس امر کو مستلزم ہے کہ حضرت عمر نے روایت حدیث کا حکم دیا، کیونکہ جب تک روایت حدیث نہیں ہوگی، کوئی شخص حدیث کا علم نہیں حاصل کر سکے گا۔ یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضرت عمر نے تمام ممالک اسلامیہ میں احادیث کی ترویج و اشاعت کرنے والے علماء و حکام و امراء کو مقرر کیا تھا اور انھیں اشاعتِ احادیث کا حکم بھی دیا تھا۔[4]

بعض روایات میں آیا ہے کہ کسی کسی موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی ایک صحابی کی بیان کردہ حدیث پر دوسرے صحابہ کی شہادت بھی طلب کرتے تھے، اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ حضرت عمر خبر واحد کو حجت نہیں مانتے تھے، ہم اس موضوع پر تفصیلی گفتگو آگے چل کر کریں گے، مگر اس قسم کی روایات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر چاہتے تھے کہ کسی بھی حدیث کو

---

[1] إعلام الموقعين (١/ ٥٥)　　[2] سنن دارمي (١/ ١١٤، نمبر ٥٦٦)

[3] جامع بيان العلم لابن عبدالبر (١/ ١٧٧ وغیرہ)　　[4] ملاحظہ ہو: زیر نظر کتاب کا (١/ ١٧٧)

صرف ایک ہی صحابی نہ بیان کرتا پھرے، بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہر حدیث کی ترویج و اشاعت کریں، تاکہ لوگوں میں ان کی شہرت ہو اور سبھی لوگ واقف ہو کر ان پر عمل کرسکیں۔ (كما سيأتي التفصيل)

افسوس ہے کہ جو روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زیادہ سے زیادہ علوم احادیث وسنن کی ترویج و اشاعت کی طرف توجہ دیتے تھے، انھیں بھی مصنف انوار جیسے لوگوں نے اپنے غلط نظریات کی تائید میں پیش کر رکھا ہے۔ ابھی اوپر عرض کیا گیا کہ باعتراف مصنف انوار حضرت عمر سے پانچ سو پینتالیس احادیث مروی ہیں اور یہ چیز بذات خود مصنف انوار کے اس دعویٰ کی تکذیب کرتی ہے کہ حضرت عمر روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی ان جھوٹے لوگوں کی تکذیب وتردید کی ہے جو یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ حضرت عمر روایت حدیث سے پرہیز کرتے تھے۔[1]

نیز ہم کہتے ہیں کہ حضرت فاورق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"سيأتي قوم يجادلونكم بشبهات القرآن فخذوهم بالسنن."[2]

یعنی کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو قرآن مجید کے مشتبہ المعانی الفاظ کو اپنے مقاصد فاسدہ کے لیے بطور دلیل استعمال کریں گے۔ لہٰذا تم ان کی گرفت احادیث نبویہ سے کرنا۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ: "تعلموا السنن"[3] "یعنی احادیث نبویہ کو سیکھو۔"

دریں صورت نام نہاد مدعیان علم کو یہ کہاں سے معلوم ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے؟ خصوصاً اس صورت میں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان موجود ہے کہ روایت حدیث سے احتراز بدنصیب اور محروم القسمت اہل الرای کرتے ہیں، جو احادیث نبویہ کے حفظ و ضبط اور بیان سے عاجز ہوتے ہیں، ایسے اہل الرای اور حرمان نصیب بدبختوں سے تم بچ کر رہو۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ روایت حدیث سے احتراز کرنے والے اہل الرآی بدنصیبوں سے اہل اسلام کو دور رہنے اور بچنے کی ہدایت کرتے تھے تو وہ خود کیوں کر روایت حدیث سے احتراز کرنے والے اہل الرائے میں شامل ہوجاتے؟ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو یہ فرماتے ہیں کہ روایت حدیث سے احتراز کرنے والے اعداء سنن اور دشمنان احادیث نبویہ ہیں، اور مصنف انوار انھیں اسی گروہ میں شامل کرنے کے درپہ ہیں!

اہل الرائے کا خاص وطیرہ یہ ہے کہ وہ غیر واقع شدہ اور غیر مسئولہ مسائل فرض کر کے ان کے جوابات مدون کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو ملعون قرار دیتے تھے۔[4]

اب دیکھنا یہ ہے کہ مصنف انوار اپنے طریق تحقیق میں کون سا رنگ اختیار کرتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو: جامع بيان العلم (٢/ ١٢١، ١٢٢، باب ذم الإكثار من الحديث و تأويل ذلك)

[2] ملاحظہ ہو: الإحكام لابن حزم (٢/ ١٤٠) و سنن دارمي و جامع بيان العلم.

[3] مفتاح الجنة (ص: ١٣٥، للسيوطي بحواله دارمي)

[4] سنن دارمي و جامع بيان العلم وابن حزم في الإحكام.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قلیل الحدیث ہونے پر بحث:

مصنف انوار فرماتے ہیں کہ:

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ الفاظ کی کمی بیشی کے ڈر سے روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے اور بہت کم روایت حدیث کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بہت زیادہ احتیاط کی تاکید کرتے تھے۔ ابو عمرو شیبانی نے کہا کہ میں ایک سال تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر رہا، دیکھا کہ شاذ و نادر کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے کوئی حدیث بیان کرتے تو ان پر خوف وخشیت کے سبب کپکپی طاری ہوجاتی۔ خوف کا سبب یہ تھا کہ مبادا حضور کی طرف جھوٹ یا غلط بات کی نسبت ہوجائے اور وہ جھوٹ پھیل جائے۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی مستدل حدیث زبیر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ صحابی نے حضرت ابن مسعود کو کثیر الحدیث بتلایا، لہٰذا روایت حدیث میں ابن مسعود کی احتیاط کا مطلب وہ ظاہر کرنا، جو مصنف انوار نے کیا ہے، سراسر تلبیس ہے، البتہ روایت حدیث میں احتیاط وتورع تو لازم ہی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے کبار صحابہ کے بالمقابل حضرت ابن مسعود کثیر الحدیث تھے، امام ابن الجوزی اور ذہبی نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابن مسعود آٹھ سو اڑتالیس احادیث نبویہ کے راوی تھے۔[2] صرف صحیح بخاری میں موصوف کی پچاسی احادیث موجود ہیں۔[3]

موصوف اپنے تلامذہ کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ:

"تذاكروا الحديث فإن ذكر الحديث حياته."[4]

یعنی تم احادیث کا مذاکرہ کرتے رہو، اسی سے احادیث زندہ رہیں گی۔

اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بدعویٰ مصنف انوار حضرت ابن مسعود فقہ حنفی کے مورث ہیں اور علوم ابن مسعود کے وارث علقمہ اور علقمہ کے امام ابراہیم نخعی اور نخعی کے حماد وارث ہیں۔[5]

نیز یہ تفصیل آگے آرہی ہے کہ علقمہ، نخعی اور حماد بھی ابن مسعود کی طرح کثیر الحدیث والروایۃ تھے اور یہ معروف بات ہے کہ وارثین علم اپنے مورثینِ علم کی علمی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی کو دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور دوسرے حنفی علماء ابن مسعود کے علمی وارث تھے تو اس پر یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ امام صاحب اور دوسرے حنفی علماء حضرت ابن مسعود وعلقمہ وغیرہ کی طرح کثیر الحدیث والروایۃ تھے، ورنہ اس کا دعویٰ بلا دلیل مسموع نہ ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب کو کثیر الحدیث ثابت کرنے کی کوشش میں اپنی ناکامی کا احساس کرتے ہوئے بادلِ ناخواستہ مصنف انوار نے انھیں قلیل الروایۃ مانا۔ پھر ان کی قلتِ روایت کو دلیلِ فضیلت قرار دیتے ہوئے کہا کہ امام صاحب شدت تقویٰ وتورع کے سبب روایت حدیث سے بہت زیادہ احتراز کرتے تھے۔ اہل نظر پر یہ بات کسی طرح بھی مخفی نہیں رہ سکتی کہ مصنف

---

[1] مقدمه أنوار الباري (١/ ١٩، ٢٠)
[2] تلقيح الفهوم (ص: ١٨٤) و شذرات الذهب (١/ ٦٣) و فتح المغيث.
[3] مقدمه فتح الباري (ص: ٤٧٥)
[4] سنن دارمي (١/ ٧٩) و فتح المغيث (ص: ٣٣١)
[5] مقدمه انوار (١/ ١٣٦۔ ١٣٨)

انوار کی یہ کھلی ہوئی تصریح اس امر کی دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہ صحابہ کبار کے طریق کار کے خلاف دوسرے طریقے پر گامزن تھے۔

اور چونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود اشاعت حدیث کی تاکید فرما چکے ہیں، اس لیے لازمی طور سے ماننا ہوگا کہ کبار صحابہ نے اس فرمان نبوی کی تعمیل کی، مگر یہ عجیب بات ہے کہ جن صحابہ کرام نے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا اور فرمان نبوی کی تعمیل میں زیادہ حصہ لیا، ان کے خلاف مصنف انوار نے ایک محاذ بنا لیا ہے، حتی کہ انھوں نے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث کی نشر و اشاعت کرنے والے کبار صحابہ کو غیر فقیہ کہا اور فرمایا کہ یہ لوگ اصول شریعت کے خلاف احادیث بیان کرتے تھے۔ پھر بعد کے حاملین علوم حدیث کی شان میں مصنف انوار نے جو کچھ کہا، اس سے ناظرین کسی حد تک واقف ہیں اور ان شاء اللہ واقف ہوں گے، حتی کہ ترجمان دیوبند ''القاسم'' جیسے غالی مقلد سے بھی برداشت نہ ہوسکا اور اس نے مصنف انوار کے خلاف احتجاج کیا، جیسا کہ اوائل کتاب میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ جن صحابہ نے احادیث نبویہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی ان کی تکسیر شان کے لیے ان کی دینی خدمت کی وقعت و عظمت گرانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہوئے سب سے پہلا کام مصنف انوار نے یہ کیا کہ ان کے طریق تکثیر روایت کو اکثر کبار صحابہ کہ طریق کے خلاف بتلایا اور دعویٰ کیا کہ صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی، حالانکہ موصوف یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ احادیث کی ترویج و اشاعت کا حکم خود رسول اللہ ﷺ نے دے رکھا ہے اور ہر صاحب عقل کی سمجھ میں یہ حقیقت بآسانی آسکتی ہے کہ حکم نبوی کی تعمیل میں سب سے زیادہ سرگرم عمل کبار صحابہ ہی رہا کرتے تھے، الا یہ کہ انفرادی طور پر جو کسی عذر کے سبب معذور ہو وہ مستثنیٰ ہے، اس سلسلے میں موصوف نے دوسرا کام یہ کیا کہ بکثرت روایت کرنے والے صحابہ کی بابت کہا کہ یہ لوگ اصول شریعت کے خلاف احادیث بیان کرتے ہیں۔

صدیق اکبر کی تقلیل روایت پر اجمالی نظر:

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ اپنے تقلیدی مقاصد کے پیش نظر جو لوگ تقلیل روایت کی مدح سرائی کو اپنا فریضۂ زندگی بنائے ہوئے ہیں، وہ اپنی تائید میں حضرت ابوبکر صدیق کی تقلیل روایت کا معاملہ بھی پیش کرتے ہیں، مگر وہیں ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ بعض عوارض و عوامل کے سبب ذاتی طور پر تقلیل روایت سے کام لینے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بذریعہ تحدیث و روایت احادیث کی نشر و اشاعت کی ترغیب دیتے اور فرمائش کرتے تھے اور حسب موقع وضرورت خود بھی احادیث کی تحدیث و روایت کا کام بذوق شوق کرتے تھے اور یہی حال ان تمام صغار و کبار صحابہ کا تھا جو کسی سبب سے تقلیل روایت پر مجبور تھے، اس سلسلے میں درج ذیل تفصیل قابل ملاحظہ ہے۔

کبار صحابہ کا ذوق تحدیث:

کبار و صغار صحابہ کرام میں احادیث نبویہ کی روایت و تحدیث کا اہتمام و ذوق بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا، اس سلسلے میں چند واقعات کا تذکرہ ضروری ہے، تاکہ اعداءِ سنن، منکرین حدیث اور ان کی لے میں لے ملا کر بات کرنے والے تقلید پرستوں کو اس پروپیگنڈے کی حقیقت معلوم ہو سکے کہ کبار صحابہ کرام کی اکثریت تحدیث و روایت حدیث سے اعراض کرتی اور تکثیر

روایت کرنے والے صحابہ پر نکیر و اعتراض کرتی تھی۔ حضرت براء کے باپ عازب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے حدیثِ ہجرت کے بیان کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت ابوبکر نے ان کے اس مطالبہ کو شدت تقویٰ و تورع کے خلاف نہیں بتلایا، بلکہ اس وقت کسی عذر کے سبب معذرت چاہی، مگر براء کے والد نے اپنے مطالبہ کو پھر دہرایا، حضرت ابوبکر نے ہجرت کی پوری سرگزشت سنا دی۔[1]

یہ حدیث اتنی طویل ہے کہ پچاسوں چھوٹی چھوٹی حدیثوں کے برابر ہے، اگر مصنف انوار کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی تو سرتاجِ کبار صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے براء کے والد کے مطالبہ کو مسترد کرتے ہوئے اتنی طویل حدیث کی تحدیث و روایت سے کیوں احتراز نہیں کیا؟

اسی طرح جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو ظاہر قرآن ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ اور ﴿يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ کے مطابق حضرت علی و عباس و فاطمہ رضی اللہ عنہم نے میراث نبوی میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا، اس موقعہ پر ابوبکر نے "نحن معشر الأنبياء لا نرث ولا نورث" (انبیاء کے یہاں وراثت نہیں چلتی) کی حدیث روایت کی۔ نہ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روایت حدیث کو کبار صحابہ کے منصب کے خلاف سمجھا نہ حاضرین صحابہ میں سے کسی نے اس پر اعتراض کیا اور نہ حضرت علی و عباس و فاطمہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو کلام ہوا۔ سب نے حدیث نبوی کے سامنے سر بھی جھکا دیا اور روایت حدیث پر کوئی نکیر بھی نہیں کی۔

اسی طرح انصار و مہاجرین کے درمیان مسئلہ خلافت پر واقع شدہ نزاع کے موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے "الأئمة من قریش" والی حدیث روایت کی اس پر جمعیۃ الانصار نے "آمنا وصدقنا" کہا، کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نہیں کہا کہ آپ کبار صحابہ میں سے ہو کر روایت حدیث کیوں کرتے ہیں؟

اسی طرح وفات نبوی کے بعد سوال پیدا ہوا کہ لاشۂ نبوی کو کس جگہ دفن کیا جائے؟ اس موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی روایت کی کہ انبیاء کی وفات کی جگہیں ہی ان کا مدفن ہوتی ہیں۔[2]

تمام صحابہ متفقہ طور پر اخبار آحاد کو مطلقاً حجت مانتے تھے:

حضرت ابوبکر کی بیان کردہ تینوں حدیثیں جس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش ہوئیں، وہ اخبار آحاد کی حیثیت رکھتی تھیں اور ہر حدیث بظاہر ظاہر قرآن اور اصول عامہ کے خلاف بھی تھی۔

پہلی حدیث آیت قرآنی: ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ اور ﴿يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ اور عام طور سے مرنے والوں کی تقسیم میراث کے متعلق آیات کے خلاف تھی۔

دوسری حدیث ظاہر قرآن ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ کے خلاف اور اس اصول عامہ کے خلاف تھی کہ "لا فضل لأحد على أحد"

---

[1] مسند أحمد مع تعليقات أحمد شاكر (١/ ١٥٤ تا ١٥٦، بسند صحيح و صحيحين بمعناها)

[2] موطأ امام مالک وطبقات ابن سعد وطبري وغیرہ۔

تیسری حدیث اس اصول عامہ کے خلاف تھی کہ تمام مردوں کو مقابر مسلمین میں دفن کیا جائے مگر اس کے باوجود بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اخبار آحاد کو پیش کیا۔ انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ ظواہر قرآن کے خلاف اخبار آحاد متروک ہوں گی، اور تمام کے تمام صحابہ نے اس پر عمل بھی کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس وقت ایسا کوئی فقیہ اعظم نہیں پیدا ہوا تھا جو اپنے اختراع کردہ اصول کے تحت ان احادیث نبویہ کو یہ کہہ کر رد کر دے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ احادیث نبویہ اخبار آحاد ہونے کے ساتھ ظواہر قرآن کے خلاف ہیں، اس لیے ناقابل قبول ہیں!

اس تفصیل سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ کبار صحابہ روایت حدیث کو شدت احتیاط و تورع کے خلاف نہیں سمجھتے تھے، وہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ تمام صحابہ اخبار آحاد کو متفقہ طور بلا کسی قید و شرط کے حجت مانتے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مصنف انوار نے خبر واحد کے قابل عمل اور حجت ہونے کے لیے جو شرائط بہت تفصیل کے ساتھ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایک شرط یہ بتلائی ہے کہ خبر واحد کسی اصول اسلام اور ظاہر قرآن کے معارض نہ ہو۔[1]

وہ جمیع صحابہ کے متفق علیہ فیصلے کے خلاف ہونے کے سبب باطل ہیں۔ اگر اہل الرای کا کوئی فقیہ یہ کہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ احادیث کو صحابہ نے معارض قرآن نہیں سمجھا اس لیے حجت بنا لیا تو ہم عرض کریں گے کہ آپ جن صحیح الاسانید اخبار آحاد کو معارض قرآن سمجھ بیٹھے ہیں، انھیں آپ کے علاوہ کوئی صاحب علم معارض قرآن نہیں سمجھتا، پھر آپ کو فہم قرآن کا ٹھیکیدار کیوں مان لیا جائے؟

یہ بات گزر چکی ہے کہ جس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود روایت کرتے تھے، اسی طرح دوسروں کو بھی روایت حدیث کا حکم دیتے تھے۔ اس جگہ ہم اس مضمون کی بعض اور روایت کا تذکرہ کر رہے ہیں تاکہ مصنف انوار کو زیادہ اطمینان ہو سکے۔

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑے کفن میں دیے گئے؟ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تین کپڑے۔[2]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسروں کو بھی حدیث کی روایت کا حکم دیتے تھے اور روایت حدیث کو شدتِ تورع کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صغار صحابہ میں ایک صحابی قبیصہ بن ذویب (متوفی ۸۶ھ و ۸۸ھ) ہیں، ان کا ترجمہ "العقد الثمين في تاريخ البلد الأمين" (٤/ ٣٧، ٣٨) و استیعاب في معرفة الأصحاب و إصابه وغیرہ میں ہے، انھیں دیدار نبوی کا شرف حاصل تھا۔ اگرچہ طبقات ابن سعد (۵/ ۱۳۱، ۶/ ۲۶۳، قسم دوم) میں انھیں ثقہ تابعی کہا گیا ہے، مگر بقول راجح وہ دیدار نبوی کے ثبوت کے سبب صحابی ہیں۔[3]

انھوں نے نقل کیا کہ میراث جدہ کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کر کے پوچھا کہ کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تو ایک صحابی نے کہا کہ ہاں۔ اسی کے مطابق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر دیا۔ اس طرح کی متعدد مثالیں ہیں اور صحیح العقل و سلیم الفطرت لوگوں کو حق فہمی کے لیے کافی ہیں۔

---

[1] انوار الباری (٨/ ١٠٩، ١١١)　　[2] موطأ مالك و بخاری وغیرہ.

[3] تقريب التهذيب وإكمال في أسماء الرجال لصاحب المشكوٰة.

فرمان نبوی کی تعمیل میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا جذبہ اشاعت حدیث:

کبار صحابہ میں بلند مقام رکھنے والے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۲ھ) نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا:

"أن لا يغلبونا على ثلاث: أن نأمر بالمعروف، وننهى عن المنكر، ونعلم الناس السنن."❶

یعنی تم سے لوگ تین باتوں میں آگے نہ بڑھنے پائیں یا تم کو لوگ تین باتوں میں مغلوب نہ کرنے پائیں:

(۱) امر بالمعروف، (۲) نہی عن المنکر، (۳) احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت بذریعہ درس و تدریس۔

اس فرمان نبوی سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت میں سرگرم رہنے کی خصوصی طور پر تاکید کی ہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطاب تمام صحابہ کو تھا اور اس کے راوی عظیم و کبیر صحابی حضرت ابو ذر ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ کبار صحابہ نے اس فرمان نبوی کی تعمیل کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور بیش از بیش اہتمام کے ذریعہ ترویج احادیث و سنن کو سعادت دارین کا وسیلہ سمجھا۔ چنانچہ فرمان نبوی کی تعمیل میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ موسم حج میں بمقام میدان عرفات درس حدیث دے رہے تھے اور طالبین علوم کی بھیڑ لگی ہوئی تھی، ایک آدمی نے آکر ان سے کہا کہ کیا آپ اس مشغلہ سے باز نہیں آئیں گے؟ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"أرقيب أنت علي؟ لو وضعتم الصمصامة على هذه، وأشار إلى قفاه، ثم ظننت أني أنفذ كلمة سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل أن تجيزوا علي لأنفذتها."❷

یعنی کیا تم میرے نگہبان ہو؟ بخدا اگر تم مجھے تلوار سے ذبح بھی کردو تو بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین (احادیث) کو بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔❸

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ترویج حدیث کے لیے حکم فاروقی:

امام حسن بصری رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ میں سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ میں احادیث نبویہ کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے بصرہ میں آکر لوگوں سے کہا:

"بعثني إليكم عمر بن الخطاب أعلمكم كتاب ربكم وسنة نبيكم."❹

یعنی مجھے امیر المؤمنین نے اس غرض سے بھیجا ہے کہ تم کو کتاب اللہ اور احادیث نبویہ کی تعلیم دوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ترویج احادیث نبویہ کے لیے بہت کوشاں رہتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے کبار صحابہ ہونے میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔❺

---

❶ سنن دارمي بسند صحيح، باب البلاغ عن رسول صلى الله عليه وسلم وتعليم السنن (۱/ ۱۱۱، نمبر ۵٤۹)

❷ سنن دارمی (۱/ ۱۱۲) حدیث نمبر (۵۵۱)

❸ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح بخاری، کتاب العلم (۱/ ۱۶) میں بھی اختصار کے ساتھ موجود ہے۔

❹ دارمی (۱/ ۱۱٤) حدیث نمبر (۵٦٦)

❺ نیز ملاحظہ ہو اسی کتاب کا: (ص: ۱۷۷ و ۱۹۷، ۱۹۸)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ صحابی کا حکم ترویجِ حدیث:

حضرت ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی (متوفی ۸۱ھ و ۸۶ھ) کے شاگرد امام سلیم بن عامر کلاعی (متوفی ۱۳۰ھ) نے کہا کہ:

"كان أبو أمامة إذا قعدنا إليه يجيئنا من الحديث أمر عظيم، ويقول للناس: اسمعوا واعقلوا وبلغوا عنا ما تسمعون." ❶

یعنی حضرت ابو امامہ حدیث کے بارے میں ہم سے ایک بہت عظیم بات کہتے تھے کہ لوگو! احادیث نبویہ کو سنو (یعنی سیکھو اور حاصل کرو) انھیں سمجھو اور دوسروں کو بھی پڑھاؤ۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ جلیل القدر صحابی خود بھی احادیث نبویہ کی اشاعت کا اہتمام کرتے تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔ نیز ابو العالیہ نے کہا کہ:

''ہم کو بصرہ میں غیر لوگوں کے توسط سے احادیث نبویہ معلوم ہوتی تھیں، اس لیے ہم نے مدینہ منورہ کا سفر کر کے صحابہ کی درسگاہوں میں حاضر ہو کر ان سے بالمشافہ حدیثیں حاصل کیں۔'' ❷

اس سے بھی معلوم ہوا کہ کبار صحابہ احادیث بیان کرتے تھے۔ نیز عکرمہ نے کہا کہ:

"كان ابن العباس يعلّمني الكتاب والسنن." ❸

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ مجھے کتاب وسنن نبویہ کی تعلیم دیتے تھے۔

اشاعت حدیث کے لیے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا حکم:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تذاكروا الحديث، فإن الحديث يهيج الحديث." ❹

یعنی حدیث کا مذاکرہ کیا کرو، اس سے بھولی بسری حدیثیں بھی یاد ہو جاتی ہیں۔

اس طرح کی تاکید حضرت ابن عباس، عبدالرحمٰن بن ابی صدی، ابن عمر، ابن مسعود اور دیگر صحابہ کبار و صغار اور تابعین سے بھی منقول ہے۔ ❺

کثرتِ روایت پر اعتراض:

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کبار صحابہ کے سرتاج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث کی ترغیب دیتے، اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور ترویج احادیث کا حکم بھی دیتے تھے۔ نیز وہ ابن مسعود بھی بکثرت روایت حدیث کرتے تھے جن کو مصنف انوار مورث فقہ حنفی کہتے ہیں۔ اس کے برعکس مصنف انوار کثرت روایت کے بالمقابل تقلیل روایت

---

❶ سنن دارمی (۱/ ۱۱۱، ۱۱۲) حدیث نمبر (۵۵۰)
❷ سنن دارمی (۱/ ۱۱۲) حدیث نمبر (۵۵۲)
❸ دارمی (ص: ۱۱۳) حدیث نمبر (۵۵۹)
❹ سنن دارمی (ص: ۱۱۹) حدیث نمبر (۶۰۱)
❺ سنن دارمي و جامع بيان العلم و كتاب العلم لأبي خيثمه و عام كتب تراجم صحابه و تابعين وكتب مصطلح حديث.

کے مداح ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ فرمانِ نبوی وحکم قرآن کی تعمیل میں زیادہ سے زیادہ روایت حدیث کرنے والے صحابہ پر ہونے والے بےمحل اعتراضات کو مصنف انوار نے بذوق وشوق اپنی تسکین خاطر کے لیے نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ بعنوان ''صحابہ میں کثرت روایت'' فرماتے ہیں:

''دوسری طرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے صحابہ بھی تھے جو بڑی کثرت سے روایت حدیث کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث پر تو کچھ کو اعتراض بھی ہوا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بڑی کثرت سے احادیث روایت کر دیں ہیں اگر قرآن مجید میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی روایت نہ کرتا۔ پھر وہ آیات تلاوت کرتے جن میں حق تعالیٰ نے کتمانِ حق و ہدایت پر وعید فرمائی ہے۔'' الخ [1]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ فرمان قرآنی اور حکم نبوی پر زیادہ سے زیادہ عمل کرتے ہوئے بکثرت روایت حدیث کرنے والے صحابہ خصوصاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں کیا کچھ تحریر کر رکھا ہے؟ حالانکہ کثرت روایت پر ہونے والے جن اعتراضات کی طرف مصنف انوار نے اشارہ کیا ہے، ان اعتراضات کی لغویت وقباحت حضرت ابوہریرہ کے اس بیان سے ظاہر ہے جس کو خود مصنف انوار نے اپنی مذکورہ عبارت میں درج کر رکھا ہے۔ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمان قرآنی کی تعمیل میں کثرت روایت کے طریق پر گامزن تھے، لہٰذا کثرت روایت پر ہونے والے اعتراضات بے جا و بےمحل تھے۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا کسی بھی صحابی کی کثرت روایت پر بے جا و بےمحل اعتراض کی لغویت اگرچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے واضح ہے، جس کو خود مصنف انوار نقل کر چکے ہیں، مگر مسخ و رد حقائق کے بے پناہ جذبے و ذوق نے مصنف انوار کو حقائق کے ادراک واحساس سے اس قدر محروم کر دیا ہے کہ موصوف اپنی ہی پیش کردہ باتوں کا معنی و مطلب نہیں سمجھ پاتے۔ حکم قرآنی وفرمان نبوی کی تعمیل میں بکثرت روایت کرنے والے صحابہ کے خلاف مصنف انوار نے آگے چل کر زیادہ جرأت دکھلائی ہے، ہم بھی آگے چل کر اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ اس جگہ ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ایک عرصہ سے دیوبندی پریس مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلاف سراپا احتجاج بن کر یہ شور وغل مچانے میں مصروف ہے کہ موصوف مولانا مودودی صحابہ کرام کو بھی تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے، مگر مصنف انوار بذات خود بکثرت روایت کرنے والے صحابہ پر تنقیدوں کا جو دروازہ کھولے ہوئے ہیں تو اس کا نام خالص علمی و دینی وتحقیقی خدمت اور معتدل ومتوازن طریق کار رکھے ہوئے ہیں۔

کثرتِ روایت پر معترضین کے اعتراض کی لغویت وقباحت ظاہر کرتے ہوئے امام ابن حزم نے کیا خوب کہا ہے کہ:

"وقولهم هذا دحض بالبرهان الظاهر، وهو أنه يقال لمن ذم الإكثار من الرواية: أخبرنا عن الرواية لحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم أخير هي أم شر؟ ولا سبيل إلىٰ وجه ثالث فإن قال هي خير، فالإكثار من الخير." خير الخ [2]

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۲۰)　　[2] الإحكام (۲/ ۱۳۵)

یعنی کثرتِ روایتِ حدیث کی مذمت کرنے والوں کا قول ظاہر و باہر دلیل سے باطل ہے، وہ یہ کہ ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ بتلاؤ حدیث نبوی کی روایت اچھا کام ہے، یا برا کام ہے؟ ان دونوں باتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت نہیں۔ اگر یہ لوگ کہیں کہ یہ کام اچھا ہے تو اچھا کام جتنا زیادہ کیا جائے اچھا ہوگا اور اگر کہیں کہ روایت حدیث برا کام ہے تو برا کام خواہ کتنا ہی کم ہو برا ہے، لہٰذا اس کی تھوڑی سی مقدار بھی مذموم ہی ہوگی، حالانکہ یہ لوگ تقلیل روایت پر خود عمل پیرا ہیں، لہٰذا انھیں ماننا ہوگا کہ وہ شر کی تعلیم کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ پھر ان سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ روایت کی کثرت وقلت کی وہ مقدار جو حد مذمت سے باہر ہو اور مستحب ہو اس کی تعیین کرو، اگر یہ لوگ اس کی کوئی حد مقرر کریں تو بلا شبہ ان کی یہ تحدید بلا دلیل ہونے کے سبب باطل فعل ہوگی اور ایک طرح کی شریعت سازی ہوگی، اور اگر یہ لوگ روایت کی قدر مذموم و مستحب کو متعین نہ کرسکیں تو یہ اور بھی زیادہ برا ہوگا، کیونکہ انھیں یہی پتہ نہیں کہ وہ کس چیز کی مذمت یا مدح کر رہے ہیں اور یہ طور وطریق یقیناً گمراہی ہے، جس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ احادیث و آثار اور قرآن میں حصول تفقہ اور مروی احادیث کا حفظ و ضبط ہی خیر ہے، اگر احادیث نبویہ کی بکثرت روایت اچھی چیز نہیں ہے تو کیا وہ تقلید پرستی اچھی چیز ہے جس کا التزام جاہل و فاسق لوگ کرتے ہیں...؟'' الخ

کوئی شک نہیں کہ امام ابن حزم کے اس فرمان میں مصنف انوار کی بھرپور تکذیب وتردید کا مدلل سامان موجود ہے۔

صحابہ میں فقہا ومحدثین:

یہ فرمان فاروقی ذکر ہو چکا ہے کہ حفظ و روایت حدیث کی صلاحیت سے محروم رائے و قیاس سے کام بنانے والے گمراہ و گمراہ کن اہل الرائے سے دور رہو اور غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل کے ساتھ اشتغال فعل ملعون ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرو۔ دریں صورت کوئی صاحب عقل شخص یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ صحابہ کرام میں پائے جانے والے جن فقہاء اور ان کے تفقہ کی مدح کتب اہل علم میں منقول ہے، اس سے ان فقہائے اہل الرائے اور ان کے طریق تفقہ کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے، جو غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل میں زندگی بھر مصروف رہتے اور حفظ و روایت حدیث سے عاجز ہونے کے سبب حفظ و روایت حدیث سے بہت دور رہا کرتے ہیں۔ اس لیے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار نے اپنی درج ذیل عبارت میں صحابہ کرام کے درمیان پائے جانے والے دو طبقات کا ذکر کرتے ہوئے فقہائے صحابہ کی جو فضیلت بیان کی ہے، اس سے فقہائے اہل الرائے اور ان کی فقہ کی فضیلت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مصنف انوار ''صحابہ میں فقہاء ومحدثین'' کا ایک عنوان قائم کر کے فرماتے ہیں:

''صحابہ میں دو قسم کے حضرات تھے، ایک وہ جو ہمہ وقت حفظ و روایت حدیث میں لگے رہتے تھے، دوسرے وہ جو نصوص میں تدبر وغور کر کے احکام جزئیہ نکالتے اور استنباط وتفقہ پر پوری طرح صرف ہمت کرتے تھے۔ یہ لوگ احادیث کو پورے تثبت وتحقیق اور مسلمہ قواعدِ شریعت پر جانچنے کے بعد معمول بہا بناتے تھے۔'' الخ[1]

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰)

اپنے مذکورہ بالا بیان کو جاری رکھتے ہوئے موصوف مصنف انوار نے ''فقہاء کی افضلیت'' کا عنوان قائم کیا ہے۔ پھر فقہ وفقہاء کی فضیلت میں حافظ ابن قیم کا طویل بیان نقل کیا ہے، اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ موصوف نے یہاں فقہ وفقہاء کی جو فضیلت ذکر کر رکھی ہے، اس سے وہ فقہائے اہل الرائے اور ان کی فقہ کا کوئی ربط وتعلق نہیں جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ یہ لوگ حفظ و روایت حدیث سے عاجز وقاصر رہتے ہیں، مگر رائے وقیاس کے ذریعہ استنباط احکام وتخریج مسائل میں بہت زیادہ مصروف رہا کرتے ہیں۔

فقہاء کی افضلیت:

مندرجہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے حافظ ابن قیم کی کتاب "الوابل الصیب في الكلم الطيب" کے حوالے سے فقہاء کی فضیلت اس خیال سے بیان کی ہے تا کہ اس سے فقہاء اہل الرای کی فضیلت ثابت کی جا سکے، حالانکہ اس میں بھی مصنف انوار نے تلبیس سے کام لیا ہے، کیونکہ حافظ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ:

"فالطبقة الأولیٰ أهل رواية ودراية والطبقة الثانية أهل دارية ورعاية، ولهم نصيب من الدراية بل حظهم من الرواية أو فر، والطبقة الثالثة الأشقياء لا رواية ولا دراية ولا رعاية إن هم إلا كالأنعام بل هم أضل سبيلا." [1]

یعنی فقہاء کا طبقہ حفظ و روایت حدیث کے ساتھ درایت سے بھی کام لینے والا ہوتا ہے (اس کی مثال میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اوپر امام مالک، شافعی، اوزاعی، اسحاق، بخاری، احمد، ابوداود، محمد بن نصر کا نام لیا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے ہم مسلک اہل الرای کا نام نہیں لیا) اور دوسرا طبقہ حفظ و روایت والا ہوتا ہے اسے درایت سے بھی تھوڑا بہت سروکار ہوتا ہے مگر حفظ و روایت میں اسے حظ وافر حاصل ہوتا ہے (اس طبقہ میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ابو زرعہ، ابو حاتم و بشار کا نام لیا ہے) اور ایک تیسرا طبقہ ہے جسے نہ تو روایت و درایت سے سروکار ہوتا ہے، اور نہ حفظ سے۔ وہ چوپایہ جانوروں کی طرح بلکہ اس سے بھی گمراہ تر ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کے لیے بھی حفظ و روایتِ حدیث نہایت ضروری چیز ہے۔ وہ حفظ و روایت حدیث میں بھی بہت پختہ کار ہوتے ہیں، مگر مصنف انوار نے امام ابو حنیفہ کی سب سے بڑی فضیلت یہ قرار دی ہے کہ وہ شدت تورع اور احتیاط کی بناء پر روایت حدیث سے بے حد پرہیز کرتے تھے، حتی کہ بقول شاہ ولی اللہ امام ابو حنیفہ نے کبھی بھی طریق محدثین کے مطابق روایت حدیث نہیں کی۔ البتہ موصوف نے غیر واقع شدہ فرضی مسائل کی تدوین زندگی بھر کی، جس کو تمام صحابہ نے ممنوع کہا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حافظ ابن قیم نے اپنی مختلف کتابوں میں فقہاء اہل الرای کی حقیقت بیان کی ہے۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

فقہاء علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی نظر میں:

مصنف انوار نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت حافظ ابن قیم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ:

''ابن عباس اگرچہ پوری دنیا کے عالم ربانی اور ترجمان القرآن ہیں۔ انھوں نے صحابہ سے اگرچہ بہت سی احادیث

---

[1] الوابل الصيب (ص: ٧٤)

سنیں، مگر رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت حدیث کی تعداد بیس تک بھی نہیں پہنچتی۔ خدا نے انھیں ایسی سمجھ اور قوت استنباط عطا کی کہ ساری دنیا کو انھوں نے علم فقہ سے بھر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ حافظ حدیث ہیں، بلکہ ان کو حافظ امت کہا جائے تو بجا ہے، لیکن کہاں ان کے فتاویٰ وتفسیر اور کہاں ابن عباس کے؟ وجہ ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی پوری کوشش حفظ حدیث و روایت پر مصروف تھی اور ابن عباس کی استنباط وتفقہ پر۔"❶

زبان نبوی سے ابن عباس نے کم حدیثیں کیوں سنیں؟

ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ابن عباس کی روایت براہ راست اس لیے کم ہیں کہ وفات نبوی کے وقت ان کی عمر بہت کم تھی، ورنہ وفات نبوی کے بعد انھوں نے احادیث نبویہ کا علم زیادہ سے زیادہ توجہ صرف کر کے سیکھا اور اسے بذریعہ روایت و تحدیث دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ ان کا طریق استنباطِ مسائل ان اہل الرای کے طریق استنباط سے مختلف تھا جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ حفظ و روایت حدیث سے عاجز و قاصر رہنے کے سبب قیاس و رائے کے ذریعہ استنباط مسائل کرتے ہیں، اور اہل علم کی تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث نبویہ کے راوی ہیں۔❷

مگر بدعویٰ مصنف انوار امام ابو حنیفہ شدت تورع کے سبب روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے، لیکن زندگی بھر غیر واقع شدہ فرضی مسائل کی تدوین میں مصروف رہے تھے، حالانکہ غیر واقع شدہ مسائل سے اشتغال بقول فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فعل ملعون ہے۔ ظاہر ہے کہ کلام ابن قیم میں حضرت ابن عباس کے بیان کردہ تفقہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک طرف کمال تقوی اور شدت احتیاط وتورع کی بناء پر حفظ و روایت حدیث سے بحد احتراز وفرار ہو اور دوسری طرف غیر واقع شدہ فرضی امور سے متعلق سوالات کے جوابات اور بلا استفتاء مفروضہ مسائل کے حل نیز قیاسی مسائل کے استخراج سے اشتغال ہو، بلکہ ابن قیم کے بیان کردہ تفقہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ واقع شدہ معاملات سے متعلق پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے سب سے پہلے روایت و حفظ حدیث کی طرف توجہ دی جائے اور حدیث کے ذریعہ ان مسائل کو حل کیا جائے، البتہ اگر حدیث نہ ملے تو اجتہاد کرے۔ (كما سيأتي التفصيل)

یہ ایک حقیقت ہے کہ مشکل اور پیچیدہ مسائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے اور ان سے حدیث و مسائل سیکھتے۔ جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ کے شاگرد تھے اور مصنف انوار ہی کا دعویٰ ہے کہ استاذ کا مرتبہ زیادہ بڑا ہوتا ہے نہ کہ شاگرد کا۔❸

مکثرین صحابہ پر فقہائے صحابہ کی تنقید:

یہ مذکور ہو چکا ہے کہ اپنے تقلیدی مقاصد کے پیش نظر مصنف انوار کثرت روایت کے بجائے تقلیل روایت کے مداح ہیں اور یہی نہیں بلکہ کثرت روایت کے خلاف بے پناہ جذبہ تنقید و ذوقِ طعن وتعریض رکھتے ہیں۔ چنانچہ اپنے اسی ذوق و جذبہ کی تسکین کے لیے موصوف نے بکثرت روایتِ حدیث کرنے والے صحابہ کو بھی نشانہ نقد ونظر اور ہدف طعن وتعریض بناتے ہوئے کہا کہ:

❶ مقدمه انوار، ملخصاً (۱/ ۲۱)　❷ تدريب الراوی (ص: ۴۰۳) و تلقيح المفهوم (ص: ۱۸۴) و فتح المغيث (ص: ۳۷۹)

❸ مقدمه انوار (۱/ ۵۳)

''عہد صحابہ میں ایسے واقعات بھی بکثرت ملتے ہیں کہ فقہاء صحابہ نے کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ پر تنقیدیں کیں، خصوصاً ان احادیث پر جو اصول وقواعد شرع کے خلاف کسی مضمون کی حامل تھیں اور اس سلسلے میں ابو ہریرہ کی مشہور حدیث بطور مثال پیش ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد انھوں نے نقل کیا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو جاتا رہتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ کیا گرم پانی سے وضو کرنے کے بعد پھر سے وضو کرنا پڑے گا؟ یہ ایک اصولی اعتراض تھا کہ حضور کا فرمان اصول وقواعد شرعیہ کے خلاف نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس کا جواب اصول وقواعد شرعیہ سے تو ممکن نہ تھا، اس لیے حضرت ابو ہریرہ بولے: اے میرے بھتیجے! جب تم کوئی حدیث رسول ﷺ سنا کرو تو اس کے خلاف معارضہ کرنے کے لیے مثالیں مت نکالا کرو۔ اسی طرح سیدہ فقہاءِ امت حضرت عائشہ صدیقہ کے استدراکات حضرت ابو ہریرہ اور دوسرے صحابہ کی حدیثی روایات پر مشہور ہیں، جن میں سے اکثر کا ذکر علامہ سیوطی نے ''عين الإصابة فيما استدركته السيدة عائشة على الصحابة'' میں کیا ہے۔[1]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے تمام مکثرین صحابہ خصوصاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نشانہ تنقید بنایا ہے، اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی مکثرین صحابہ میں شامل ہیں، جن کو مصنف انوار اپنے تقلیدی مذہب کا مورث قرار دیتے ہیں، صاف ظاہر ہے کہ موصوف ابن مسعود بھی مصنف انوار کے اس ذوق تنقید کے نشانہ بنتے ہیں۔ (كما لا يخفى على العاقل) اور کبار صحابہ کے سرتاج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ بھی چونکہ روایت وتحدیث احادیث کی ترغیب دیتے ہوئے ترویج احادیث کا حکم جاری کیے ہوئے تھے، اس لیے وہ بھی مصنف انوار کے طعن سے محفوظ نہیں۔ (نعوذ باللہ)

مکثرین صحابہ پر تنقید میں مصنف انوار کا ایک عملی تضاد:

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے مندرجہ بالا بیان میں بکثرت روایت حدیث کرنے والے صحابہ کو نشانہ تنقید بناتے ہوئے یہ کہنے کی بھی جرأت کر ڈالی کہ یہ مکثرین صحابہ اصول وقواعدِ شرع کے خلاف احادیث بیان کرتے تھے۔ پھر مصنف انوار نے اصول وقواعدِ شرع کے خلاف ان صحابہ کی بیان کردہ احادیث میں سے بطور مثال حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ اس حدیث کا ذکر کیا، جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو جاتا رہتا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار حدیث مذکور کو شریعت کے اصول وقواعد کے خلاف قرار دیتے ہیں مگر اصل شریعت کے خلاف قرار دی ہوئی اس حدیث پر آگے چل کر موصوف نے بحث ونظر شروع کر دی۔ اس حدیث پر اپنی طویل بحث میں موصوف نے بتلایا کہ انوار الباری جن علامہ انور شاہ کا مجموعہ افادات کہہ کر شائع کی جا رہی ہے، وہ اور دوسرے محدثین کرام اسے صحیح مانتے ہیں۔ کچھ اہل علم اسے منسوخ کہتے اور کچھ ناسخ کہتے اور کچھ اسے اپنی جگہ پر برقرار مانتے ہیں۔ یعنی نہ اسے ناسخ مانتے ہیں اور نہ منسوخ، بلکہ اس کا حکم ہمیشہ سے رہا اور ابھی بھی باقی ہے، لیکن اس میں جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل واجب کے بجائے مستحب ہے۔ مصنف انوار نے اپنے استاد علامہ انور کا قول وفتویٰ اس حدیث کی بابت یہ نقل کیا ہے کہ یہ

[1] مقدمہ انوار (١/ ٢١، ٢٢)

حدیث اپنی جگہ پر محکم و صحیح ہے، مگر اس کا حکم صرف خواص امت کے حق میں ہے اور وہ بھی بطور استحباب۔[1] مصنف انوار نے اپنے سلسلہ کلام میں اس حدیث کو قطعیت کے ساتھ منسوخ قرار دینے والے اہل علم خصوصاً امام ابن حزم پر نکیر بھی کی ہے اور اس خیال کی تردید کی طرف بھی موصوف مائل نظر آتے ہیں۔[2]

ایک طرف حدیث مذکور کی روایت کرنے کے سبب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنے اور حدیث مذکور کو اصول شریعت کے خلاف قرار دینے کے باوجود دوسری طرف اسے قطعیت کے ساتھ منسوخ قرار دینے والوں پر نکیر اور اسے محکم و قابل عمل بتلانے والوں کی حمایت و طرفداری عجیب سی روش ہے۔ جو حدیث مصنف انوار کے نزدیک اصول شریعت کے خلاف ہے، وہ محکم و قابل عمل اور صحیح کیونکر ہوگئی؟ اس موضوع پر مفصل گفتگو آگے آئے گی۔ مصنف انوار کے ممدوح علامہ سرخسی نے کہا کہ صحابہ پر طعن کرنے والا ملحد و کافر ہے۔[3]

مصنف انوار کا نشانہ تنقید بننے والے صحابہ کرام:

مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا طویل بیان میں جس حدیث نبوی کی روایت کرنے کی وجہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا ہے، اسی حدیث کو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی روایت کرنے والی ہیں، جن کو مصنف انوار نے اپنے اسی بیان میں سیدہ فقہاء امت قرار دیا ہے۔[4]

نیز حدیث مذکور حضرت زید بن ثابت، ابوطلحہ، ابوموسیٰ، سہل بن حنظلیہ، ام المؤمنین ام حبیبہ، ام سلمہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، ابوسعد الخیر، ابوایوب انصاری، عبداللہ بن زید، سلمہ بن سلامہ بن وقش، محمد بن مسلمہ، جابر بن عبداللہ، ابوعبداللہ بن ابی اُمامہ البلوی وغیرہم سے مروی ہے۔[5]

ظاہر ہے کہ یہ سارے صحابہ مصنف انوار کے نشانہ تنقید بن رہے ہیں، ان صحابہ میں سے حضرت زید کو مصنف انوار نے عظیم ترین فقہائے صحابہ میں شمار کیا ہے۔[6]

ناظرین کرام! مصنف انوار سے پوچھیں کہ حدیث مذکور کی روایت کرنے کی وجہ سے کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و زید رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ مذکورین بھی غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کے بیان کرنے والے قرار پا گئے؟ اگر مصنف انوار ان صحابہ کرام کو بھی غیر فقیہ اور خلاف اصولِ شرع احادیث کے روایت کنندہ کہیں، کیونکہ ان سے کچھ مستبعد نہیں کہ تقلید پرستی و مسخ حقائق کے بے پناہ جذبہ سے مغلوب ہو کر ایسا کر ڈالیں، تو ناظرین کرام انھیں انوار الباری کی وہ عبارتیں دکھلائیں جن میں انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و زید رضی اللہ عنہ کو عظیم ترین فقہائے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حاصل یہ کہ مصنف انوار اور ان کی تقلیدی پارٹی نے

---

[1] انوار الباری (٦/ ١٠ تا ١٧)　[2] انوار الباری (٦/ ١٣، ١٤)　[3] أصول سرخسی (٢/ ١٣٤)

[4] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٣٥٣) سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (٤٨٦) مسند أحمد (٦/٨٩)

[5] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد، باب الوضوء مما مست النار (١/ ٢٤٨، ٢٤٩) و متفرق کتب حدیث مثلاً جامع ترمذي مع تحفة الأحوذی (١/ ٨١، ٨٢) و سنن نسائي مع تعليقات سلفية (١/ ٢٤) و كتاب الاعتبار للحازمي (ص: ٥١، ٥٢) و سنن بيهقي (١/ ١٥٥، ١٥٦ وغيره)

[6] مقدمه انوار (١/ ٣٧ و ٦٩)

اپنی تحریک مسخ حقائق کو کامیاب بنانے کے لیے صحابہ پر بھی دروازہ تنقید کھول دیا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مکثرین صحابہ کو اپنے مندرجہ بالا بیان میں نشانہ تنقید بنا کر مصنف انوار نے ان حضرت ابن مسعود کو بھی نہیں بخشا، جن کی بابت وہ مدعی ہیں کہ یہی ابن مسعود فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ ہیں، کیونکہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ ابن مسعود بھی مکثرین صحابہ میں سے تھے۔ حتی کہ مصنف انوار الباری کی اس بات سے وہ ابن عباس بھی ہدف تنقید بنتے ہیں جن کا قول موصوف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کے لیے نقل کیا ہے، کیونکہ وہ بھی مکثرین حدیث میں سے تھے اور ان پر بھی متعدد صحابہ کی طرف سے متعدد معاملات میں اعتراضات ہوئے۔

کثیر الحدیث صحابہ پر طعن مصنف انوار کا جواب:

مصنف انوار نے جس معاملہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کر رکھا ہے، اس کی پوری تحقیق ہو جانی چاہیے، تا کہ اصل حقیقت سامنے آ جائے۔ ہم نے ذیل میں اس معاملہ کی تحقیق کی کوشش کی ہے، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

اہل نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ متعدد آیات قرآنیہ کے احکام منسوخ ہوگئے ہیں مگر ان کی تلاوت کا رواج صحابہ کے زمانے سے آج تک چلا آ رہا ہے، اسی طرح بہت سی احادیث نبویہ بھی منسوخ ہوگئی ہیں، مگر ان کی نقل و روایت کا سلسلہ صحابہ کے زمانہ سے لے کر آج تک چلا آ رہا ہے۔ بسا اوقات بعض صحابہ کسی خاص وجہ سے نسخ پر ناواقفیت کے باعث منسوخ شدہ آیات و احادیث پر عمل پیرا رہے اور ان کی تلاوت و روایت کرتے اور دوسروں کو بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، یہ صورت حال عظیم ترین فقیہ صحابہ کو بھی پیش آتی رہی ہے۔

مثلاً بعض منسوخ شدہ آیات و احادیث میں نکاح متعہ کی اجازت ہے اور اس پر ابتداء میں عمل بھی تھا، مگر جن عبداللہ بن مسعود کو مصنف انوار فقہ حنفی کا مورثِ اعلیٰ بتلاتے ہیں ان کو وفات نبوی کے بعد بھی حکم نکاح متعہ کے منسوخ ہونے کی اطلاع نہیں ہو سکی تھی، اس لیے وہ نکاح متعہ کے جواز کا فتوی دیتے اور دلیل میں ان آیات و احادیث کو پیش کرتے جو جواز نکاح متعہ کے سلسلے میں نازل و وارد ہوئی ہیں۔[1] امام ابن حزم و نووی وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ وفات نبوی کے بعد بھی حضرت ابن مسعود نکاح متعہ کے جواز کے قائل تھے۔[2]

لیکن بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں ابن مسعود نے اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا تھا، چنانچہ حکم بن عتیبہ وغیرہ نے ابن مسعود کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:

"المتعة منسوخة نسخها الطلاق والصداق والعدة والميراث."[3]

نیز بعض روایات ہیں، صحیح بخاری و مسلم والی مندرجہ بالا حدیث کے بعد ابن مسعود کا یہ قول بھی منقول ہے کہ:

"ثم جآء تحريمها بعد، وفي لفظ: "ثم ترك ذلك" وفي لفظ: "ثم نهانا"[4]

---

[1] صحيح بخاري: كتاب التفسير سورة مائده و كتاب النكاح، باب ما يكره من التبتل والخصا و صحيح مسلم: كتاب النكاح.

[2] شرح مسلم للنووي: كتاب النكاح، والمحلى لابن حزم: كتاب النكاح، و نيل الأوطار.

[3] سنن بيهقي (٧/ ٢٠٧) و مصنف عبدالرزاق (٧/ ٥٠٥)

[4] سنن بيهقي (٧/ ٢٠٧) و مصنف عبد الرزاق (٧/ ٥٠٦) و نيل الأوطار: كتاب النكاح.

یعنی نکاح متعہ کی اباحت کے بعد ممانعت ہوگئی۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ وفات نبوی کے بعد ایک عرصہ تک ابن مسعود نکاح متعہ کے نسخ پر واقف نہیں تھے، بنا بریں اس کے جواز کا فتویٰ دیتے اور دلیل میں آیات و احادیث منسوخہ کو پیش کرتے تھے۔ پھر دوسرے صحابہ کے ذریعہ انھیں نسخ کی بات معلوم ہوگئی تو وہ بھی نسخ کے قائل ہوگئے۔ جس طرح کہ کوفہ کے دورانِ قیام ان سے پوچھا گیا کہ اگر دخول سے پہلے کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی ماں سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب موصوف نے یہ دیا کہ اس کی ماں سے اس صورت میں نکاح کرسکتا ہے، لیکن موصوف مدینہ منورہ آئے تو صحابہ سے ملاقات کے دوران انھیں معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہوسکتا، لہٰذا موصوف نے اپنے اس موقف سے رجوع کرلیا۔[1]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوفہ میں مقیم کبیر ترین صحابی بھی کوفہ میں قیام کے زمانہ میں غلط قسم کا فتویٰ دے دیا کرتے تھے اور ان کی اس غلطی کی اصلاح مدینہ منورہ پہنچ کر ہوتی تھی۔ اس سے بھی ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ کوفہ کی علمی برتری کا جو راگ مصنف انوار اور ان کے ہم نوا اس بنیاد پر الاپ رہے ہیں کہ وہاں ابن مسعود کچھ دنوں تک مقیم تھے، اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ قیام کوفہ کے دوران ابن مسعود اور وہاں مقیم بعض دیگر صحابہ کا اختیار کردہ ہر موقف ہی صحیح تھا۔ اور جب کبار صحابہ کا یہ حال ہو تو ان فقہائے اہل الرائے کا کیا حال ہوگا جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے:

”أم أصحاب الرأي أعداء السنن أعيتهم الأحاديث أن يعوها، وتفلتت أن يرووها فأفتوا بالرأي“

اس سلسلے میں مفصل بحث آگے آرہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرح حضرت ابن عباس (جن کے قول کو مصنف انوار نے حضرت ابوہریرہ پر ذریعہ طعن بنا رکھا ہے) بھی وفات نبوی کے بعد ایک عرصہ تک نکاح متعہ کے نسخ پر واقف نہیں ہوسکے، اس لیے وہ بھی نکاح متعہ کے جواز کا فتوی دیا کرتے تھے اور دلیل میں انھیں آیات و احادیث نبویہ کو پیش کیا کرتے تھے، جو منسوخ ہوچکی تھیں۔ حضرت ابن عباس یہ فتوی ۶۴ھ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت کے زمانہ میں بھی دیتے تھے، حالانکہ انھیں امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب ۴۰ھ سے پہلے پوری صراحت کے ساتھ بتلا چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نکاح متعہ کے حکم کو منسوخ کرچکے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی بن ابی طالب کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ نے کہا کہ:

”إن عليا سمع ابن عباس يلين في متعة النسآء، فقال: مهلا يا ابن عباس! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها يوم خيبر، وفي رواية: قال علي لابن عباس: إنك رجل تائه، نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عنها۔“[2]

یعنی حضرت علی بن ابی طالب نے نکاح متعہ کے معاملہ میں ابن عباس کے موقف پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ اے ابن عباس! خبردار! تم ”رجل تائه“ ہو یعنی راہ صواب سے بھٹک اور بہک گئے ہو، رسول اللہ ﷺ نے نکاح

---

[1] موطا إمام مالك: باب لا يجوز من نكاح الرجل أم امرأته وغيره.

[2] صحيح مسلم: كتاب النكاح، و مصنف عبدالرزاق (۷/ ۵۰۱، ۵۰۲) و سنن بيهقي (۷/ ۲۰۱) و مصنف ابن أبي شيبه (٤/ ۲۹۲) و صحيح بخاري: كتاب الحيل.

متعہ سے ممانعت کر دی ہے۔

مصنف انوار ازراہ دیانت داری بتلائیں کہ نکاح متعہ کے جواز کا فتویٰ معاشرہ و اخلاق کے حق میں زیادہ مضر ہوسکتا ہے یا مطبوخ چیز سے وضو کے ٹوٹنے کا فتویٰ؟ نکاح متعہ کے منسوخ ہوجانے کے باوجود ۶۴ھ کے بعد بھی اس کے جواز پر ابن عباس کے اصرار اور صحابہ کی نکیر و اعتراضات کی بھرمار کے باوجود اگر مصنف انوار ان عباس رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ پروپیگنڈہ روا نہیں رکھتے کہ موصوف رضی اللہ عنہ خلاف شرع احادیث بیان کرتے تھے تو مطبوخ چیز سے وضوٹوٹنے پر دلالت کرنے والی احادیث منسوخہ کی روایت کرنے اور ان کے مطابق فتویٰ دینے پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا کیسے روا ہوا؟

نکاح متعہ کے معاملہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ خلافت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس سے منع فرما چکے تھے، حتی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس ممانعت فاروقی ہی پر اعتراض تھا۔ چنانچہ انھوں نے کہا:

”یرحم اللّٰہ عمر ما کانت المتعة إلا رخصة من اللّٰہ، رحم بها أمة محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم، فلولا نهیه عنها ما احتاج إلی الزنا إلا شقي.“ الخ[1]

یعنی نکاح متعہ کے لیے اللہ نے اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے رخصت دے رکھی تھی، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ پابندی نہ لگائی ہوتی تو زنا کاری کی کسی کو ضرورت ہی نہیں پڑتی الا یہ کہ کوئی بد بخت ہو۔

حکم فاروقی پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس معترضانہ طرز عمل کی خبر جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انھوں نے صاف طور پر کہا:

”أما واللّٰہ ما کان لیقول هذا في زمن عمر، وإن کان عمر لینکلنکم عن مثل هذا، وما أعلمه إلا السفاح.“[2] عن ابن عمر قیل له ان ابن عباس یفتی بها فقال فهلا تزمزم بها في زمان عمر؟“[3]

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دور فاروقی میں یہ فتوی دینے کی جرأت کیوں نہیں کی؟

متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ برسر منبر اعلان کیا تھا کہ میں نکاح متعہ کرنے والوں کو سنگ سار کر دوں گا۔[4] عام صحابہ و تابعین نے حضرت عمر فاروق کے اس کارنامہ کی تحسین کی۔ سید التابعین سعید بن المسیب نے کہا:

”رحم اللّٰہ عمر لو لا نهی عن المتعة صار الزنا جهارا.“[5]

''اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھلا کرے، اگر انھوں نے نکاح متعہ پر پابندی نہ عائد کر دی ہوتی تو زنا کاری کھل کر عام طور سے ہوا کرتی۔''

وفاتِ فاروقی کے عرصہ بعد بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب بعض صحابہ و تابعین نے نکاح متعہ کے جواز کا فتوی دیتے دیکھا تو

---

[1] مصنف عبدالرزاق (۷/ ٤٩٧) و نیل الأوطار. [2] مصنف عبدالرزاق (۷/ ۵۰۲)

[3] مصنف ابن أبي شیبة (٤/ ۲۹۳)

[4] مصنف ابن أبي شیبة (٤/ ۲۹۳) و سنن بیهقي (۷/ ۲۰٦) و مصنف عبدالرزاق (۷/ ۵۰۳)

[5] مصنف ابن أبي شیبة (٤/ ۲۹۳)

انھوں نے ان سے صاف کہا کہ یہ زنا کاری ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ میں اتنا غلو تھا کہ وہ ان صحابہ وتابعین سے لڑ کھڑے ہوتے جو نکاح متعہ کو زنا یا حرام قرار دیتے تھے۔[1]

حتی کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس موقف پر سخت نکیر کی تو انھوں نے الٹ کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو نہایت خفگی کے ساتھ کہا:

"إنك لجلف جافٍ، فلعمري لقد كان المتعة تفعل في عهد إمام المتقين صلى الله عليه وسلم."[2]

''یعنی تم گنوار، قلیل العقل وقلیل الادب آدمی ہو، نکاح متعہ تو حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہوا کرتا تھا۔ اس پر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے موصوف کو کہا کہ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں، نکاح متعہ کرنے پر ہم آپ کو سنگسار کر دیں گے۔''

اس کا حاصل یہ ہوا کہ نکاح متعہ کے معاملہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موقف کی عام صحابہ وتابعین نے سخت تغلیط کی اور ان پر اعتراض ونکیر کیا اور لوگوں نے موصوف کے مباح کردہ نکاح متعہ کو زنا سے تعبیر کیا۔ پھر بھی موصوف کو خلاف شرع احادیث کا روایت کنندہ اور غیر فقیہ نہ مصنف انوار نے قرار دیا اور نہ ہی ایسا کرنا مناسب ہے، مگر سوال یہ ہے کہ مطبوخ چیز کے ناقصِ وضو ہونے پر دلالت کرنے والی حدیث کی روایت کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے سبب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بات کا سہارا لے کر مطعون کرنا، جیسا کہ مصنف انوار نے کر رکھا ہے، کونسی خالص علمی و دینی وتحقیقی خدمت ہے، جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے استاذ بھی ہیں؟

اس معاملہ میں بھی اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بعض دیگر اہم معاملات کی طرح اپنے اس جلیل القدر استاذ یعنی حضرت ابو ہریرہ کی طرف رجوع کیا ہوتا تو انھیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ حدیث نبوی سنا کر غلطی سے بچنے کا سامان فراہم کر دیتے، جسے انھوں نے زبان نبوی سے سن رکھا تھا۔ ملاحظہ ہو:

"عن أبي هريرة مرفوعاً: حرم أو هدم المتعة النكاح والطلاق والعدة والميراث."[3]

یعنی نکاح متعہ کی اباحت کو احکام نکاح وطلاق وعدت ومیراث نے منسوخ کر کے حرام کر دیا ہے۔

نکاح متعہ کی حرمت وممانعت اور نسخ پر جتنی صراحت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مندرجہ بالا حدیث دلالت کرتی ہے، اتنی صراحت سے وہ حدیث نہیں دلالت کرتی جسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زبانی سنا تھا۔ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں اس تاویل کی گنجائش ہے کہ نہی سے مراد نہی تنزیہی ہو، یا بلاضرورتِ شدیدہ نکاح متعہ سے ممانعت مراد ہو۔ اس تاویل کی گنجائش اس صورت میں اور بڑھ جاتی ہے کہ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں نکاح متعہ سے ممانعت کا وقت جنگ خیبر بتلایا گیا ہے، حالانکہ بعض روایات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی نکاح متعہ کی اجازت موجود تھی، مگر حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اس طرح کی تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس میں صراحت ہے کہ نکاح متعہ کی تحریم وتہدیم اور نسخ کی تصریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر بھی فرمائی تھی، جو غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا اس لیے ظن غالب ہے کہ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سن لیتے تو اس طرح کی غلطی سے محفوظ رہتے۔

---

[1] سنن بيهقي و مصنف عبدالرزاق وغيره.　[2] صحيح مسلم (١/ ٤٥٢)

[3] سنن بيهقي (٧/ ٢٠٧) و سنن دارقطني وقال الحافظ ابن حجر إسناده حسن، نيل الأوطار (٦/ ١٥٦)

یہ بات غور طلب ہے کہ مطبوخ چیز سے ناقض وضو ہونے پر دلالت کرنے والی حدیث کی روایت کرنے پر بطور اعتراض اپنے استاذ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے "أنتوضأ من الحميم، أنتوضأ من الدهن" کہنے والے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بذات خود بعض ایسی بھاری غلطیوں کے مرتکب ہوگئے، جن کے سبب وہ عام صحابہ و تابعین کے اعتراضات کے نشانہ بنے، حتی کہ موصوف کو سنگ سار کیے جانے کی دھمکی بھی سننی پڑی، مگر ہم کسی صورت میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ اس قسم کے اعتراضات کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگائیں کہ وہ خلاف اصول شرع احادیث بیان کرتے تھے اور یہ کہ وہ غیر فقیہ تھے۔ اس طرح کی بے راہ روی مصنف انوار ہی جیسے لوگوں کا شیوہ و شعار ہے۔ نعوذ باللہ من ترھات التقليد!!

نکاح متعہ کی چار ماہ دس دن کی عدت بیوگی کا وہ قرآنی حکم جو سورہ بقرہ میں ہے، احادیث صحیحہ کے مطابق حاملہ بیوی کے بارے میں سورہ طلاق کے اس حکم کے ذریعہ منسوخ ہوگیا ہے کہ ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ یعنی ان کی عدت وضع حمل ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ اس نسخ سے واقف نہ ہونے کے سبب کہا کرتے تھے کہ ان دونوں مدتوں میں سے طویل ترین مدت ہی ان کی عدت ہوگی۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی، حضرت ابوہریرہ بھی موجود تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی بات پر مصر تھے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس مسئلہ میں ابوسلمہ کے ساتھ ہوں۔ آخر ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی بھیج کر تحقیق کرائی گئی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات صحیح نکلی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی غلطی ظاہر ہوئی۔ [1]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ و امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کے خلاف اس معاملہ میں مباہلہ کا چیلنج بھی دیا کرتے تھے۔ [2] مگر اس بات کو ابن عباس رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کے غیر فقیہ ہونے یا خلاف اصول شرع احادیث کا راوی ہونے کی دلیل وہی شخص بنائے گا جو ممسوخ الفطرت اور بدعقل ہو۔ پھر حضرت ابوہریرہ کو زیر بحث معاملہ کے تحت مطعون کرنا کونسی تحقیق پسندی ہے؟ لطف یہ کہ صحیح بخاری وغیرہ کی ایک روایت سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ایک زمانہ تک حاملہ بیوی کی عدت وہی مانتے تھے، جو ابن عباس مانتے تھے، جیسا کہ امام محمد بن سیرین کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ:

"إني إذا لجريئ أن كذبت على عبدالله بن عتبة، ولكن عمه لم يقل ذلك." [3]

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابن مسعود ایک زمانہ تک اس حدیث کے خلاف موقف رکھتے تھے، جس کا مفاد یہ ہے کہ حاملہ بیوہ کی عدت وضع حمل ہے۔

نکاح متعہ کی طرح حضرت ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے صحابہ بلا انزال وطی و جماع کو بھی موجب غسل نہیں مانتے تھے اور اس معاملہ میں یہ لوگ منسوخ حدیث پر عمل کرتے اور اس کی روایت کرتے تھے، حتی کہ حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، زبیر بن العوام، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، ابی بن کعب اور ابو ایوب رضی اللہ عنہم وغیرہم کا

[1] صحيح بخاری: تفسير سورة الطلاق و صحيح مسلم و سنن بيهقي (٧/ ٤٢٩ وغيره)

[2] سنن بيهقي (٧/ ٤٣) و مصنف ابن أبي شيبة (٤/ ٢٩٦ وغيره)

[3] ملاحظہ ہو: صحيح بخاري: كتاب التفسير سورة الطلاق اور شروح صحيح بخاري.

بھی یہی موقف تھا کہ وہ حدیث منسوخ پر عمل کرتے اور اس کی نقل و روایت بھی کرتے تھے۔❶ مگر ان صحابہ کرام کو ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے مطعون کرنا انتہائی بد دیانتی اور انھیں غیر فقیہ کہنا یا خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ قرار دینا بذات خود بھاری جرم ہے، بلا انزال وطی کو موجب غسل نہ کہنے والے صحابہ کبیر ترین وفقیہ ترین صحابہ ہیں۔

بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ مونچھ داڑھی آجانے کے بعد سالم رضی اللہ عنہ کو حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نے بحکم نبوی دودھ پلایا اور اس سے دونوں کے مابین رشتہ رضاعت قائم ہوگیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کو بطور دلیل پیش کر کے فتوی دیتی تھیں کہ بڑی عمر میں بھی دودھ پینے سے رضاعت کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے، لیکن تمام ازواج مطہرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس خیال کے خلاف ان سے کہتی تھیں کہ ممکن ہے کہ یہ حکم صرف سالم رضی اللہ عنہ کے لیے خاص رہا ہو۔❷

مصنف انوار بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس موقف کے خلاف ہیں، لیکن کسی کو یہ دعویٰ کرنا مناسب نہیں کہ چونکہ اس معاملہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر امہات المؤمنین نے نکیر کی تھی، اس لیے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقیہ نہیں تھیں یا یہ کہ وہ خلافِ اصولِ شرع احادیث بیان کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان بھی ہے کہ قرآن میں پہلے یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس مرتبہ چوس کر دودھ پینے سے حرمت واقع ہوتی ہے، پھر یہ حکم پانچ مرتبہ پینے سے حرمت کے حکم سے بدل گیا اور اسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔❸ مصنف انوار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فتوی کے بھی خلاف ہیں۔

باسانید صحیحہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ابتداء میں نمازیں صرف دو دو رکعت ہی فرض کی گئی تھیں اور یہ حکم سفر کی حالت میں برقرار رہا، مگر حضر یعنی اقامت کی حالت میں بدل کر چار رکعتیں ہوگئیں۔❹ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں صرف دو دو رکعت نماز فرض ہے، یہی بات مصنف انوار بھی کہتے ہیں، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی روایت کردہ اس حدیث کے خلاف سفر میں پوری چار رکعت پڑھا کرتی تھیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، جس پر لوگ معترض بھی ہوئے۔❺ مصنف انوار اس معاملہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کو یقیناً صحیح نہیں سمجھتے تو کیا یہ کہنا درست ہے کہ اس معاملہ میں غلطی کرنے کے سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فقیہ ہی نہیں کہا جا سکتا؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حدیث منسوخ پر عمل کرتے ہوئے نماز میں بحالت رکوع تطبیق کرتے تھے، یعنی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آپس میں ملا کر دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھتے تھے اور تین نمازیوں کے ہوتے ہوئے تینوں آدمیوں کو ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم بھی دیتے تھے۔ یعنی امام کو آگے اور دونوں مقتدیوں کو امام کے پیچھے کھڑا نہیں کرتے تھے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث کی روایت ونقل اور ترویج اشاعت بھی کرتے تھے۔❻ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: كتاب الاعتبار في بيان الناسخ والمنسوخ للحازمي متوفى ٥١٤هـ (ص: ٢٨ تا ٣٤)

❷ صحيح مسلم: كتاب الرضاع، والاعتبار للحازمي (ص: ١٨٧) و سنن أبي داود وغيره.

❸ صحيح مسلم، و عام كتب حديث.　　❹ صحاح سته.

❺ صحيح بخاري و مسلم و مسند عمر بن عبدالعزيز (ص: ٣٩، ٤٠) و شرح معاني الآثار (١/ ٢٤٥ وغيره)

❻ ملاحظہ ہو: صحيح مسلم و سنن أبي داود و عام كتب حديث، كتاب الاعتبار للحازمي (ص: ٤٣ تا ٤٥)

ساتھیوں کے اس طرز عمل کو اس بات کی دلیل قرار دینا کہ یہ حضرات فقیہ نہیں تھے اور اصول شرع کے خلاف احادیث کی روایت کرتے تھے، سراسر شر پسندی و کج روی ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقدی کی نقدی یعنی سونے کے سونے اور چاندی کی چاندی سے تفاضل کے ساتھ خرید و فروخت کو جائز و حلال کہا کرتے تھے، ان کے اس طرز عمل پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت ابو سعد خدری رضی اللہ عنہ صحابی نے کہا کہ آپ ایسی بیع کو کیوں جائز کہتے ہیں، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا ہے؟ [1] دوسرے اہل علم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روش پر اعتراض کیا تھا اور آخر کار ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے اس غلط موقف سے احادیث نبویہ کی بنا پر رجوع کر لیا تھا۔ [2] لیکن اس بات کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غیر فقیہ ہونے کی دلیل قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، حتی کہ امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے فقیہ و کبیر صحابی بھی اس معاملہ میں ابن عباس کے ہم خیال تھے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نے انھیں اس غلط رطریق سے روکا تو وہ باز آئے۔ [3] مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی بھی صحابی کو اس قسم کے معاملہ کے سبب مطعون کرنا صحیح نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر چونکہ بعض صحابہ نے اعتراض کیا، اس لیے وہ فقیہ نہیں، کیونکر درست ہوا؟

اس طرح کی مثالیں بہت سی ہیں مگر ہم نے صرف چند نمونوں پر بنظر اختصار اکتفاء کیا ہے۔

مطبوخ چیز سے وضوٹوٹنے کے مسئلہ پر بحث:

ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ مطبوخ چیز سے وضوٹوٹنے پر دلالت کرنے والی حدیث نبوی کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد فقیہ و کبار صحابہ نے بھی روایت کیا ہے، جنھیں خود مصنف انوار نے بھی کبار و فقیہ صحابہ مانا ہے۔ یہ سارے صحابہ اس حدیث کو روایت کرتے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے، مگر اس سلسلے میں دوسری احادیث کے پیش نظر ہمارا موقف یہ ہے کہ مطبوخ چیزوں کے ناقض وضو ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث کے حکم کو منسوخ مان کر کہا جائے کہ اس کے نسخ پر مطلع نہ ہونے کے سبب صحابہ مذکورین اسی منسوخ شدہ حکم پر عامل تھے اور اس پر دلالت کرنے والی احادیث کو بطور دلیل روایت کیا کرتے تھے۔ یہ مسئلہ طویل تفصیل کا طالب ہے، مگر اختصار کے پیش نظر صرف یہ عرض ہے کہ بعض لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ بھیڑ بکری کا گوشت کھا کر ہم وضو کریں یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ "إن شئت فتوضأ وإن شئت فلا تتوضأ" یعنی تمہارا جی چاہے تو وضو کر لو اور نہ چاہے تو نہ کرو۔ پھر آپ سے یہ پوچھا گیا کہ اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کیا جائے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ "نعم فتوضأ من لحوم الإبل" ہاں اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرو، بھیڑ، بکری اور اونٹ کے گوشت سے متعلق یہ فرمان نبوی صحیح مسلم و صحیح ابن خزیمہ اور متعدد کتب حدیث میں کئی اسانید سے مروی ہے اور معجم کبیر للطبرانی اور بعض دیگر کتابوں میں یہی حدیث اس طرح بھی مروی ہے:

"أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نتوضأ من لحوم الإبل، ولا نتوضأ من لحوم الغنم." [4]

---

[1] مسند طيالسی (ص: ٢٨٨)　　[2] كتاب الاعتبار للحازمي (ص: ١٦٥ تا ١٦٩)

[3] موطأ إمام مالك مع أوجز المسالك: ٥/ ٦٣ تا ٦٥)

[4] معجم كبير للطبراني (٢/ ٢٣٣) حدیث نمبر (١٨٦٤ و ١٨٦٥ وغیرہ)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کریں اور بھیڑ بکری کا گوشت کھا کر وضو نہ کریں۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اونٹ اور بھیڑ بکری سے متعلق مذکورہ بالا فرمان نبوی بصیغہ امر وارد ہوا ہے اور بعض طرق میں "أمرنا" کا لفظ ہے، جس کے ذریعہ یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ دو مطبوخ چیزیں (یعنی اونٹ اور بھیڑ بکری کے گوشت) کھانے کے بعد وضو کے معاملہ میں نبی ﷺ نے دو مختلف قسم کے حکم اپنی زبان مبارک سے صادر فرمائے ہیں۔ ایک کے کھانے کے بعد وضو کرنے کے معاملہ کو آدمی کی چاہت و مشیت پر موقوف رکھا ہے، مگر دوسری کے بعد پوری قطعیت و جزم کے ساتھ وضو کا حکم دیا ہے۔ چونکہ صیغۂ امر اور لفظ امر اصلاً معنی وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔[1]

اور اصل سے بلا دلیل عدول جائز نہیں اور معاملہ میں کوئی بھی دلیل معتبر اصل سے عدول کے جواز پر موجود نہیں۔ جیسا تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اس لیے یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ اس فرمان نبوی میں ایک مطبوخ چیز کو موجب وضو یا بلفظ دیگر ناقض وضو قرار دیا گیا ہے، مگر دوسری مطبوخ چیز (یعنی بھیڑ بکری کے گوشت) کو ناقض وضو نہیں کہا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ چیزوں کا مطبوخ ہونا شریعت کی نظر میں ناقض وضو نہیں رہ گیا، ورنہ دو مطبوخ چیزوں سے وضو کے حکم میں مغایرت نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ مطبوخ چیزوں کے استعمال سے وضو کے بارے میں دربار نبوی سے دو مختلف قسم کے احکام صادر ہوئے ہیں، جو بظاہر متعارض اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔

اس ظاہری تعارض و اختلاف کو رفع کرنے کے لیے اہل علم نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق مختلف راستے اختیار کیے ہیں، اس سلسلے میں ہمارا حاصل تحقیق یہ ہے کہ مطبوخ چیزوں سے وضو کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے مذکورہ بالا جو دو مختلف حکم صادر ہوئے ہیں، ان میں سے ترک وضو والا حکم مؤخر ہونے کی وجہ سے ناسخ ہے اور اس کے بالمقابل نقض وضو والا حکم مقدم ہونے کی وجہ سے منسوخ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان دونوں حکموں کے زمانہ تقدیم و تاخیر کو بتلانے کے لیے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما نے اپنی درج ذیل بات کہی ہے:

"كان آخر الامرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما مست النار."[2]

یعنی مطبوخ چیزوں سے وضو کے معاملہ میں بارگاہِ نبوت سے صادر ہونے والے دو مختلف حکموں میں سے ترک وضو والا حکم آخری حکم ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کا مطلب و معنی دوسری احادیث کے پیش نظر ہمارے نزدیک یہی ہے کہ مطبوخ چیزوں کے ناقض وضو ہونے کے متعلق دربار نبوی سے صادر ہونے والے دو مختلف حکموں میں سے ترک وضو والا حکم متاخر ہے، اس لیے وہ وجوب وضو والے حکم کا ناسخ ہے۔ ہم اپنے اختیار کردہ اس موقف کی تائید کرنے والے دلائل کا تذکرہ آگے کریں گے۔ یہاں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے اختیار کردہ اس موقف کے خلاف جن اہل علم کا یہ نظریہ ہے کہ مطبوخ چیزوں

---

[1] الإحكام لابن حزم (٣/ ٢ تا ٣٢ باب ١٢) و عام کتب اصول فقہ۔

[2] سنن أبي داود مع عون المعبود، باب ترك الوضوء مما مست النار (١/ ٣٢٧) و السنن للنسائي و صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٨) والمحلى لابن حزم (١/ ٣٣٠) و السنن الكبرىٰ للبيهقي (١/ ١٥٥، ١٥٦) و معرفة السنن للبيهقي، وابن حبان، و كتاب الاعتبار للحازمي (ص: ٥١)

کے ناقض وضو ہونے کا حکم ہی ناسخ ہے اور ترک وضو والا حکم منسوخ ہے، ان کی تائید سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت سے ہوتی ہے کہ مطبوخ چیز کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار نماز پڑھنے کے لیے وضو کیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ کھانے سے پہلے باوضو تھے، پھر دوبارہ وضو کی کیا حاجت تھی؟ آپ نے فرمایا کہ "الأمور تحدث، وهذا مما حدث" یعنی احکام شرعیہ بدلتے رہتے ہیں اور اس معاملہ میں بھی تبدیلی ہوئی، مطلب یہ کہ اللہ کی طرف سے مطبوخ چیز کو ناقض وضو قرار دے دیا گیا ہے۔[1] لیکن اس کی سند کے ایک راوی زید بن جبیرہ بن محمود کی بابت امام ذہبی نے کہا ہے "ترکوه"[2] اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ متروک ہیں۔[3] امام ابن معین نے انھیں "لا شيء" اور امام ابن ابی حاتم و بخاری نے منکر الحدیث کہا۔[4]

حاصل یہ کہ یہ شخص بہت زیادہ مجروح ہے اور اسی سند میں عبداللہ بن صالح کاتب لیث کو بعض نے کذاب تک کہہ دیا ہے۔[5] الغرض حدیث مذکور ساقط الاعتبار ہے اور اس کی تائید میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث بھی مروی ہے:

"ما ترك النبي صلى الله عليه وسلم الوضوء مما مست النار حتى قبض."[6]

یعنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک مطبوخ چیز سے وضو کرنا ترک نہیں کیا۔

مگر اس حدیث کو امام جوزقانی نے باطل قرار دیا ہے۔ ان دونوں روایتوں کے ساقط الاعتبار ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قابل فخر استاذ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ بھی یہی کہتے تھے کہ مطبوخ چیزوں کے ناقضِ وضو ہونے کا حکم ناسخ ہے۔[7]

مگر ہمارے نزدیک امام زہری رحمہ اللہ کی یہ بات معتبر دلیل سے خالی اور دلائل ثابتہ کے معارض ہونے کی وجہ سے بے وزن ہے۔ جن اہل علم نے مطبوخ چیز سے وضو کے حکم کو ناسخ قرار دیا ہے، ان کی طرف سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی اس حدیث کے بارے میں دو باتیں کہی جاتی ہیں، جس سے مطبوخ چیز کے ناقض وضو ہونے کے حکم کے نسخ کا دعوی کیا گیا ہے، ایک یہ کہ حدیث مذکور میں "امرین" سے مراد مطبوخ چیز سے وضو کے وجوب و عدم وجوب کی بابت زبان نبوی سے نکلے ہوئے دو حکم نہیں، بلکہ امرین سے مراد "حالتیں اور شانیں" ہیں۔ یعنی کہ اس میں ایک طویل حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مذکور ہے کہ ایک دعوت کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطبوخ چیز کھا کر وضو کر کے نماز ظہر پڑھی، پھر ظہر بعد دوبارہ کھایا تو وضو دوہرائے بغیر نماز عصر پڑھ لی۔[8]

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونے والے دو افعال کو اختصار کے پیش نظر "امرین" سے تعبیر کر دیا گیا ہے اور چونکہ ان دونوں فعلوں میں آخری فعل ترک وضو تھا اس لیے اسے "آخر الامرین" کے لفظ سے موسوم کر دیا۔ اس توجیہ کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطبوخ چیز کھانے کے بعد اس وجہ سے وضو نہیں کیا تھا کہ مطبوخ چیز ناقض

---

[1] سنن بيهقي (١/ ١٥٦، ١٥٧) و كتاب الاعتبار للحازمي، و معجم كبير للطبراني، مجمع الزوائد (١/ ٢٤٩)

[2] ديوان الضعفاء والمتروكين (ص: ١١٣) [3] تقريب التهذيب (ص: ٢٢٢)

[4] ميزان و لسان الميزان. [5] ميزان، و تهذيب التهذيب، و مجمع الزوائد.

[6] جوزقانی. [7] مصنف عبدالرزاق و كتاب الاعتبار للحازمي وغيره. [8] أبو داود وغيره.

وضو تھی، بلکہ کسی دوسرے سبب سے یہ وضو کیا تھا، کیونکہ اس وقت مطبوخ چیز شریعت کی نظر میں ناقض وضو نہیں تھی۔ دریں صورت یہ کہا جا سکتا ہے کہ مطبوخ چیز کے استعمال کے بعد وضو کرنے کا فرمان نبوی ترک وضو کے حکم سے متاخر ہونے کے سبب ناسخ ہے، جیسا کہ اوپر سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ کی ذکر کردہ روایت کا مفاد ہے اور امام زہری وغیرہ کا بھی یہی کہنا ہے۔

دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث مذکور اس لیے معلول ہے کہ اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے محمد بن المنکدر رحمہ اللہ نے براہ راست سننے کے بجائے دراصل عبداللہ بن محمد بن عقیل کے واسطہ سے سنا ہے، جن پر بعض اہل علم کو کلام ہے۔[1] پہلی بات اس لیے بے وزن ہے کہ یہ بات صرف احتمال وظن کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے خلاف دلائل قویہ قائم ہیں، جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے اور جس احتمال کے خلاف دلائل قویہ ہوں وہ بے وزن ہے۔ دوسری بات اس لیے بے وزن ہے کہ بعض روایات میں محمد بن المنکدر کی یہ صراحت ہے کہ

"سمعت جابر بن عبداللّٰه يقول... الخ"[2] یعنی میں نے خود یہ حدیث جابر سے سنی ہے۔

البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ ابن المنکدر نے حدیث مذکور عبداللہ بن محمد بن عقیل سے بھی سنی ہے اور عبداللہ مزکور بھی بقول راجح صدوق وثقہ ہیں۔[3]

جو لوگ اس باب کی دونوں مختلف حدیثوں کو ناسخ ومنسوخ کے بجائے محکم وقائم مانتے ہیں، وہ حکم وضو کو استحباب اور ترک وضو کو بیان جواز کے لیے مانتے ہیں۔ یہ لوگ بھی حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی بابت وہی بات کہتے ہیں جو حکم وضو والی حدیث کو ناسخ مانتے ہیں، یعنی کہ حدیث جابر میں دو فعل نبوی کی حکایت کی گئی ہے۔ دریں صورت کہا جا سکتا ہے کہ پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطبوخ چیز کھا کر بطور استحباب یا کسی دوسرے سبب سے وضو کیا تھا، مگر ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ بات محض احتمال وظن پر قائم ہے، جس کے خلاف متعدد دلائل موجود ہیں۔

حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک اس باب میں صحیح بات یہ ہے کہ ایک زمانہ تک شریعت میں مطبوخ چیزوں کا استعمال ناقض وضو تھا، لہٰذا اس زمانہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وضو کا حکم دیتے اور خود بھی اس پر عمل کرتے تھے، لیکن اس کے منسوخ ہونے کے بعد آپ نے حکم جاری کر دیا کہ مطبوخ چیز کے استعمال سے وضو مت کرو۔ نیز شریعت کے اس اصول کے تحت کہ وضو برقرار رہتے ہوئے تجدید وضو مستحب ہے، آپ نے یہ بھی فرما دیا کہ جی چاہے تو مطبوخ چیز کھا کر وضو کر بھی لو، ورنہ مطبوخ چیز کھانے سے فی نفسہٖ نہ تو وضو واجب ہوتا ہے اور نہ مستحب ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ جن صحابہ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطبوخ چیز کے بعد وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے ان کا یہ مشاہدہ اس زمانے کا ہے جب شریعت میں مطبوخ چیزوں کا استعمال ناقض وضو تھا اور جن صحابہ کا بیان ہے کہ مطبوخ چیزوں کے استعمال کے بعد بلا اعادہ وضو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے نماز پڑھتے دیکھا ہے، ان کا وہ مشاہدہ مطبوخ چیزوں کے ناقض وضو ہونے کے حکم کے منسوخ ہوجانے کے بعد ہے، اس طرح تمام روایات میں تطبیق کی صورت نکل آتی ہے۔ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

---

[1] كتاب العلل لابن أبي حاتم، و نيل الأوطار، و تلخيص الحبير.

[2] المحلى لابن حزم (١/ ٣٣٠) و كتاب الاعتبار للحازمي (ص: ٥٠) و معرفة السنن للبيهقي.

[3] عام كتب رجال.

نے دونوں زمانوں میں نبی ﷺ کے اس طرز عمل کا مشاہدہ کیا تھا اور اسے وہ بیان بھی کرتے تھے۔ چنانچہ موصوف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"عن أبي هريرة أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ من ثور أقط، ثم رآه أكل كتف شاة ولم يتوضأ." ❶

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پنیر کے ٹکڑے کھا کر وضو کیا کرتے تھے، جو ایک مطبوخ چیز ہے، مگر بعد میں انھوں نے یہ دیکھا کہ آپ ﷺ نے گوشت کھا کر بلا اعادہ وضونماز پڑھ لی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مذکورہ بالا حدیث میں لفظ "يتوضأ" بصیغۂ مضارع صاف طور پر بتلاتا ہے کہ ایک زمانہ میں مطبوخ چیزیں کھا کر رسول اللہ ﷺ وضو کیا کرتے تھے، جسے آپ نے بعد میں ترک کر دیا۔ مسند بزار میں یہ لفظ مضارع کے بجائے ماضی کے صیغہ سے منقول ہے، مگر اس سے ہمارے اس استدلال کو کوئی ضرر نہیں ہوسکتا، اس حدیث کی سند نہایت مضبوط اور صحیح ہے، اس لیے اس کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔ یہ معلوم بات ہے کہ امام ابن خزیمہ نے صحیح میں احادیث کی نقل کے لیے التزام صحت کیا ہے اور دوسرے اہل علم نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔❷

حدیث مذکور کو صاحب مجمع الزوائد نے مسند بزار کے حوالہ سے نقل کر کے کہا کہ "رجاله رجال الصحيح خلا شيخ البزار" یعنی اس حدیث کے سبھی رواۃ حدیث صحیح کے رواۃ ہیں، سوا شیخ بزار کے۔ صاحب مجمع الزوائد نے کہا کہ بزار کے شیخ مذکور احمد بن ابان ثقہ ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ و بیہقی میں حدیث مذکور جس سند سے مروی ہے اس میں بھی کسی قسم کی کوئی علت نہیں ہے، بلکہ یہ حدیث بہت زیادہ مضبوط، قوی اور صحیح سند سے مروی ہے۔❸ یہی وجہ ہے کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس صحیح حدیث کو شریعت کا ایک محکم قانون قرار دے کر بتلایا کہ یہ حدیث نبوی اس فرمانِ نبوی کی ناسخ ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے کسی زمانہ میں مطبوخ چیز کو ناقض وضو بتلایا تھا۔ چنانچہ موصوف امام ابن خزیمہ نے درج ذیل الفاظ میں تبویب کر کے واضح کر دیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور مطبوخ چیز سے وضو کرنے کے حکم کی ناسخ ہے۔ ملاحظہ ہو:

"باب ذكر الدليل على أن ترك النبي صلى الله عليه وسلم الوضوء مما مست النار أو غيرت، ناسخ لوضوئه كان مما مست النار أو غيرت." ❹

یعنی اس باب میں اس دلیل کا ذکر ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مطبوخ چیز سے وضو کا حکم منسوخ ہوگیا ہے۔

پھر امام ابن خزیمہ نے اس باب میں سب سے پہلے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی یہی حدیث نقل کی بعد ازیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی مذکورہ بالا حدیث ذکر کی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث مذکور کا مدلول و مقتضی اور معنی مطلب از روئے حقیقت وہی ہے جو امام ابن خزیمہ نے سمجھا ہے، مگر اس بات کی مثالیں بہت ہیں کہ بعض اوقات حدیث نبوی کی روایت

❶ صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٧) و سنن بيهقي (١/ ١٦٥) و مسند بزار، وقال في التعليق على الصحيح لابن خزيمة: إسناده صحيح)
❷ مقدمه صحيح ابن خزيمة (١/ ١٦ تا ٢٣)
❸ نیز ملاحظہ ہو: دراسات في الحديث النبوي (١/ ٤٥ تا ٤٩)
❹ صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٧)

کرنے والے صحابی کا عمل مختلف اسباب و علل کی وجہ سے اپنی روایت کردہ حدیث کے مدلول و مقتضی کے مطابق نہیں ہوتا اور راوی کا اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل حدیث کے لیے باعث قدح نہیں ہوسکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حج تمتع پر یہ کہہ کر پابندی لگائی کہ میں جانتا ہوں کہ حج تمتع کی مشروعیت قرآن مجید میں موجود ہے اور ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج تمتع کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کرنے کا حکم بھی دیا ہے، مگر مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ حرم میں احرام کھولنے کے وقفہ میں وطی و جماع کیا کریں۔ [1]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی وجہ سے کسی حدیث پر اس حدیث کے راوی صحابی کا عمل نہ ہوتو وہ حدیث محض اتنی سی بات کے سبب معلول و ساقط نہیں قرار دی جا سکتی۔ دریں صورت بقول امام بیہقی بعض لوگوں نے حدیث مذکور کو یہ کہہ کر معلول قرار دینے کی جو بات کہی ہے کہ اس کے مقتضی پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل نہیں تھا، بلکہ وہ وفات نبوی کے بعد بھی مطبوخ چیز کو ناقض وضوء مانتے اور دوسروں کو اس کا فتویٰ دیتے تھے۔ [2]

وہ درحقیقت کوئی قوت نہیں رکھتی، کیونکہ راوی حدیث صحابی کا اپنی روایت کردہ حدیث کے مقتضی و مدلول پر عمل نہ کرنا حدیث کے لیے قادح نہیں ہے۔ حضرت عمر فاورق رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ آیت تیمّم کی تلاوت کرتے اور اس کا علم رکھتے تھے، مگر اس سے تیمّم والی احادیث ساقط الاعتبار و معلول نہیں قرار پا سکتیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے:

"أول ما فرضت الصلوٰة ركعتين، ثم أكملت أربعاً وأثبتت للمسافر." [3]

یعنی ابتداء میں نماز صرف دو دو رکعت فرض تھی اور یہی دو رکعت سفر کی حالت میں برقرار رہی، مگر حالت حضر اور اقامت میں چار رکعت کر دی گئی۔

اپنی روایت کردہ اس حدیث کے مقتضی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل نہیں تھا، مگر مصنف انوار اس حدیث کو ساقط الاعتبار و معلول نہیں مانتے۔

حاصل یہ کہ راوی حدیث کا خلافِ حدیث عمل حدیث کے معلول و ساقط ہونے کا موجب نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مقتضی حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے مضمون کو دیکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں پہلے ایک زمانہ تک مطبوخ چیزوں کا استعمال ناقض وضو تھا۔ اہل علم کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ دو مختلف قسم کے افعال نبویہ میں تقدیم و تاخیر کا علم ہونے پر فعل آخر کو فعل متقدم کا ناسخ قرار دیا جائے، بشرطیکہ حکم نسخ لگائے بغیر چارہ نہ ہو۔ ہمارے نزدیک اس معاملہ میں حکم نسخ لگائے بغیر چارہ نہیں۔ ہمارے اس موقف کی تائید مختلف و متعدد روایات سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی والدہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا مطبوخ گوشت کھانے کے لیے دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے کھا کر بلا اعادہ وضو نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے تو "فأخذت

---

[1] صحيح مسلم وغيره.　　[2] سنن بيهقي (١/ ١٥٥)

[3] شرح معاني الآثار (١/ ٢٤٥) و مسند عمر بن عبدالعزيز (ص: ٣٨ تا ٤٠) و موطأ إمام مالك، و صحيح بخاري و مسلم وغيره.

ثيابه فقالت ألا توضأ يا رسول الله؟" یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا پکڑ کر کہا کہ کیا آپ وضو کیے بغیر ہی نماز پڑھیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس لیے میں وضو کروں؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "قد أكلت مما مست النار" آپ نے مطبوخ چیز کھائی ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "إن أطهر طعامكم ما مسته النار" یعنی پاکیزہ ترین کھانے کی چیز وہ ہوتی ہے جو مطبوخ ہو، مطلب یہ کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔[1]

یہ حدیث صاف طور پر بتلاتی ہے کہ جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر یہ واقعہ پیش آیا اس وقت تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ جانتی تھیں کہ مطبوخ چیز ناقضِ وضو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حکم کے خلاف اپنے گھر مطبوخ چیز کھا کر بلا اعادہ وضو نماز پڑھتے دیکھا تو ٹوک دیا کہ آپ بلا اعادہ وضو نماز کیوں پڑھ رہے ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے غالباً سمجھا تھا کہ بھول چوک کے سبب آپ بلا اعادہ وضو نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے، مگر اصل معاملہ چونکہ یہ تھا کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مذکورہ بالا بات کہی۔ حدیث مذکور کو معجم کبیر للطبرانی سے نقل کر کے صاحب مجمع الزوائد نے کہا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق اگرچہ مدلس ہیں مگر وہ ثقہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کی نظر میں صرف یہی ایک علت اس حدیث کی سند میں ہے، مگر یہ کوئی بڑی علت نہیں، کیونکہ ثقہ راوی کی علت تدلیس اس بات سے بھی دور ہو سکتی ہے کہ وہ روایت کسی دوسری سند سے خواہ اس میں کچھ ضعف بھی ہو مروی ہو اور فاطمہ رضی اللہ عنہا والی یہ حدیث مسند احمد (۶/۲۸۳) اور مسند ابی یعلی میں بھی مرسل سند سے مروی ہے۔[2] اور حنفی و مالکی مذہب میں مرسل حدیث حجت ہے اور صحیح بات وہ ہے جو امام شافعی نے دلائل و شواہد کی روشنی میں فرمائی کہ مرسل حدیث کی تائید اگر متصل حدیث سے ہو، خواہ اس متصل حدیث کی سند میں ضعف بھی کچھ ہو تو قوی ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کی تائید حضرت ابوامامہ سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفیہ بنت عبدالمطلب نے مطبوخ چیز کھلائی، اتنے میں مؤذن نے آ کر نماز کے لیے چلنے کو کہا، آپ بلا اعادہ وضو نماز کے لیے تیار ہوگئے تو مؤذن نے کہا کہ "الوضوء الوضوء" یعنی وضو فرما لیجیے، آپ نے فرمایا کہ: "إنما الوضوء علينا مما خرج وليس مما يدخل" یعنی وضو خارج ہونے والی چیز سے فرض ہوتا ہے، داخل ہونے والی سے نہیں۔

یہ حدیث بھی معجم طبرانی میں ہے اور سنداً ضعیف ہے۔[3] اس روایت کا ذکر ہم نے محض بطور تائید کیا ہے۔ یہ روایت بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایک زمانہ تک عام لوگ یہی سمجھتے تھے کہ مطبوخ چیز ناقض وضو ہے۔ اس کی تائید مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوخ چیز کھا کر وضو کیا کرتے تھے۔ اسی لیے میں نے ایک بار جب دیکھا کہ آپ نے مطبوخ چیز کھائی اور نماز کا وقت ہے تو میں وضو کے لیے پانی لایا اس پر آپ خفا ہو کر مجھے ڈانٹنے لگے اور آپ نے بلا اعادہ وضو نماز پڑھ لی، یہ چیز مجھے گراں گزری، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے اصل معاملہ دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] رواه الطبراني في الكبير وفيه ابن إسحاق مدلس ثقة، و مجمع الزوائد (۱/ ۲۵۲)

[2] ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد (۱/ ۲۵۳)	[3] مجمع الزوائد (۱/ ۲۵۲)

"إنما أكلت طعاماً، ولو فعلت فعل الناس بعد ذلك." [1]

یعنی یہ تو میں نے صرف کھانا کھایا ہے، اگر کھا کر وضو کروں تو سبھی لوگ کریں گے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ابتداء میں مطبوخ چیزیں ناقض وضو تھیں۔

ان روایات سے صاف طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مطبوخ چیزوں سے وضو کا حکم استحباب کے لیے یا لغوی معنی میں نہیں تھا، کیونکہ اگر استحباب کے لیے ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو مطبوخ چیزیں کھا کر بلا اعادہ وضو نماز پڑھتے دیکھ کر صحابہ آپ کو ٹوکتے نہیں، اور لغوی معنی میں اس لفظ کے ہونے کی نفی ان روایات سے اس طرح ہوتی ہے کہ ان روایات میں نماز کے اوقات میں اس طرح کے واقعات کا ذکر ہے اور نماز کے وقت وضو شرعی ہوا کرتا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث بھی ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے:

"أكل رسول الله صلى الله عليه وسلم مما غيرت النار، ثم صلى، ولم يتوضأ، وكان آخر أمريه." [2]

یعنی رسول اللہ ﷺ نے مطبوخ چیز کھائی اور بلا اعادہ وضو نماز پڑھی اور آپ کا آخری حکم یہی تھا کہ مطبوخ چیز کھانے سے وضو کرنا ضروری نہیں ہے۔

اس حدیث کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری حکم یہ تھا کہ مطبوخ چیز کھا کر وضو کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی کا حال معلوم نہیں ہوسکا، مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ متعدد روایات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور تعدد طرق و اسانید سے ان میں قوت آ جاتی ہے، خصوصاً اس لیے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث بالکل صحیح ہے۔

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اعتراض کا جواب:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مطبوخ چیز سے وضو کرنے کا حکم نبی ﷺ سے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے نقل کر رکھا ہے، اس کی نقل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں، اس لیے اس حدیث کی روایت کرنے کے سبب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض ان سبھی صحابہ پر اعتراض کا موجب ہوگا۔ نیز یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ حکم ایک زمانہ تک معمول بہ تھا، بعد میں منسوخ ہوگیا۔ اس لیے نسخ کے بعد مطبوخ چیز کا استعمال کر کے بلا اعادہ وضو نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو متعدد صحابہ نے بشمول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دیکھا تھا، مگر اس کے باوجود معلوم نہیں کیوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور متعدد صحابہ وفات نبوی کے بعد بھی مطبوخ چیز کو ناقض وضو مانتے رہے اور بہت سے مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی صحابہ و تابعین کے مابین اچھا خاصا اختلافی مسئلہ بنا ہوا تھا، اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطبوخ چیز سے وضو ٹوٹنے پر دلالت کرنے والی حدیث کی روایت کرنے کے سبب مطعون کرنا ویسے ہی ہے جس طرح نکاحِ متعہ کے معاملہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا جانے لگے۔

---

[1] مسند أحمد والطبراني، ورجاله ثقات، وكتاب الإعتبار للحازمي، و مجمع الزوائد (١/ ٢٥١)

[2] سنن بيهقي (١/ ١٥٦) و معجم كبير للطبراني وفيه يونس ولم أر من ذكره، مجمع الزوائد (١/ ٢٥٢)

پکی ہوئی چیز کو ناقضِ وضو نہ ماننے پر بعض صحابہ کا اعتراض:

یہ حقیقت اہل علم پر مخفی نہیں کہ جس طرح مطبوخ چیز کو ناقض وضو ماننے پر بعض صحابہ معترض تھے، اسی طرح اس کے خلاف موقف رکھنے والوں پر بھی بعض صحابہ معترض تھے۔ دریں صورت اگر اس معاملہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا جائز ہوسکتا ہے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف موقف رکھنے والوں پر بھی ہوسکتا ہے۔ بسند قوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"كانوا عند المغيرة بن شعبة فأكلوا لحماً وثريداً، وخزجوا من عنده فجعلو يصلون ولا يتوضؤن، فقال أبو مسعود: انظر يصلون ولا يتوضؤن."[1]

یعنی لوگ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، وہاں انھوں نے گوشت اور ثرید کھایا اور وہاں سے نکل کر بلا اعادہ وضو نماز پڑھنے لگے، اس پر ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انھیں دیکھو بلا وضو کیے ہی نماز پڑھ رہے ہیں!

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ مطبوخ چیز کا استعمال کر کے وضو نہ کرنے والوں پر حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ جیسے بدری اور عظیم المرتبت صحابی نے اعتراض کیا۔ دریں صورت مصنف انوار مطبوخ چیز کو ناقض وضو نہ ماننے والے صحابہ و غیر صحابہ کی بابت کیا فتوی دیتے ہیں؟ اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ صحابی بھی ان لوگوں پر معترض ہوتے تھے جو مطبوخ چیز کھانے کے بعد وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے۔[2] مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بعد میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔ (کما سیاتی) مطبوخ چیز کھا کر وضو نہ کرنے پر صحابہ و تابعین کے معترض ہونے کی متعدد روایات ہیں، مگر بنظر اختصار ہم صرف اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

پکی ہوئی چیز کو ناقضِ وضو ماننے پر بعض صحابہ کا اعتراض:

جس فقہ حنفی کی تقلید و مدح سرائی مصنف انوار اپنا فریضہ زندگی بنائے ہوئے ہیں، وہ فقہ فقہ عراقی و کوفی کے نام سے بھی موسوم و مشہور ہے، اور موطا امام مالک وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ عراق سے مدینہ منورہ واپس آئے تو ان کے پاس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پہنچے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انھیں کھانا کھلایا اور خود بھی کھایا، پھر حضرت انس وضو کرنے لگے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ما هذه العراقية التي أحدثتها؟ وفي رواية: ما هذا يا أنس أعراقية؟"[3]

یعنی کیا آپ نے یہ مسئلہ عراق سے سیکھا ہے؟ یہ کون سا عراقی مسئلہ ہے جسے آپ نے ایجاد کر رکھا ہے؟

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کوفہ و بصرہ کے زمانہ قیام میں مطبوخ چیز کو ناقض وضو سمجھتے رہے، ابو قلابہ نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف کے پاس سے یعنی زمانہ قیام عراق میں بحالت خفگی یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اس شخص نے لوگوں کے ساتھ کھانا کھایا، پھر بلا وضو کیے ان سبھی لوگوں نے نماز پڑھ ڈالی۔ یعنی کہ مطبوخ چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ گیا تھا، اس لیے بلا

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (١/ ٥٤)
[2] مصنف ابن أبي شيبة (١/ ٥١) و مصنف عبدالرزاق.
[3] موطأ إمام مالك: باب ترك الوضوء مما مست النار ومصنف عبدالرزاق (١/ ١٧٠) و بيهقي.

اعادہ وضو نماز نہیں پڑھی جا سکتی ہے۔❶

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مطبوخ چیز کے ناقض وضو ہونے کا مسئلہ عراقیوں کا مسئلہ تصور کرتے تھے اور اسی مسئلہ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ عراق میں عامل تھے، پھر مدینہ آنے پر اس معاملہ میں موصوف پر جب بعض صحابہ نے اعتراض کیا تو انھیں افسوس ہوا اور انھوں نے کہا کہ: "ليتني لم أفعل" کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ (موطأ امام مالک وغیرہ)

انھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مصنف انوار اور ان کے ہم خیالوں کا دعوی ہے کہ ان کی زیارت سے بہرہ ور ہو کر امام صاحب درجہ تابعیت کو پہنچے۔ فقہ عراقی کی تقلید و مدح سرائی کو اپنا فریضہ زندگی بنانے والے مصنف انوار نے اس عراقی مسئلہ پر عامل ہونے کے بجائے طعن کرنا شروع کر دیا۔ اگر عراق میں رہنے والے صحابی کا اختیار کردہ مسلک مصنف انوار کی نظر میں قابل طعن ہے تو فقہ حنفی کی بابت موصوف کی اس بات کا کیا معنی ہے کہ ''جو شخص کسی مسئلہ میں یہ سمجھے کہ امام ابو حنیفہ سے غلطی سرزد ہوگئی اور حق بات امام صاحب کے خلاف ہے، وہ چوپایہ جانور سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔''❷ عراق کے رہنے والے امام ابو حنیفہ سے مصنف انوار کی یہ عقیدت اور وہیں کے صحابی کے اختیار کردہ مسلک کے خلاف یہ زہر افشانی کیا معنی رکھتی ہے کہ اس مسلک پر دلالت کرنے والی احادیث کے راوی صحابہ کو غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ کہتے پھر رہے ہیں؟ ان احادیث اور ان کی روایت کرنے والے صحابہ کے خلاف مصنف انوار کی یہ جارحانہ محاذ آرائی کس علمی و دینی و تحقیقی نقطہ نظر سے درست ہے؟

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عجیب و غریب قسم کے مسائل صحابہ کی نظر میں عراقی لوگ ہی ایجاد کیا کرتے تھے۔ احادیث مذکورہ اور ان کی روایت کرنے والے صحابہ کے خلاف جارحانہ محاذ آرائی کرنے والے مصنف انوار نے مسئلہ زیر بحث میں امام شوکانی رحمہ اللہ پر بھی کافی ناراضگی اور برہمی کا اظہار کیا ہے، وہ اس وجہ سے کہ مطبوخ چیزوں سے نقض وضو کے حکم عام سے بھیڑ بکری کے گوشت کو امام شوکانی مخصوص و خارج مانتے ہیں۔❸ مصنف انوار کے ممدوح صاحب جوہر النقی نے بھی اس حکم عام سے بھیڑ بکری کے گوشت کے خاص و خارج ہونے کے خیال کا اظہار کیا ہے۔❹ اور یہ معلوم ہے کہ صاحب جوہر النقی امام شوکانی سے پہلے ہیں، مگر انھیں اپنا ہم مذہب سمجھ کر مصنف انوار نے نشانۂ طعن نہیں بنایا، لیکن امام شوکانی کو بنایا ہے۔❺ اس سلسلے میں ہم کو امام شوکانی سے اختلاف ہے، لیکن ان کے خلاف مصنف انوار نے جس جارحیت سے کام لیا ہے، اس کا جائزہ آئندہ صفحات میں لیا جائے گا۔

بعض روایات میں ہے کہ مطبوخ چیز کے ناقض وضو ہونے پر دلالت کرنے والی حدیث نبوی کی روایت کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: "أنتوضأ من الحميم؟ أنتوضأ من الدهن."❻ یعنی کیا ہم گرم پانی اور تیل کے استعمال سے بھی وضو کریں؟

---

❶ مصنف عبدالرزاق (١/ ١٧٣) و مصنف ابن أبي شيبة وغيره.

❷ مقدمہ انوار (١/ ١٦٨)　❸ نيل الأوطار: باب استحباب الوضوء مما مست النار (١/ ٢٤٦)

❹ الجوهر النقی مع سنن بيهقي (١/ ١٥٥)　❺ انوار الباری (٦/ ١٢، ١٣)　❻ ترمذي و أحمد.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ بات بظاہر حضرت ابی ہریرہ کی روایت پر اعتراض ہے، حالانکہ اگر حکم شریعت یہی ہو کہ مطبوخ چیز ناقض وضو ہے تو اسے تسلیم کرنے میں کسی مسلمان کو کوئی بات کہنے کی جرأت نہیں ہونی چاہیے چہ جائیکہ حضرت ابن عباس سے اعتراض کی توقع ہو، مگر چونکہ وہ اپنی آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کر چکے تھے کہ مطبوخ چیز کھا کر بلا اعادہ وضو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، اس لیے ان کی سمجھ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ زیرِ بحث حدیث نبوی کا مطلب نہیں آ رہا تھا کہ اگر آگ سے پکی ہوئی چیزیں ناقض وضو ہیں تو کیا تیل اور گرم پانی کے استعمال کرنے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا اور اس کی وجہ سے ہمیں وضو کرنا ہوگا؟

ہمارے خیال سے اس معاملہ کو اچھی طرح سمجھنے اور اپنے ذہنی خلجان کو دور کرنے کی غرض سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے استاذ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مندرجہ بالا قسم کا طالب علمانہ سوال بصورت اعتراض کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ابھی بطور تمہید صرف مندرجہ ذیل بات کہہ سکے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ذہنی الجھن رفع ہوگئی:

”یا ابن أخي! إذا سمعت حدیثا عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلا تضرب لہ مثلاً۔“

یعنی حدیث نبوی کے مقابلہ میں کوئی مثال مت بیان کیا کرو۔

چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اتنی ہی بات سننے سے حضرت ابن عباس مطمئن نظر آنے لگے، اس لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی بات وہیں ختم کر دی، اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ مطمئن نہ ہوگئے ہوتے تو ضرور سلسلہ سوال جاری رکھتے۔

حاصل یہ کہ جس طرح عام تلامذہ توضیح مجمل وحل مشکل کے لیے اپنے استاذ سے بصورت اعتراض سوالات کرتے رہتے ہیں، اسی طرح مذکورہ بالا معاملہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے استاذ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رفع الجھن کے لیے سوال کیا تھا، پھر موصوف اپنے استاذ کی صرف مندرجہ بالا بات ہی سن کر مطمئن ہوگئے، کیونکہ ذہین وفطین طلبہ بسا اوقات صرف معمولی اشارے سے اصل معاملہ سمجھ جاتے ہیں، جب کہ غبی وکند ذہن لوگ لمبی لمبی تقریروں سے بھی نہیں سمجھ پاتے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے استاذ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا جواب پا کر مطمئن و خاموش ہوگئے، مگر مصنف انوار جیسے لوگ آج تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بات کو دلیل بنا کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زہر افشانی میں مصروف ہیں!!

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سوال محض یہ معلوم کرنے کے لیے کیا تھا کہ ان کے استاذ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس سوال کا کوئی معقول و شافی جواب رکھتے ہیں یا نہیں؟ ورنہ مطبوخ چیز سے وضو نہ ٹوٹنے کا موقف انھوں نے محض اس لیے اختیار کر رکھا تھا کہ خود انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطبوخ چیز کھانے کے بعد بلا وضو کیے نماز پڑھتے دیکھا تھا، یا یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روغن سے وضو ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کے معاملہ میں اپنے استاذ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلک و موقف جاننا چاہتے تھے اور انھیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسا صحیح جواب دیا جو شریعت کے مزاج کے عین مطابق ہے، خود ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی احادیث کے مقابلہ میں قیاس آرائی کو ناجائز سمجھتے تھے۔[1]

محشیٔ إحکام نے امام ابن حزم رحمہ اللہ پر یہ بے جا اعتراض کیا ہے کہ ابن عباس نے اپنی بات ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر بطور

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ: الإحکام في أصول الأحکام (۷/ ۱۵۲، ۱۵۳)

اعتراض ہی کہی تھی، یہ سمجھ کر کہ مطبوخ چیز سے وضوٹوٹنے کا موقف ابوہریرہ نے محض اپنی رائے سے اختیار کیا ہے یا حدیث منسوخ پر عمل کرتے ہوئے۔

محشی کی پہلی بات تو واضح طور پر اس طرح باطل ہے کہ جامع ترمذی وغیرہ میں بسند صحیح صراحت ہے کہ ابن عباس کے سامنے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوری وضاحت سے یہ فرمان نبوی ذکر کیا تھا کہ مطبوخ چیز ناقض وضو ہے، جس پر ابن عباس نے سوال مذکور کیا تھا۔[1]

اس لیے یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ابن عباس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر محض یہ سمجھ کر اعتراض کیا تھا کہ انھوں نے یہ موقف اپنی رائے و قیاس سے اختیار کیا ہے اور محشی کا دوسرا اعتراض اس لیے بیجا ہے کہ حدیث منسوخ بیان کرنے والے صحابی کی بیان کردہ حدیث منسوخ پر اس قسم کا اعتراض صحابہ کے مزاج کے خلاف ہے، صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ حدیث مذکور منسوخ ہے یا اس مفہوم کی کوئی بات کہنی چاہیے۔

الحاصل حدیث مذکور پر ابن عباس کے اعتراض کی وہی توجیہ صحیح ہے جو ہم نے عرض کی۔ (كما لا يخفى) اور اگر بالفرض یہ توجیہ صحیح نہ مانی جائے تو یقیناً ابن عباس کا اعتراض غلط ہے، حضرت ابن عباس و ابن مسعود وغیرہ سے مروی بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ پکی ہوئی پاک و طاہر چیز کے کھانے سے وضو کیونکر ٹوٹ سکتا ہے؟[1] حالانکہ ابن عباس ہی کا موقف ہے کہ ایک پاک صاف انسان اپنے تمام اعضاء کو ہاتھ سے چھوئے تو وضو نہیں ٹوٹتا، لیکن اگر شرم گاہ چھو دے تو ٹوٹ جائے گا۔[2]

سوال یہ ہے کہ شرم گاہ بھی پاک ہے، جب اس کے چھونے سے وضو ٹوٹ سکتا ہے تو پکی ہوئی پاک چیز کے کھانے سے وضوٹوٹنے پر تعجب کی کیا بات ہے؟ اسی طرح مصنف انوار جن ابن مسعود رضی اللہ عنہ و ابراہیم نخعی رحمہ اللہ و حماد کو مذہب حنفی کا مورث کہا کرتے ہیں، وہ اپنی شرم گاہ چھونے سے وضوٹوٹنے کے اگرچہ قائل نہیں ہیں، مگر فرماتے ہیں کہ اگر پاک و طاہر عورت کو چھو دے تو وضوٹوٹ جائے گا۔[3] ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ پاک چیز کے کھانے سے وضوٹوٹنے کے موقف پر آپ کو اعتراض ہے مگر پاک و طاہر چیز کے چھونے سے وضوٹوٹنے کے موقف پر کیوں اعتراض نہیں ہے؟

مصنف انوار شرمگاہ چھونے کے معاملہ میں ابن عباس اور عورت کو چھونے کے معاملہ میں اپنے مورثین کے مسلک کے خلاف دوسری رائے رکھتے ہیں، مگر ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرد اپنی شرمگاہ سے عورت کی شرمگاہ کو چھو دے تو وضوٹوٹ جائے گا۔[4] ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ عورت کے سارے جسم حتی کہ شرمگاہ کو ہاتھ سے چھونے سے تو وضو نہ ٹوٹے، لیکن اگر شرمگاہ کو شرمگاہ سے چھو دے تو وضو کیونکر ٹوٹ جائے گا، جب دونوں شرمگاہیں پاک بھی ہوں؟

الحاصل اس معاملہ میں موقف ابی ہریرہ پر قیاسی اعتراض بے جا ہے، البتہ چونکہ ابوہریرہ کا موقف جس حدیث پر مبنی ہے، وہ منسوخ ہے، اس لیے ہم موقف ابی ہریرہ کو غیر صحیح مانتے ہیں، حضرت ابن مسعود و عائشہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم و ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کسی مومن کو بری بات کہنے کو ناقض وضو مانتے ہیں۔[5]

---

[1] جامع ترمذي مع تحفة الأحوذي (١/ ٨١، ٨٢)
[2] مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن أبي شيبة.
[3] مصنف ابن أبي شيبة و عبدالرازاق.
[4] مصنف ابن أبي شيبة و عبدالرازاق وغيره.
[5] عام كتب فقه حنفيه.
[6] المحلى ابن حزم (١/ ٣٥٦، ٣٥٧)

مگر حنفی لوگ نہیں مانتے۔ ابو زیاد سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما تنور میں بھنے جانے والے ایک بکری کو کھانے کے لیے منتظر تھے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسے جلدی نکالو، ہم کھائیں، کہیں نماز نہ فوت ہو جائے۔ چنانچہ اسے نکالا گیا، ان حضرات نے کھایا اور نماز سے پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وضو کرنے لگے تو ابن عباس نے کہا: کیا ہم نے کوئی نجس چیز کھائی ہے کہ وضو کریں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "أنت خير مني وأعلم ثم صلوا." یعنی آپ اس بات کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور مجھ سے اچھے ہیں۔ [1]

یہ روایت باعتبار سند ساقط و غیر معتبر ہے، کیونکہ اس کے مدار علیہ راوی ابو زیادہ کا حال معلوم نہیں، یعنی کہ موصوف مجہول ہے۔ البتہ تاریخ کبیر للبخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت ابن عباس یا حسن بن علی کا مولی تھا، یعنی اس شخص کی تعیین نہیں ہو سکی۔ ابو زیاد مولیٰ حسن کو بعض نے ثقات میں ذکر کیا ہے مگر عدم تعیین کے سبب یہ بمنزلہ مجہول ہے۔ ابو زیاد مولیٰ ابن عباس کی کسی نے توثیق نہیں کی، امام ابو حاتم نے الجرح والتعدیل میں اس شخص کا ذکر کیا ہے۔ [2] مگر ان پر کسی قسم کی جرح یا تعدیل نہیں کی، جس کا حاصل یہ کہ موصوف مجہول ہے، لہٰذا یہ روایت ساقط الاعتبار ہے۔

اس روایت کو امام بخاری نے تاریخ کبیر میں مختصراً ذکر کیا ہے لیکن اس میں مطبوخ چیز کھانے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے وضو کرنے اور اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا اعتراض کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جس انداز میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تھا، اسی انداز میں انھیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب بھی دیا کہ آپ کو اس بات کا علم زیادہ ہے کہ آپ نے نجس چیز کھائی ہے یا پاک چیز؟ بہر حال یہ روایت چونکہ غیر معتبر ہے، اس لیے اس سے کوئی نتیجہ نہیں اخذ کیا جا سکتا۔ ویسے اس روایت کا مفہوم بتلاتا ہے کہ اگر نجس چیز کھائی جائے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا۔ حالانکہ یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موقف کے خلاف ہے کہ "الوضوء مما خرج لا مما دخل" یعنی کسی بھی کھائی ہوئی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ [3]

حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ پر خلیفہ راشد کا عمل:

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مطبوخ چیزوں کے ناقضِ وضو ہونے پر دلالت کرنے والی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے بیک واسطہ (عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ زہری رحمہ اللہ وغیرہ) روایت کرتے تھے اور اس پر موصوف عمر بن عبدالعزیز عمل پیرا بھی تھے۔ [4]

یعنی کہ موصوف خلیفہ راشد اس حدیث کی روایت کرنے اور اس پر عمل کرنے کے سبب مصنف انوار کے اختراع کردہ اصول سے نعوذ باللہ غیر فقیہ اور خلافِ اصول شرع احادیث کے روایت کنندہ قرار پائے!

واضح رہے کہ حضرت عمر رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ کے عظیم المرتبت اساتذہ کے بھی استاذ تھے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کے متعدد اساتذہ کا بھی یہی مسلک تھا، جس کی تفصیل کتب حدیث میں موجود ہے اور اس پر گفتگو آئندہ آئے گی۔ امام صاحب کے ان

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (١/ ١٥٠)　[2] الجرح والتعديل (جلد: ٩)　[3] مصنف عبدالرزاق وغيره.

[4] مسند عمر بن عبدالعزيز للباغندي (ص: ٢٥، ٢٦) و سنن نسائي مع تعليقات سلفية (١/ ٢٤) و كتاب الاعتبار للحازمي وغيره.

اساتذہ کی بابت مصنف انوار کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ سب کے سب غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کے روایت کنندہ تھے؟ صرف امام صاحب ہی فقیہ تھے؟!

پکی ہوئی چیز سے وضوٹوٹنے کے معاملہ میں علامہ انور شاہ کا موقف:

لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف انوار کے وہ استاذ جن کے مجموعہ افادات کے نام سے انوار الباری شائع کی جا رہی ہے، یعنی علامہ انور شاہ کشمیری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث کو اصول شریعت کے خلاف نہیں سمجھتے اور نہ اس کی روایت کرنے والے صحابہ کو غیر فقیہ کہتے ہیں بلکہ وہ اسے منسوخ بھی نہیں کہتے، یعنی موصوف اس کو محکم اور صحیح حدیث قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

''مطبوخ چیز کے استعمال سے وضو کرنے کا حکم بہت سی احادیث نبویہ میں آیا ہے، جس کو اگرچہ بعض لوگوں نے منسوخ کہا ہے، مگر میرے نزدیک اس کے نسخ پر کوئی دلیل نہیں، شاہ ولی اللہ نے کہا کہ مطبوخ چیز سے وضو مستحب ہے۔ اور میں کہتا ہوں (یعنی انور شاہ فرماتے ہیں) کہ میرے نزدیک یہ حکم استحباب کے لیے تو ضرور ہے، مگر صرف خواص کے لیے عوام کے لیے نہیں۔ اسی طرح میرے نزدیک شرمگاہ اور عورت کو چھونے اور اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کا حکم استحباب کے لیے بحق خواص ہے، میری اس بات میں کوئی بُعد بھی نہیں، کیونکہ ہمارے فقہاء (یعنی فقہائے اہل الرأی) نے ان سے کہیں معمولی باتوں کے سبب وضو کو واجب قرار دیا ہے، مثلاً غیر محرم کو دیکھنا، چغل خوری، الغرض ان چیزوں سے حکم وضو نقض وضو کے سبب نہیں بلکہ ملائکہ سے تشبہ وتقرب کے لیے ہے۔ بعض نے اگرچہ اس حدیث کو وضو کے لغوی معنی یعنی ہاتھ منہ دھونے کے معنی پر محمول کیا ہے، مگر میرے نزدیک یہ خلاف متبادر ہے، کیونکہ نہ تو طبیعت ہی اسے قبول کرتی ہے اور نہ اسلاف کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر تم احادیث کو لغوی معنی پر محمول کرنا ضروری سمجھتے ہو تو اس کو اس ناقص وضو ہی پر محمول کرو، جس کا ذکر حافظ سیوطی نے جامع میں بحوالہ المختارہ لضیاء المقدسی کیا ہے۔''[1]

علامہ انور شاہ نے اپنی مندرجہ بالا بات العرف الشذی میں بھی کہی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مصنف انوار الباری جس حدیث کو خلاف اصول شرع اور جس کی روایت کو غیر فقیہ ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں، اسے ان کے وہ شیخ انور شاہ قانون محکم و قابل عمل بتلاتے ہیں جن کے مجموعہ افادات کے نام پر انوار الباری شائع کی جا رہی ہے۔

علامہ انور کا یہ بیان کہ ''ہمارے فقہاء نے غیر محرم کو دیکھنے اور چغل خوری کو ناقض وضو کہا ہے۔'' کتب فقہ حنفی میں مذکور نہیں اور نہ یہ حنفی مذہب کا مسئلہ ہے، البتہ امام ابراہیم نخعی کا مسئلہ ضرور ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ کہنے پر علامہ انور کی نکیر:

لطف کی بات یہ ہے کہ جن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مصنف انوار غیر فقیہ و خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ بتلاتے ہیں، انھیں ان کے شیخ اکبر حافظ حدیث علامہ انور شاہ فقیہ کہتے ہیں اور غیر فقیہ کہنے والوں پر نکیر بھی کرتے ہیں۔[2] حد یہ کہ امام

[1] ملاحظہ ہو: فيض الباري (١/ ٣٠٥، ٣٠٦)

[2] فيض الباري (٢/ ٢٣١، كتاب البيوع)

ابوحنیفہ کے قابل فخر استاذ امام زہری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہی کو ناسخ مانتے ہیں۔[1] اور علامہ سرخسی حنفی نے کہا ہے کہ صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے والا ملحد و کافر ہے۔ (تفصیل کا انتظار کریں)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ کہنے پر مصنف جواہر المضیہ قرشی حنفی و دیگر احناف کی نکیر:

مصنف جواہر المضیہ (جن پر مصنف انوار کو بہت اعتماد ہے) فرماتے ہیں:

''امام عبدالعزیز حنفی نے تحقیق میں کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ فقیہ تھے۔ اسباب اجتہاد میں سے کوئی بھی چیز ان سے معدوم نہیں تھی۔ وہ صحابہ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے اور اس زمانے میں فقیہ آدمی ہی فتوی دیتا تھا۔ اور میں کہتا ہوں (یعنی قرشی کہتے ہیں) کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یقیناً فقیہ تھے۔ ہمارے شیخ سبکی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتاوی کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے۔[2]

مذکورہ بالا بات مصنف انوار کے دوسرے شیخ اکبر علامہ شبیر نے بھی کہی ہے۔[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے استاد تھے:

علمائے رجال نے ابن عباس کو بصراحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا شاگرد کہا ہے۔ اس کا ایک زبردست ثبوت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کے سامنے طلاق کا ایک مسئلہ پیش ہوا، ابن عباس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: حضرت! یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے، اس کا جواب آپ ہی ارشاد فرمائیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کا جواب دیا اور اسی جواب پر ابن عباس اور دیگر حضرات نے عمل کیا۔[4] اسی طرح ابن عباس نے نماز کا ایک مسئلہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور ان کے بتلانے کے مطابق عمل کیا۔[5]

اس سے معلوم ہوا کہ مشکل مسائل میں ابن عباس اپنے استاذ محترم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اس سے مصنف انوار کے اس خیال کی تکذیب ہوتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ سمجھتے تھے اور ان کی روایت حدیث پر اعتراض وتنقید کرتے تھے، ورنہ وہ مسائل مشکلہ کے حل کے لیے حضرت ابوہریرہ کی طرف رجوع نہ کرتے، البتہ ابن عباس پر صحابہ کرام کی طرف سے بہت سے اعتراضات ہوئے ہیں۔ ان اعتراضات میں سے بعض کا تذکرہ اس لیے ضروری ہے کہ مصنف انوار کے اس پروپیگنڈہ کی حقیقت معلوم ہو سکے کہ فقہاء صحابہ چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ سمجھتے تھے اس لیے ان کی روایت حدیث پر اعتراض کرتے تھے، کیونکہ اگر اعتراض معترض علیہ کے عدم تفقہ کی دلیل ہو تو ابن عباس کو بھی غیر فقیہ کہا جانا چاہیے، حالانکہ ہمارے نزدیک یہ اصول قطعی طور پر باطل ہے۔ کسی کے بعض مسائل غلط بھی ہوسکتے ہیں اور ان پر اعتراض بھی صحیح ہوسکتا ہے، مگر اس کے باوجود اسے غیر فقیہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن عباس نے متعدد روایات کی ہیں۔[6]

---

[1] كتاب الاعتبار و فتح الباري (١/ ٣٣١) [2] جواهر المضية (٢/ ٤١٨)

[3] فتح الملهم شرح صحيح مسلم (١/ ١١) [4] سنن أبي داود مع عون المعبود: كتاب الطلاق (٢/ ٢٢٧، ٢٢٨)

[5] مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٢٣٦) [6] دفاع عن أبي هريرة للشيخ عبدالمنعم (ص: ٩٨)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر وارد ہونے والے بعض اعتراضات کا ذکر:

یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کتاب وسنت کے خلاف یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ نقدی کو نقدی کے ساتھ تفاضل سے فروخت کرنا جائز ہے۔ ان کے اس فتوی پر مشہور صحابی حضرت ابوسعید نے یہ اعتراض کیا کہ آپ یہ فتویٰ کیوں دیتے ہیں، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس کے خلاف ہے۔❶

اس مسئلہ میں فتویٰ دینے سے پہلے اگر ابن عباس اپنے استاذ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کر لیتے جس طرح کہ مندرجہ بالا مسئلہ طلاق میں کیا تھا تو خلاف سنت فتویٰ نہ دیتے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس باب میں انھیں وہی حدیث نبوی سنا دیتے جس کو ابوسعید نے ان کے فتوی کے خلاف بطور حجت پیش کیا تھا، کیونکہ ابوسعید والی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔❷ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباس نکاح متعہ کے جواز کے قائل تھے اور خلفاء راشدین کے زمانہ کے بعد بھی جواز متعہ کا فتویٰ دیتے تھے۔ ان کے اس فتوی پر صحابہ کرام خصوصاً عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سخت اعتراض کیا حتی کہ سخت ترین سزا دینے کی بھی دھمکی دی۔❸ اگر اس قسم کا کوئی اعتراض ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث پر ہوتا اور ان پر روایت حدیث کی پابندی عائد کی گئی ہوتی اور عدم تعمیل پر سزا کی دھمکی دی گئی ہوتی تو معلوم نہیں مصنف انوار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کس قدر مطعون کرتے۔

یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباس اور دوسرے کئی صحابہ وطی بلا انزال کو موجب غسل نہیں مانتے تھے اور اس سلسلہ میں منسوخ حدیث سے استدلال کرتے تھے۔❹ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے صحابی بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے مگر اس حدیث کی روایت اور اس کے مطابق عمل کی بنا پر مصنف انوار ان صحابہ کو غیر فقیہ نہیں کہتے ہیں اور نہ یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ خلاف اصول شرع حدیثیں بیان کرتے تھے!!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اجمالی موازنہ:

مصنف انوار کا یہ ارشاد بھی قابل ملاحظہ ہے کہ:

''حافظ ابن قیم نے تفقہ کی بنیاد پر ابن عباس کو ابوہریرہ پر فضیلت دی ہے۔''❺

ہم کہتے ہیں کہ یہ حافظ ابن قیم کا یا دیگر کچھ لوگوں کا اپنا ذاتی خیال ہوسکتا ہے، ورنہ درحقیقت مجموعی طور پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بالمقابل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ زیادہ فقیہ تھے اور انھیں ابن عباس پر باعتبار مجموعی بہت زیادہ فضیلت بھی حاصل تھی۔ دونوں صحابہ کے مابین تفقہ اور دیگر فضائل ومناقب کے مابین موازنہ بہت زیادہ باعث طوالت ہوگا، مگر چند باتیں پیش نظر رکھیے:

۱۔　حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بالاتفاق کبار صحابہ میں سے ہیں اور یہ متفق علیہ چیز ہے کہ صغار صحابہ پر کبار صحابہ کو بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔

---

❶ مسند طیالسی (ص: ۲۸۸، مسانید أبی حذیفة)　❷ کتب حدیث بالخصوص مسند طیالسی.

❸ صحیح مسلم وغیرہ.　❹ کتاب الاعتبار للحازمي (ص: ۲۹، ۳۰)　❺ ملخص از مقدمہ انوار (۱/ ۲۲)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں، ان کے برعکس ابن عباس مہاجر نہیں ہیں اور مہاجر اور غیر مہاجر میں بہت فرق ہے، مہاجر کا رتبہ غیر مہاجر سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متعدد مرتبہ حضور کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے، اس کے برعکس ابن عباس رضی اللہ عنہ کو معیت نبوی میں کبھی جہاد کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

۴۔ دور نبوی وعہد صدیقی و فاروقی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سرکاری عہدے دیے گئے، جو ان کے فقیہ زیرک اور دانا ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے، اس کے برعکس وفات نبوی کے وقت ابن عباس کی عمر دس سال کے لگ بھگ تھی۔ ظاہر ہے کہ اس عمر میں موصوف کوئی قابل ذکر کارنامہ نہیں انجام دے سکتے تھے۔ موصوف ابن عباس کو دور فاروقی میں بھی کوئی سرکاری عہدہ نہیں دیا گیا اور دور نبوی و فاروقی میں سرکاری عہدہ پانے والے کو بعد کے فقیہ پر بہر حال فوقیت حاصل ہے۔

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابن عباس کے استاد تھے اور انھوں نے کئی مرتبہ شفیق استاد کی حیثیت سے ابن عباس کی رہنمائی کی تھی، اور مصنف انوار کا دعوی ہے کہ مرتبہ استاد کا بڑا ہے نہ کہ شاگرد کا۔

۶۔ حضرت ابو ہریرہ سے کبار صحابہ علوم عامہ میں رجوع کرتے تھے، خصوصاً علم حدیث میں فاروق اعظم، عثمان، علی اور دیگر کئی عشرہ مبشرہ و اکابر ان سے حدیث معلوم کرتے۔ ظاہر ہے کہ اتنی عظیم الشان شخصیات جس کی طرف علوم وفنون میں رجوع کریں اس کا مرتبہ علوم وفنون میں اس صحابی پر بہر حال فائق ہوگا، جو اتنی عظیم شخصیات کا مرکز نگاہ نہ ہو۔

۷۔ یہ بہت واضح بات ہے کہ علوم وفنون کی جتنی ترویج و اشاعت اور دین کی جتنی خدمت بذریعہ جہاد و سرکاری عہدہ حضرت ابو ہریرہ نے کی ہے، اس کے بالمقابل ابن عباس کی علمی و دینی خدمات بہت کم ہیں۔

۸۔ حضرت ابن عباس کے کئی فقہی تفردات ایسے ہیں جو نصوص کتاب وسنت و اجماع امت کے خلاف ہیں، مثلاً وہ خلافت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ تک نکاح متعہ کے جواز کے قائل تھے۔ ابن عباس بیع صرف میں تفاضل کے قائل تھے، حالانکہ نصوص شرعیہ میں اس کی ممانعت ہے۔ قرآنی آیت ﴿وَ مَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهٗٓ إِلَّا اللّٰهُ﴾ والی آیت میں ابن عباس "إلا اللّٰه" پر وقف لازم نہیں مانتے تھے، حالانکہ ان کا یہ خیال بھی نصوص اور عام صحابہ کے خلاف ہے، مگر حضرت ابو ہریرہ میں اس طرح کی کوئی بات نہیں پائی گئی، بلکہ ان کی رہنمائی سے ابن عباس نے بعض معاملات میں اپنے سابق خیال سے رجوع کیا۔

حاصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا بنیادی اسباب کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقام مجموعی اعتبار سے علم و فقہ اور تمام چیزوں میں بڑھا ہوا ہے، البتہ جزوی طور پر کسی خاص معاملہ میں انھیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر فوقیت حاصل ہونے سے لازم نہیں آتا کہ مجموعی اعتبار سے ابو ہریرہ ان پر فوقیت نہیں رکھتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے صرف اضافی اور اعتباری طور پر ابن عباس کو فضیلت دی ہے، یعنی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ کی بہ نسبت زیادہ فقیہ تھے، ابن قیم نے اعلام الموقعین وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فقیہ ہونے کی تصریح کی ہے۔[1]

---

[1] نقله في تحفة الأحوذي (١/ ١١)

حافظ ابن قیم کے قول میں ابو ہریرہ کی بہ نسبت ابن عباس کے زیادہ فقیہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابو ہریرہ فقیہ ہی نہیں تھے اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ابو ہریرہ خلافِ اصولِ شرع احادیث بیان کرتے تھے۔ اگر امام ابو حنیفہ کو ابو یوسف ومحمد وزفر کی بہ نسبت زیادہ فقیہ مان لیا جائے تو اس سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ ابو یوسف ومحمد وزفر فقیہ ہی نہیں تھے یا یہ لوگ خلاف اصول شرع احادیث بیان کرتے تھے؟ کیا امام ابو حنیفہ کے کسی مسئلہ پر ابو یوسف ومحمد کے اعتراضات نہیں ہوئے ہیں؟ کیا ان اعتراضات کے سبب امام ابو حنیفہ غیر فقیہ ہو گئے؟ نیز ان اعتراضات کے سبب مصنف انوار یہ کیوں نہیں کہتے کہ امام ابو حنیفہ خلاف اصول شریعت احادیث روایت کرتے اور فقہی مسائل وضع کرتے تھے؟ بينوا و توجروا!

کیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے سے زیادہ عالم بتلایا ہے؟

ابو زیاد سے مروی ہے:

”شهدت ابن عباس و أبا هريرة، وهم ينتظرون جديا لهم في التنور، فقال ابن عباس أخرجوه لنا لا يفتننا الصلوٰة فأخرجوه فأكلوا منه، ثم أن أبا هريرة توضأ، فقال ابن عباس: أكلنا رجساً؟ قال: فقال: أنت خير مني وأعلم، ثم صلوا.“[1]

یعنی میں ابن عباس اور ابو ہریرہ کے پاس موجود تھا، یہ لوگ تنور میں بھونے جانے والے بکری کے ایک بچے کے منتظر تھے کہ تیار ہو تو کھائیں، ابن عباس نے اسے نکلوایا اور سب نے کھایا۔ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وضو کرنے لگے، ابن عباس نے کہا کہ کیا ہم نے کوئی نجس چیز کھائی ہے کہ وضو کریں؟ ابو ہریرہ نے کہا کہ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور مجھ سے بہتر ہیں۔

اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کو اپنے سے بہتر اور زیادہ صاحب علم تسلیم کیا ہے، حالانکہ اس کا مطلب دراصل صرف اتنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے طنزیہ انداز میں جواب دیا کہ کھائی ہوئی چیز کے نجس ہونے نہ ہونے کا آپ کو زیادہ علم ہے، لیکن ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس کے راوی ابو زیاد مجہول وغیر معروف ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو روایت حدیث سے روک دیے جانے کے مسئلہ پر بحث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلا وجہ مطعون کرنے والے مصنف انوار کو شائد یہ خبر نہیں کہ ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود، ابو درداء اور ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہم پر پابندی عائد کر کے حکم دیا تھا کہ تم لوگ روایت حدیث مت کرو، بلکہ انھیں مدینہ منورہ سے باہر جانے سے بھی منع کر دیا تھا۔[2] اور مصنف انوار کے مذہب میں روایت مرسل حجت ہی نہیں بلکہ جو لوگ مرسل روایت کو حجت نہ مانیں وہ سخت قابل طعن وتشنیع ہیں۔ حتی کہ فرماتے ہیں:

”دوسری صدی کے بعد حدیث مرسل وحسن سے استدلال واحتجاج کے خلاف نظریہ پیدا ہوا، حالانکہ متقدمین اس

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (١/ ٥٠، باب من كان لا يتوضأ مما مست النار)

[2] الإحكام لابن حزم (٢/ ١٣٩) و طبقات ابن سعد (٢/ ١٠٠، قسم دوم) و مجمع الزوائد (١/ ٥٩) و تذكرة الحفاظ للذهبي رحمه الله.

سے برابر حجت پکڑتے تھے۔‘‘[1]

لہٰذا مصنف انوار کے مذہبی اصول سے ثابت ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث پر پابندی عائد کر دی گئی تھی، اس لیے مصنف انوار کے اصول وضوابط کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ ابن مسعود اور ابو درداء وغیرہ کی روایت پر صحابہ کو اعتراض تھا، کیونکہ وہ انھیں غیر فقیہ سمجھتے اور خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ جانتے تھے۔ کیا اس سے ابن مسعود اور دیگر صحابہ کی شان میں گستاخی روا ہے؟ پھر ابو ہریرہ پر مصنف انوار طرح طرح کے مطاعن کیوں روا رکھے ہوئے ہیں؟ اور نہ صرف روا بلکہ ان مطاعن کو فخر کے ساتھ ’’تحقیق‘‘ کا نام دیتے ہیں!!

اس مرسل حدیث سے صاف عیاں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا معلم بنا کر حضرت عمر نے نہیں بھیجا تھا، حالانکہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ حضرت ابن مسعود کو کوفہ بھیجا گیا تھا۔ اگر حدیث مرسل حجت ہوتی تو ابن مسعود کے مدینہ میں محبوس کر دینے والی روایت کیونکر خلاف درایت ہوتی؟

حاصل گفتگو:

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ زیر بحث حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نقل و روایت عدم فقاہت کی دلیل نہیں، البتہ ہمارے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک ناسخ ہے اور بعض کے نزدیک یہ ناسخ ہے نہ منسوخ، بلکہ محکم و برقرار ہے۔ البتہ کبھی بھی اس کا حکم وجوب کے لیے نہیں تھا، بلکہ ہمیشہ سے اس کا حکم استحباب کے لیے ہے اور بعض کے نزدیک اس حدیث میں لفظ وضو شرعی معنی کے بجائے لغوی میں استعمال ہوا ہے اور بعض کے نزدیک اس حدیث کا معنی و مطلب کچھ اور ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔ اس سے قطع نظر کہ حدیث مذکور کے ناسخ ومنسوخ قرار دینے یا اس کے معنی و مطلب متعین کرنے میں کونسا نقطۂ نظر صحیح ہے، حدیث مذکور کو خلاف اصول شرع احادیث بیان کرنے والے صحابہ کی روایت کردہ احادیث کی مثال میں پیش کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اسے نقل کرنے والے جمیع صحابہ یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ، ام سلمہ، ام حبیبہ، زید بن ثابت، ابو ایوب، ابو موسی اور سہل بن حنظلیہ وغیرہم غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث بیان کرنے والے ہیں اور ان میں اکثر صحابہ مکثرین حدیث ہیں۔

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے اس بیان سے جملہ مکثرین صحابہ کی سخت اہانت لازم آتی ہے اور ان کی عظمت و وقعت شان بھی مجروح ہوتی ہے، خصوصاً حضرت ابو ہریرہ کی، مگر یہ بیان ہو چکا ہے کہ بعض احناف نے ابو ہریرہ کو غیر فقیہ کہنے پر نکیر بھی کی ہے۔ صحابہ کرام کی شان میں اس قسم کی باتیں لکھنے کے باوجود مصنف انوار کو شکوہ یہ ہے کہ محدثین نے حسد وعناد کے سبب ائمہ احناف کی وقعت شان گرانے کی کوشش کر رکھی ہے، حالانکہ موصوف کا محدثین کو حسد وعناد کی طرف منسوب کرنا ہی سراسر امر واقع کے خلاف ہے۔ (کما مر)

اوپر مصنف انوار کا یہ بیان ہم نقل کر آئے ہیں کہ ’’فرمان نبوی میں ترویج و اشاعت حدیث کی ترغیب دی گئی ہے۔‘‘ اور یہ معلوم ہے کہ ہر فرمان نبوی کی تعمیل کبار صحابہ دوسروں کے بالمقابل زیاد سرگرمی و جانفشانی کے ساتھ کرتے تھے۔ دریں صورت مصنف انوار کا یہ دعوی کیسے صحیح ہو گیا کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی؟!

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۸)

اشاعت حدیث کے لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم فاروقی:

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ باعتراف مصنف انوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا حکم دیا تھا، چنانچہ اس فرمان نبوی کی تعمیل صحابہ کرام کرتے تھے۔ ہم نقل کر آئے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما روایت حدیث کا حکم دیتے اور خود بھی حتی الوسع ترویج حدیث کا اہتمام کرتے تھے۔ نیز یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے تمام ممالک اسلامیہ کے عمال کے نام فرمان جاری کیا تھا کہ علوم قرآن اور احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کریں اور حضرت عمر نے یہ طرزِ عمل حضرت ابوبکر صدیق کی پیروی میں اختیار کیا تھا۔ اس حکم عام کے ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت ابو ہریرہ سے کہا:

"فاذھب فحدث"[1] یعنی آپ جا کر احادیث نبویہ کی تحدیث و روایت کیجیے۔

صرف یہی نہیں بلکہ کبار صحابہ حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث نبویہ معلوم کرتے رہتے تھے جس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ یہ حضرات حضرت ابو ہریرہ کو تحدیث و روایت کے ذریعہ ترویج و اشاعتِ حدیث کی ترغیب دلاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ سے خلفاء راشدین کا تلمذ:

الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ (۴/ ۲۰۹) اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں زیر ترجمہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ صراحت موجود ہے کہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور بقیہ عشرہ مبشرہ میں سے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ احادیث نبویہ کی معلومات حاصل کرنے کے لیے حضرت ابو ہریرہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے روایت بھی کرتے تھے۔ خلیفہ مروان بن الحکم ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت روایت پر معترض ہوا، مگر اسے جب یہ معلوم ہوا کہ اتنے بڑے اکابر حضرت عمر فاروق وغیرہ بھی موصوف کی روایت کردہ حدیث پر اعتماد کرتے اور اس سلسلے میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے تو وہ اعتراض سے باز آ گیا۔[2] لیکن مصنف انوار میں مروان جیسی بھی سلیم الطبعی و عقلمندی نہیں ہے کہ وہ حضرت ابو ہریرہ کے خلاف زہر افشانی سے باز آ جائیں۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ۹ھ والے اس حج میں احکام قرآنیہ کے اعلان کے لیے مامور و متعین کیا تھا جس میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر الحج مقرر کیا تھا۔[3]

ظاہر ہے کہ اتنا بڑا اقدام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اجازت نبوی کے بعد کیا ہوگا اور یہ چیز اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حیات نبوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ کو غلوں اور پھلوں کی نگرانی پر مامور کیا تھا، اسی زمانہ میں انھوں نے ابلیس کو پکڑ لیا تھا اور اس نے انھیں آیت الکرسی کی فضیلت بتلائی تھی۔[4]

دور نبوی و صدیقی میں ابو ہریرہ کے معاون و گورنر بنانے کا تذکرہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان اس بات سے نمایاں ہے کہ دور نبوی میں جو لوگ سرکاری عہدے پر مامور و متعین

---

[1] إصابه بحواله مسند مسدد بن مسرهد (٤/ ٢٠٩)　[2] نیز ملاحظہ ہو: البداية والنهاية، ترجمة أبي هريرة.
[3] صحيح بخاري و مسلم و نسائي وغيره.　[4] بخاري و مسلم وغيره.

کیے جاتے تھے وہ نگاہ نبوی میں بلند پایہ متقی، پرہیز گار، فقیہ اور سمجھ دار ہوتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ جہاں بھیجے جاتے تھے علوم کتاب وسنت کی ترویج واشاعت بھی کرتے تھے، کیونکہ انھیں نبی ﷺ کی طرف سے اس کا حکم رہتا تھا۔

حافظ ابن حجر ناقل ہیں کہ غزوہ جعرانہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت العلاء بن الحضرمی کو بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور حضرت العلاء کو ابو ہریرہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا، جب یہ لوگ مدینہ منورہ سے آگے بڑھے تو العلاء نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، آپ بتلائیے کہ کیا کیا چیزیں آپ کو پسند ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ مجھے مؤذن بنا دیجیے اور یہ کہ آمین کہنے میں مجھ سے سبقت نہ کیجیے۔''[1]

اتنی تفصیل کے ساتھ یہ روایت واقدی سے مروی ہے جو ساقط ہے، مگر اصل واقعہ اپنی جگہ پر صحیح سند سے مروی ہے۔ سعید بن منصور نے امام ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ ابو ہریرہ بحرین میں عہدہ اذان پر مامور تھے اور انھوں نے امام (العلاء بن الحضرمی) سے شرط کر رکھی تھی کہ مجھ سے پہلے آمین مت کہیے گا۔[2] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی موصوف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین کے عامل رہے۔[3] اور کسی صاحب عقل و ہوش پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ بارگاہ نبوی وصدیقی و فاروقی سے سرکاری عہدہ پر مامور کیا جانے والا صحابی ضرور فقیہ ہوگا اور وہ ان کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی ترویج اشاعت بھی کرتا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مکمل ومختصر تعارف:

اس جگہ موقع ومحل کی مناسبت سے ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مختصر سا تعارف موزوں سمجھتے ہیں، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:

اصل ونسل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصلاً ونسلاً سر زمین یمن کے باشندے تھے اور وہاں کے عظیم المرتبت قبیلہ دوس کے فرد فرید تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"الإيمان يمان، والفقه يمان، والحكمة يمانية."[4]

یعنی یمن میں ایمان وفقہ وحکمت بدرجہ اتم ہیں۔

مذکورہ بالا فرمان نبوی سے یمن کے تفقہ وحکمت کی فضیلت اور اہل یمن کی ایمانی عظمت ظاہر ہوتی ہے جس کی بنا پر یمنی الاصل صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فقیہ وحکیم ہونے سے کوئی بھی صحیح العقل وسلیم الفطرت انسان انکار نہیں کر سکتا۔ دریں صورت تفقہ وحکمت میں حضرت ابو ہریرہ کی عظمت وفضیلت ناقابل انکار ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد (٤/ ٧٦، قسم دوم)

[2] فتح الباري (٢/ ٢١٧) و دلائل النبوة (ص: ٥٠١) و مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٤٢٧) و الأنوار الكاشفة (ص: ٢٢٤)

[3] طبقات ابن سعد و الأنوار الكاشفة (ص: ٢٢٩) و فتوح البلدان (ص: ٣٩) و كتاب الخراج لأبي يوسف (ص:١١٤ وغيره)

[4] صحيح بخاري و مسلم و أحمد وغيره.

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أبو هريرة وعاء العلم." [1] و "حكيم هذه الامة أبوهريرة." [2]

قرآن عزیز نے کہا ہے: ﴿مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ گویا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بفرمان نبوی اللہ رب العزت کی طرف سے تفقہ وحکمت حاصل تھی۔ عام اہل علم حکمت کا مطلب بھی تفقہ وسنن نبویہ بتلاتے ہیں۔ [3]

مگر مکذوبہ روایت کی بدولت امام صاحب کو فارسی النسل قرار دے کر ان پر حدیث "لو كان الدين معلقا بالثريا لناله رجال من أبناء فارس" کو منطبق کر کے نیز "أبو حنيفة سراج أمتي" جیسی وضعی روایت کی بدولت مدح ابی حنیفہ کی مہم چلانے والے لوگ حافظ الصحابہ سید المحدثین حضرت ابوہریرہ کو غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ کہہ کر مطعون کرتے ہیں۔ حالانکہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ملک یمن کے بارے میں صاف طور پر مذکورہ بالا حدیث نبوی وارد ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث کے مصداقین میں حضرت ابوہریرہ بھی ضرور داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے وطن عزیز کی طرف رخ کر کے فرمایا:

"اللهم أقبل بقلوبهم وبارك لنا في صاعنا ومدنا." [4]

یعنی اے اللہ! اہل یمن کے قلوب ہماری طرف متوجہ کر دے اور ہمارے صاع و مد (مراد اہل یمن کے غلہ جات و طعام) میں برکت دے۔

اس سے بھی حضرت ابوہریرہ کے وطن عزیز کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوئی اور اس اعتبار سے اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کی برکت سے جو اہل یمن خدمت نبوی میں آئے ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ بعض اہل تفسیر نے ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ کی تفسیر میں "نصر الله" کا مطلب اہل یمن کا ایمان وقبول اسلام بتلایا ہے۔ [5] ایک مرتبہ قبیلہ بنوتمیم کو رسول اللہ ﷺ نے قبول بشارت کی ترغیب دی اس پر ان لوگوں نے مال طلب کیا تو حضور ﷺ کو غصہ آ گیا، لہٰذا آپ نے اہل یمن سے فرمایا کہ تمہیں یہ بشارت قبول کرو، جب کہ بنوتمیم نے انکار کر دیا ہے، اہل یمن نے بخوشی یہ بشارت قبول کر لی۔ [6]

اس سے اہل یمن کا تفوق وتفقہ ثابت ہے اور حضرت ابوہریرہ یمن کے جلیل القدر صحابی اور حضور ﷺ کے منظور نظر تھے، یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کے قبیلہ دوس کے فرد تھے اور ارشاد نبوی ہے کہ:

"إني أاقبل هدية إلا من قرش ـ أو أنصارض أو دوسي." الحديث. [7]

یعنی میں عرب کے فلاں فلاں قبیلہ ہی کا ہدیہ قبول کر سکتا ہوں ان میں سے ایک قبیلہ دوس بھی ہے۔" [8]

---

[1] المستدرك (٣/ ٥٠٩)　[2] منتخب كنز العمال (٥/ ٢١٧) والاستيعاب (١/ ٨)

[3] الجامع لإحكام القرآن (٢٠/ ٢٣٠) و عام كتب تفسير آيت مذكوره.

[4] مسند أحمد و جامع الترمذي مع تحفة الأحوذي (٤/ ٢٧٧ باب فضل اليمن)　[5] عام كتب حديث.

[6] بخاري و مسلم و نسائي و ترمذي.　[7] أبو داود (انسائي، ترمذي مع تحفة الأحوذي (٤/ ٣٧٩، ٣٨٠)

[8] نیز ملاحظہ ہو: مسند أحمد مع تعليقات لامه أحمد شاكر: ١٣٠٩٧ و جامع ابن وهب: ٥٧ و مسند حميدى: ٢/ ٤٥٤ بأسانيد صحيحة)

اس حدیث نبوی سے بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، مگر تعصب و تنگ نظری کے سبب بصیرت و بصارت سے محروم شخص حق بینی و حق فہمی سے محروم رہا کرتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم اور مسند حمیدی (۲/ ۴۵۳) وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ ابتدائے زمانہ میں دوس کے جاہلی اطوار سے دل برداشتہ ہوکر خدمت نبوی میں عرض گزار ہوئے کہ آپ قبیلہ دوس پر بد دعا کر دیجیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی: "اللھم اھد دوسا" یعنی اے اللہ تو قبیلہ دوس کو ہدایت دے![1] امام سمعانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قبیلہ دوس کے عظیم المرتبت صحابی طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام میں مکہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ سر زمین یمن میں میرا قبیلہ دوس ایک مستحکم قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے آپ ہجرت کر کے وہیں چلے چلیے۔[2]

اس روایت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کی عظمت و شرافت کا پتہ چلتا ہے قبیلہ دوس قبیلہ ازد کی ایک شاخ ہے۔[3] اور ازد کی بھی کتب حدیث میں بڑی فضیلت منقول ہے۔[4] حضرت ابو ہریرہ کے چچا سعد بن ابی ذباب رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس کے بادشاہ تھے، جب یہ مسلمان ہوگئے تو انھی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ دوس کا امیر بنایا اور وفات نبوی کے بعد انھیں امیر المؤمنین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ان کے عہدہ پر برقرار رکھا۔[5] قبیلہ دوس کے بہت سارے خاندان خصوصاً ابو ہریرہ کے اہل خاندان مسلمان ہوکر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے۔[6] حضرت ابو ہریرہ کی والدہ امیمہ بنت صفیح بن حارث بھی قبیلہ دوس ہی کی خاتون تھیں۔[7] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی صحابیہ ہیں اور حضرت ابو ہریرہ کے والد صخر بھی بروایت ابن الکلبی صحابی ہیں۔[8]

مگر ابن الکلبی ضعیف ہیں، البتہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ماموں سعد بن صفیح رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس کے بہادر ترین آدمی تھے، یہ بھی صحابی ہیں۔[9] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود اس بات کی تصریح کی ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے ان کا جاہلی نام عبد شمس تھا۔ اخرجہ ابن خزیمہ بسند صحیح یہ نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن یا عبداللہ رکھ دیا تھا۔[10] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ کنیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکھی ہوئی ہے۔[11] کنیت مذکورہ کا سبب ان کی ایک چھوٹی سی بلی سے یا بلیوں سے محبت ہے، بلی کو عربی زبان میں ہرّہ کہتے ہیں، جس کی تصغیر ہریرہ ہے۔[12] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حلیف بھی تھے۔[13]

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: الإصابة في معرفة الصحابة للحافظ ابن حجر رحمه الله (٢/ ٢٢٥ ذكر طفيل)

[2] ملاحظہ ہو: الأنساب للسمعاني (٢/ ٤٠١، ٤٠٢) و صحيح مسلم و مستدرك (٤/ ٧٦) و مسند أبي عوانة (١/ ٤٧)

[3] طبقات خليفة بن خياط (٨١٤)

[4] تحفة الأحوذي مع ترمذي أبواب المناقب.

[5] (كتاب الأموال لأبي عبى (ص: ٤٩٦) و مصنف ابن أبي شيبه (٣/ ١٣٤٢) و مسند أحمد (٤/ ٧٩) و تاريخ كبير للبخارى (٢/ ٤٦، قسم دوم)

[6] الدفاع عن أبي هريرة للشيخ عبدالمنعم (ص: ١٨ تا ٢١)

[7] المعارف لابن قتيبه (ص: ٢٧٧)

[8] فتح الباري (٩/ ١٦٤)

[9] طبقات ابن سعد (٤/ ٣٢٥) و إصابه.

[10] تهذيب التهذيب و استيعاب، ترجمة أبي هريرة.

[11] المستدرك (٣/ ٥٠٦ بسند صحيح)

[12] جامع ترمذی وغیره.

[13] كتاب الكنى للدولابي (١/ ٦١)

نیز یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، مگر موصوف ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں ۷ھ میں اپنے قبیلہ کے ستر گھرانوں کے ساتھ آئے تھے اس وقت موصوف کی عمر تیس سال تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اصابہ میں ایک روایت اس طرح نقل کی ہے کہ قبیلہ دوس کے مشہور و معروف سردار و شاعر حضرت طفیل بن عمیر ابتدائے اسلام ہی میں مکہ مکرمہ آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور مسلمان ہو گئے۔[1] اسلام کے شرف سے مشرف ہو کر موصوف اپنے وطن یمن واپس چلے گئے، اس وقت وہ جذبۂ تبلیغ سے بھرپور تھے، چنانچہ موصوف جب مکہ سے اپنے وطن واپس چلے گئے تو انھوں نے اپنے پورے قبیلہ کو دعوت اسلام دی، اس موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تنہا وہ دعوت قبول کی، پھر بعد میں وہاں زیادہ لوگ مسلمان ہوئے۔[2]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، البتہ دربار نبوی میں حاضری کا شرف محرم ۷ھ میں حاصل ہوا تھا جب کہ آپ بسلسلۂ غزوہ خیبر میں مقیم تھے۔[3] حاصل یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں، وہ دربار نبوت میں پہنچنے سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے، امام المغازی حضرت امام محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ "کان وسیطا في دوس "یعنی حضرت ابو ہریرہ قبیلہ دوس کے ممتاز فرد اور شرفاء میں سے تھے۔[4]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سفر ہجرت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے وابستہ ہونے کے لیے کئی آدمیوں کے ساتھ یمن سے مدینہ منورہ پہنچے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں بسلسلۂ غزوہ قیام پذیر تھے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا انتظار کیے بغیر مدینہ میں ایک رات گزاری اور بعد نماز فجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے خیبر کی جانب روانہ ہو گئے۔ مدینہ سے خیبر تک کا سامان سفر مدینہ کے نائب امیر سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ نے کرایا تھا۔[5]

ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت سے یعنی محرم ۷ھ سے لے کر وفات نبوی ربیع الاول ۱۱ھ تک یعنی تقریباً ساڑھے چار سال تک خدمت نبوی میں رہے، بعض روایات میں ہے کہ موصوف تین سال خدمت نبوی میں رہے اور بعض میں ہے کہ تین سال سے کچھ زائد۔[6] مگر یہ حقیقی اختلاف نہیں کیونکہ موصوف اپنی ہجرت سے وفات نبوی تک اگرچہ ساڑھے چار سال زندہ رہے، مگر اس ساڑھے چار سالہ مدت میں سے اچھی خاصی مدت بحرین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاون گورنر کے طور پر مدینہ منورہ (یعنی صحبت نبوی) سے دور رہے، نیز بعض جہادی مہموں میں بھی موصوف باہر رہے، اس طرح ان مختلف روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔

---

[1] إصابه و طبقات ابن سعد (۱/ ۳۵۳) و مستدرك (۳/ ۲۵۹)

[2] إصابه (۲/ ۲۲۵، ۲۲۶) تذکرہ طفیل و طبقات ابن سعد.

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الأنوار الكاشفة للعلامة المعلمي اليماني (ص: ۱٤٤ و ۲۰٤) وحاشية أنساب للمعلمي أيضا.

[4] حاشية الأنساب، والمستدرك (۳/ ۵۰٦) [5] طبقات ابن سعد (٤/ ٥٤ قسم ثاني) [6] طبقات ابن سعد وغيره.

مگر صاف ظاہر ہے کہ جب موصوف محرم ۷ھ میں ہجرت کر کے خدمت نبوی میں آئے اور وفات نبوی ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تو اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابو ہررہ چار سال سے زیادہ نبی ﷺ سے مستفید ہوتے رہے، جیسا کہ اہل علم نے بخوبی تصریح کی ہے کہ سفر ہجرت میں ترک وطن اور مسافرت کی شدت سے ابو ہریرہ اگرچہ درمیان راستے میں پریشان ہوئے، مگر محض اس بناء پر خوش تھے کہ دارالکفر سے نجات پا کر دار الہجرت اور دارالسلام پہنچ رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ایک شعر بھی کہا:

یا لیلة من طولها وعنائها
علی أنها من دارة الکفر نجت [1]

جس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تھے ان کی عمر تیس سال سے قدرے زیادہ تھی۔[2] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں اگرچہ فقر و فاقہ و جفاکشی کی زندگی گزاری، مگر ہجرت سے پہلے وہ امیر کبیر آدمی تھے، جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مدینہ میں ان کے پہنچنے سے قبل ان کا ایک بھگوڑا غلام بھاگ کر مدینہ آ چکا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے غلام کو لے لو، مگر موصوف نے اسے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔[3]

ظاہر ہے کہ امیر آدمی ہی غلام رکھتے ہوں گے، مگر موصوف نے اس مسافرت کی حالت میں غلام کے ذریعہ عیش وعشرت کا سامان کرنے کے بجائے رضائے الٰہی کے لیے غلام آزاد کر دیا اور خود علوم نبوی کے حصول کے لیے قوت لا یموت پر مکتفی ہوگئے، تاکہ علائق دنیا سے آزاد رہ کر اچھی طرح تحصیل علم کر سکیں۔ وفات نبوی کے بعد البتہ مال و دولت والے بنے اور عیش وعشرت سے زندگی بسر کرنے لگے، حتی کہ جس آدمی کے یہاں حصول قوت لا یموت کے لیے مزدوری کرتے تھے، ان کی معزز ترین بیٹی کے شوہر بھی بن گئے۔ مدینہ منورہ و بحرین کے گورنر ہوئے اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کو کافی روپے ملنے لگے۔[4]

ایک روایت صحیحہ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری نشونماز حالت یتیمی میں ہوئی اور ہجرت حالت مسکینی میں۔[5]

اس سے معلوم ہوا کہ موصوف کے والد کے مسلمان ہونے کی روایت صحیح نہیں، جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہجرت سے پہلے موصوف مفلس بھی تھے، خصوصاً جب کہ ان کے چچا والی یمن تھے، یتیمی مفلس ہونے کو مستلزم نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت وشفقت:

رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بے حد شفقت ومحبت کا برتاؤ کرتے اور ان کی دلجوئی فرماتے تھے، ایک بار آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! تم اموال غنیمت میں سے کسی مقدار کا مجھ سے مطالبہ کرو، موصوف نے جواب دیا: یا رسول اللہ! میں آپ

[1] صحیح بخاري و حلیة الأولیاء (۱/ ۳۷۹) و طبقات ابن سعد و معاني الآثار (۱/ ۱۰۸ وغیرہ)
[2] إصابه و ابن سعد وغیرہ۔ [3] إصابه.
[4] طبقات ابن سعد، و حلیة الأولیاء (۱/ ۲۷۹، ۲۸۰ وغیرہ)
[5] طبقات ابن سعد (٤/ ٣٢٦) و تاریخ کبیر للبخاري (۲/ ٥٤، ق:۱)

سے صرف یہ مانگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو علوم ودیعت کیے ہیں، ان میں سے کچھ مجھ کو بھی سکھا دیجیے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چادر لے کر بچھا دی اور باتیں کرنے لگے، جب بات کا سلسلہ ختم ہوا تو فرمایا: چادر سمیٹ لو اور اسے اپنے پاس رکھو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن سے مجھے کسی حدیث کا ایک حرف بھی نہیں بھولتا تھا۔[1]

باسانید صحیحہ منقول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے کہا:

"أدع اللّٰه أن يحببني أنا وأمي إلى عباده المؤمنين ويحببهم إلينا."[2]

یعنی آپ دعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری والدہ کو اپنے مومن بندوں کا محبوب بنا دے اور تمام مومنین کو ہمارا محبوب بنا دے۔ نبی ﷺ نے موصوف کے لیے یہ دعا کر دی۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جو بھی مجھے دیکھتا ہے یا میرا ذکر سنتا ہے، وہ نبی ﷺ کی دعا کی برکت سے مجھ سے محبت کرنے لگتا ہے۔

حاصل یہ کہ موصوف سے محبت علامت ایمان ہے۔ مصنف انوار غور فرمائیں کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا فقہائے اہل الرأی خصوصاً امام ابو حنیفہ سے؟

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو کر مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں پڑے تھے، انھیں تلاش کرتے ہوئے نبی ﷺ آئے، ملنے کے بعد ان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور دعائے خیر کی تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اچھے ہوگئے۔[3] اس سے معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت رکھتے تھے، موصوف خود بھی رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت رکھتے تھے، فرماتے ہیں:

"يا رسول اللّٰه! إذا رأيتك طابت نفسي وقرت عيني."[4]

یعنی آپ کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔

یہاں تک کہ موصوف وفات نبوی کے بعد حدیث بیان کرتے وقت محبت نبوی کی شدت سے مغلوب ہو کر بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔[5] موصوف نبی ﷺ کو اپنا خلیل (گہرا دوست) کہا کرتے تھے۔[6]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا علم وفضل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حافظہ ضرب المثل بن گیا تھا۔ صحابہ تک ان کی درسگاہِ حدیث سے علم حدیث حاصل کرتے، حتی کہ انھوں نے خود کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے اکابر بھی مجھ سے احادیث دریافت کرتے تھے۔[7]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی روایت کی ہے کہ:

''حسد دو آدمیوں سے کیا جاتا ہے، ایک وہ مالدار جو اللہ کے دیے ہوئے مال سے دین کے لیے خرچ کرتا ہے،

---

[1] تذكرة الحفاظ، و رواه لمعناه البخاري، و مسلم والنسائي وغيرهم، و حلية الأوليا (١/ ٣٨١)

[2] صحيح مسلم، و طبقات ابن سعد (٣/ ٥٤، ٥٥، ق: ٢) و حلية الأولياء.　[3] سنن أبي داود (١/ ٥٠٢ بسند صحيح)

[4] مسند أحمد (٢/ ٢٣٢) و مستدرك (٤/ ١٦٠) و مجمع الزوائد (٩/ ٣٦٢ بسند صحيح)

[5] جامع ترمذي بسند حسن، و مستدرك (١/ ٤١٨) و كتاب الزهد لابن المبارك (ص: ١٥٩)

[6] صحيح بخاري، و مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٤٠٨ وغيره)　[7] إصابه بحواله ابن سعد، ترجمة أبو هريرة.

دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ علم وحکمت سے نوازے اور وہ اس کے مطابق عمل کرے، اسے پھیلائے اور لوگوں میں اللہ کے دیے ہوئے علم کی اشاعت کرے۔"[1]

لہٰذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس علمی امتیاز وتفوق کے سبب فقہائے اہل الرای حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسد وعناد رکھتے ہیں، ورنہ موصوف کو اس قدر مطعون کرنے کا دوسرا کیا سبب ہوسکتا ہے؟

افسوس کہ یہ خوبی جہمی اور اہل الرای فقیہوں کی نظر میں عیب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے حدیث نبوی میں محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر مصنف انوار نے ان کے ساتھ عجیب روش اختیار کر رکھی ہے۔ اہل علم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کمال حفظ حدیث کو علامات نبوت میں سے قرار دیا ہے، کیونکہ ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ حدیث کی دعا کی تھی۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ابو ہریرہ سے علم فتوی حاصل کرو، کیونکہ ایک بار فرداً فرداً ہم لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے دعا کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کی دعا پر آمین کہہ رہے تھے، اخیر میں ابو ہریرہ نے یہ دعا کی کہ الٰہی میرے ساتھیوں نے تجھ سے جو کچھ مانگا ہے، وہ مجھے عنایت فرما، مزید یہ کہ مجھے ایسا علم دے جو نہ بھولے، ان کی اس دعا پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی۔ ہم نے دربار نبوی میں درخواست کی کہ ہم بھی نہ بھولنے والے علم کے حصول کی دعا کرتے ہیں، جواب ملا: "سبقكم بها الغلام الدوسي"[2]

معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا علم وفضل خصوصاً ان کا حافظہ علامات نبوت میں سے تھا، مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ان علوم وفنون پر فقہاء اہل الرای کو اعتماد نہیں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ ہونے کے سبب اصولِ شرع کے خلاف احادیث نبویہ بیان کرتے تھے۔

مگر لطف کی بات یہ ہے کہ یہی فقہائے اہل الرائے بہت سے امور میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث نبویہ کو دلیل وحجت بھی بنا لیتے ہیں، لیکن ان مواقع پر انھیں احادیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ خلاف اصول شرع محسوس نہیں ہوتی۔ عجیب بات ہے کہ جس ذات گرامی کے علوم علامات نبوت قرار پائیں، وہ فقیہ نہ کہے جائیں!

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے موصوف کو وعاء العلم بھی کہا ہے اور مرفوعاً بھی یہ بات مروی ہے۔[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت نبوی:

مصنف انوار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خصوصی تعلقات کا کافی ذکر کیا ہے۔[4] لیکن صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ:

"إنه كان يحمل مع النبي صلى الله عليه وسلم إداوة لوضوئه وحاجته." الحديث.

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو اور دوسری ضروریات سے متعلق کام کیا کرتے تھے۔

چنانچہ موصوف لیلۃ الجن کے موقع پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے تھے۔[5] موصوف بسا اوقات ناقۂ نبوی کی مہار لے کر چلا

---

[1] صحيح بخاري (١/ ١٧، كتاب العلم) و عام كتب حديث.
[2] رواه النسائي وغيره.
[3] مستدرك بسند صحيح (٣/ ٥٠٩)
[4] مقدمه انوار (١/ ٣٦، ٣٧)
[5] صحيح بخاري: باب ذكر الجن (١/ ٥٤٤ وغيره)

کرتے تھے۔[1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا لیلۃ الجن میں مصاحب نبوی ہونا مشکوک ہے۔ (كما سيأتي)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل صفہ کو کھانے پر مدعو کرتے تو آپ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرماتے کہ تمام اہل صفہ کو بلا لاؤ۔[2] حیات نبوی میں اگرچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عسرت و تنگدستی کی زندگی گزارتے مگر اس حالت میں بھی مہمان نوازی کے فرائض بخوبی انجام دیتے، ایک دوسی بزرگ طفاوی رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ ہی کے یہاں ایک ماہ تک مہمان رہے تھے۔[3] اور طفاوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی کی بڑی تعریف کرتے تھے۔[4] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ کے بڑے خدمت گزار تھے، ابتداء میں جب وہ مسلمان نہیں ہوئیں تھیں تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دربار نبوی میں ان کے مسلمان ہونے کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی، درخواست منظور ہوئی اور دعائے نبوی کی برکت سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ مسلمان ہوئیں۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی ماں کو تمام اہل اسلام کا محبوب بنا دے۔[5]

والدہ کا خیال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو والدہ کا اتنا زیادہ خیال رہتا کہ ایک بار دربار نبوی میں اصحاب صفہ میں سے ہر آدمی کو دو دو کھجوریں تقسیم کی گئیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک کھجور خود کھائی، دوسری والدہ کے لیے جیب میں رکھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ان سے فرمایا تم یہ کھجور بھی کھا لو، تمہاری والدہ کے لیے دو کھجوریں میں علیحدہ سے عنایت کروں گا۔ حتی کہ جب تک والدہ زندہ رہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کوئی نفلی حج نہیں کیا کہ مبادا ماں کو کوئی تکلیف پہنچے۔[6] بعض شریر قریشی اشخاص کے قتل پر مخصوص لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور کیا، جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔[7]

نیز ہم بیان کر آئے ہیں کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی کو ۹ھ میں عامل بحرین بنایا تو ان کے ساتھ ابو ہریرہ کو روانہ کر دیا اور انھیں ابو ہریرہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس سے بھی ابو ہریرہ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ۸ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو خاص احکام کے اعلان کے لیے حضرت ابو ہریرہ مامور کیے گئے۔[8]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ذوق جہاد:

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کے موقع پر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے، بعض روایات صحیحہ سے پتا چلتا ہے کہ موصوف کو اس غزوہ کی بعض مہموں میں شرکت کا موقع ملا تھا، اسی لیے انھیں اس کے مال غنیمت میں حصہ ملا تھا۔[9] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں بھی شریک ہوئے تھے، جس میں لوگوں کے پاؤں چھیل کر زخمی ہوگئے تھے اور طرح طرح کی پریشانیاں ہوئی تھیں۔[10] یہود مدینہ کے خلاف بعض جہادی مہموں میں بھی موصوف شریک

---

[1] مستدرك (۲/ ۹۹) [2] حلية الأولياء (۱/ ۳۷۷ وغيره)

[3] حلية الأولياء (۱/ ۳۷۵ تذکرہ طفاوی) [4] ابن سعد وغيره.

[5] طبقات ابن سعد (۲/ ۵۴، ۵۵ قسم دوم) و إصابه و حلية الأولياء وغيره.

[6] طبقات ابن سعد وغيره. [7] صحيح بخاري و مسند أحمد (۱/ ۲۰۶)

[8] صحيح بخاري و مسلم و أحمد وغيره.

[9] دفاع عن أبي هريرة بحواله صحيح بخاري (۴۷، ۴۸) و مغازي و اقدي (۲/ ۶۳۶)

[10] صحيح بخاري و شرح معاني الآثار (۱/ ۱۸۵) و مستدرك (۱/ ۳۳۸) و سنن أبي داود وغيره.

ہوئے۔ (صحیح مسلم و ابوداود) فتح مکہ و طائف وحنین وتبوک وموتہ میں بھی موصوف شریک رہے۔[1] وفات نبوی کے بعد مرتدین کے خلاف جنگی کارروائیوں میں بھی موصوف موجود رہے۔[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی موصوف غزوات میں شریک ہوتے رہے۔[3]

جہاد کے لیے ہندوستان آنے کا شوق:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہندوستان کے غزوہ کی فضیلت سن چکے تھے، اس لیے جہادی مہم میں ہندوستان آنے کا شوق رکھتے تھے، مگر وہ یہاں آ نہیں سکے۔[4] مگر ان سب کے باوجود مصنف انوار اور ان جیسے بعض فقہاء اہل الرای کی نظر میں صرف یہی ایک کام موزوں ومزین ہوکر رہ گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عظمت شان و وقعت علمی وفقہی گرانے کی پوری کوشش کر کے انھیں غیر فقیہ اور خلاف اصولِ شرع احادیث کا روایت کنندہ کہا جائے۔

غزوہ خیبر کے بعد سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنے غزوات اور سفر پیش آئے ان میں حضرت ابوہریرہ پوری تن دہی کے ساتھ شریک رہے اور حضر میں بھی سایہ کی طرح ساتھ رہے۔ مقصد صرف تحصیل علم و فیوض و برکات نبوی کا حصول تھا۔ صحبت نبوی جس قدر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو میسر تھی، کسی صحابی حتی کہ ازواج مطہرات کو بھی نہیں تھی، کیونکہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے یہاں نو نو دن پر صرف ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے کی باری ہوتی تھی، ان ازواج میں سیدہ فقہاءِ امت حضرت عائشہ بھی شامل تھیں، جنھوں نے ایک بار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں، اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جی ہاں! اصل بات یہ ہے کہ آپ زیادہ وقت کنگھا، چوٹی اور زیب زینت میں صرف کرتی تھیں اور میں ہمہ وقت دربار نبوی میں سایہ کی طرح حصول علم کی کوشش کرتا تھا۔[5]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب نے حضرت عائشہ کو تو خاموش کر دیا، مگر فقہاء اہل الرائے آج تک خاموش نہ ہوسکے۔ یہ لوگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے غیر فقیہ ہونے اور خلاف اصول شرع احادیث نبویہ کو بیان کرنے والا قرار دینے کے لیے سب سے بڑی یہی دلیل رکھتے ہیں کہ وہ بکثرت احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت بذریعہ تحدیث و روایت کرتے تھے، لیکن ان کی توجہ اس طرف نہیں جاتی کہ جب ان کے حیرت انگیز فقیہانہ جواب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی فقیہ و سیدہ امت کو مبہوت کر دیا تو وہ اسے ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے فقیہ ہونے کی دلیل قرار دے لیں۔ اہل الرای ہی کا ایک فقیہ ایک مرتبہ شان ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں گستاخی کرتا ہوا انھیں غیر فقیہ و غیر مقبول الروایہ کہہ رہا تھا کہ ایک ناگ نے اس کا پیچھا کیا اور اس گستاخی سے توبہ کرنے پر اس کا پیچھا کرنا چھوڑا۔[6] مگر افسوس کہ مصنف انوار جیسے لوگ پھر بھی عبرت پذیر نہیں ہوتے!!

---

[1] عام كتب حديث.　　[2] سنن نسائي و مسند أحمد (١/ ١٨١) والأغاني (١٥/ ٢٥٨)

[3] عام کتب حدیث و سیر و تاریخ.

[4] مسند أحمد مع تعليقات شاكر (١٢/ ٩٧) و مستدرك (٣/ ٥١٤) وسنن نسائي و شرح مسند أحمد للساعاتي وغيره.

[5] مستدرك حاكم (٥٠٩، ٣٩٠) و طبقات ابن سعد بسند صحيح و إصابه.

[6] سير أعلام النبلاء للذهبي (٢/ ٤٤٤) و تاريخ الإسلام للذهبي (٢/ ٣٣٧) و تحفة الأحوذى شرح ترمذي باب ما جاء في فضل الطهور (١/ ١١ بحواله عارضة الأحوذي) و حياة الحيوان للدميري و دفاع عن أبي هريرة (ص: ٤٨٠)

عشرہ مبشرہ میں سے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جتنی احادیث نبویہ سنیں ہم نہیں سن سکے۔ حالانکہ طلحہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے قدماء صحابہ میں سے مہاجر آدمی تھے۔ نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"يا أبا هريرة كنت لألزمنا لرسول الله صلى الله عليه وسلم وأعلمنا." [1]

یعنی آپ ہم صحابہ میں سب سے بڑے عالم ہیں۔

مگر سب سے زیادہ صحبت نبوی کے فیض یافتہ صحابی، فقہاء اہل الرای کے دربار میں غیر فقیہ قرار پائیں اور ان کی بیان کردہ حدیثیں خلاف اصول شرع ہونے کے سبب نا قابل قبول اور بقول کوثری ان کی اور ان جیسے صحابہ کی احادیث قیاس ابی حنیفہ کے مقابل میں غیر مقبول مانی جائیں!

یہ بات اوپر گزر چکی ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت، فقیہ صحابی مسائل کی تحقیق وتفتیش کے لیے حضرت ابوہریرہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تھے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابوحنیفہ کے ترجمہ میں "الإمام الأعظم فقيه العراق" کہہ دیا تو اسے مصنف انوار نے امام صاحب کے حافظ حدیث ہونے کی دلیل قرار دیا۔ [2]

لیکن انھی حافظ ذہبی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو "حافظ الصحابه" نیز "فقيه، من أوعية العلم، ومن كبار أئمة الفتوى مع العبادة والجلالة والتواضع" کہا۔ [3] تو اس کا الٹا اثر لے کر مصنف انوار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ وخلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ کہا۔ حالانکہ ذہبی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل امام ابوحنیفہ کو "كثير الغلط والخطاء" اور "سيئ الحفظ" قرار دیتے ہیں۔ (كما سيأتي)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت، معاملہ فہمی اور سیاستدانی پر اعتماد کر کے انھیں اپنی مملکت کا گورنر بنایا۔ اسی طرح امیر معاویہ نے بھی کیا۔ [4] استاد ابی حنیفہ ابن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ بلا کر درخواست کی کہ آپ گورنر بن جائیے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں بنوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیوں نہیں بنیں گے، جب کہ آپ سے بہتر شخص نے عہدہ قبول کیا تھا؟ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کون شخص ہے، جو مجھ سے بہتر تھا اور اس نے عہدہ قبول کیا تھا؟ فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام! حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ نبی کے بیٹے تھے اور خود بھی نبی تھے میں تو امیمہ (والدہ ابی ہریرہ) کا بیٹا ہوں۔'' الخ [5]

مگر مصنف انوار کی نظر میں پھر بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ ہی ہیں۔ لطف کی بات یہ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ گورنری سے علیحدہ ہو کر بہت خوش تھے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دوبارہ گورنر بنانا چاہا، اس پر موصوف نے فرمایا مجھے معاف رکھیے:

"أخاف أن أقول بغير علم، وأقضي بغير حلم." [6]

''مجھے ڈر ہے کہ کہیں کوئی غیر حلیمانہ بات کہہ دوں اور کوئی فیصلہ بغیر علم کے کر دوں۔''

مگر مصنف انوار حضرت ابوہریرہ کے اس طرز عمل کو ان کے کمال تقوی وتورع اور شدت احتیاط کی دلیل نہیں بتلاتے،

---

[1] جامع ترمذي و إصابة و استيعاب وغيره.
[2] مقدمه انوار (١/ ١٠١)
[3] تذكرة الحفاظ (١/ ٢٨) و تحفة الأحوذي (١/ ١١)
[4] نقض دارمي (ص: ١٦٥) و ابن سعد وغيره.
[5] إصابه (٤/ ٢٤٥ تذكره اميمه والده أبي هريرة)
[6] طبقات ابن سعد (٣/ ٩٥، ٦٠، قسم ثاني)

بلکہ ایسا غیر فقیہ محدث قرار دیتے ہیں جو عدم احتیاط کے باعث خلاف اصول شرع احادیث بیان کرنے کی وجہ سے فقہاء صحابہ کی تنقیدوں کے نشانہ بنتے تھے، لیکن اگر کسی صحابی نے کسی خاص حدیث کی بابت کہہ دیا کہ یہ چونکہ مجھے اچھی طرح ضبط نہیں اس لیے اسے بیان کرنے سے ڈرتا ہوں تو مصنف انوار کے نزدیک یہ شدت احتیاط اور کمال تورع کی دلیل ہونے کے ساتھ اس امر کی بھی دلیل بن گئی کہ کبار صحابہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ گورنری کی پیش کش کو حضرت ابوہریرہ نے اتنے زور دار طریقہ پر رد کیا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے، مگر یہ تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے کہ بدعویٰ مصنف انوار امام ابوحنیفہ خلیفہ منصور کی طرف سے پیش کردہ عہدِ قضا کو رد کرنے کے سبب ہلاک کیے گئے، کیونکہ امام صاحب کے جواب سے منصور خاموش یا مطمئن نہیں ہوسکا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ کثیر الحدیث تھے، مگر ان کا بیان یہ ہے کہ میں نے بہت کم احادیث روایت کیں، میرے پاس دو برتن بھر احادیث ہیں، ان میں سے میں نے صرف ایک برتن بھر بیان کیا ہے۔[1]

لیکن مصنف انوار اس کے باوجود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو محتاط نہیں مانتے، حالانکہ اس اعتبار سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی قلیل الروایۃ ہوئے کہ انھوں نے بہت سی احادیث محفوظہ کو بیان کرنے میں احتیاط سے کام لیا۔ واضح رہے کہ جن احادیث کو بیان کرنے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے احتیاط سے کام لیا ان کا تعلق احکام سے نہیں بلکہ زیادہ تر پیش گوئیوں سے تھا۔[2]

یہ ایک حقیقت ہے کہ کثرت وقلت روایت ایک اضافی و اعتباری چیز ہے۔ چار پانچ ہزار احادیث کی روایت کرنے والوں کی بہ نسبت دو ہزار حدیثیں بیان کرنے والے قلیل الروایہ ہیں، مگر یہی دو ہزار حدیثوں کے راوی ہزار پانچ سو والوں کی بہ نسبت کثیر الروایہ ہیں، لہٰذا حضرت ابوہریرہ پر کثیر الروایہ ہونے کے سبب طعن وتشنیع کرنا شرارت وغباوت ہے۔ حضرت عائشہ بھی بہت زیادہ کثیر الروایہ ہیں، تکثیر الروایت میں حضرت ابوہریرہ کے بعد انھیں کا نمبر ہے تو انھیں کیوں مطعون نہیں کیا جاتا؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات بقول اکثر اہل علم ۵۷ھ میں اور بقول بعض ۵۸ھ میں اور بقول واقدی وغیرہ ۵۹ھ میں ہوئی، بہر حال ان کی وفات ۶۰ھ سے پہلے ہوئی۔ وہ دعا کرتے تھے کہ ۶۰ھ آنے سے پہلے، جبکہ خلافت معاویہ کا دور ختم ہو، مجھے موت آجائے، حتی کہ جو لوگ ۶۰ھ سے پہلے ان کے مرض الموت میں ان کی صحت یابی کی دعا کرتے۔ انھیں وہ اس دعا سے منع کرتے اور موت کی دعا کرتے ان کی صحت یابی کی دعا کرنے والوں میں مروان بھی تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (عشرہ مبشرہ میں سے تھے) کے صاحب زادے ابوسلمہ بھی تھے۔[3] رضي الله عنه و أرضاه ورحمه

یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار نے ضرورت وتاریخ حدیث اور اس کی اہمیت وفضیلت اور اس کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک مقالہ سپردِ قلم کرتے ہوئے شان نبوی میں فرمایا:

> ''علمی طور پر آپ کی شان کو اتنا بلند بنایا گیا کہ آپ کے اسوۂ حسنہ کو کامل ومکمل اتباع و اطاعتِ خداوندی کا معیار بتایا، تحلیلِ طیبات اورتحریمِ خبائث کی نسبت آپ کی طرف کر کے آپ کے خصوصی منصب ورسالت اور اعلیٰ مقامِ نیابت وخلافتِ خداوندی کی طرف اشارہ ہوا۔ تمام اختلافات میں آپ ہی کو آخری حَکَم اور قاضی القضاۃ کا

---

[1] صحيح بخاري و طبقات ابن سعد (۲/ ۵۷ قسم ثاني)　[2] ابن سعد وغيره.　[3] إصابة (٤/ ٢١٠)

درجہ پوری وسعت قلب اور انشراح صدر کے ساتھ تسلیم کرنا ہر امتی کا فرض قرار دیا گیا۔ مذکورہ بالا بیان سے حدیث رسول کی حجیت اور اس کا تشریعی مرتبہ واضح ہوا۔" ❶

مگر حدیث کی نشر و اشاعت اور اس کی ضرورت کی تکمیل کا کام اللہ تعالیٰ نے جن صحابہ سے زیادہ لیا، یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے کبار صحابہ کی اچھی خاصی تعداد، انھیں مصنف انوار نے نشانۂ طعن و تشنیع بنا کر احادیث نبویہ کے بہت بڑے ذخیرہ کو غیر معتبر بنا دیا۔ پھر کس طرح اختلافی مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری حاکم بنایا جا سکے گا، جبکہ ان حاملین علوم نبوت کی بیان کردہ احادیث کو خلاف شرع قرار دے کر رد کرنے کی فکر کی جا رہی ہے اور ان کی بیان کردہ حدیثوں کے خلاف اہل الرای کے وضع کردہ قیاسی مسائل کو معمول بہ بنایا جا رہا ہے۔ جن حاملین علوم نبوت کو غیر فقیہ کہا جا رہا ہے ان کی تو خدمتِ حدیث کی بنا پر زیادہ سے زیادہ تعظیم و توقیر ہونی چاہیے، خصوصاً اس صورت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے کہ اے اللہ! ہر مومن کے دل میں ابوہریرہ کی محبت ڈال دے۔ اس دعاءِ نبوی کو سامنے رکھ کر مصنف انوار جیسے فقیہان اہل الرای اپنے دل کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ وہ ائمہ اہل الرای سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے؟ جن پر زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں:

"حضرت ابوہریرہ اور ان جیسے صحابہ چونکہ خلاف اصول شرع حدیث بیان کرتے تھے اس لیے وہ فقہاءِ صحابہ کی تنقیدوں کے نشانہ بنتے تھے۔" ❷

مصنف انوار کے ممدوح علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ صحابہ پر طعن کرنے والا ملحد و بد دین ہے، اگر توبہ نہ کرے تو اس کی سزا قتل ہے۔ ❸ شیخ عبدالقادر جیلانی نے کہا ہے کہ کسی صحابی پر ایک لفظ بھی بطور طعن استعمال کرنے والا صاحب ہوا (بدعتی و نفس پرست) ہے۔" ❹ یہ باتیں مصنف انوار کے لیے یقیناً قابل غور ہیں!

کیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ بہت سے صحابہ کو امام ابوحنیفہ نے غیر فقیہ کہا ہے؟

ناظرین کرام کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مصنف انوار نے اپنے اکابر کی تصریحات کی بڑے پیمانے پر مخالفت کی ہے، افسوس کہ مصنف انوار نے اپنے اسلاف کی ان تصریحات کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، انھیں بعض حنفیوں کا یہ بیان کافی پسند آیا کہ ابوحنیفہ نے کہا کہ میں تمام صحابہ کے اقوال و فتاوی کے مقابلے میں اپنے قیاسی مسائل چھوڑنے کو تیار ہوں، سوائے ابوہریرہ و انس و سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم کے کیونکہ یہ صحابہ فقیہ نہیں تھے۔ ❺ نعوذ باللّٰه من ذلك

اس کے برعکس مصنف انوار کے استاذ انور شاہ فرماتے ہیں:

"من يجترئ على أبي هريرة فيقول أنه كان غير فقيه." ❻

یعنی کسے یہ کہنے کی جرأت ہوسکتی ہے کہ ابوہریرہ فقیہ نہیں تھے؟

مگر بے چارے علامہ انور شاہ کو کیا خبر تھی کہ انھیں کے مجموعہ افادات کے نام سے شائع کی جانے والی کتاب انوار الباری

❶ مقدمہ انوار (١/ ١٧، ١٨)　❷ مقدمہ انوار (١/ ٢١، ٢٢)　❸ أصول سرخسي (ص: ١٣٤)
❹ غنية الطالبين (١/ ٧٩)　❺ ميزان الكبرى للشعراني (١/ ٦١)　❻ فيض الباري (٣/ ٢٣١)

کے ذریعہ مصنف انوار پروپیگنڈہ کریں گے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہیں تھے، بلکہ خلاف اصولِ شرع احادیث بیان کرتے تھے۔ ایک معتزلی حنفی قاضی عیسی بن ابان نے بھی اس طرح کی بات کہی ہے۔[1] جس پر اہل علم حتی کہ احناف نے بھی نکیر کی ہے۔ (كما سيأتي)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث "الوضوء مما مست النار" پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اعتراض کا جو جواب دیا تھا، اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے منکرین سنت یا جاہلین کے جواب کے لیے محفوظ کر لیا تھا اور وہ بھی خلاف سنت عمل کرنے والوں کے جواب میں اسی طرح کا جواب دیتے تھے کہ:

"والله ما أراكم منتهين حتى يعذبكم الله، نحدثكم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتحدثونا عن أبي بكر و عمر."[2]

یعنی تم احادیث نبویہ کے مقابلہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے اقوال پیش کر کے معارضہ کرتے ہو، بخدا معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی اس غلط کاری سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ عذاب میں مبتلا نہ کیے جاؤ گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان میں مصنف انوار کے لیے درس عبرت ہے کہ احادیث نبویہ کے بجائے اقوال ابی حنیفہ کو دلیل و حجت بنا کر فرماتے ہیں کہ اصل محقق، انصاف پسند اور معتدل المزاج ہم ہی ہیں!!

صحابہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدراکات:

مصنف انوار نے کہا ہے:

''سیدہ فقہاءِ امت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے استدراکات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کی حدیثی روایات پر مشہور ہیں، جن میں سے اکثر کا ذکر علامہ سیوطی نے "عين الإصابة فيما استدركته السيدة عائشة على الصحابة" میں کیا ہے۔''[3]

ہم کہتے ہیں کہ سیوطی کی کتاب مذکور کا نام "عين الإصابة في استدراك عائشة على الصحابة" ہے، سیوطی کی یہ کتاب "الإجابة لإيراد ما استدركته عائشة على الصحابة" لإمام بدرالدين محمد بن عبدالله زركشي رحمه الله. (مولود ۷۴۵ھ ومتوفی ۷۹۴ھ) کی تلخیص و اختصار ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر حضرت عائشہ کے استدراکات ہیں، بلکہ حضرت عمر، ابن مسعود، ابو درداء، زید بن ثابت، ابوسعید، ابن عمر، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم وغیرہم کبار فقہاء صحابہ پر بھی استدراکات ہیں۔ اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر موصوفہ کے استدراکات کا یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تکثیر روایت کے سبب غیر فقیہ تھے تو ان کبار صحابہ کو بھی نعوذ باللہ غیر فقیہ ماننا ہوگا۔ مصنف انوار کا یہ عجیب طرزِ تحقیق ہے جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ و زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی غیر فقیہ اور قابل اعتراض قرار پاتے ہیں۔ حضرت عائشہ پر بھی تو متعدد مسائل میں استدراک و اعتراض ہوئے، اور حضرت ابوہریرہ کے بعد تکثیر روایت میں انھیں کا درجہ ہے، لہٰذا انھیں بھی غیر فقیہ وغیرہ قرار دے دیا جائے، پھر پوری آزادی سے صرف فقہاء اہل الرای کے لیے میدان صاف

---

[1] أصول بزدوي (٢/ ٦٩٩)　[2] جامع بيان العلم (٢/ ١٩٥، ١٩٦)　[3] مقدمه انوار (١/ ٢٢)

ہو جائے گا اور انھیں کو ساری فقاہت کا مرکز ومنبع قرار دے دیا جائے گا!

مصنف انور جس صحیح بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اس میں اور دوسری عام کتب حدیث میں باسانید کثیرہ مروی ہے کہ مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ نے جب حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز کی امامت کرائیں تو حضرت عائشہ نے کہا کہ میرے باپ رقیق القلب آدمی ہیں، وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو بہت روئیں گے، ان کی بجائے کسی اور کو امام بنایا جائے۔ اس پر نبی ﷺ نے دوبارہ اپنے اس حکم کو دہرایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بات حضرت حفصہ سے بھی کہلوائی، اس پر نبی ﷺ نے اظہار خفگی کرتے ہوئے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نماز پڑھائیں گے اور "فإنكن لصواحب يوسف" تم عورتوں کی تو عادت ہے کہ غلط قسم کی باتوں پر اصرار و ہٹ دھرمی کرتی ہو، آخر تم اسی صنف سے تعلق رکھتی ہو جنھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ غلط روی اختیار کر کے انھیں آخر جیل خانہ بھجوایا۔ [1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طرز عمل پر خود حضور ﷺ نے نکیر کی اور ان کے خلاف سخت الفاظ استعمال کیے، کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس نکیر و اعتراض سے یہ استدلال درست ہے کہ وہ فقیہ نہیں تھیں یا یہ کہ وہ خلاف اصول شریعت احادیث روایت کرتی تھیں؟

مسند احمد وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مدح سرائی کرتے ہوئے نبی ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کر ٹوکا کہ وہ بوڑھی عورت تھیں۔ "وقد أبدلك الله خيراً منها" اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ پر آپ کو ان سے بہتر بیویاں عنایت کی ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: "والله ما أبدلني الله خيراً منها" اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بہتر دوسری بیویاں نہیں دیں۔" [2]

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر رسول اللہ ﷺ نے نکیر و اعتراض کیا۔ کیا اس کی بنا پر یہ دعویٰ صحیح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غیر فقیہ تھیں؟ عبرت کے لیے یہی دو مثالیں کافی ہیں۔

جس صحیح بخاری کی شرح کے نام پر مصنف انوار اتنے بڑے پیمانے پر رد حقائق اور لغو طرازی کر رہے ہیں اسی میں اور دیگر کتب حدیث میں مروی ہے کہ جس سفر جہاد میں آیت تیمّم نازل ہوئی، اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غفلت یا غلطی سے ان کا ہار گم ہوگیا، جس کی تلاش میں لوگوں کو بہت پریشانی ہوئی، ادھر پانی نہیں تھا، سبھی صحابہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف نکیر شروع کر دی، حتی کہ ان کے باپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں نے آ کر موصوفہ کی شکایت کرتے ہوئے کہا:

"ألا ترى ما صنعت عائشة أقامت برسول الله صلى الله عليه وسلم والناس."

''آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی غفلت و غلط روی کے سبب ہار گم کر کے تمام لوگوں اور رسول اللہ ﷺ کو روک رکھا ہے۔''

لوگوں کی یہ شکایت سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر برہم ہوئے اور آ کر انھیں زجر و توبیخ حتی کہ زد و کوب کر کے بولے:

---

[1] صحيح بخاري: باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة وأخرجه في أبواب عديدة وغيره.

[2] مسند أحمد مع تعليقات علامه أحمد شاكر مسند عائشه رضی اللہ عنہا.

"تکونین في کل سفر عناءً ا وبلاءً علي"[1] "تم میرے لیے ہر سفر میں مصیبت بن جاتی ہو۔"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تمام موجود صحابہ نے نکیر و اعتراض کیا۔ کیا اس حدیث سے استدلال کر کے یہ دعویٰ درست ہے کہ حضرت عائشہ غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کی روایت کنندہ تھیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر صحابہ کی طرف سے ہونے والے اعتراض ونکیر کے سلسلے میں ہم صرف اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور صرف اسی سے مصنف انوار کے مزاعم ولغوطرازیوں کی تکذیب وتردید ہوجاتی ہے۔

جنگ جمل وصفین میں مصنف انوار صحابہ کے کس گروہ کو حق بجانب اور دوسرے کو خطا کار کہتے ہیں؟ ہر دو جانب ایسے صحابہ تھے جن کی فقاہت کا انکار کوئی بھی شخص نہیں کر سکتا، مگر ہر گروہ دوسرے گروہ پر معترض تھا۔ کیا اس اعتراض سے استدلال کر کے یہ کہنا درست ہے کہ ایک دوسرے پر اعتراضات کرنے والے یہ سارے صحابہ کرام مثلاً زبیر، طلحہ، معاویہ، عمرو بن العاص، عائشہ صدیقہ، حضرت علی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم وغیرہ غیر فقیہ تھے؟ کیا ان صحابہ میں سے کسی کو غیر فقیہ کہنے کی جرأت و ہمت مصنف انوار اور ان کی پارٹی کے کسی فرد میں ہے؟ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کو اتنا مسکین کیوں سمجھ لیا گیا کہ ان پر کسی شخص کے صحیح یا غلط اعتراض کو ان کے غیر فقیہ ہونے کی دلیل بنا لی؟ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ خلاف حدیث عمل کرنے پر بڑے سے بڑے صحابی پر اعتراض ہوتا تھا اور اس کے خلاف حدیث نبوی پیش کی جاتی تھی اور معترض علیہ صحابی حدیث پیش کرنے والے سے معذرت کر کے حدیث کی طرف رجوع کرتا تھا، مگر مصنف انوار کا خیال ہے کہ ابوہریرہ جیسے بکثرت روایت حدیث کرنے والے صحابہ پر روایت نہ کرنے والوں کا اعتراض تھا اور صحیح مذاق بھی یہی تھا۔ حد ہے اس بے راہ روی کی؟!

لطف کی بات یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مرتے وقت وصیت کر گئی تھیں کہ میری نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پڑھائیں گے۔[2] انھوں انھوں نے کسی اہل الرای فقیہ کو نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت نہیں کی، بلکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی جو مصنف انوار کے نقطۂ نظر سے غیر فقیہ اور اصول شریعت کے خلاف احادیث روایت کرنے والے تھے۔ لطف کی بات یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدراکات عموماً حنفی مذہب کے اصولوں کے خلاف ہیں، جن کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ مصنف انوار نے اس موقعہ پر نہایت فقیہانہ انداز میں فرمایا:

> یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرون اولیٰ میں اگر اعتراض ہوا تو فقہاء صحابہ کی طرف سے غیر فقیہ روایت حدیث کرنے والوں پر اور یہی صحیح مذاق تھا، اس کے بعد مذاق بگڑا تو دوسری صدی کے بعد الٹا اعتراض محدثین کی طرف سے فقہاء پر ہونے لگا۔ الخ[3]

حالانکہ ہم بتلا آئے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے اس لمبے چوڑے دعوی کے ثبوت میں جو ایک اکلوتی دلیل بطور مثال پیش کی ہے، وہ ان کے مقصود پر دلیل نہیں بنتی۔ علاوہ ازیں مصنف انوار جن کو فقہائے صحابہ کہتے ہیں، ان پر بھی خلاف حدیث عمل کرنے پر اعتراضات ہوئے اور کسی بھی صحابی نے محض روایت حدیث پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ جس چیز کو مصنف انوار

---

[1] عام کتب حدیث و صحیح بخاري أبواب التیمم وغیره.

[2] الإجابة لإیراد ما استدرکته عائشة علی الصحابة (ص: ٤٠) [3] مقدمه أنوار (١/ ٢٢)

اعتراض سمجھتے ہیں وہ اعتراض تھا ہی نہیں، وہ یا تو طالب علمانہ سوال تھا یا تحقیق مزید کی غرض سے استفسار تھا یا کسی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے علمی مذاکرہ وغیرہ۔ اب اگر کسی خاص مزاج کے سبب مصنف انوار اصل حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہوں تو اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے؟ کسی حدیث پر اعتراض کرنے والوں پر صحابہ سخت نکیر کرتے تھے اور حدیث پر اعتراض کرنے والے کو سوا سکوت و خاموشی کے کچھ بن ہی نہیں پڑتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدراکات کا حاصل بھی یہی ہے کہ اصل چیز حدیث ہے، اس کے خلاف ہر بات قابل اعتراض ہے۔ کاش مصنف انوار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق کار کو سمجھ پاتے!

تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی کسی فقیہ یا غیر فقیہ شخص نے خلاف حدیث عمل کیا یا اپنے قیاس سے حدیث پر کسی قسم کا اعتراض کیا تو اس پر نکیر کی گئی۔ اثنائے شرح اس کی نشاندہی بخوبی ہوگی! اس جگہ ہم صرف دو محکم مثالوں پر اکتفاء کر رہے ہیں۔

خلاف حدیث عمل کرنے کے سبب امیر معاویہ پر صحابی کا اعتراض:

امیر المؤمنین حضرت معاویہ کا دستور یہ تھا کہ ان کے اور رومیوں کے درمیان عارضی جنگ بندی کا معاہدہ تھا، وہ وقتِ معاہدہ کے خاتمہ سے پہلے ہی حدود دشمن کی طرف لشکر اسلام لے کر روانہ ہوجاتے اور وقت معاہدہ سے پہلے تک اپنی سرحد کے اندر رہتے، جیسے ہی مدت ختم ہوئی فوراً دشمن پر حملہ کر دیتے۔ ایک صحابی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ کے اس طرز عمل پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ فرمان نبوی ہے:

"من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلن عهدا حتى يمضي أمده."[1]

یعنی آپ جو کام کرتے ہیں، وہ حدیث نبوی میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

مصنف انوار جیسے لوگوں کے لیے یہ صحیح حدیث بہت زیادہ عبرت و موعظت کی چیز ہے، وہ یہ کہ امیر معاویہ بذات خود بہت بڑے فقیہ صحابی تھے، ان کے فقیہ ہونے کی شہادت ابن عباس نے بھی دی ہے۔[2] امیر المؤمنین عمر بن الخطاب نے انھیں حاکم شام بنا کر ان کے فقیہ و مدبر ہونے کی تصدیق کر دی تھی۔[3]

مگر یہ صحابی فقیہ ہونے کے باوجود اس خاص باب خاص میں حدیث نبوی سے غافل ہونے کے سبب اس کے خلاف عمل کے عادی تھے۔ ان پر خلاف حدیث عمل کرنے کی وجہ سے ایک صحابی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور جیسے ہی امیر معاویہ کو حدیث معلوم ہوئی، انھوں نے حدیث کی طرف رجوع کیا اور پورے لشکر اسلام نے ان کی متابعت کی۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث اتنے بڑے فقیہ کے طریق عمل کے خلاف نہیں ہوسکتی، ضرور ہی اس حدیث کا راوی غیر فقیہ ہے یا اس کی روایت خلاف اصول شرع ہے، یا یہ حدیث منسوخ ہے یا قابل تاویل ہے، یا اس کے معنی و مطلب کچھ اور ہیں۔ اس لشکر میں یقیناً

---

[1] ملاحظہ ہو: جامع ترمذي مع تحفة الأحوذي (٢/ ٣٩٠، ٣٩١، باب ما جآء في الغدر) وقال الترمذي حديث حسن صحيح، وأبوداود طيالسي (ص: ١٥٧)

[2] صحيح بخاري مع فتح الباري (٧/ ١٠٣، باب: ٢٨، حديث: ٣٧٦٥)

[3] ملاحظہ ہوں ان کے حالات اصابہ و اسد الغابہ وغیرہ میں.

بہت سے فقہاء صحابہ موجود تھے، مگر کسی نے عمرو بن عبسہ کو روایت حدیث کے سبب غیر فقیہ نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ اکابر صحابہ پر بعض حدیثیں مخفی رہ جایا کرتی تھیں۔ پھر وہ فقہاء اہل الرائے کس شمار و قطار میں ہیں جو بقول عمر فاروق احادیث نبویہ کی روایت اور معرفت کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے، صرف چند خانہ ساز اصولوں پر تخریج مسائل کیا کرتے تھے۔

اس حدیث صحیح سے مصنف انوار کے اس خیال کی بھرپور تکذیب ہوتی ہے کہ ''فقہاء کی طرف سے قدیم ایام میں حدیث بیان کرنے والوں پر اعتراضات ہوتے تھے، دوسری صدی کے بعد مذاق بگڑ جانے کے سبب حدیث بیان کرنے والوں نے فقہاء پر اعتراض شروع کر دیا۔''

ناظرین خود انصاف فرمائیں کہ امیر معاویہ کے اس واقعہ سے مصنف انوار کے مزاعم اور خیالات کی تکذیب ہوتی ہے یا نہیں؟ مثالیں تو کتب حدیث میں بھری پڑی ہیں، مگر ان کا تذکرہ اثناءِ شرح میں مفصل طور پر آئے گا۔ اس جگہ صرف ایک مستحکم مثال اور اس کی تائید میں ایک شاہد عادل پر اکتفا کیا گیا ہے اور صاحب عقل سلیم کے لیے ایک مثال بھی بہت ہے، غبی و بلید کو خواہ دفتر کے دفتر سنائیے وہ ''کمثل الحمار یحمل أسفارا'' کا مصداق ہے۔

دوسری مثال:

امام ابوحنیفہ کے قابل فخر استاد امام زہری نے بیان کیا کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے ایک روز وقت مستحب سے تاخیر کر کے نماز عصر پڑھی، ان کے اس طرز عمل پر ایک مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر (یہ حضرت زبیر بن عوام کے صاحبزادے ہیں جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے) نے اعتراض کیا، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

خلاف حدیث عمل کے سبب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وخلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز پر اعتراض:

حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کہا: ''آپ ہی کی طرح ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی امارت کے زمانے میں نماز تاخیر سے پڑھی، ان پر حضرت ابومسعود انصاری (صحابی رسول) نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فلاں وقت نماز پڑھائی تھی۔ مطلب یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم جبرئیل کے مطابق اس نماز کو جس وقت پڑھا کرتے تھے، اس میں آپ نے نہیں پڑھی بلکہ مؤخر کر دی۔ عمر بن عبدالعزیز نے عروہ سے کہا ذرا سنبھل کے بات کہو، کیا حضرت جبرئیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فی الواقع اوقات صلوٰۃ کی تعلیم دی تھی۔ عروہ نے کہا: ''جی ہاں! یہ حدیث بالکل صحیح ہے، کیونکہ ابومسعود انصاری کی یہ حدیث مجھے بذریعہ بشیر بن ابی مسعود (ابومسعود کے بیٹے) معلوم ہوئی ہے، اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز اس حدیث پر عمل کا التزام کرنے لگے۔''[1]

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں: ایک یہ کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر فقیہ عظیم و مجتہد صحابی نے حدیث نبوی کے خلاف عمل کیا تو ان پر اعتراض ہوا اور اعتراض کرنے والے بھی جلیل القدر محدث فقیہ صحابی تھے، یعنی ابومسعود

---

[1] ملاحظہ ہو: صحیح البخاري مع فتح الباري (۲/ ۱، باب مواقیت الصلوة) کفایة الروایة للخطیب (ص: ۳۹٦ ذکر المراسیل) و دیگر کتب حدیث۔

انصاری، مگر مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ دیکھو میں فقیہ شخص ہوں، مجھ پر خلاف حدیث عمل کرنے کا الزام لگانا صحیح نہیں ہے اور یہ کہ فقیہ پر محدث کا اعتراض صحیح نہیں اور یہ کہ فقیہ کے خلاف بطور حجت روایتِ حدیث عدمِ تفقہ کی دلیل ہے اور یہ کہ تمہاری روایت کردہ حدیث نبوی خلاف اصول شرع ہے۔

ان تمام باتوں میں مغیرہ نے کوئی بات بھی نہیں کہی، بلکہ پورے خلوص کے ساتھ اس اعتراض کو سنا اور بجا سمجھا اور بقول ابن حجر "والظاهر أنه رجع إليه" [1] اپنے طرز عمل کو بدل کر حدیث نبوی کے مطابق بنایا، کسی قسم کا حیل و حجت نہیں کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ خلاف حدیث عمل کرنے پر خواہ کوئی بھی ہو، صحابہ اعتراض کرتے تھے اور اسے خلاف تفقہ نہیں سمجھتے تھے۔

اس حدیث صحیح سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ صحابہ کے زمانے میں کسی فقیہ کے عمل کے خلاف روایت حدیث کو عدم تفقہ کی دلیل نہیں سمجھا جاتا تھا اور نہ روایت حدیث کرنے والے کو نشانۂ طعن و تشنیع بنایا جاتا تھا، مگر مصنف انوار نے عجیب انداز میں روایت حدیث پر سبّ و شتم اور طعن و تشنیع کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ فقیہ صحابی پر بھی بعض احادیث مخفی رہتی تھیں۔ پھر وہ فقہاء اہل الرائے کس شمار میں ہیں جو بقول فاروق اعظم حفظ و روایت سے عاجز و قاصر ہونے کے سبب قیاس پر عمل کرتے تھے؟

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ حدیث نبوی کے خلاف عمل کرنے کے سبب خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز پر بھی اعتراض ہوا اور یہ اعتراض جلیل القدر تابعی نے کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تابعین میں بھی خلاف حدیث عمل کرنے کی سبب فقہاء پر اعتراض ہوتا تھا۔

اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز فقہاء پر خلاف حدیث عمل کرنے کے سبب اعتراض کو غلط نہیں سمجھتے تھے، بلکہ فقہاء اپنے عمل کو خلاف حدیث پا کر حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے، کیونکہ عمر بن عبدالعزیز بذات خود سارے فقیہوں کے فقیہ تھے اور انھوں نے حدیث کے مطابق اپنے عمل میں اصلاح کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز پر بھی یہ اعتراض دوسری صدی سے پہلے ہی پیش آیا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے عروہ کی بیان کردہ مرسل حدیث کو اس وقت تک حجت نہیں مانا جب تک اس کو انھوں نے متصلاً بیان نہیں کیا۔

مگر مصنف انوار مدعی ہیں کہ مرسل حدیث کی حجیت سے انکار کی مہم بھی دوسری صدی کے بعد خصوصاً امام بخاری کے ذریعے چلائی گئی۔ [2] اس موضوع پر مفصل گفتگو آگے آرہی ہے۔ ان مباحث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اگر مصنف انوار کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ انوار الباری مجموعہ افاداتِ انور شاہ ہے تو علامہ انور شاہ کے علم حدیث میں ماہر ہونے کا شہرہ صرف پروپیگنڈہ کے زور پر ہو گیا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مصنف انوار حضرت عمر بن عبدالعزیز کو مجدّد امت اور امام و مجتہد مانتے ہیں، ورنہ ان کے اصول سے موصوف عمر بن عبدالعزیز مجدد دین بھی غیر فقیہ ہی قرار پاتے ہیں، کیونکہ وہ بھی آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو کرنے

---

[1] فتح الباري (۲/ ۵)　　[2] مقدمه انوار (۱/ ۲۸)

والی حدیث کے راوی ہیں اور نہ صرف راوی بلکہ اس پر عامل بھی اور اس کے مطابق فتویٰ دینے والے بھی، چونکہ موصوف عمر بن عبدالعزیز کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کا ایک فرمان یہاں نقل کریں تا کہ اہل عقل کے لیے عبرت ہو۔

بقول عمر بن عبدالعزیز خلاف حدیث کسی کا قول و فعل حجت نہیں:

کتب حدیث میں مروی ہے:

"إن عمر بن عبدالعزيز كتب إلى الناس أنه لا رأي لأحد مع سنة سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم."[1]

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ساری اسلامی سلطنت کے لوگوں کو یہ لکھا کہ سنت نبوی کی موجودگی میں کسی بھی شخص کا فتویٰ وقول قبول نہیں کیا جا سکتا۔

عمر بن عبدالعزیز کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ وہ حدیث نبوی کے مقابلہ میں کسی کے قول کو، خواہ وہ قول صحابی ہو حتی کہ قول خلیفہ راشد حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہی کیوں نہ ہو، حجت نہیں مانتے، چہ جائیکہ فقہاءِ متاخرین اور وہ بھی اہل الرای فقہاء کے اقوال وفتاوی۔ حضرت خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کا یہ فرمان ان کے مذہب ومسلک کی توضیح کے لیے کافی ہے کہ انھوں نے بذریعہ تحریر پوری دنیائے اسلام کے لوگوں کو اس بات سے باخبر کیا کہ حدیث نبوی کے ہوتے ہوئے کسی اور کے قول کو نہ لیا جائے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ فرمان و مذہب انفرادی نہیں تھا، بلکہ دوسرے صحابہ وتابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

"عن ابن عباس وعطاء و مجاهد و مالك بن أنس رضي الله عنهم أنهم كانوا يقولون: ما من أحد إلا وهو مأخوذ من كلامه ومردود عليه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم."[2]

ظاہر ہے کہ ان حضرات کا مسلک بھی عمر بن عبدالعزیز ہی کے مطابق ہے۔ حضرت امیر معاویہ نے صحابہ وتابعین کی موجودگی میں خطبہ دیتے ہوئے صاف کہا:

"قد بلغني أن فيكم رجالا يتحدثون بأحاديث ليست في كتاب الله ولا تؤثر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فأولئك جهالكم."[3]

یعنی لوگ ایسے اقوال الناس بیان کرتے ہیں جو کتاب وسنت میں نہیں، ایسا کرنے والے جہال ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس روایت میں احادیث سے مراد وہ اقوال الناس ہیں جو احادیث نبویہ کے خلاف ہوں۔ یہی بات فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح منقول ہے:

---

[1] جامع بيان العلم (٢/ ٣٤) و إعلام الموقعين لابن قيم (١/ ٢٦) و سنن الدارمي (١/ ٩٥، باب ما يتقى من تفسير حديث النبي صلى الله عليه وسلم وقول غيره عند قوله صلى الله عليه وسلم) ومفتاح الجنة للسيوطي (ص: ٤٣) و حجة الله البالغة للشاه ولي الله (١/ ٥٠) والإحكام في أصول الأحكام للإمام ابن حزم: ٦/ ٥٣ باب الخامس والثلاثين)

[2] حجة الله البالغة.

[3] إعلام الموقعين (١/ ٢١ بحواله صحيح بخاري)

”عن السائب بن يزيد أنه سمع عمر بن الخطاب يقول: أن حديثكم شر الحديث، إن كلامكم، شر الكلام فإنكم قد حدثتم الناس حتى قيل: قال فلان، قال فلان، ويترك كتاب الله، من كان منكم قائما فليقم بكتاب الله وإلا فليجلس.“[1]

”تم لوگوں کا یہ طریق عمل بہت خراب ہے کہ دوسروں کے اقوال و آثار کو بیان کرتے پھرتے ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ انھی اقوال و آثار کو بطور حجت پیش کر کے کہتے ہیں کہ فلاں نے ایسا کہا، فلاں نے ویسا کہا، حتی کہ کتاب اللہ متروک ہوگئی۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے ذاتی اقوال و افعال فی نفسہ حجت نہیں۔ اور ہم عرض کر آئے ہیں کہ یہ بات اتنی واضح، روشن اور ظاہر ہے کہ اس پر دلائل قائم کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں، مگر بعض کا ذکر بطور مثال اس لیے کر دیا گیا کہ عوام کو زیادہ اطمینان ہو سکے، البتہ اکابر امت خصوصاً کبار صحابہ کے جو اقوال و افعال نصوص کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوں، وہ فی نفسہ حجت نہ ہونے کے باوجود ہماری ذاتی آراء کے بالمقابل زیادہ بہتر ہیں اور پیش آمدہ امور میں اپنی ذاتی رائے سے اکابر امت کے اقوال و افعال، جو خلاف نصوص نہ ہوں، زیادہ قابل عمل ہیں۔

تدوین حدیث کے متعلق عمر بن عبدالعزیز کی حدیث پر مکمل بحث:

ہمارے ذکر کردہ مندرجہ بالا نظریہ و موقف سے تعلق رکھنے والی ایک روایت صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس طرح منقول ہے:

”كتب عمر بن عبدالعزيز إلى أبي بكر بن حزم انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه، فإني خفت دروس العلم، وذهاب العلماء، ولا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم وليفشو العلم، وليجلسوا حتى يعلم من لا يعلم، فإن العلم لا يهلك حتى يكون سراً، حدثنا العلاء بن عبد الجبار حدثنا عبد العزيز بن مسلم عن عبد الله بن دينار بذلك.“

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو یہ تحریری فرمان بھیجا کہ احادیث نبویہ کو تلاش کر کے لکھ ڈالو، کیونکہ مجھے، علم اور علماء کے ختم ہوجانے کا خطرہ ہے۔ تم احادیث نبویہ کے علاوہ کوئی اور چیز قبول نہ کرو، لوگ علم کو پھیلائیں اور تعلیم کے لیے بٹھائے جائیں، تاکہ ناواقف لوگ واقف ہوجائیں، کیونکہ علم ہلاک نہیں ہوگا۔ ہاں ایک مخفی راز بن جائے گا۔ یہ حدیث ہم سے (یعنی امام بخاری سے) علاء بن عبدالجبار نے بیان کی اور ان سے عبدالعزیز بن مسلم اور انھوں نے اسے عبداللہ بن دینار سے روایت کیا۔

یہ صحیح حدیث صاف طور پر اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حدیث نبوی کو تو حجت مانا مگر دوسرے لوگوں کے اقوال و آثار اور فتاویٰ کو ناقابل قبول قرار دیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے بعض نسخوں خصوصاً نسخہ یونینی میں اسی طرح ہے۔[2] اور

---

[1] الإحكام لابن حزم (٢/ ٩٧، ٩٨)

[2] إرشاد الساري (١/ ١٩١، ١٩٣) و عمدة القاري (١/ ٥٢٧ بحواله الكواكب الدراري للكرماني)

مصنف انوار کے استاذ علامہ انور شاہ نے کہا ہے کہ ''نسخہ یونینی'' بخاری کے نسخوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد اور پختہ ہے۔ [1]

چنانچہ امام ابن حزم اور ابن بطال نے بھی یہ حدیث انھی الفاظ و معانی میں روایت کی ہے اور چونکہ یہ حدیث بالصراحت اس بات کی دلیل قاطع ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز احادیث نبویہ کے علاوہ ''أقوال الناس'' کو حجت نہیں مانتے تھے، اس لیے امام ابن حزم نے اسے نقل کرنے کے بعد کہا:

"فهذا عمر بن عبد العزيز لا يأمر، ولا يجيز إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم وحده." [2]

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز حدیث نبوی کے علاوہ کسی کے قول وفعل اور اثر وفتوی کو حجت بنانے کی اجازت نہیں دیتے۔

ہر صاحب عقل وشعور امام ابن حزم کی اس حقیقت بیانی کو پوری طرح محسوس کر سکتا ہے، امام ابن حزم کی طرح بعینہ یہی بات امام ابن بطال (ابوالحسن علی بن خلف مغربی متوفی ۴۴۴ھ) نے کہی ہے کہ:

"في أمر عمر بكتابة حديث النبي عليه الصلوة والسلام خاصة وأن لا يقبل غيره الحض على اتباع السنن." [3]

یعنی حضرت عمر نے جو قول نبوی کے سوا کچھ بھی لکھنے کی ممانعت کر دی تو اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ سنن نبویہ ہی کا اتباع کیا جائے، یعنی اسی کو حجت مانا جائے۔

حاصل یہ کہ بخاری، ابن حزم اور ابن بطال کی نقل کردہ حدیث عمر بن عبدالعزیز کی حدیث میں اس کی پوری صراحت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز حدیث نبوی کے علاوہ اقوال الناس کو، خواہ وہ اقوال صحابہ و تابعین کے ہوں یا کسی اور کے، حجت شرعیہ نہیں مانتے تھے، اور ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ دوسری روایت صحیحہ سے بھی یہی بات ثابت ہو چکی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز غیر نبی کے اقوال و فتاویٰ کو فی نفسہٖ حجت نہیں مانتے، لیکن صحیح بخاری و ابن حزم و ابن بطال کی مذکورہ بالا حدیثِ عمر کو بعض لوگوں نے قدرے تغیّر کے ساتھ روایت کیا ہے، جس میں لفظ "لا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم'' نہیں ہے۔ چنانچہ سنن دارمی، موطأ محمد اور تمہید لابن عبدالبر میں یہ روایت بدعویٰ مصنف انوار اس طرح ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو یہ حکم دیا تھا کہ احادیث نبویہ کے ساتھ آثار صحابہ بھی لکھوائیں۔

موطأ محمد، دارمی اور تمہید کی روایت:

اس سلسلے میں مصنف انوار الباری کے الفاظ درج ذیل ہیں، ملاحظہ ہو:

''آپ نے (یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے) اپنے نائب والیٔ مدینہ ابوبکر حزمی رحمہ اللہ کو فرمان بھیجا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرت عمر کے آثار جمع کر کے لکھو۔'' [4]

''موطأ محمد میں ہے کہ احادیث رسول اور سنن یا حدیثِ عمر یا اس کے مثل دوسرے صحابہ کے آثار سب جمع کر کے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تقریباً یہی الفاظ دارمی نے بھی اپنی

[1] مقدمه فيض الباري (١/ ٣٧)　[2] الإحكام (٦/ ١٠٩، ١١٠)
[3] عمدة القاري (٢/ ٥٢٧)　[4] تنوير الحوالك (ص: ٥)

سنن میں روایت کیے ہیں، حافظ ابن عبدالبر نے تمہید میں امام مالک سے بطریق ابن وہب روایت کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز تعلیم حدیث وفقہ کے لیے تمام شہروں کو احکام بھیجا کرتے تھے، مدینہ طیبہ کے لوگوں کو عمل بالسنہ کی تلقین فرماتے اور ان سے گزشتہ واقعات پوچھتے تھے اور ابوبکر حزمی کو حکم دیا تھا کہ حدیث جمع کر کے لکھوائیں اور ان کے پاس ارسال کریں۔ حزمی نے بہت سی کتابیں لکھوائیں، مگر حضرت عمر کی زندگی میں آپ کو نہ بھیج سکے۔ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ امام زہری کو بھی عمر نے جمع حدیث کا حکم دیا تھا اور انھوں نے دفتر کے دفتر جمع کیے، جن کی نقول عمر نے اپنے قلمرو میں بھجوائیں۔"[1]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے مختلف حوالوں سے تدوین حدیث کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز کا جو فرمان نقل کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق فرمان عمر میں احادیث نبویہ کے ساتھ صحابہ کے آثار و اقوال بھی جمع کر کے لکھنے کا حکم دیا گیا تھا، مگر کسی روایت میں بھی اس بات کی تصریح بلکہ اشارہ نہیں کہ صحابہ کے آثار و اقوال دلیل شرعی کی حیثیت بھی رکھتے ہیں اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ اقوال و آثار صحابہ کو لکھنے کا حکم دینے سے یہ ہر گز لازم نہیں آتا کہ انھیں دلیل شرعی بھی قرار دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

دریں صورت صحیح بخاری میں مذکور عمر بن عبدالعزیز کے فرمان میں جب اس بات کی تصریح موجود ہے کہ "لا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم" تو صحیح بخاری کی اس روایت کے ساتھ مذکورہ بالا روایات کو ملانے سے حاصل معنی یہ بنتے ہیں کہ فرمانِ عمر میں احادیث نبویہ کے ساتھ ساتھ اگرچہ آثار و اقوال صحابہ کو لکھنے کا بھی حکم تھا، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ صراحت بھی کر دی گئی تھی کہ ان جمع کردہ چیزوں میں سے بطور دلیل شرعی صرف فرمان نبوی ہی کو قبول کیا جا سکتا ہے، البتہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ نصوص کتاب وسنت و اجماع امت پر عدم واقفیت کی صورت میں کسی بھی صحابی کا جو قول وفعل نصوص و اجماع سے قریب تر محسوس ہو اس پر اپنی ذاتی رائے کے مقابلہ میں عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ صحیح بخاری میں واقع لفظ "لا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم" فرمان عمر بن عبدالعزیز کا ایک ٹکڑا ہے، مگر مصنف انوار چونکہ عام اہل علم کے بالمقابل دوسری طرح کے سمجھدار واقع ہوئے ہیں، اس لیے انھوں نے سمجھا کہ "لا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم" کا لفظ فرمان عمر میں شامل نہیں تھا، بلکہ اسے امام بخاری نے اپنی طرف سے ایجاد کر کے بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے مصنف انوار نے بعنوان "ایک اہم مغالطہ" بھاری لغوطرازی کی ہے۔

امام بخاری پر مصنف انوار کی زبان درازی (ایک اہم مغالطہ):

مصنف انوار امام بخاری کے خلاف زہر افشانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہاں ایک مغالطہ کا ازالہ ضروری ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب كيف يقبض العلم" میں بطور تعلیق حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان مذکورہ کو ذکر کیا ہے اور اس کے بعد یہ جملہ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے کہ "سوائے

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۳)

حدیث رسول ﷺ اور کوئی دوسری چیز نہ لی جائے۔'' بعض لوگوں نے سمجھا کہ یہ جملہ بھی حضرت عمر کا ہی ہے۔

''اور اس سے ثابت ہوا کہ جو کتاب حزمی نے جمع کی ہوگی اس میں سوائے حدیث رسول کے اور کچھ نہ تھا، کیونکہ عمر نے اپنے فرمان میں ان کو غیر حدیث لکھوانے سے قطعاً روک دیا تھا، حالانکہ یہ ظن فاسد ہے، جس کا منشأ موطأ امام محمد و سنن دارمی کی روایات مذکورہ سے ناواقفیت ہے، کیونکہ ان میں صراحت سے حضرت عمر وغیرہ کے اقوال وغیرہ جمع کرنے کا حکم بھی تھا، پھر کیونکر ممکن تھا کہ ابوبکر حزمی حضرت عمر کے فرمان کی تعمیل کرتے اور حضرت عمر و بقیہ خلفاء کے آثار و اقوال نہ لکھتے۔ اس کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری نے یہ جملہ کیونکر بڑھایا اور اس کی بنا کیا ہے؟ شاید کسی کسی روایت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان کی عبارت ناقص نقل ہوئی ہے، اسی لیے غیر حدیث لکھنے کی ممانعت سمجھ لی گئی یا روایت کا اتنا ٹکڑا امام بخاری کی شرط پر صحیح نہ تھا، لیکن اس صورت میں بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہ غیر حدیث کا قبول و عدم قبول دونوں بدرجہ مساوی ہی رہتے ہیں یا دوسری صدی کے بعد جو آثار صحابہ اور تعامل کی حجیت کو گرایا گیا، اسی کی یہ تمہید ہو کہ ایسی روایات پر پہلے ہی سے کڑی نظر رکھی جائے۔ واللہ أعلم بما في الصدور! امام بخاری رحمہ اللہ نے ''لا یقبل'' کا اضافہ شاید اس لیے کیا ہو کہ وہ آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔''[1]

ناظرین کرام سب سے پہلے مصنف انوار سے یہ دریافت کریں کہ آپ نے جس ''اہم مغالطہ'' کا تذکرہ اس عبارت میں فرمایا ہے، اس اہم مغالطہ میں لوگوں کو ڈالنے کی کوشش کرنے والے سے آپ کی مراد کون سا شخص ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار کی مراد سوائے امام بخاری کے اور کوئی نہیں۔ اس طرح اپنے اس بیان کے ذریعے مصنف انوار نے امام بخاری کو مغالطہ دینے والا قرار دیا ہے اور ان کے خلاف طنز و تعریض اور طعن کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ ناظرین ان کی عبارت میں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

ایک ہی روایت کے سلسلے میں مصنف انوار کی متعدد غلط بیانیاں:

ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں کئی دعاوی کیے ہیں:

۱۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حدیث مذکور کو امام بخاری نے "باب کیف یقبض العلم" میں بطور تعلیق ذکر کیا ہے۔

۲۔ حدیثِ عمر میں امام بخاری نے اپنی طرف سے یہ جملہ بڑھا دیا ہے کہ ''سوائے حدیث نبوی کے کوئی دوسری چیز نہ لی جائے۔''

۳۔ حدیث عمر میں امام بخاری کے اس جملہ کے بڑھا دینے سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ یہ جملہ حضرت عمر کا ہے، حالانکہ یہ جملہ حضرت عمر کا نہیں ہے۔

۴۔ حدیث عمر میں امام بخاری کے اس جملہ کے بڑھا دینے سے اس کا یہ مطلب بن گیا کہ جو کتاب ابوبکر حزمی نے بحکم عمر جمع کی اس میں حدیث نبوی کے علاوہ دوسری چیز یعنی آثار و اقوال صحابہ نہیں لکھے گئے، کیونکہ امام بخاری نے اپنی طرف سے یہ جملہ بڑھا کر اس کے یہ معنی پیدا کر دیے کہ حضرت عمر نے حدیث نبوی کے علاوہ دوسری چیزوں کے لکھنے سے منع کر دیا تھا۔

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۳، ۲۴)

۵۔ امام بخاری کے بڑھائے ہوئے جملہ سے جو مذکورہ معنی پیدا ہوا وہ ظن فاسد ہے، جس کا سبب موطأ محمد وسنن دارمی کی روایت سے ناوقفیت ہے۔

۶۔ حدیث عمر میں امام بخاری کے اپنے بڑھائے ہوئے جملہ سے جو یہ معنی پیدا ہوگیا کہ فرمان عمر میں حدیث نبوی کے علاوہ کسی اور چیز کے لکھنے اور قبول کرنے کی ممانعت کی گئی تھی، وہ معنی اس لیے غلط ہے کہ موطأ محمد و دارمی کی روایت کا مضمون اس کے بالکل خلاف ہے۔

۷۔ امام بخاری کے اس اضافہ سے جو مذکورہ بالا خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، ان کو سامنے رکھنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس جملہ کو بڑھانے سے اتنی ساری خرابیاں پیدا ہوئیں اسے امام بخاری نے اپنی طرف سے کیوں بڑھا دیا؟ کیونکہ ان کی اس کارستانی سے پیدا ہونے والی یہ ساری خرابیاں بہت خطرناک ہیں۔

۸۔ مصنف انوار کی نظر میں سوال مذکور کے کئی جواب ہوسکتے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ صحیح بخاری میں منقول روایت پوری نہیں ادھوری ہے اور امام بخاری اسی ادھوری روایت پر واقف ہوسکے، موطأ محمد وغیرہ والی پوری روایت سے واقف نہیں ہوسکے، اس لیے انھوں نے اپنی واقفیت کے مطابق ادھوری روایت کو نقل کر دیا اور اس میں اپنے نظریہ کے مطابق اپنی طرف سے ”لا تقبل إلا حديث الرسول“ بڑھا دیا۔

۹۔ دوسرا جواب یہ کہ (یہ مصنف انوار کا نواں دعویٰ ہوا) صحیح بخاری سے زائد والا ٹکڑا امام بخاری کی شرط پر صحیح نہیں تھا، اس لیے امام بخاری نے اسے نقل نہیں کیا اور اپنے نظریہ کے مطابق اس میں اپنی طرف سے ”لا تقبل...“ کا جملہ بڑھا دیا۔

۱۰۔ امام بخاری کی طرف سے اپنے ہی دیے ہوئے جواب مذکور پر مصنف انوار کا یہ اعتراض ہے (یہ اعتراض مصنف انوار کا دسواں دعویٰ ہے) کہ اگر امام بخاری کی شرط پر یہ جملہ صحیح نہیں تھا تو بھی اس فرمان عمر کا یہ مطلب سمجھ لینا غلط ہے کہ اس میں حدیث نبوی کے علاوہ دوسروں کے اقوال و آثار لکھنے کی ممانعت تھی، کیونکہ اس صورت میں اقوال و آثارِ صحابہ کے لکھنے یا قبول کیے جانے کا پلّہ برابر ہونا چاہیے۔

۱۱۔ اپنے قائم کردہ سوال کا تیسرا جواب مصنف انوار نے یہ دیا ہے کہ دوسری صدی کے بعد یعنی امام بخاری کے زمانے میں آثار صحابہ وتعامل کی حجیت کو گرانے کا جو نظریہ پیدا ہوا، اسی کے تحت امام بخاری نے یہ اضافہ کر دیا۔

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے مذکورہ بالا اکثر دعاوی کی حقیقت ہماری گزشتہ تحریر سے واضح ہو چکی ہے۔ دعوی اول کی حقیقت اس طرح بآسانی معلوم ہوسکتی ہے کہ اس میں مصنف انوار نے یہ کہہ رکھا ہے کہ قول عمر کو امام بخاری نے بطور تعلیق نقل کیا ہے اور اصطلاح محدثین میں ”تعلیق“ بلا ذکر سند نقل کردہ روایت کو کہتے ہیں۔ [1]

لیکن جس کا جی چاہے صحیح بخاری کھول کر دیکھ لے کہ امام بخاری نے مذکورہ روایت کے ساتھ اس کی پوری متصل سند بھی ذکر کر دی ہے، اس سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار نے کھلی ہوئی غلط بیانی کی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غلط بیانی منصوبہ بند خفیہ سازش کے تحت اپنی عادت کے مطابق کی گئی ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ روایت مذکورہ کی سند امام بخاری کی طرح امام ابن حزم اور ابن بطال نے بھی بیان کر دی ہے۔

---

[1] عام كتب أصول حديث.

مصنف انوار کے دوسرے دعویٰ کا بطلان اس بات سے ظاہر ہے کہ دعویٰ مذکورہ خالی از دلیل ہونے کے ساتھ امام بخاری کی ذات پر ایک ایسا بے جا الزام ہے جس کا روادار کوئی معتدل مزاج صاحب علم نہیں ہوسکتا۔ نیز ہم بدلائل واضحہ ثابت کر چکے ہیں کہ صحیح بخاری کی روایت مذکورہ کے علاوہ دوسری روایات معتبرہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز صحابہ کے اقوال و آثار کو فی نفسہٖ حجت شرعیہ نہیں مانتے تھے، لہٰذا صحیح بخاری کی روایت مذکورہ میں زیر نظر جملہ اگر بالفرض حضرت عمر سے نہ منقول ہوتو بھی انصاف پسند صاحب علم کو یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت عمر اقوال و آثار صحابہ کو فی نفسہٖ حجت نہیں مانتے تھے۔

معلوم ہوا کہ مصنف انوار کا دوسرا دعویٰ ثابت شدہ حقیقت کے خلاف ہے، دریں صورت ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ موصوف کا تیسرا دعوی بھی باطل ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ امام بخاری کے اس جملہ کو بڑھا دینے سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ جملہ حضرت عمر ہی کا ہے، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ یہ جملہ حضرت عمر ہی کا ہے، جس کی دلیل بیان ہوچکی ہے اور یہ بات صرف بعض لوگوں نے نہیں سمجھی ہے، بلکہ مصنف انوار کے علاوہ پوری امت یہی سمجھتی ہے کہ حدیث نبوی کے علاوہ دوسروں کے اقوال و افعال فی نفسہٖ حجت شرعیہ نہیں ہیں۔ مصنف انوار کے چوتھے دعویٰ میں جو یہ کہا گیا کہ جملہ مذکورہ کے بڑھا دینے سے حدیث مذکور کا یہ مطلب بن گیا کہ جو کتاب حزمی نے بحکم عمر لکھی، اس میں حدیث نبوی کے علاوہ دوسری چیز نہیں تھی، کیونکہ بڑھائے ہوئے جملہ کا یہ مطلب ہوگیا کہ حضرت عمر نے غیر حدیث نبوی کے لکھنے سے منع کر دیا تھا تو یہ بات صرف مصنف انوار ہی کی سمجھ میں آئی ہوگی، ورنہ اس جملہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ بطور حجت و دلیل شرعی غیر حدیث نبوی قبول نہ کرنے کا حکم حضرت عمر نے دیا تھا، اس سے غیر حدیث نبوی کے لکھنے اور جمع کرنے کی ممانعت ونفی ثابت نہیں ہوتی۔

اس تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ مصنف انوار نے اپنے پانچویں دعویٰ میں جملہ مذکورہ کے جس خود ساختہ معنی کو ظن فاسد کہا ہے، وہ مصنف انوار کا اپنا ظن فاسد ہے، ظاہر ہے کہ یہ ظن فاسد حدیث و اہلحدیث کی تردید کا بے پناہ جذبہ رکھنے کے سبب مصنف انوار کے دماغ میں پیدا ہوا ہے اور اس قسم کے ظنون فاسدہ مصنف انوار جیسے مقلدین جامدین و متعصبین کے اذہان میں بکثرت پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں اور مصنف انوار نے اپنے ایک سابقہ بیان میں سیوطی سے نقل کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ حضرت عمر نے حزمی کو یہ فرمان بھیجا تھا کہ احادیث اور آثار عمر وغیرہ جمع کر کے لکھوائیں تو ناظرین اس سلسلے میں ہماری پیش کردہ تحقیق ملاحظہ کر چکے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث کی کسی بھی کتاب میں روایت مذکورہ میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ فرمان عمر میں صحابہ و تابعین کے ذاتی اقوال و آثار کو حجت شرعیہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ بعض کتابوں میں صرف یہ منقول ہے کہ احادیث نبویہ کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین کو بھی لکھنے کا حکم تھا اور یہ بات اس امر کو مستلزم نہیں کہ صحابہ و تابعین کے ذاتی اقوال و آثار حجت شرعیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

البتہ ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ نصوص کتاب وسنت اور اجماع امت نہ ملنے کی صورت میں اپنے ذاتی قیاس و رائے کے بالمقابل صحابی و تابعی کے قول و عمل کو اخذ کرنا بہتر ہے۔ مصنف انوار نے صحیح بخاری کی روایت کے خلاف بزعم خویش جن روایات کو یہ سمجھ کر پیش کیا ہے کہ یہ روایت صحیح بخاری والی روایت کے بالمقابل صحابہ وتابعین کے اقوال و آثار کے حجت ہونے

پر دال ہیں، ان پر ہم فنی نقطۂ نظر سے گفتگو کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی روایت موصوف نے سیوطی کی تنویر الحوالک سے نقل کی ہے۔ دریں صورت ہماری درج ذیل گزارش ملاحظہ ہو:

حدیث بخاری میں سیوطی کی تصحیف:

ہم نے اپنی اس کتاب میں ایک جگہ واضح کر دیا ہے کہ علامہ سیوطی نقلِ روایت میں غیر محتاط، متساہل، حاطب اللیل اور جامع غث وسمین ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی عادت کے مطابق "انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم أو سنة أو من حديث عمر أو نحو هذا فاكتبه لي" والی روایت کی بابت کہہ دیا کہ:

"علقه البخاري في صحيحه"[1]

حالانکہ اولاً: صحیح بخاری میں اس روایت کے اندر "أو سنة أو حديث عمر أو نحو هذا" کے الفاظ نہیں ہیں، یہ سیوطی نے اپنی طرف سے تصحیف وتحریف کر کے لکھ دیے ہیں۔

ثانیاً: سیوطی نے کہا ہے کہ روایت مذکورہ کو امام بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے اور اصطلاح میں تعلیق ایسی روایت کو کہتے ہیں جسے بلا ذکر سند نقل کیا گیا ہو، حالانکہ بخاری میں یہ روایت پوری سند کے ساتھ منقول ہے، جیسا کہ ہم خود اسے سند کے ساتھ نقل کر آئے ہیں۔

دریں صورت نہیں کہا جا سکتا کہ اس روایت کے لیے سیوطی نے جو حوالے دیے ہیں وہ کہاں تک صحیح ہیں؟ امام ہروی ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد اصبہانی (مولود ۳۹۶ھ ومتوفی ۴۸۱ھ) کی کتاب ذم الکلام سے تنویر الحوالک میں یہ روایت نقل تو کی گئی ہے، مگر اس کی پوری سند نہیں دی گئی کہ اس کے رجال ورواۃ سے اس کی اصل حقیقت معلوم ہو۔

کیا دورِ صحابہ میں احادیث لکھنے کا رواج نہیں تھا؟

تنویر الحوالک کی نقل کردہ بے سند روایت مندرجہ ذیل الفاظ میں منقول ہے:

"أخرج الهروي في ذم الكلام من طريق يحيى بن سعيد عن عبد الله بن دينار قال: لم يكن الصحابة ولا التابعون يكتبون الحديث، إنما كانوا يؤدونها لفظا، ويأخذونها حفظاً إلا كتاب الصدقات، والشيء اليسير الذي يقف عليه الباحث بعد الاستقصاء."

یعنی یحییٰ بن سعید انصاری سے مروی ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن دینار سے روایت کی کہ صحابہ وتابعین حدیث کو لکھتے نہیں تھے، صرف زبانی طور پر بزور حافظہ اس کی روایت واخذ کرتے تھے، البتہ صدقہ کے متعلق احادیث اور بعض معمولی تعداد میں دوسری حدیثیں بھی لکھتے تھے، حتی کہ علم کے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہوا اور علماء تیزی سے مرنے لگے تو عمر بن عبدالعزیز نے حزمی کو حکم دیا کہ احادیث نبویہ وآثار فاروقی کو لکھیں۔

اولاً: اس روایت کا یہ مضمون خلاف درایت ہے کہ صحابہ وتابعین احادیث لکھتے نہیں تھے۔ خود مصنف انوار نے اس سے پہلے

[1] تنویر الحوالك (ص: ٥)

(ا/ ۱۸، ۱۹ و۲۲،۲۳) تصریح کی ہے کہ بہت سے صحابہ مثلاً ابن مسعود، ابوہریرہ، سعد بن عبادہ، ابوموسیٰ اشعری، علی بن ابی طالب، معاذ بن جبل، عمرو بن حزم، عبداللہ بن عمرو بن العاص، وائل بن حجر رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے صحابہ کے پاس احادیث کے تحریری مجموعے موجود تھے۔ مصنف انوار لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن عمرو بن العاص سے سنن ابی داود میں روایت ہے کہ میں حضور ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا سب لکھ لیا کرتا تھا، ایک دفعہ قریش نے مجھے روکا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم سب کچھ میری زبان سے نکلی ہوئی باتیں لکھا کرو، میری زبان سے حق ہی بات صادر ہوتی ہے۔''[1]

مصنف انوار کی نقل کردہ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ بعض صحابہ تمام احادیث نبویہ کو لکھ لیا کرتے تھے، کیونکہ انھیں ایسا کرنے کا حکم حضور ﷺ ہی نے دیا تھا۔ مصنف انوار کا یہ ارشاد بھی ہے:

''تدوین حدیث کے سلسلے میں مذکورہ بالا تفاصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ سب سے پہلا اقدام تدوین حدیث و کتاب سنن و آثار کے لیے وہ تھا جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کیا۔ انھوں نے مجموعہ احادیث تالیف کیا جس کا نام ''صادقہ'' رکھا اور ان کی طرح دوسرے صحابہ نے بھی اس خدمت کو انجام دیا۔'' الخ[2]

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیانات ہی سے سیوطی طلب اللیل کی ذکر کردہ زیر بحث امام ہروی والی روایت کی کمزوری ظاہر ہوگئی، ثانیاً باعتبار سند اس کا حال یہ ہے کہ پوری سند مذکور نہیں، مگر سند کا جو حصہ مذکور ہے اس میں ایسی زبردست علت قادحہ موجود ہے جس سے روایت ساقط الاعتبار قرار پا جاتی ہے۔

عبداللہ بن دینار اور یحییٰ بن سعید کا تذکرہ:

مذکورہ بالا روایت میں علت یہ ہے کہ اس کے راوی عبداللہ بن دینار عدوی مدنی (متوفی ۱۲۷ھ)[3] ہیں۔ اگرچہ یہ متکلم فیہ ہونے کے باوجود بقول راجح ثقہ ہیں، مگر ان سے یہ روایت یحییٰ بن سعید انصاری قاضی مدنی (متوفی ۱۴۳ھ، ۱۴۴ھ یا ۱۴۶ھ) نے نقل کی ہے جو ثقہ امام ضرور تھے، مگر بتصریح امام یحییٰ قطان (جو بقول مصنف انوار حنفی تدوین فقہ کی مجلس تدوین کے رکن اور زبردست امام جرح و تعدیل تھے) مدلس ہیں۔

یحییٰ بن سعید انصاری کے مدلس ہونے کی بحث:

تہذیب (۱۱/ ۲۲۴) میں قطان سے منقول ہے کہ ''كان يحيىٰ بن سعيد يحدث ويدلس'' اسی طرح طبقات المدلسین لابن حجر رحمہ اللہ (ص: ۷) پر بھی ان کے مدلس ہونے کی تصریح موجود ہے۔ امام دارقطنی وغیرہ نے انھیں مدلس بتلایا ہے اور مدلس کی معنعن روایت بالاتفاق غیر مقبول اور ساقط الاعتبار ہے۔[4] اور یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ یہ روایت ''ذم الكلام للهروي'' میں یحییٰ انصاری نے معنعن نقل کی ہے،[5] لہٰذا یہ روایت ساقط و غیر معتبر ہوئی۔ سنن دارمی (۱/ ۱۰۴ حدیث:

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٨ آخری پیرا گراف) [2] مقدمہ انوار (١/ ٢٧، ٢٨)

[3] ان کا ترجمہ تہذیب التہذیب (٥/ ٢٠١، ٢٠٢) وغیرہ میں ملاحظہ ہو) ہیں۔

[4] کتب مصلح الحدیث. [5] ذم الکلام (٤/ ٤٠)

۴۹۳ھ) میں بھی یہی روایت اس معنی کی یحییٰ مذکور سے معنعن ہی منقول ہے۔ سنن دارمی میں یحییٰ انصاری سے اس روایت کے ناقل ابوضمرہ انس بن عیاض (مولود ۱۰۴ھ ومتوفی ۲۰۰ھ) اگر چہ ثقہ ہیں، مگر بقول ابن سعد ''کثیر الخطاء'' بقول ابو داود ''مغفل'' اور بقول امام مالک ''احمق'' ہیں۔ ❶ ابوضمرہ سے اسے روایت کرنے والے ابومعمر اسماعیل بن ابراہیم قطیعی (متوفی ۲۳۶ھ، ۲۳۷ھ) اگر چہ بقول راجح ثقہ ہیں، مگر کوثری نے انھیں ساقط الاعتبار کہا ہے۔ ❷

بہر حال ابومعمر ثقہ ہیں، مگر اس روایت کی جن علتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ مجموعی اعتبار سے اس روایت کو ساقط الاعتبار بنانے کے لیے کافی ہیں۔ یہ روایت اسی معنی کے ساتھ موطأ محمد میں بھی مروی ہے، مگر اس کو بھی یحییٰ بن سعید انصاری نے بلا تصریح سماع وتحدیث روایت کیا ہے اور اس کے لیے ''عن'' کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ''قال'' کہا ہے، اور تدلیس کی یہ صورت بتصریح اہل علم مذموم ترین تدلیس ہے۔ ❸

علاوہ ازیں اس روایت کے ناقل امام محمد بن حسن شیبانی اور ان کے نسخہ موطأ کے معتبر وقابل وثوق ہونے پر باعتراف مولانا عبدالحی فرنگی محلی علماء کی ایک جماعت کو کلام ہے۔ ❹ مولانا فرنگی محلی نے اگر چہ علماء کے اس کلام کو دفع کرنے کی کوشش کی ہے، مگر آئندہ صفحات میں یہ تفصیل آ رہی ہے کہ امام محمد بذات خود معتبر نہیں۔ لہٰذا موصوف جس روایت کی نقل میں متفرد ہوں وہ بھی معتبر نہیں، موطأ امام مالک کے تیس سے زائد نسخوں میں سے سب سے آخری نسخہ کے ناقل امام یحییٰ بن یحییٰ (متوفی ۲۳۳ھ، ۲۳۴ھ) ہیں۔ ❺ موطأ کے اس آخری نسخہ میں روایت مذکورہ موجود نہیں اور موطأ کے دوسرے نسخوں تک ہماری رسائی نہیں، جنھیں دیکھ کر معلوم کیا جا سکے کہ ان میں روایت منقول ہے یا نہیں اور اگر منقول ہے تو ان میں مندرج شدہ الفاظ موطأ محمد والے الفاظ سے مختلف ہیں یا متفق؟ البتہ موطأ کے نسخہ عبداللہ بن وہب مصری (متوفی ۱۹۷ھ) اور تمہید لابن عبدالبر میں امام مالک سے تعلیقا یہ روایت ایسے الفاظ کے ساتھ منقول ہے جو موطأ محمد والی روایت سے مختلف ہیں۔ تمہید لابن عبدالبر کے الفاظ یہ ہیں:

''ويكتب إلى ابن حزم أن يجمع السنن ويكتب إليه بها.'' ❻

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے امام حزمی کو لکھا تھا کہ سنن نبویہ جمع کر کے لکھیں اور ان کی خدمت میں بھیج دیں۔

امام مالک سے منقول روایت مذکورہ کے یہ الفاظ ظاہر ہے کہ موطأ محمد کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ نیز سنن دارمی میں منقول ہے:

''كتب عمر بن عبد العزيز إلىٰ أهل المدينة أن انظروا حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فأكتبوه فإني قد خفت دروس العلم وذهاب أهله'' ❼

الغرض محفوظ روایت میں ''حديث عمر أو نحوه'' یا اس کا ہم معنی لفظ موجود نہیں ہے، اگر بالفرض ہے بھی تو یہ روایت بخاری کے معارض نہیں ہے اور اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ روایت بخاری میں جو یہ ارشاد عمر ہے کہ حدیث نبوی کے

---

❶ تهذيب التهذيب (١/ ٣٧٦) ❷ تأنيب الخطيب (ص: ١١٤)

❸ كتب مصطلح حديث. ❹ التعليق الممجد (ص: ٢٩)

❺ مقدمة أوجز المسالك (١/ ٢٢ تا ٢٦) و مقدمة تنوير الحوالك، و التعليق الممجد.

❻ مقدمة تمهيد لابن عبدالبر (١/ ٨٠، ٨١) و مقدمة تنوير الحوالك، و التعليق الممجد (ص: ١٤)

❼ سنن الدارمي (ص: ١٧)

علاوہ کوئی چیز (یعنی اقوال و آثار صحابہ بطور حجت و دلیل) قبول نہ کی جائے، وہ روایت موطأ محمد و دارمی وغیرہ کے خلاف ہے، کیونکہ ہم عرض کر آئے ہیں کہ بشرط تسلیمِ صحت موطأ و دارمی کے الفاظ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حدیث نبوی کے علاوہ صحابہ کرام کے اقوال و آثار کو دلیل شرعی و حجت شرعیہ بھی مان لیا جائے، یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز حدیث نبوی کے علاوہ اقوال و آثار صحابہ کو دلیل شرعی کی حیثیت دے دیں، جبکہ بسند صحیح ان کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ "لا رأي لأحد مع سنة سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم"[1]

حضرت عمر کا یہ ارشاد قطعی طور پر حدیث بخاری کے اس جزو "لا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم" کا ہم معنی ہے، صرف الفاظ کا ظاہری فرق ہے، لہٰذا اگر مان لیا جائے کہ روایت بخاری کا یہ ٹکڑا حزمی کے نام جاری کردہ فرمان عمر میں نہیں تھا تو بھی اس روایت صحیحہ "لا رأي لأحد مع سنة سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم" سے قطعاً ثابت ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اقوال صحابہ کو حجت نہیں مانتے تھے۔ اگر امام بخاری نے حضرت عمر کے اسی فرمان کو حزمی کے نام جاری کردہ اس فرمان کے ساتھ ملا دیا، جس سے مطلب یہ بن گیا کہ حدیث نبوی ہی بطور حجت و دلیل قبول کی جائے، تو کونسی قیامت آ گئی؟

الغرض فرمان عمر بن عبدالعزیز کا حاصل بہر حال یہی ہے کہ احادیث نبویہ کے علاوہ دوسروں کے اقوال و فتاویٰ بذات خود حجت شرعیہ نہیں ہیں۔ البتہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ کتاب و سنت و اجماع امت کی عدم موجودگی میں جس صحابی کا جو ذاتی قول و فعل نصوص کتاب و سنت و اجماع سے قریب تر ہو اس کو اپنی ذاتی رائے کے بالمقابل معمول بہ بنانا چاہیے، کیونکہ صحابی کا قول و فعل بعد والوں کی ذاتی رائے و قیاس و اجتہاد سے کہیں اچھا اور اُصوب ہے۔

صحیح بخاری اور دیگر کتابوں میں نسخوں کے اختلاف کا سبب:

اوپر یہ ذکر آ چکا ہے کہ زیر بحث حدیثِ عمر صحیح بخاری کے نسخۂ یونینی میں اسی طرح ہے، جسے امام ابن حزم اور امام ابن بطال نے بھی نقل کیا ہے، لیکن صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس روایت کے آخر میں درج ذیل الفاظ بھی ملتے ہیں:

"إلى قوله ذهاب العلماء"[2] یعنی فرمانِ عمر صرف "ذهاب العلماء" کے لفظ تک ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس سے یونینی والے نسخہ کا مضمون متعارض و متضاد نہیں ہے، کیونکہ راوی کبھی پوری روایت بیان کرتا ہے اور کبھی اس کے بعض اجزاء حذف کر دیتا ہے اور کتب حدیث میں اختلاف نسخ کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جملہ محدثین کرام کے یہاں ہمیشہ سے عادت یہ جاری ہے کہ ایک طویل حدیث نبوی یا اثر صحابی یا کلام تابعی کو وہ لوگ کبھی کسی مجلس میں پورے کا پورا بیان کر دیتے ہیں اور کبھی کسی مجلس میں پورے کا پورا بیان کرنے کے بجائے اس کا بعض حصہ بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں اور باقی کو حذف کر دیتے ہیں۔ محدثین کی یہ ایک ایسی عادت ہے جسے بلوغ المرام اور مشکوۃ المصابیح پڑھنے والے طلبہ بھی جانتے ہیں، چنانچہ فرمان عمر کے بیان کرنے میں بھی امام بخاری نے محدثین کی اسی عادت کے مطابق عمل کرتے ہوئے کسی مجلس درس میں پورے فرمان عمر کو روایت کیا اور کسی مجلس میں پورے کو بیان کرنے کے بجائے صرف "ذهاب

[1] (ص: ۲۹۳)
[2] فتح الباري (۱/ ۱۹۵)

العلماء" تک بیان کیا۔ ہر مجلس میں شریک ہونے والے طلبہ نے امام بخاری کی زبان سے یہ روایت جن الفاظ میں سنی اسے قلمبند کر دیا، بعض نے پورے الفاظ بیان کرنے والی مجلس میں شریک ہونے کے سبب پورے الفاظ سنے، انھوں نے پورے الفاظ نقل کیے اور بعض صرف اسی مجلس میں موجود تھے جس میں امام بخاری نے یہ حدیث صرف "ذهاب العلماء" کے لفظ تک بیان کر کے چھوڑ دی، اس میں "لا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم" امام بخاری نے نہیں کہا، اس لیے انھوں نے صرف انھی الفاظ تک نقل کیا اور بعض دونوں مجلسوں میں تھے، انھوں نے دونوں ہی باتیں نقل کیں۔

الغرض نسخوں کے اس اختلاف کا اصل صرف اس قدر ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کبھی کبھی اس حدیث کو صرف "ذهاب العلماء" کے الفاظ تک بیان کرنے پر اکتفاء کرتے تھے اور کبھی پورے الفاظ بیان کر دیتے تھے۔ اس کی مثال کے لیے "صفة صلوٰة النبي" والی حدیث بہت مناسب رہے گی، جس کو محدثین نے کسی جگہ پوری کی پوری نقل کر دیا اور مختلف جگہوں پر مختلف ابواب کے تحت اس کے صرف وہ الفاظ نقل کیے جن کا تعلق خاص ابواب سے ہے۔ صحیح بخاری کے نسخوں کے اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسے امام بخاری کے کئی شاگردوں نے مرتب کیا اور درس بخاری کی مختلف مجلسوں میں جو اختلاف واقع ہوئے، وہ نسخ صحیح بخاری کے اختلاف کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ ان اختلاف نسخ کی بنا پر اس فرمان عمر کی بابت یہ کہنا کہ چونکہ بعض نسخوں میں یہ تصریح ہے کہ "حديث عمر إلى قوله ذهاب العلماء" لہٰذا اس کے بعد کے الفاظ فرمان عمر میں شامل نہیں، قطعاً غلط ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ دوسری اسانید سے حضرت عمر کا یہ فرمان صاف طور سے مذکور ہے کہ "لا رأي لأحد مع النبي صلى الله عليه وسلم" (كما مر)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور عینی نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ اس کا بھی احتمال ہے کہ فرمان عمر میں پوری کی پوری عبارت شامل ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ صرف "ذهاب العلماء" تک ہو، اور یہی "أظهر" ہے، ہمارے نزدیک دونوں ہی باتیں صحیح ہیں، بعض حدیثوں میں پوری کی پوری عبارت بطور فرمان عمر منقول ہوئی اور بعض میں "ذهاب العلماء" تک۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ "ذهاب العلماء" کے بعد والی عبارت فرمان عمر میں شامل نہیں، خصوصاً ایسی صورت میں کہ دوسری اسانید صحیحہ سے ثابت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز غیر حدیث نبوی کو فی نفسہٖ حجت نہیں مانتے تھے۔

اگر بالفرض فرمان عمر صرف "ذهاب العلماء" ہی تک ہو اور اس کے بعد کی عبارت امام بخاری کی ہو، حالانکہ یہ خلاف ظاہر ہے، تو امام بخاری کا یہ فرمان حضرت عمر بن عبدالعزیز اور دوسرے تمام صحابہ و تابعین کے مسلک کے عین مطابق ہونے کے سبب بالکل درست اور بجا ہے، اس پر کسی قسم کی کوئی نکیر نہیں ہوسکتی۔

حافظ ابن حجر اور عینی نے "ذهاب العلماء" کے بعد والی عبارت کے فرمان عمر میں شامل نہ ہونے کو "أظهر" اس لیے کہا کہ ان کے خیال میں یہ فرمان عمر مستخرج ابونعیم میں یہیں تک مروی ہے اور ان حضرات کے بقول ابونعیم نے اس کی تصریح بھی کی ہے کہ "ذهاب العلماء" تک ہی فرمان عمر ہے، مگر جو لوگ ہماری مذکورہ بالا معروضات کو سامنے رکھیں گے، انھیں یقین رہے گا کہ یہ دونوں ہی باتیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں کہ بعض نسخوں کے اعتبار سے "ذهاب العلماء" تک ہی فرمان عمر منتہی ہوتا ہے اور صحیح بخاری کے معتبر ترین نسخہ یونینی سے اس کے بعد والی عبارت بھی فرمان عمر میں شامل قرار پاتی ہے،

دونوں ہی باتیں صحیح ہیں۔ ”ذهاب العلماء“ کے بعد والی پوری عبارت کے فرمان عمر میں شامل ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت نہیں ہے کہ صحیح میں اپنی طرف سے زیادہ بات کہیں اور ”ذهاب العلماء“ کے بعد والی عبارت اچھی خاصی لمبی ہے، یعنی:

”ولا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم وليفشوا وليجلسوا حتى يعلم من لا يعلم فإن العلم لا يهلك حتى يكون سراً.“ الخ

ظاہر ہے کہ اتنی لمبی عبارت اپنی طرف سے امام بخاری کو صحیح بخاری میں لکھنے کی عادت نہیں، انھوں نے اپنی بات اس مقدس کتاب میں بہت کم داخل کی ہے، اگر اپنی بات کہی بھی ہے تو دو چار لفظوں میں، خاص طور سے وہ اس جگہ اتنی لمبی بات اپنی طرف سے کیوں کہتے جب کہ اس سے یہ وہم بھی ہونے کا خطرہ ہے کہ اسے کلام عمر میں شامل کر لیا جائے گا!

بحمداللہ امام بخاری ؒ کی ثقاہت و احتیاط پر امت کو پورا اعتماد ہے، دریں صورت کوئی وجہ نہیں کہ پوری عبارت کلام عمر نہ مانی جائے، امام ابونعیم کی مستخرج کی عبارت اپنی جگہ درست ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن اس کے درست ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ”ذهاب العلماء“ کے بعد والی عبارت امام بخاری کی دوسری نشستوں میں بطور کلامِ عمر نہیں بیان ہوئی۔
جب یہ معلوم ہوگیا کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے حدیث نبوی کے علاوہ اقوال الناس کو حجت نہیں مانا اور ابوبکر بن حزم کو صرف حدیث نبوی قبول کرنے اور غیر حدیث نبوی قبول نہ کرنے کا حکم دیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے اقوال الناس کو روایت کرنے کے خلاف ہوں، کیونکہ ہم اور جملہ اہل علم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری ؒ صحیح میں اپنی مخصوص شرائط کے تحت احادیث نبویہ کے ساتھ اقوال و آثار صحابہ و تابعین کو بھی نقل کرنے کے باوجود یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ احادیث نبویہ کے علاوہ اقوال غیر فی نفسہٖ حجت نہیں، اسی طرح عمر بن عبدالعزیز کا بھی یہی نظریہ تھا، لہٰذا اگر انھوں نے کسی دوسرے حکم کے ذریعہ اقوال و آثار صحابہ بھی نقل کرنے کی ہدایت کی اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہو کہ حدیث نبوی کے علاوہ دوسرے اقوال حجت نہیں تو اس میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ اقوال صحابہ و تابعین سے احادیث کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اختلافِ علماء معلوم ہوتے ہیں، البتہ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اقوال صحابہ فی نفسہٖ حجت ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز پر مصنف انوار کا طعن و تشنیع:

اس تحقیق کے بعد ناظرین اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ مصنف انوار حضرت عمر بن عبدالعزیز کو مجدد، مجتہد اور فقیہ سبھی کچھ مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خلیفہ راشد یقیناً بہت بڑا فقیہ ہوگا، مگر افسوس کہ مصنف انوار کے اس اصول سے کہ ”توضؤا مما مست النار“ کی حدیث روایت کرنے والا غیر فقیہ ہوتا ہے، خلیفۂ راشد بھی نعوذ باللہ غیر فقیہ قرار پاتے ہیں، کیونکہ موصوف عمر بن عبدالعزیز نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ محدثین سے ذاتی کدّ و کدورت رکھنے کی وجہ سے مصنف انوار کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور غیر شعوری یا شعوری طور پر حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے خلیفہ راشد، حضرت عائشہ ؓ جیسی سیدہ فقہائے صحابہ، زید بن ثابت جیسے عظیم ترین فقیہ اور دوسرے اکابر فقہاء صحابہ و تابعین پر یہ الزام لگا بیٹھے کہ یہ لوگ خلاف اصول شرع حدیثیں بیان کرتے تھے!

ضرورت تدوین حدیث:

مندرجہ بالا عنوان قائم کر کے مصنف انوار نے ضرورت تدوین حدیث محسوس کرانے کی کوشش کرتے ہوئے بعنوان ''تدوین حدیث کے لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سعی'' فرمایا:

''علمائے وقت نے تدوین حدیث اور کتابت کی منظّم طور پر ضرورت محسوس کی، سب سے پہلے اس ضرورت کا احساس خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ہوا، جو امت کے سب سے پہلے مجدد تھے اور ان کی امامت، اجتہاد، معرفت احادیث و آ ثار مسلم تھی، چنانچہ آپ نے اپنے نائب والی مدینہ ابوبکر حزمی کو فرمان بھیجا کہ احادیث نبویہ اور آ ثار فاروقی جمع کر کے لکھو۔''[1]

''موطأ امام محمد میں اس طرح ہے: احادیث رسول اور سنن یا حدیث عمر یا مثل اس کے دوسرے صحابہ کے آ ثار سب جمع کر کے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے'' تقریباً یہی الفاظ دارمی نے بھی اپنی سنن میں روایت کیے ہیں۔'' الخ[2]

ناظرین کرام سب سے پہلے مصنف انوار کے اس بیان کو بغور پڑھیں اس میں انھوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو امت کا سب سے پہلا مجدد مانا ہے اور ان کی امامت، اجتہاد، معرفت احادیث و آ ثار کو تسلیم کیا ہے، یہی عمر بن عبدالعزیز آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال کو ناقض وضو مانتے تھے اور دلیل میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث ''توضؤا مما مست النار'' کو پیش کرتے تھے۔

مگر اس حدیث کی روایت کو مصنف انوار غیر فقیہ ہونے کی بہت بڑی دلیل قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی روایت کرنے والے صحابہ پر فقہائے صحابہ تنقید کرتے اور انھیں اصول شریعت کے خلاف احادیث کا روایت کرنے والا قرار دیتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے اس بیان کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز نعوذ باللہ غیر فقیہ اور اصول شریعت کے خلاف احادیث کا روایت کنندہ وغیرہ قرار پاتے ہیں۔

مصنف انوار ایک طرف آ ثار صحابہ و فتاویٰ تابعین کو حجت ماننے اور منوانے پر تلے ہوئے ہیں اور نہ ماننے والوں پر خرق اجماع کا اتہام لگاتے ہیں، مگر اپنے اس اصول کے سب سے زیادہ مخالف یہی مصنف انوار ہیں۔ (کما لا یخفی) چنانچہ عمر بن عبدالعزیز بوقت رکوع نماز میں رفع الیدین کرتے تھے، بلکہ فرماتے تھے کہ ہم کو بچپن میں اس کی تعلیم دی جاتی تھی اور رفع الیدین نہ کرنے پر تادیب ہوتی تھی۔[3]

مصنف انور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس اثر و فتویٰ کو بھی حجت نہیں مانتے، اگر وہ فتاویٰ تابعین و آ ثار صحابہ کو حجت مانتے تو خود بھی رفع الیدین کرتے اور دوسروں کو اس کی ہدایت کرتے، اسی طرح حضرت عمر نے جو یہ حکم دیا کہ احادیث نبویہ کو جمع کرو، تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے احادیث نبویہ کی روایت کا بھی حکم دیا، کیونکہ بلا روایت کیے تدوین حدیث ناممکن ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر شدت تقویٰ و تورع کے سبب روایت حدیث سے احتراز کے حامی نہیں تھے، مگر

[1] تنویر الحوالك. [2] مقدمہ انوار (۱/ ۲۳) [3] جزء رفع الیدین للبخاري.

مصنف انوارفرماتے ہیں کہ کبارصحابہ کی اکثریت شدت تقویٰ کے سبب روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔ (کما مر)

حضرت عمر بن عبدالعزیز خود بھی احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت بذریعہ تحدیث و روایت کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔ ان کے فرمان "لیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم" کا یہی مقصود ومطلوب ہے کہ وہ احادیث نبویہ کی نشر واشاعت بذریعہ تحدیث و روایت شدت تقویٰ کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ تمام صحابہ غیر واقع شدہ امور سے متعلق مسائل کی ایجاد وتولید کو ناجائز سمجھتے تھے، مگر مصنف انوار اس فعل کو بہت بڑی فضیلت کا باعث قرار دیتے ہیں اور اس چیز کو امام صاحب کے فقیہ اعظم ہونے کی دلیل بتلاتے ہیں۔ اگر مصنف انوار آ ثار صحابہ کو حجت مانتے ہوتے تو غیر واقع شدہ امور سے متعلق امام صاحب کے مسائل مدوّنہ کی مدح سرائی سے اجتناب کرتے، کیونکہ ان مسائل کی تدوین کو صحابہ کرام ملعون قرار دے چکے ہیں۔

مصنف انوار اپنے وضع کردہ اصول پر خود عمل نہیں کرتے، بلکہ اس کی مخالفت کرتے ہیں، صحابہ و تابعین کے طریق سے مخالفت کرنے میں جس قدر مصنف انوار کو غلو ہے، ویسا غلو شاید کسی بھی فقیہ اہل الرائے میں نہیں ہے۔

مصنف انوار نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے چونکہ احادیث نبویہ کے ساتھ آ ثار صحابہ بھی امام حزمی کو لکھنے کا حکم دیا تھا، لہٰذا انھوں نے ضرور اس حکم کی تعمیل میں آ ثار صحابہ بھی لکھا ہوگا۔ تو ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر فی الواقع حضرت عمر نے حزمی کو ایسا حکم دیا تھا تو انھوں نے اس کی تعمیل کی تھی اور یہ بات حدیث بخاری کے مضمون کے منافی بھی نہیں، جیسا کہ گزرا، البتہ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ کسی صحیح سند سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت عمر کے فرمان مذکور میں آ ثار صحابہ کے لکھنے کا حکم بھی تھا۔

الحاصل مصنف انوار حدیث عمر کے جس جملہ کو امام بخاری کا اضافہ کہتے ہیں، وہ درحقیقت فرمان عمر ہی کا ایک جزو ہے اور جس حدیث بخاری کو وہ ناقص کہتے ہیں، وہی کامل ہے اور روایت موطأ محمد وغیرہ غیر معتبر ہونے کے ساتھ روایت بخاری کے منافی نہیں اور یہ کہ امام بخاری نے دوسری صدی کے بعد پیدا ہونے والے اس نظریہ کے سبب یہ جملہ نہیں بڑھایا ہے کہ آ ثار صحابہ حجت نہیں، کیونکہ دوسری صدی کے خاتمہ سے بہت پہلے خود اہل الرای بھی یہی سمجھتے تھے کہ غیر نبی کے اقوال و آ ثار فی نفسہٖ حجت نہیں ہیں۔

آ ثار صحابہ قرن ثانی میں:

مصنف انوار نے اپنی مندرجہ بالا طویل بات کے بعد بعنوان ''آ ثار صحابہ قرن ثانی میں'' فرمایا:

''واضح ہو کہ تمام کتب حدیث مدونہ قرن ثانی میں احادیث اور اقوال صحابہ و تابعین ساتھ ساتھ ذکر ہوتے تھے، جیسا کہ امام اعظم کی کتاب الآ ثار اور امام مالک کی موطأ سے ظاہر ہے، لیکن قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد عدم قبول اقوال صحابہ کا نظریہ پیدا ہوا، بہت سے محدثین نے فقہائے امت کے طرز وطریق سے اعراض کیا، توارث سلف کو نظر انداز کیا اور صحت وضعف حدیث کو صرف اسناد پر موقوف کر دیا، یعنی حدیث کو جو قوت اقوال و آ ثار صحابہ یا تعامل سلف سے مل سکتی تھی، اس کے دروازے بند کر دیے گئے۔''[1]

---

[1] مقدمہ انوار الباري (١/ ٢٤)

نصوص قرآنی کے مطابق آثار و اقوال صحابہ حجت نہیں:

ہم کہتے ہیں کہ کتب حدیث مدونہ قرن ثانی ہی نہیں بلکہ قرآن مجید میں بھی اقوال و آثار صحابہ مذکور ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے واقعۂ افک کے معاملہ میں قسم کھائی کہ مسطح رضی اللہ عنہ کو بسر اوقات کے لیے جو اخراجات دیتے تھے، بند کر دیں گے، ظاہر ہے کہ صدیق اکبر کا یہ طرز عمل ایک عظیم صحابی کا قول وفعل اور اثر وتعامل ہی تھا۔ اس پر قرآن عزیز نے کہا:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ [النور: ٢٢]

یعنی جو طرز و طریق عمل ابوبکر صدیق نے اختیار کر رکھا ہے، وہ غلط اور نادرست ہے، اسے ترک کرنا ضروری ہے، اہل ایمان کو یہ طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ قرآن مجید میں افضل ترین جلیل القدر صحابی کے اثر وقول کو رد کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ احزاب (۲۲/۱) میں بہت سے صحابہ کا یہ اثر منقول ہے کہ وہ طعام ولیمہ کھا کر دیر تک خانہ نبوی میں بیٹھ کر بات چیت کرتے رہے، صحابہ کے اس تعامل واثر کو قرآن عزیز نے غیر محمود قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا﴾ اگر آثار وتعامل صحابہ حجت ہیں تو قرآن مجید نے صحابہ کے اس تعامل وطرز عمل پر کیوں نکیر کی؟

بہت سے صحابہ کا تعامل وطرز عمل یہ تھا کہ وہ کافروں مشرکوں اور منافقوں سے محبت کرتے تھے، قرآن مجید نے اس پر نکیر کی کچھ صحابہ نے چاہا کہ ان کے اقوال وآراء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمل کریں، قرآن عزیز نے کہا:

﴿لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ [الحجرات: ٧]

اگر تمہارے اقوال وآثار کو حجت بنا کر معمول بہ بنا لیا جائے تو تم ہی پریشان کن مشکل میں پھنس جاؤ گے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں بھی اقوال وآثار صحابہ منقول ہیں مگر بطور حجت نہیں، بلفظ دیگر اقوال وآثار صحابہ کو بطور حجت شرعیہ قبول نہ کرنے کا نظریہ قرآن کریم نے خود قائم کیا اور اسی پر صحابہ وتابعین اور جمہور امت کا عمل رہا ہے۔ مگر مصنف انوار معلوم نہیں کس بنیاد پر اتنی لمبی تقریر فرما گئے؟ نیز جس طرح قرن ثانی کی مدونہ کتب حدیث میں احادیث کے ساتھ اقوال صحابہ وتابعین کا ذکر ہے، اسی طرح بعد کی کتب حدیث میں بھی موجود ہے، عینی حنفی نے عمدۃ القاری (۱۴/۱) میں تصریح کی ہے کہ "قد أكثر البخاري من الأحاديث وأقوال الصحابة وغيرهم" الخ یعنی امام بخاری نے صحیح بخاری میں بکثرت اقوال وآثار صحابہ وتابعین کا ذکر کیا ہے۔

علامہ انور شاہ نے مقدمہ فیض الباری (۴۲/۱) میں فرمایا:

"ومن دأبه أنه يضع في التراجم والتعليقات والآثار." الخ

یعنی امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ تراجم ابواب میں اقوال صحابہ وغیرہ ذکر کرتے ہیں۔

مصنف ازخود رقم طراز ہیں کہ "امام بخاری نے "قضايا الصحابة والتابعين" نام کی کتاب لکھی ہے۔"[1]

---

[1] مقدمہ انوار (۲/ ۲۰)

اس طرح امام بخاری کی بہت سی کتابوں میں اقوال و آثار صحابہ مدون ہیں، ان کے معاصر اور بعد کے محدثین میں بھی یہی رواج تھا، پھر معلوم نہیں مصنف انوار کو دوسری صدی کے بعد کے محدثین کے خلاف شکایت کی گنجائش کیسے مل گئی کہ انھوں نے طریق فقہائے امت سے انحراف و اختلاف کیا؟ جمیع فقہاء، صحابہ اور تابعین کی مخالفت کرنے والے وہ اہل الرای ہیں جو بقول فاروق اعظم احادیث کے حفظ وضبط اور روایت سے عاجز ہونے کے سبب نصوص کتاب وسنت و اجماع امت کے خلاف قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ حاصل یہ کہ حکم نبوی کے مطابق زیادہ سے زیادہ روایت حدیث کرنے والے صحابہ و تابعین و محدثین پر طعن و تشنیع اور دیگر بہت سے اقدامات کرنے والے مصنف انوار مدعی ہیں کہ ہم نے افراط و تفریط سے ہٹ کر معتدل شاہراہ اختیار کی ہے۔ چونکہ صحابہ و تابعین احادیث نبویہ کے سب سے زیادہ متبع تھے، اس لیے کہیں اتفاق سے ان کا کوئی قول و عمل کتاب وسنت کے خلاف واقع ہوا ہے، مگر اہل الرای بقول عمر بن خطاب علوم احادیث سے ناآشنا اور ان کے حفظ وضبط اور روایت سے عاجز ہونے کے سبب قیاس و رائے کے متبع تھے، اس لیے انھوں نے بکثرت صحابہ و تابعین کے طریق کار کی مخالفت کی ہے۔ صحابہ و تابعین کے آثار و اقوال یقیناً کتاب وسنت کے سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں، بلکہ انھیں کے ذریعہ کتاب وسنت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جو اقوال وآثار خلاف نصوص ہوں، وہ بھی حجت بن جائیں۔ ان کے حجت ہونے کے جو شرائط ہیں ان کی موجودگی میں انھیں یقیناً حجت مانا جا سکتا ہے، مگر وہ بذات خود حجت نہیں، مثلاً صحابہ کرام سنت نبوی کی پیروی میں نماز استسقاء پڑھتے تھے۔[1]

ان کا یہ طرز عمل ہمارے لیے اس بنا پر حجت ہے کہ انھوں نے سنت نبوی کی پیروی میں ایسا کیا، مگر مصنف انوار خوب جانتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ صحابہ کرام کے اس تعامل وفتویٰ کے تارک ومخالف اور نماز استسقاء کی مسنونیت کے منکر ہیں، پھر بھی آثار و اقوال صحابہ و تابعین پر عمل نہ کرنے کا طعنہ مصنف انوار نے محدثین ہی کو دیا ہے، حالانکہ حنفی مذہب نے بڑی کثرت سے ایسے آثار و اقوال صحابہ و تابعین کی مخالفت کی ہے جو کتاب وسنت کے عین مطابق ہیں۔

صحتِ حدیث کے سند پر موقوف ہونے کی بحث:

مصنف انوار کے صحیح طریق تنقید، معتدل شاہراہ اور خالص دینی و علمی وتحقیقی نقطۂ نظر کا حال یہ ہے کہ دوسری صدی کے بعد محدثین پر یہ گھناؤنا الزام لگانے کے بعد کہ انھوں نے قرون مشہود لہا بالخیر کے خلاف راہ عمل اپنایا موصوف یہ گل افشانی بھی فرماتے ہیں کہ:

> ''صحت وضعف حدیث کو صرف اسناد پر موقوف کر دیا گیا، یعنی حدیث کو جو قوت آثار و اقوال صحابہ یا تعامل سلف سے مل سکتی تھی، اس کے دروازے بند کر دیے گئے۔''[2]

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں صاف طور پر ظاہر کیا ہے کہ حدیث کے صحیح وضعیف ہونے کے لیے سند کو معیار بنانا محدثین کا بھاری جرم ہے اور یہ بات ان کی ایجاد کردہ بدعت ہے، حالانکہ بقول عبداللہ بن المبارک (عینی بدعویٰ مصنف انوار

[1] ابن أبي شيبة بسند صحيح، تعليق الممجد (ص: ١٥٨)

[2] مقدمه انوار (١/ ٢٤)

رکن مجلس تدوین فقہ حنفی) بے راہ رو لوگوں کی بے راہ روی کے گمراہ کن اثرات سے امت اسلامیہ کو محفوظ رکھنے کے لیے ''اسناد'' واحد تدبیر ہے۔ عبداللہ بن مبارک کے الفاظ یہ ہیں:

''الإسناد من الدين، لولا الأسناد لقال من شاء ما شاء، فإذا قيل له: من حدثك؟ بقي.'' ❶

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے کہا:

''الإسناد مطلوب في الدين، قد رغبت إليه أئمة الشرع المتين، وجعلوه من خصائص أمة سيد المرسلين، وحكموا عليه بكونه سنة من سنن الدين.'' ❷

یعنی اسناد مطلوب دین اور ائمہ شرع متین کی مرغوب چیز اور امت سید المرسلین کے خصائص اور قوانین دین میں سے ہے۔

مگر مصنف انوار نے دین کی اس بنیاد کو ختم کرنے کے لیے یہ خانہ ساز اصول بنا کر ائمہ دین پر طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیا کہ صحت و ضعفِ حدیث سند پر موقوف نہیں۔ یعنی مصنف انوار نے امت سید المرسلین کی خصوصیت کا خاتمہ اور دین کے ایک قانون محکم کو توڑنے کی منظّم سازش کر رکھی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے اساتذہ کے اساتذہ بھی اسناد کو دین کا محکم قانون مانتے تھے۔ امام ابن عبدالبر نے تمہید (۱/ ۴۴ تا ۶۰) میں ابراہیم نخعی و ابن سیرین وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ ''الإسناد من الدين'' فقہائے اہل الرائے کے سربراہ امام ابوحنیفہ نے ایک حدیث کو رد کرتے ہوئے کہا:

''مداره على زيد بن عياش، وهو مجهول أو قال: وهو ممن لا يقبل حديثه.'' ❸ الخ

حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہ نے بھی حدیث کے ضعف و صحت کو سند ہی پر موقوف مانا ہے، امام ابوحنیفہ کے شاگرد خصوصی اور مجلس تدوین فقہ حنفی کے رکن رکین اور مصنف انوار کے ممدوح خاص ابو یوسف نے کہا:

''فإن هذا لا يقبل إلا من الرجال الثقات.'' ❹

یعنی صرف صحیح سند سے مروی شدہ حدیث ہی قابل قبول ہے۔

مصنف انوار کے استاد کوثری نے تحقیق کا دارومدار اسناد ہی پر رکھا ہے۔ ❺ خود مصنف انوار نے احادیث کی مختلف قسمیں بتلا کر کسی کو متواتر، کسی کو مشہور، کسی کو خبر واحد اور مرسل وغیرہ کہہ کر یہ قانون بیان کیا کہ احادیث متواترہ اور مشہورہ سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز اور آحاد سے جائز نہیں ہے۔ ❻ یہ تقسیم کس بنیاد پر ہے، سندوں کی بنیاد پر یا کسی اور چیز کی بنا پر؟

اور مصنف انوار خود بہت سی روایات کی سندوں پر بحث کرنے بیٹھ گئے، اگر سندوں پر مدار صحت و ضعف حدیث نہیں تو انھوں نے یہ فضول کام کیوں کیا؟ جس روایت کو جی چاہے صحیح کہیں، امام ابوحنیفہ نے بزعم مصنف انوار جو کتاب الآ ثار و مسانید

❶ ملاحظہ ہو: الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة لفرنگی محلی (ص: ۲۱) اور اس کی تعلیق لأبي غده بحواله تحفة الأحوذي: (٤/ ٣٨٨) و الصارم المنكي (ص: ٢٦٨) و منهاج السنة (٤/ ٩٦) و معرفة علوم الحديث للحاكم (ص: ٦) و مقدمة ابن صلاح (ص: ٣١، ٣٢) و الجرح والتعديل لابن أبي حاتم وغيره)

❷ الأجوبة الفاضلة (ص: ٢١)

❸ التعليق الممجد، باب ما يكره من بيع التمر بالرطب (ص: ٢٣٠، ٢٣١ بحواله فتح القدير لا بن همام وغيره)

❹ الرد على الأوزاعي (ص: ٥) ❺ حسن التقاضي (ص: ٣١، ٣٢)

❻ أنوار الباري (٨/ ١٠٨، ١٠٩)

تصنیف کی اس کی ہر حدیث و روایت کی سند بیان کی، اگر سند پر صحت وضعف حدیث موقوف نہیں تو امام ابوحنیفہ نے یہ زحمت شاقہ کیوں برداشت کی؟

تمہید لابن عبدالبر میں ہے کہ تمام صحابہ کا یہ مسلک تھا کہ "الإسناد من الدین" یعنی اسناد دین کی بنیادی چیز ہے، مگر مصنف انوار نے عجوبۂ روزگار قسم کا نظریہ ایجاد کر کے صحابہ و تابعین کی تو خیر مخالفت کی ہے اپنے امام ابوحنیفہ کی بھی مخالفت کی جن کی تقلید کا وہ دم بھرتے ہیں!!

قرون مشہود بالخیر سے جدا گانہ طریقہ:

مصنف انوار نے مندرجہ بالاعنوان کے تحت کہا:

"قرون مشہود لہا بالخیر کے طور وطریق سے جدا گانہ طریقہ اپنا لیا گیا، پھر اس کے جو مضار و مفاسد سامنے آئے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ آئندہ کسی موقعہ پر ہم بھی بیان کریں گے۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کا قول وعمل اور فتویٰ یہ ہے کہ پانی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ امام ابوحنیفہ صحابہ کے اس قول وفتویٰ کو حجت نہیں مانتے، نہ قبول کرتے ہیں، بلکہ ان کے خلاف بذریعہ تیمّم نماز کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اگر امام ابوحنیفہ کے لیے جائز ہوا کہ ابن مسعود اور عمر جیسے صحابہ کے آثار و اقوال اور فتاوی وتعامل کو رد کریں اور انھیں قبول نہ کریں تو امام بخاری و دیگر محدثین نے دوسری صدی کے بعد بھی اگر یہی طریقہ اپنایا تو ان کا طریقہ قرون مشہور لہا بالخیر سے جدا گانہ کیونکر ہوگیا؟ امام بخاری اور دیگر محدثین کا جو طریقہ امام ابوحنیفہ ہی کے طریقے کے مطابق ہو، اسے صحابہ وتابعین و تبع تابعین کے طریق سے جدا گانہ طریقہ بتلانے والے مصنف انوار کی دیانتداری وتحقیق پسندی و انصاف پرستی قابل دادا ہے، جو طریقہ ۱۵۰ھ میں فوت ہونے والے امام ابوحنیفہ کی زندگی میں رائج تھا اور اس پر خود امام ابوحنیفہ بھی عامل تھے، اس طریق پر عمل کرنے والے امام بخاری کی بابت یہ کہنا کہ انھوں نے قرون مشہود لہا بالخیر سے جدا گانہ طریقہ اپنایا، کونسی دیانتداری ہے؟ پھر اس کے ساتھ ہی اس طریقہ کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کے مضار و مفاسد اہل علم پر مخفی نہیں، کون سا تحقیقی وعلمی و دینی نقطۂ نظر اور صحیح طریق تنقید ہے؟

ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ صحیح بخاری میں غیر حدیث نبوی یعنی آثار واقوال صحابہ کو بطور حجت نہ قبول کرنے کا حکم خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے دیا ہے، اسے قرون مشہود لہا بالخیر سے جدا گانہ طریقہ کہنا عجیب انکشاف ہے۔ مصنف انوار اگر چہ اپنی عادت سے مجبور ہوکر اس فرمان عمر کو بے سند کہتے ہیں، مگر ہم اچھی طرح واضح کر چکے ہیں کہ امام بخاری نے فرمان عمر کی سند ذکر کر دی ہے۔ اگر بالفرض فرمان عمر کے اس حصہ کو امام بخاری ہی کا بڑھایا ہوا جملہ مان لیا جائے تو اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ امام بخاری کا یہ فرمان خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دوسرے فرامین کے بالکل مطابق ہے اور نہ صرف فرمان عمر بلکہ کتاب وسنت اور مسلک صحابہ وتابعین کے مطابق ہے۔ اس کے باوجود مصنف انوار رقمطراز ہیں:

"اس موقع پر راقم الحروف کو یہ بات کھٹکی کہ امام بخاری نے حضرت عمر کی تعلیق ترجمۃ الباب میں ذکر کی اور اس کے

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲٤)

ساتھ وہ جملہ بھی بڑھایا، جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، مگر آگے اس کی تائید میں کوئی چیز ذکر نہیں کی نہ اس کا ماخذ بتلایا۔"[1]

ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ امام بخاری نے اگر چہ تعلیق عمر بن عبدالعزیز کی سند بیان کر دی ہے اور اپنی طرف سے اس میں کوئی اضافہ بھی نہیں کیا ہے اور تعلیق مذکور کتاب وسنت کے بالکل مطابق ہے، مگر اس کے باوجود مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں امام بخاری کے خلاف زہر افشانی کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ موصوف نے تعلیق مذکور کا ماخذ بھی نہیں بتلایا، اس کے جواب میں ہم صرف یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمہ آفتاب را چہ گناہ

امام بخاری پر یہ سارے الزامات لگانے والے مصنف انوار نے اپنی ان ساری باتوں کا ماخذ بتلاتے ہوئے کہا:

یہ بحث "ما تمس إليه الحاجة" میں بھی ہے اور ہم نے کچھ اضافہ وتشریح سے اسے یہاں لیا ہے۔[2]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے باعتراف خویش امام بخاری کے خلاف لکھی ہوئی مذکورہ بالا باتیں کچھ "ما تمس إليه الحاجة" سے لی ہیں اور کچھ اپنی طرف سے بطور اضافہ وتشریح لکھی ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ساری باتیں انھیں دونوں حضرات کی ذاتی ایجاد واختراع ہیں، مصنف "ما تمس إليه الحاجة" مصنف انوار کے دوست اور رفیق ہیں اور محدثین ومسلک محدثین کے خلاف ایجاد اکاذیب میں ایک دوسرے کے معین ہیں، بہر حال ان دونوں کی اختراعات کی حقیقت ہماری گزشتہ تحریر میں واضح ہو چکی ہے۔

تین بڑے فقہاء:

مندرجہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے کہا:

"تین بڑے بڑے فقہاء وحفاظ حدیث اور اپنے وقت کے امام ومقتدا، جنھوں نے قرن ثانی میں احادیث رسول اور آثار واقوال صحابہ کو جمع کیا اور ان کو کتابی شکل میں مدون کیا، شعبی، مکحول اور زہری ہیں۔ ان میں شعبی بتصریح امام ذہبی امام اعظم کے شیوخ میں سے ہیں، جنھوں نے پانچ سو اصحاب رسول اللہ ﷺ کو پایا ہے۔"

ہم کہتے ہیں کہ بلا شک یہ تینوں حضرات بڑے فقہاء، حفاظ حدیث اور امام ومقتدا اور احادیث نبویہ وآثار صحابہ کے جامع اور تدوین کنندہ تھے اور شعبی ہی نہیں بدعویٰ احناف مکحول وزہری بھی امام ابوحنیفہ کے شیوخ میں سے تھے۔[3]

لیکن ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی طرح کے بہت سے صحابہ کرام خلاف اصول شرع احادیث بیان کرتے تھے اور نہ انھوں نے ان صحابہ کو غیر فقیہ کہا اور نہ روایت حدیث کو شدت تقویٰ وتورع واحتیاط کے خلاف قرار دے کر اس سے احتراز واجتناب کیا، بلکہ یہ لوگ صحابہ کرام کی طرح احادیث نبویہ کی اشاعت بذریعہ تحدیث وروایت باعث خیر وسعادت سمجھ کر کرتے تھے۔

---

[1] أنوار الباري (١/ ٢٤)　　[2] مقدمہ انوار (....../ ٢٤)

[3] أبي حنيفة للموفق و كردري.

ایک خاص توجہ طلب بات...مصنف انوار معمولی حساب دانی سے محروم:

ناظرین کرام! ایک خاص بات ملحوظ رکھیں کہ مصنف انوار نے فرمایا کہ شعبی ومکحول و زہری نے قرن ثانی میں احادیث و آثار کو جمع کر کے کتابی شکل میں مدون کیا اور مصنف انوار کہہ آئے ہیں کہ قرن ثانی کا زمانہ ۱۱۱ھ سے لے کر ۲۰۷ھ تک ہے۔[1]

مصنف انوار کی ان دونوں باتوں کو اکٹھا کیجیے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ان تینوں حضرات نے ۱۱۱ھ و ۲۰۷ھ کی درمیانی مدت میں تدوین حدیث کا کارنامہ انجام دیا، حالانکہ امام شعبی کا انتقال ۱۱۰ھ سے پہلے ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ، ۱۰۶ھ میں ہوگیا تھا اور مکحول کا انتقال ۱۱۲ھ، ۱۱۳ھ میں ہوا ہے اور مصنف انوار خود اس امر کے مدعی ہیں کہ زہری نے تدوین حدیث کا کام حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم کے مطابق ۱۰۱ھ سے پہلے کیا۔[2]

دریں صورت مصنف انوار کا یہ بیان کس اصول تحقیق سے درست ہے کہ شعبی، مکحول اور زہری نے ۱۱۰ھ کے بعد قرن ثانی میں تدوین حدیث کی؟ کیا شعبی اپنی موت کے بعد تدوین حدیث کرنے آ گئے تھے یا حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی وفات کے بعد زندہ ہوگئے تھے کہ انھوں نے زہری سے تدوین حدیث کرائی؟ نیز ۱۱۲ھ، ۱۱۳ھ میں فوت ہونے والے امام مکحول نے ظاہر ہے کہ تدوین حدیث کا کام ۱۱۱ھ سے پہلے ہی کیا ہوگا، الغرض مصنف انوار کے بیانات تضاد و تعارض اور عجائبات کے شاہکار ہیں۔

ناظرین کرام اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو آدمی مرے ہوئے لوگوں کی بابت یہ کہے کہ وہ مرنے کے بعد تدوین حدیث کرتے اور کرواتے رہے، اس کی تحقیقات کا حاصل اور معیار کیا ہوگا؟

پہلی صدی میں تدوین حدیث:

مصنف انوار نے ایک طویل بیان سپرد قلم کرتے ہوئے کہا:

> ''قرن اول گزر گیا اور اکثر صحابہ وفات پا گئے تو علماء نے منظّم طور پر کتابت و تدوین حدیث کی شدید ضرورت محسوس کی اور سب سے پہلے اس کا احساس عمر بن عبدالعزیز نے کر کے تدوین حدیث کرنے کا حکم دیا۔''[3]

مصنف انوار کے اس بیان کا حاصل یہ نکلا کہ قرن اول یعنی ۱۱۰ھ گزر جانے کے بعد جب اکثر صحابہ کا انتقال ہوگیا تو تدوین حدیث کی ضرورت کا شدید احساس کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین کا حکم دیا، حالانکہ ناظرین کرام جانتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ۱۱۰ھ کے بعد زندہ ہی نہیں تھے۔ بلکہ ۱۰۱ھ میں ہی انتقال کر گئے۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے جمع و تدوین حدیث کا حکم ۱۰۱ھ سے پہلے دیا ہوگا، مگر مصنف انوار کی گہر افشانی قابل داد ہے، کیونکہ اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر نے ۱۱۰ھ کے بعد تدوین حدیث کروائی، اسی طرح مصنف انوار کا یہ بیان بھی قابل داد ہے کہ قرن اول گزر گیا تو اکثر صحابہ وفات پا چکے تھے، کیونکہ قرن اول کا خاتمہ دوسری صدی میں آخری صحابی عامر بن واثلہ کا انتقال ہوتے ہی ۱۱۰ھ میں ہوگیا۔

قرن اول کے خاتمہ کے وقت اکثر صحابہ کیا معنی بلکہ تمام صحابہ وفات پا چکے تھے، اس وقت کوئی ایک صحابی بھی زندہ نہیں رہ گیا تھا، خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز کے جمع و تدوین حدیث کا کارنامہ قرن اول ہی میں انجام پذیر ہوا اور اسے انجام دینے

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸)
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۲٤)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۲۳)

والے ابوبکر بن حزم و زہری وغیرہ تھے، مگر مصنف انوار کی تحقیقات عجائب خانہ میں محفوظ کیے جانے کے لائق ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے قرن اول گزر جانے کے بعد جمع و تدوین حدیث کروائی اور حزمی و زہری نے قرن اول کے بعد قرن ثانی میں تدوین حدیث بحکم عمر بن عبدالعزیز کی!

تدوین حدیث کرنے والوں کے زمانے کی ترتیب...مصنف انوار کی زبانی:

مصنف انوار نے بڑے محققانہ انداز میں فرمایا ہے:

''حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ امام شعبی نے بھی احادیث جمع کیں اور غالباً ان سب میں وہی متقدم تھے، پھر زہری (متوفی ۱۲۰ھ) پھر حزمی (متوفی ۱۲۴ھ) نے۔''[1]

حالانکہ مصنف انوار نے تنویر الحوالک کے حوالے سے اس سے پہلے جو روایت نقل کی ہے کہ بحکم عمر بن عبدالعزیز حزمی نے تدوین کا کام کیا اس میں صاف طور پر موجود ہے کہ ''صحابہ و تابعین کے زمانے میں جمع و تدوین حدیث کا کام نہیں ہوا تھا، سب سے پہلے خلیفۂ راشد عمر نے بذریعہ حزمی تدوین کروائی'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار کی مستدل روایت میں سب سے پہلے تدوین کنندہ حزمی کو قرار دیا گیا ہے، مگر اپنی مستدل روایت کے خلاف مصنف انوار نے یہ ظاہر کیا کہ سب سے پہلے تدوین کنندہ شعبی ہیں ان کے بعد زہری ہیں!

ترتیب تدوین میں علامہ انور شاہ سے مصنف انوار کا اختلاف:

لیکن مصنف انوار کا یہ بیان ان کے امام العصر حافظ حدیث علامہ انور شاہ صاحب کے اس بیان کے بالکل خلاف ہے کہ ''تدوین حدیث میں امام زہری رحمہ اللہ نے سبقت کی، وہی سب سے پہلے تدوین حدیث کرنے والے ہیں۔''[2]

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار اپنی اس کتاب 'انوار الباری'' کو انھی علامہ انور شاہ کا مجموعہ افادات کہہ کر شائع کر رہے ہیں۔ ناظرین کرام ذرا مصنف انوار سے پوچھیں کہ یہ کس قسم کا مجموعہ افادات علامہ انور ہے کہ ان کی تصریحات کے بالکل خلاف اس میں بہت ساری باتیں بھری پڑی ہیں؟!

نیز امام عبدالعزیز بن محمد دراوردی نے کہا ہے:

''أول من دون العلم وكتبه ابن شهاب الزهري.''[3]

یعنی سب سے پہلے تدوین حدیث امام زہری نے کی۔

علامہ انور صاحب کی تقریر مقدمہ فیض الباری میں تدوین حدیث کرنے والوں کا تذکرہ موجود ہے، جن میں امام مالک اور بخاری کا ذکر نمایاں ہے، مگر اس میں امام صاحب اور ان کے خصوصی تلامذہ ابو یوسف، محمد، حسن بن زیاد، نوح بن ابی مریم اور نوح بن دراج وغیرہ کا نام بھی نہیں، بلکہ یہ تصریح ہے کہ مسانید ابی حنیفہ وغیرہ کے نام سے پائی جانے والی کتابیں تصنیف

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۳) [2] مقدمة فيض الباري (۱/ ۱٤)

[3] جامع بيان العلم لابن عبد البر (ص: ۷۳) و حلية الأولياء (۳/ ۳٦۳) و البداية والنهاية (۹/ ۳٤٥، ۳٤٦)

ابی حنیفہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ مجموعۂ افادات علامہ انور کہہ کر شائع کی جانے والی اس کتاب انوار الباری میں تصریحات علامہ انور کے خلاف بہت ساری باتوں کے ساتھ یہ لکھ کر کہ ''تدوین حدیث میں امام صاحب کو اپنے اقران میں اولیت و افضلیت کا مقام حاصل ہے'' مصنف انوار نے اپنی تکذیب کا پورا سامان خود ہی کر لیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف مصنف انوار مدعی ہیں کہ تورع و احتیاط کے سبب امام صاحب روایت حدیث کرتے ہی نہ تھے، اور دوسری طرف تصاد بیانی کرتے ہوئے مدعی ہیں کہ تدوین حدیث میں امام صاحب کو اپنے اقران میں اولیت کا مقام حاصل ہے۔ شدت تورع سے روایت حدیث نہ کرنے والے امام صاحب مصنف کتب حدیث کیسے بن گئے؟ جبکہ کسی بھی معتمد علیہ صاحب علم نے تدوین حدیث کرنے والوں میں امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا، بلکہ امام ذہبی نے یہ کہا کہ ۱۴۳ھ میں امام ابوحنیفہ نے فقہ اہل الرائے کی تدوین کی۔[1]

مصنف انوار فقہاء، شعبی، زہری اور مکحول کی تدوین حدیث کا ذکر کر کے بڑی شان سے فرماتے ہیں:

> ''ان کے بعد سراج الامۃ، فقیہ الملت، حافظ حدیث، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا دور شروع ہوجاتا ہے، جو حسب تصریح اقران و معاصرین امام اس زمانے کے تمام فقہاء و محدثین پر اپنے غیر معمولی حفظ، تفقہ اور کمال زہد و ورع کی وجہ سے فائق تھے۔''[2]

اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے امام صاحب کو جو ''سراج الامۃ'' لکھا ہے وہ ایک خانہ ساز وضعی حدیث کی بنیاد پر کہا ہے۔ (کما مر) اور وضعی حدیث کو بطور حجت بیان کرنے والوں کو دربار نبوی سے جہنم کی وعید ہے۔ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں امام صاحب کو جن خطابات سے ملقب کر کے دعوی کیا ہے کہ موصوف امام صاحب اپنے اقران و معاصرین کے حسب تصریح تمام فقہاء و محدثین پر فائق تھے تو اس کی حقیقت آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

امام صاحب کو سراج الامۃ وغیرہ قرار دینے کے بعد بزعم خویش مصنف انوار نے (ص: ۲۵، ۲۶) امام صاحب کے بعض معاصرین کی طرف منسوب کردہ جھوٹی باتوں کو مدح ابی حنیفہ کے طور پر بڑے فخر کے ساتھ تحریر کیا ہے اور ان سے اکثر کو مکرر سہ کرر بھی نقل کیا ہے، ہم آگے چل کر ان روایات کی حقیقت بھی واضح کریں گے۔

تصانیف ابی حنیفہ کا ذکر مکرر:

اس جگہ انھی صفحات (ص: ۲۵، ۲۶ و ۲۷، ۲۸) میں معاصرین کے مکذوبہ اقوال کے ذریعہ مدح ابی حنیفہ کے ساتھ ہی ساتھ درمیان میں اور بعد میں بھی مصنف انوار نے تکرار کی بھرمار کرتے ہوئے امام صاحب کی تصانیف اور تدوین فقہ و حدیث کا تذکرہ طول بیانی کے ساتھ چھیڑ دیا ہے، جس کی تکذیب کے لیے علامہ انور شاہ کا وہ بیان بہت کافی ہے جسے ہم گزشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں۔ افسوس کہ تصریحات علامہ انور شاہ کے خلاف یہ ساری باتیں لکھنے والے مصنف انوار مدعی ہیں کہ انوار الباری مجموعۂ افاداتِ انور ہے!!

یہ عجیب دیدہ دلیری ہے کہ علامہ انور شاہ نے تدوین حدیث کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ اور ان کے اہل الرائے تلامذہ

---

[1] تاريخ الخلفاء للسيوطي وغيره.　[2] مقدمه انوار (١/ ٢٤)

کا اگرچہ نام تک نہیں لیا مگر مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ ''تدوین حدیث کے سلسلے میں سب سے پہلا اقدام عبداللہ بن عمرو بن العاص اور دوسرے صحابہ کا تھا، دوسرا اقدام عمر بن عبدالعزیز کا اور اور تیسرا امام اعظم ابوحنیفہ کا۔''[1]

فسیعلم الذين كذبوا أي منقلب ينقلبون!!

حدیث مرسل پر مفصل بحث:

مذکورہ بالا مباحث کے بعد نیز دوسرے کئی مقامات پر بھی مصنف انوار نے حدیث مرسل کا ذکر کرتے ہوئے اسے حجت نہ ماننے والوں پر بہت رد وقدح کی ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس موضوع پر اس جگہ پوری تحقیق کے ساتھ مفصل گفتگو کریں۔ مصنف انوار الباری نے بعنوان ''حدیث مرسل وحسن کا انکار'' لکھا:

> ''دوسری صدی کے بعد حدیث مرسل وحسن سے استدلال و احتجاج کے خلاف نظریہ پیدا ہوا، حالانکہ سلف و متقدمین ان سے برابر حجت پکڑتے تھے، خصوصیت سے امام بخاری ؒ نے حدیث حسن سے استدلال و احتجاج کا بڑی شدت سے انکار کیا، جس پر امام و سرتاج غیر مقلدین شوکانی بھی خاموش نہ رہ سکے اور نیل الاوطار میں امام بخاری کے خلاف لکھا کہ اسی طرح اس حدیث سے بھی استدلال و احتجاج درست ہے جس کے حسن ہونے کی تصریح ائمہ معتبرین نے کی ہو، کیونکہ حدیث حسن پر عمل جمہور کے نزدیک صحیح ہے اور ان کے خلاف عدم جواز کا فیصلہ صرف بخاری و ابن عربی نے کیا ہے، لیکن حق وہی ہے جو جمہور علمائے امت کا فیصلہ ہے۔''[2]

پھر آگے چل کر مصنف انوار نے ابن عبدالبر، قاسم بن قطلوبغا اور عراقی وغیرہ کی طرح امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (مولود ۲۲۴ھ، ۲۲۵ھ ومتوفی ۳۱۰ھ) سے نقل کیا ہے کہ حدیث مرسل سے عدم احتجاج کا نظریہ دوسری صدی کے بعد امام شافعی نے ایجاد کیا۔[3]

حدیث مرسل اور امام ابن جریر طبری کا نظریہ:

ہم کہتے ہیں کہ طبری سے اس قول کے ناقل ابن عبدالبر (مولود ۳۶۸ھ متوفی ۴۶۳ھ) ہیں اور قاسم بن قطلوبغا و عراقی وغیرہ نے ابن عبدالبر ؒ ہی کے حوالے سے یہ بات طبری کی طرف منسوب کی ہے، مگر طبری بذات خود حدیث مرسل کے حجت ہونے کے منکر ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> "وروي جميع ذلك عن ابن عباس، وليست الرواية عنه من رواية من يجوز الاحتجاج بنقله، وذلك أن الذي روى عنه: أن خمسة منها من لسان العجز من هوازن. الكلبي عن أبي صالح، وأن الذي روى عنه: أن اللسانين الآخرين قريش وخزاعة. قتادة، وقتادة لم يلقه و لم يسمع منه."[4]

اس کا ماحصل یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں ابن عباس سے مروی روایت کے ناقل قتادہ ہیں، جن کا لقا وسماع ان سے نہیں

---

1. ملخص مقدمه انوار (۱/ ۲۷، ۲۸)
2. مقدمه انوار (۱/ ۲۸)
3. ملاحظہ ہو: أنوار الباري (۸/ ۱۰۸، ۱۰۹ بعنوان اصول فقہ و استنباط فقہ حنفی، حواشی ومتن)
4. تفسير ابن جرير (۱/ ۲۲)

ہے۔ یعنی یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایت سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ طبری کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حدیث مرسل سے احتجاج کو جائز نہیں مانتے۔ اگر احتجاج بالمرسل کے انکار کا نظریہ ان کے نزدیک دوسری صدی کے بعد کی ایجاد ہوتا تو اس مبتدعانہ نظریہ پر خود بھی عامل نہ ہوتے۔ دریں صورت ضرورت ہے کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی اس عبارت پر غور کیا جائے جسے انھوں نے طبری کی طرف منسوب کیا ہے۔

حدیث مرسل کے متعلق طبری کے بیان پر بحث:

واضح رہے کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے طبری سے یہ نہیں نقل کیا کہ مرسل سے عدم احتجاج کا نظریہ امام شافعی رحمہ اللہ نے دوسری صدی کے بعد ایجاد کیا ہے، بلکہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"زعم الطبري أن التابعين بأسرهم أجمعوا على قبول المرسل، ولم يأت عنهم إنكاره ولا عن أحد الأئمة بعدهم إلى رأس المأتين، كأنه يعني أن الشافعي أول من أبى من قبول المرسل."[1]

یعنی طبری رحمہ اللہ کا یہ خیال ہے کہ تمام تابعین متفق طور پر حدیث مرسل قبول کرتے تھے، اس نظریہ سے کسی تابعی کا اختلاف منقول نہیں اور نہ دوسری صدی تک ان کے بعد ہی کسی امام سے اختلاف مروی ہے، گویا طبری نے دوسری صدی کے بعد اس نظریہ سے اختلاف کرنے والے سے مراد امام شافعی کو لیا ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی یہ عبارت صاف بتلاتی ہے کہ طبری نے امام شافعی کا نام نہیں لیا ہے، بلکہ طبری کے کنایہ و اشارہ کا مفہوم ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہ سمجھ لیا کہ شاید طبری کی مراد امام شافعی ہے، حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ ابن عبدالبر کا یہ ظن درست ہو۔ خود امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے طبری کے اس خیال کو ایک زعم (یعنی خیال خام) قرار دیا ہے کہ دوسری صدی تک حدیث مرسل سے احتجاج صحیح مانا جاتا تھا۔

کیا مرسل حدیث کو رد کرنے کا نظریہ امام شافعی کی ایجاد ہے؟

تمہید کے حاشیہ نگار اہل علم نے طبری کے خیال کی تردید میں کہا:

"التوقف في قبول المرسل والتحري في شأنه بدأ في عصر مبتكر، ففي مقدمة صحيح مسلم (١/ ١٠) أن ابن عباس لم يقبل مرسل بعض التابعين مع كون ذلك التابعي ثقة حجة، وأن ابن سيرين قال: "لم يكونوا يسئلون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا: سموا لنا رجالكم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم، وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم."[2]

یعنی مرسل کے قبول کرنے میں توقف و تحری کا نظریہ ابتدائی زمانہ ہی میں موجود تھا، مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ابن عباس نے بعض ثقہ تابعین کی مرسل حدیث قبول نہیں کی اور محمد بن سیرین نے فرمایا کہ پہلے سندوں کے متعلق سوال نہیں ہوتا تھا، لیکن فتنہ کا زمانہ آ جانے کے سبب رواۃ کی چھان بین ہونے لگی۔ اہل سنت کی حدیث قبول کی جاتی اور اہل بدعت کی نہیں۔

---

[1] مقدمه التمهيد (١/ ٤)
[2] صحيح مسلم (١/ ١١) و حاشية تمهيد (١/ ٤)

مطلب یہ کہ مرسل روایت کو رد کیا جانے لگا، لہٰذا یہ کہنا کہ دوسری صدی تک قبول مرسل ہی کا نظریہ تھا، غیر صحیح ہے۔ گویا طبری کے بیان میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے غلطی محسوس کر لی، اسی لیے انھوں نے طبری کے اس خیال کو خیال خام کہا۔ نیز صحاح ستہ کی کتابوں میں مروی ایک نہایت پختہ حدیث سے ثابت ہے کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز اور عروہ بن زبیر جیسے تابعی عدم احتجاج بالمرسل پر متفق تھے۔[1]

اس تفصیل میں یہ بتلایا گیا ہے کہ طبری کا یہ خام خیال بالکل غلط ہے کہ دوسری صدی تک متفقہ طور پر حدیث مرسل سے احتجاج کا نظریہ پایا جاتا تھا، کیونکہ دور صحابہ میں حضرت ابن عباس جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت فقیہ صحابی بھی مرسل حدیث کو حجت نہیں مانتے تھے۔ اور ابن سیرین جیسے زبردست تابعی نے اپنے زمانے کے اہل علم کا نظریہ بیان کیا کہ وہ بھی حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے پھر یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوا کہ عدم احتجاج بالمرسل کا نظریہ دوسری صدی کے بعد پیدا ہوا جب کہ ابن عباس جیسے صحابی اور ابن سیرین جیسے تابعی اور دوسرے تابعین بھی عدم احتجاج بالمرسل کا نظریہ رکھتے تھے؟ مصنف انوار کے شیخ الشیوخ مولانا شبیر احمد عثمانی نے بھی نقل کیا ہے کہ عدم احتجاج بالمرسل کا نظریہ حضرت سعید بن المسیب (امام ابوحنیفہ کے استاذ الاساتذہ) امام محمد بن سیرین، ابن مہدی اور یحییٰ قطان وغیرہ سے منقول ہے جو امام شافعی سے پہلے گزرے ہیں، لہٰذا امام شافعی کو اس نظریہ کا موجد کہنا قطعاً غلط ہے۔[2]

اوپر نقل ہوا کہ ابن عباس بھی مرسل کو مردود مانتے ہیں مگر مصنف انوار کو یہ سب نظر نہیں آتا، مصنف انوار نے اپنی بدقسمتی سے ابن عباس کو فقیہ صحابی تسلیم کر لیا ہے، یعنی وہ اس جگہ یہ کہہ کر نہیں بچ سکتے کہ چونکہ ابن عباس غیر فقیہ تھے، اس لیے ان کا قول اسی طرح خلافِ اصولِ شرع ہے جس طرح حضرت ابوہریرہ کی بیان کردہ حدیثیں نعوذ باللہ خلاف اصول شرع ہوتی ہیں۔

اسی طرح وہ ابن سیرین کو بھی غیر فقیہ نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح وہ سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہم کو، جو امام ابوحنیفہ کے اساتذہ کے قابل فخر استاد ہے، غیر فقیہ نہیں کہہ سکتے۔ مصنف انوار اگر کسی مصلحت سے ابن عباس، ابن سیرین، ابن مسیّب اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہم کو غیر فقیہ کہہ دینے کی جرأت کر ہی بیٹھیں تو ابن عباس، سعید بن المسیب اور ابن سیرین کی ان تصریحات کے ہوتے ہوئے انھوں نے طبری کے اس دعویٰ کو کیونکر صحیح مان لیا کہ حدیث مرسل سے عدم احتجاج کا نظریہ دوسری صدی کے بعد پیدا ہوا؟ حالانکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ طبری بھی حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ صحیح بخاری کی شرح لکھنے والے مصنف انوار کیا صحیح مسلم کا مقدمہ نہیں سمجھ سکتے ہیں؟ اگر وہ مقدمہ صحیح مسلم کو سمجھے بغیر ہی صحیح بخاری کی شرح لکھنے بیٹھ گئے ہیں تو صحیح بخاری پر اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوسکتا ہے کہ مقدمہ صحیح مسلم سمجھے بغیر آدمی شارح بخاری بن جائے؟ افسوس تو یہ ہے کہ مصنف انوار نے اپنے سلف کبیر مولانا عثمانی کی فتح الملہم شرح مسلم کا مقدمہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارہ نہ کی، ورنہ وہ ابن جریر کی طرف منسوب بات کو دلیل و حجت بنا کر ائمہ محدثین کی شان میں اتنی بڑی عظیم گستاخی کے مرتکب شاید نہ ہوتے۔

مصنف انوار نے معلوم نہیں انور شاہ، کوثری اور دوسرے حنفی دیوبندی اساتذہ کی درسگاہوں میں کتب حدیث کو کس طرح

---

[1] موطأ إمام مالك و صحاح سته.
[2] مقدمة فتح الملهم (ص: ٣٤)

پڑھا کہ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ صحابہ و تابعین بھی حدیث مرسل سے عدم احتجاج کے قائل تھے؟ اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار اقوال و آثار صحابہ کو حجت مانتے ہیں، اور نہ ماننے والوں پر سخت معترض ہیں، پھر وہ رد مرسل کے معاملہ میں صحابہ و تابعین کے طریق سے کیوں منحرف ہیں؟

امام شافعی کی کتاب ''الرسالۃ'' کا زمانہ تصنیف:

امام شافعی (مولود ۱۵۰ھ و متوفی ۲۰۴ھ) نے امام عبدالرحمٰن بن مہدی (مولود ۱۳۴ھ و متوفی ۱۹۸ھ) اور علی بن مدینی (متوفی ۲۳۴ھ) وغیرہ کی درخواست پر اپنی مشہور عالم کتاب ''الرسالۃ''تصنیف کی۔ اس میں موصوف امام شافعی نے عدم احتجاج بالمرسل کے نظریہ کو مدلل طور پر اس طرح بیان کیا کہ مخالفین کی زبانین گنگ ہو کر رہ گئیں۔ جب امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الرسالۃ '' ابن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) کی درخواست پر لکھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ کتاب ۱۹۸ھ سے پہلے لکھی گئی۔[1] پھر یہ کہنا کہ رد مرسل کا نظریہ امام شافعی نے دوسری صدی کے بعد یعنی ۲۰۰ھ کے بعد ایجاد کیا، کیونکر صحیح ہے؟

مرسل حدیث کے رد پر علمائے متقدمین کا اجماع:

اس کتاب میں امام شافعی نے بتلایا کہ بعض مرسل حدیثوں کو کسی نے بھی حجت نہیں مانا۔[2] کیونکہ اہل علم اس مرسل حدیث کو غیر ثابت و غیر صحیح و غیر معتبر مانتے ہیں۔[3] حالانکہ اس مرسل کی روایت محمد بن منکدر جیسے ثقہ ترین تابعی نے کی ہے۔[4]

جب ثقہ ترین تابعی کی بیان کردہ مرسل حدیث کو کسی تابعی نے حجت نہیں مانا تو مصنف انوار یہ بتلائیں کہ یہ تابعین کرام دوسری صدی کے بعد پیدا ہوئے تھے یا دوسری اور پہلی صدی کے تھے؟ مصنف انوار مدعی ہیں کہ جمہور علماء احتجاج بالمرسل کے قائل ہیں حالانکہ الفیہ عراقی میں ہے ؎

واحتج مالك كذا النعمان وتابعوهما به ودانوا
ورده جماهير النقاد للجهل بالساقط في الإسناد
وصاحب التمهيد عنهم نقله ومسلم صدر الكتاب أصله [5]

یعنی احتجاج بالمرسل کے قائل صرف ابو حنیفہ، مالک اور ان کے مقلدین ہیں، ورنہ جمہور اہل علم اسے رد کر دیتے ہیں، ابن عبدالبر صاحب تمہید اور امام مسلم نے مقدمہ صحیح میں یہی بات کہی ہے۔

چنانچہ مقدمہ صحیح مسلم میں ہے:

''والمرسل في قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة.''[6]

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقدمة الرسالة للعلامة محمد شاكر (ص: ۹ تا ۱۲) و تاريخ خطيب (۲/ ۲۴، ۲۵) والانساب (ورق: ۵۶۶) ومعجم الأدباء يعني إرشاد الأريب: ۲/ ۲۸۸، ۳۸۹ و الانتقاء لابن عبدالبر: ۷۲، ۷۳ و طبقات الشافعية: ۱/ ۲۴۹)

[2] الرسالة (ص: ۴۶۸، ۴۶۷ فقرة: ۱۲۸۹ تا ۱۲۹۱)

[3] الرسالة (ص: ۴۶۹، فقرة: ۱۲۹۵ و ۱۲۹۴)

[4] الرسالة (فقرة: ۱۲۹۵ ۱۲۹۶)

[5] ملاحظہ ہو: الألفية مع فتح المغيث (۱/ ۶۹)

[6] ماحصل از مقدمة مسلم، و فتح المغيث، و مقدمة ابن الصلاح.

یعنی ہم محدثین اور تمام اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت نہیں۔

کیا مصنف انوار نے امام مسلم کے اس قول کو فتح الملہم کی شرح کے ساتھ (۱/ ۱۴۵) اور مقدمہ فتح الملہم (ص: ۳۲ تا ۳۶) میں نہیں دیکھا ہے؟ مقدمہ صحیح مسلم کی اس تصریح کا مطلب کم از کم یہ ہے کہ اکثر بیشتر اہل علم کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے، اس کے باوجود مصنف انوار نے بزعم خویش بحوالہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھا ہے:

''ابن جریر نے کہا کہ سب سے پہلے امام شافعی نے قبول مراسیل سے انکار کیا، پھر اس کے بعد کہا ہے کہ اس میں تو شریعت کی توڑ پھوڑ ہوتی ہے۔''❶

حالانکہ یہ مصنف انوار کی تلبیس محض ہے۔ ابن عبدالبر نے قبول مرسل کے معاملہ میں اختلافِ علماء کا ذکر کرتے ہوئے صاف طور سے کہا ہے:

"وقال سائر أهل الفقه وجماعة أهل الحديث في كل الأمصار فيما علمت: الانقطاع (المراد به الإرسال) في الأثر علة، تمنع من وجوب العمل به."❷

یعنی پوری جماعت اہل حدیث اور عام فقہاء پوری دنیا میں میرے علم کے مطابق انقطاع کو ایک ایسی علت مانتے ہیں جو حدیث مرسل پر عمل کے وجوب کو ساقط کر دیتی ہے۔

ابن عبدالبر کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ عام فقہاء اور اہل حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے، مگر مصنف انوار کی دیانت داری قابل داد ہے کہ موصوف نے بے دھڑک کہہ دیا کہ عدم قبول مرسل سے شریعت کی توڑ پھوڑ لازم آتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مصنف انوار نے ابن عبدالبر کی طرف غلط منسوب کی۔ امام ابن عبدالبر کا ارشاد تو یہ ہے کہ:

''ہمارے مالکی بھائیوں کا اگرچہ اصل مذہب یہی ہے کہ حدیث مرسل حجت ہے، مگر میں نے تمام علماء کو، خواہ مالکی ہوں یا اہل حدیث، فقہاء ہوں یا مناظرین، دیکھا ہے کہ اگر ان کے خلاف کوئی مرسل پیش کی جاتی ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتے، بلکہ حدیث متصل کا مطالبہ کرتے ہیں۔''❸

گویا یہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی طرف سے اعتراف ہے کہ میدان مناظرہ میں مالکی، اہل حدیث اور فقہاء سبھی حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ آگے چل کر ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے مدلس کی روایت کے غیر معتبر ہونے پر تمام علماء کا اجماع نقل کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ مدلس کی روایت دراصل منقطع (مرسل) ہوتی ہے۔ ابن عبدالبر کے نزدیک منقطع مراسیل ہی میں شامل ہے، کیونکہ وہ غیر متصل سند کو مرسل کہتے ہیں۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے نزدیک مرسل کی تعریف:

امام ابن عبدالبر نے تمہید (۱/ ۲۱) میں کہا:

"المنقطع عندي: كل ما لا يتصل، سواء كان إلى النبي صلى الله عليه وسلم أو إلىٰ غيره."

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے نزدیک مدلس کی روایت غیر معتبر ہونے کی وجہ وعلت انقطاع یا ارسال ہے۔ اس سلسلے میں انھوں

❶ انوار الباري (۸/ ۱۰۸، ۱۰۹)　❷ التمهيد (۱/ ۵)　❸ تمهيد (۱/ ۷)

نے بطور مثال ایک مدلس راوی ابوالعباس الولید بن مسلم اموی (متوفی ۹۵ھ) کی روایت پیش کی ہے جو دراصل مرسل ہے، مگر تدلیس کے سبب متصل نظر آتی ہے۔❶ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بحوالہ امام احمد اس قسم کی تدلیس کی سخت مذمت کی ہے، جس سے غیر متصل روایت متصل نظر آنے لگے۔❷

آگے چل کر ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بتلایا ہے کہ ابوالعباس کی بیان کردہ جو روایت تدلیس کے سبب بظاہر متصل نظر آتی ہے وہ دراصل مرسل ہے، حتی کہ اس روایت کو ابوالعباس کے بجائے امام مالک نے بروایت یحییٰ بن یحییٰ اس طرح نقل کیا ہے کہ وہ متصل نظر آتی ہے، یعنی ”مالك عن ابن شهاب عن عباد بن زياد، وهو من ولد المغيرة بن شعبة، عن أبيه المغيرة بن شعبة عن النبي صلی اللّٰه عليه وسلم.“ الخ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ وہم ہے، دراصل عباد بن زیاد مغیرہ کے نہیں ابوسفیان کے پوتے ہیں۔“❸

ہم کہتے ہیں کہ عبادہ بن زیاد اور مغیرہ کے درمیان بقول امام نسائی عروہ بن زبیر واقع ہیں۔❹ اس طرح درحقیقت یہ حدیث بروایت نسائی متصل ہے، فافہم۔ الحاصل مدلس کی روایت بلا تصریح تحدیث محض اس لیے غیر مقبول ہے کہ سند میں ارسال یا انقطاع ہے اور مدلس کی بغیر تصریح تحدیث والی روایت متفقہ طور پر غیر مقبول ہے، تو لازم آیا کہ اصولی طور پر سبھی لوگ مرسل کے غیر مقبول ہونے پر متفق ہیں۔ بایں ہمہ اگر کچھ لوگوں نے اس متفق علیہ اصول سے اختلاف کر کے مرسل کو حجت مانا ہے تو ان علمائے اہل حدیث کو قصوروار اور غلط کار نہیں کہا جا سکتا جو مرسل کو حجت نہیں مانتے۔

اس سلسلے میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر ارسال کرنے والا راوی بذات خود ثقہ ہو اور اس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ غیر ثقہ سے ارسال نہیں کرتا تو اس کی روایت قبول کی جائے، ورنہ اگر ارسال کرنے والا راوی ثقہ ہے مگر غیر ثقہ سے ارسال کرتا ہو تو اس کی روایت غیر مقبول ہے، اسی طرح مدلس کا بھی معاملہ ہے۔❺

ہم کہتے ہیں کہ اگر فی الواقع کوئی ایسا ثقہ راوی ہے جو صرف ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہو تو اس کی مرسل روایت قبول کی جائے گی مگر ایسا ہے کونسا راوی؟ بعض ثقہ راوی کسی راوی کو اپنے طور پر ثقہ سمجھتے ہیں، مگر وہ کسی معتبر جرح سے مجروح ہونے کے سبب بقول راجح غیر ثقہ ہوتا ہے، البتہ اگر کوئی ثقہ راوی متفق علیہ ثقہ یا بقول راجح ثقہ سے ارسال کرے اور یہ بات محقق طور پر معلوم ہو جائے تو اس کی مرسل روایت قبول کی جا سکتی ہے۔

امام مالک بھی ردِّ مرسل کے قائل ہیں:

امام مالک کے بارے میں اگرچہ مشہور یہی ہے کہ وہ مرسل کو حجت مانتے ہیں مگر امام حاکم نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام مالک مرسل کو حجت نہیں مانتے۔❻ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قبول مرسل کے معاملے میں امام مالک کے دو قول ہیں۔ پھر یہ دعویٰ کیونکر صحیح ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ مرسل کو حجت ہی مانتے تھے ان سے اختلاف قول مروی نہیں؟ حالانکہ اس اختلاف کے

---

❶ تمهيد (۱/ ۱۳، ۱٤)　　❷ تمهيد (۱/ ۱٤)

❸ ملحض از تمهيد (۱/ ۱٤۹، ۱٤۸) و تجريد التمهيد.　　❹ مسوی شرح موطأ.　　❺ (تمهيد: ۱/ ۱۷)

❻ ملاحظہ ہو: المدخل للحاكم (ص: ۱۲) و إرشاد الفحول (ص: ٦٥)

ہوتے ہوئے ان کے اسی قول کو ان کا مذہب قرار دینا چاہیے جو جمہور اور صواب کے مطابق ہے اور جو قول بدلائل واضحہ خلاف صواب ہے اسے ان کا مذہب نہیں قرار دینا چاہیے کیونکہ اسلاف غیر صواب سے صواب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہم بتلا آئے ہیں کہ قبول مرسل میں صحیح مسلک عدم قبول ہی کا ہے اور یہی مذہب جمہور اہل علم کا ہے جو کتاب وسنت کے بھی مطابق ہے۔

الکفایۃ میں عبداللہ بن سلمہ بن اسلم سے مروی ہے کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے کہا:

"ينبغي لنا أن نعرف حديث النبي صلى الله عليه وسلم ممن هو وعمن أخذنا."

یعنی ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم دیکھیں کہ کس قسم کے راوی سے حدیث مروی ہے اور ہم کس کی حدیث قبول کر رہے ہیں؟۔

اس پر امام مالک نے فرمایا: "صدقت يا أبا سلمة" آپ سچ کہتے ہیں۔ ابن سلمہ کہتے ہیں کہ اس وقت سے یہ حال ہوگیا: "فكنت لا أقبل حديثا حتى يسند لي، وتحفظ مالك بن أنس الحديث من أيامئذ" کہ میں غیر متصل یعنی مرسل حدیث قبول نہیں کرتا تھا اور امام مالک بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ امام مالک نے احتجاج بالمرسل کے مسلک سے رجوع کر کے عدم احتجاج کا مسلک اختیار کر لیا تھا، اس روایت کی سند اگرچہ کمزور ہے کیونکہ عبداللہ بن سلمہ پر کلام ہے اور ان سے اس روایت کے ناقل محمد بن اسماعیل جعفری بھی منکر الحدیث ہیں، مگر یہ روایت حاکم وشوکانی کی نقول کی شاہد ومؤید ہے۔

بہر حال مرسل حدیث کے مقبول اور غیر مقبول ہونے کی بحث سے قطع نظر مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مصنف انوار کا یہ دعوی غیر صحیح ہے کہ حدیث مرسل سے عدم احتجاج کا نظریہ دوسری صدی کے بعد پیدا ہوا، کیونکہ صحابہ وتابعین بھی اس مسلک پر عامل تھے، جن میں اساتذ ابی حنیفہ بلکہ ان کے اساتذہ کے اساتذہ بھی شامل ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قبول مرسل کی شرط:

مصنف انوار نے انوار الباری (۸/ ۱۰۸، ۱۰۹) میں ایک عجیب بات کہتے ہوئے امام ابوحنیفہ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ

''قبول مرسلاتِ ثقات جب کہ اس سے قوی روایت معارض نہ ہو۔''

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ صرف ثقات کی مراسیل اس شرط کے ساتھ حجت مانتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں کوئی دوسری قوی حدیث نہ ہو۔ یعنی امام صاحب مطلقاً مرسل کو حجت نہیں مانتے تھے، بلکہ صرف ثقات کی مراسیل کو اور وہ بھی جب کہ اس کے مقابلے میں اس سے قوی روایت موجود نہ ہو۔ مگر مصنف انوار جیسے لوگوں کا حال یہ ہے کہ حنفی مذہب کی تائید میں خواہ کتنے ہی غیر ثقہ رواۃ کی مراسیل ہوں اور وہ مراسیل اپنے سے قوی تر احادیث کے معارض بھی ہوں، پھر بھی مصنف انوار اور ان جیسے لوگ انھیں حجت بنا لیتے ہیں۔ مصنف انوار جیسے فقہاء اہل الرائے کے اس طرز عمل کا شکوہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے مقدمہ فتح الملہم (ص:۳۴ و ۳۵) میں بھی کیا ہے۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس جگہ مرسل ومتصل کا مقابلہ ہو وہاں امام ابوحنیفہ کے اصول کے مطابق متصل کو ترجیح ہونی چاہیے، مگر مصنف انوار احناف کے اس اصول کے مخالف ہیں۔ مصنف انوار کو چونکہ اس کا اعتراف ہے کہ امام ابوحنیفہ صرف

اس مرسل حدیث کوقبول فرماتے تھے جو اپنے سے قوی تر حدیث کے معارض نہ ہو، اس لیے ہم ان کی معلومات میں اضافہ کے لیے عرض کرتے ہیں کہ امام شافعی حدیث مرسل کو مطلقاً رد نہیں کرتے جیسا کہ تفصیل ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

قبول مرسل کے لیے امام شافعی کی شرائط:

امام شافعی نے کہا:

”المنقطع مختلف، فمن شاهد أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، من التابعين، فحدث حديثا منقطعاً عن النبي صلى الله عليه وسلم اعتبر عليه بأمور.“ الخ

یعنی حدیث مرسل کی کئی قسمیں ہیں، جن مراسیل کو کبار تابعین نے نقل کیا ہو ان کے بارے میں یہ دیکھا جائے گا کہ:

۱۔ اگر اس حدیث مرسل کے ہم معنی ثقہ حفاظ نے متصلاً روایت کی ہے تو وہ مرسل قبول ہوگی۔

۲۔ اس معنی کی دوسری متصل روایت اگر نہ ہو مگر اس معنی کو دوسرے ثقہ تابعی نے بھی مرسلاً روایت کیا ہو تو اسے قوی مانا جائے گا، مگر اس کا درجہ پہلی کی بہ نسبت کمزور ہوگا، اگر ثقہ کی مرسل کی تائید میں کوئی متصل یا مرسل روایت دوسری نہیں، مگر اس کے موافق کسی صحابی کا عمل ہے تو یہ مرسل بھی قوی مانی جائے گی۔

۳۔ اسی طرح جس مرسل پر اہل علم کا عمل وفتویٰ ہو تو وہ بھی معتبر ہوگی۔ (یعنی بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی حدیث متصل وصحیح نہ ہو)

۴۔ مرسل کا راوی ایسا ثقہ ہو کہ اگر اس سے درمیانے راوی کا نام پوچھا جائے تو وہ مجہول اور غیر معتبر راوی کے بجائے ثقہ کا نام بتلایا کرتا ہو تو یہ مرسل بھی قابل قبول ہوگی۔

۵۔ راوی مرسل حفاظ حدیث میں سے کسی کی مخالفت نہیں کرتا اور اگر کرتا ہو تو اس طرح کہ حفاظ کے مقابلے میں اس کی روایت کے الفاظ ناقص ہوتے ہیں تو ایسی مرسل بھی مقبول ہوگی۔[1]

حاصل یہ کہ کبار ثقہ تابعین کی مراسیل کو امام شافعی رحمہ اللہ شروط معتبرہ کے ساتھ مقبول اور غیر کبار کی مطلقاً مردود مانتے ہیں، اس تفصیل کے بعد امام شافعی پر یہ الزام کہ وہ مطلقاً مراسیل کو حجت نہیں مانتے، کیونکر درست ہے؟ جب مصنف انوار بھی احتجاج بالمرسل کے لیے یہ قید لگاتے ہیں کہ مرسل حدیث دوسری قوی تر حدیث کے معارض نہ ہو تو امام شافعی کی قیود کے ساتھ قبول مرسل کا نظریہ کیوں قابل ملامت ہوگیا؟ قبول وعدم قبول مرسل کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا تفصیل کا امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے مذہب شافعی کے بیان میں ذکر نہیں کیا، بلکہ مطلقاً رد مرسل کے قائلین میں امام شافعی کو شمار کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں کہ ”وهذا كله قول الشافعي وأصحابه وأهل الحديث“[2]

حالانکہ ناظرین کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے اس جگہ تسامح ہوگیا ہے، کیونکہ رد مرسل کے معاملہ میں امام شافعی نے تفصیل سے کام لیا ہے۔

حدیث مرسل اور امام ابوداود:

مصنف انوار نے مزید کہا:

---

[1] الرسالة: (ص: ٤٦١ تا ٤٦٥)　[2] تمهيد (ص: ٦)

''امام ابوداود نے لکھا ہے کہ پہلے زمانہ میں مراسیل سے استدلال کیا کرتے تھے تا آنکہ شافعی آئے اور اس میں کلام کیا۔''❶

ناظرین کرام امام ابو داود کے اصل کلام کو ملاحظہ فرمائیں:

وأما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى، مثل سفيان الثوري و مالك و الأوزاعي، حتى جاء الشافعي فتكلم فيها، وتابعه على ذلك أحمد وغيره، فإذا لم يكن مسند غير المراسيل فالمرسل يحتج به وليس هو مثل المتصل فى القوة.''❷

یعنی گزشتہ زمانے کے علماء میں سفیان ثوری، مالک اور اوزاعی جیسے لوگ مرسل کو حجت مانتے تھے مگر امام شافعی نے اس میں کلام کیا اور امام احمد وغیرہ نے بھی اس پر ان کی پیروی کی۔ اگر مرسل حدیث متصل کے بالمقابل نہ ہو تو مرسل کو حجت بنایا جا سکتا ہے، مگر وہ متصل کی طرح قوی نہیں ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ امام ابوداود کی اس بات کا مطلب مصنف انوار کے شیخ الشیوخ صاحب فتح الملہم نے یہ سمجھا اور بتلایا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے رد مرسل کے مسئلہ پر ائمہ سلف کی بہ نسبت زیادہ تفصیل و توضیح سے کام لیا ہے۔❸

اور یہی صحیح بھی ہے، ورنہ اگر امام ابوداود کے کلام کا مطلب یہ بتلایا جائے کہ امام شافعی سے پہلے سبھی لوگ قبول مرسل کا نظریہ رکھتے تھے تو یہ بات بدیہی طور پر باطل ہوگی، جس کا صدور امام ابوداود سے مستبعد ہے۔ ہمارے نزدیک امام ابوداود کے قول کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ گزشتہ زمانہ میں امام اوزاعی، ثوری اور مالک جیسے لوگ صحیح الاسناد متصل حدیث کی عدم موجودگی میں مرسل کو حجت مانتے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے علماء اس کے مردود ہونے کے قائل نہیں تھے۔ یہ بات ہم اس بنیاد پر کہہ رہے ہیں کہ بدلائل واضحہ ثابت ہے کہ حضرت ابن عباس، خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز، عروہ اور سعید بن المسیب وغیرہ جیسے اکابر رد مرسل کے قائل تھے اور یہ ناممکن ہے کہ ابوداود کے سامنے یہ ساری باتیں نہ رہی ہوں۔ خود انھوں نے اپنی سنن میں وہ حدیث بسند صحیح نقل کی ہے جس میں صاف طور پر ہے کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز اور عروہ بن زبیر جیسے تابعین حدیث مرسل کو مردود مانتے تھے۔❹

قبول مرسل کے متعلق امام بخاری پر مصنف انوار کا اتہام:

مصنف انوار نے یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ:

''اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں مراسیل کے ساتھ استدلال کیا ہے، جس طرح کہ جزءَ القراءۃ وغیرہ میں، اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی مراسیل موجود ہیں، پھر جس نے بھی مراسیل کو نظر انداز کیا، اس نے سنت معمول بہا کا آدھا حصہ ترک کر دیا۔''❺

❶ انوار الباري (٨/ ١٠٩) بحواله معارف السنن للبنوري (١/ ٢٦)

❷ توجيه النظر (ص: ١٥٢ بحواله الرسالة لأبي داود)　　❸ فتح الملهم (جلد: ١)

❹ ملاحظہ ہو: سنن أبي داود مع شرح أبي داود باب في المواقيت (١/ ٥٥ تا ٢٦٣)

❺ انوار الباري (٨/ ١٠٩)

اس کے بعد اپنے شیخ انور شاہ سے ناقل ہیں کہ:

''امام شافعی رحمہ اللہ و بخاری رحمہ اللہ نے حدیث مرسل قبول نہیں کی تاہم امام شافعی نے چھ مواضع میں قبول کیا ہے جو نخبہ میں مذکور ہے۔''❶

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار اور ان کے شیخ انور کے بیان میں کس قدر تضاد ہے۔ مصنف انوار کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح اور غیر صحیح میں مراسیل سے استدلال کیا ہے اور ان کے شیخ کہتے ہیں کہ امام شافعی و بخاری نے حدیث مرسل قبول نہیں کی۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ انوار الباری کو مجموعۂ افادات انور کہنے کے باوجود اس میں ان کی بات کے خلاف دوسری بات کہی گئی ہے۔ مصنف انوار کی یہ بات کہ جس نے مرسل حدیث کو رد کیا اس نے سنت کا آدھا حصہ رد کر دیا۔ ان اسلاف کرام کی شان میں بڑی گستاخی ہے جو رد مرسل کے قائل ہیں، مگر مصنف انوار کا یہ طریق عمل ان کے خالص دینی و علمی نقطۂ نظر کے مطابق نہایت معتدل اور اچھی چیز ہے۔ نیز مصنف انوار کی یہ بات بالکل ہی سفید جھوٹ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح و غیر صحیح میں مراسیل سے استدلال کیا ہے۔ اسی طرح ان کی یہ بات بھی جھوٹ ہے کہ صحیح مسلم میں مراسیل موجود ہیں۔ کیونکہ صحیح مسلم میں اگر کوئی مرسل حدیث ہے تو وہ اصل حدیث کے طور پر نہیں بلکہ ضمنی اور شاہد کے طور پر ہے۔ امام بخاری یا اس قسم کے کسی بھی محدث نے حدیث مرسل سے استدلال شرائط معتبرہ مذکورہ کے ساتھ کیا ہے یا مخالف پر اقامت الزام کے لیے یا اس لیے کہ اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری روایت نہیں اور اگر یہ حدیث نہ بھی ہوتی تو ان کے نزدیک بطریق استنباط مسئلہ کی یہی صورت ہوتی جو حدیث مرسل سے مستفاد ہے، مگر مصنف انوار بات سمجھتے نہیں۔ مصنف انوار اس طرح کی خلاف واقع باتیں لکھ کر مدعی ہیں کہ ہم نے نہایت معتدل راستہ اختیار کیا ہے۔ مصنف انوار کے شیخ نے جو یہ کہا کہ امام شافعی نے چھ مواضع میں مراسیل قبول کیا ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ چھ شرائط کے تحت امام شافعی نے مرسل کو قبول کیا ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ امام شافعی نے مطلقاً مرسل کو رد نہیں کیا۔

مرسل نخعی پر بحث:

حدیث مرسل کی اس طویل بحث کے ساتھ ناظرین کرام کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ:

''ابن عبدالبر کی تمہید میں ہے کہ اہل نقد مراسیل نخعی کو صحیح احادیث کے درجہ میں سمجھتے ہیں۔''❷

اولاً: ناظرین کرام مصنف انوار سے پوچھیں کہ اگر اہل نقد مراسیل نخعی کو صحیح حدیثوں کے درجہ میں سمجھتے تھے تو کیا اس کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ اہل نقد نخعی کے علاوہ تمام لوگوں کی مراسیل کو بھی احادیث صحیحہ کے درجہ میں سمجھتے ہیں؟

واضح رہے کہ بہت سے اہل علم احادیث صحیحہ کی عدم موجودگی میں قیاس و رائے پر عمل کرنے کے بجائے احادیث ضعیفہ ہی پر عمل کو بہتر سمجھتے ہیں اور مرسل بھی از قسم ضعیف حدیث ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے مراسیل پر عمل کیا ان کی طرف علی الاطلاق یہ منسوب کرنا کہ مراسیل کو صحیح مانتے تھے یا حدیث صحیح کا علم رکھتے ہوئے بھی مرسل کو مطلقاً حجت مانتے تھے، قطعاً غلط ہے، حتی کہ جو لوگ شرائط معتبرہ مذکورہ کے ساتھ کبار تابعین کی مراسیل کو حجت مانتے ہیں وہ بھی انھیں

❶ انوار الباري (٨/ ١٠٩)　❷ مقدمه انوار (١/ ٤١)

احادیث صحیحہ کے درجہ میں نہیں مانتے۔ (کما مر)

ثانیاً: مصنف انوار نے تمہید کے حوالہ سے لکھی ہوئی بات کے لیے تمہید کے صفحہ و جلد اور اصل عبارت کا حوالہ نہیں دیا۔ مصنف انوار کی تحریر میں عام طور سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ کسی کتاب کے حوالے سے بلا ذکر اصل عبارت دعاوی کرتے چلے جاتے ہیں، حالانکہ حقیقت امر ان کے دعاوی کے خلاف ہوتی ہے، کیونکہ وہ اصل عبارت میں حسب منشأ ترمیم کر لیا کرتے ہیں اور حقیقت امر یہ ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود ہم کو تمہید لابن عبدالبر میں وہ بات نہیں مل سکی جس کا ذکر مصنف انوار نے کیا ہے، البتہ اہل نقد کے امام، امام شعبہ یعنی استاذ ابی حنیفہ سے منقول ہے:

"قال یحییٰ: قال شعبة: یضعف إبراهیم عن علي." ❶

یعنی حضرت علی سے نخعی کی نقل کردہ مراسیل ضعیف ہوتی ہیں۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ امام شعبہ کے اس فرمان سے مصنف انوار کے زیر بحث دعوی کی تکذیب و تردید ہوتی ہے، کیونکہ اگر اہل نقد مراسیل نخعی کو احادیث صحیحہ کے درجہ میں سمجھتے تو اہل نقد کے امام شعبہ مراسیل نخعی عن علی کو ضعیف بتلاتے۔ اہل نقد کے دوسرے امام جناب امام شافعی فرماتے ہیں:

"فأما من بعد کبار التابعین فلا أعلم منهم واحداً یقبل مرسله." ❷

یعنی کبار تابعین کی مراسیل تو شرائط مذکورہ کی موجودگی میں قبول کی جا سکتی ہیں مگر غیر کبار تابعین کی مراسیل کی بابت میں کسی بھی صاحب علم کو نہیں جانتا جو ان کی مراسیل قبول کرتا ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ نخعی کبار تابعین میں سے نہیں تھے بلکہ وہ اوساط میں سے بھی نہیں تھے، وہ صغار تابعین میں سے تھے اور وہ بھی صرف بعض صحابہ کو دیکھے ہوئے تھے، کسی سے روایت نہیں کر سکے تھے۔ امام شافعی کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں نخعی کی مراسیل کوئی بھی صاحب علم قبول نہیں کرتا تھا، چہ جائیکہ اہل نقد مراسیل نخعی کو احادیث صحیحہ کا درجہ دیں؟ نیز اہل نقد کے ترجمان امام ذہبی نے کہا ہے:

"استقر الأمر علی أن إبراهیم حجة وأنه إذا أرسل عن ابن مسعود فلیس بحجة، وفي نسخة: لیس بحسن." ❸

یعنی یہ طے ہو چکا ہے کہ نخعی بذات خود حجت ہیں، البتہ ان کی مراسیل حجت نہیں ہیں۔

معلوم ہوا کہ اہل نقد مراسیل نخعی کو حجت نہیں سمجھتے اور جب اہل نقد مراسیل نخعی کو حجت نہیں سمجھتے تو انھیں احادیث صحیحہ کے درجہ میں کیونکر سمجھتے ہوں گے؟ پھر ان مراسیل کو مسانید پر ترجیح دینا تو اور بھی بعید از قیاس ہے!

حافظ ابن حجر نے نخبۃ الفکر اور اس کی شرح میں مراسیل نخعی کو مستثنیٰ کیے بغیر جملہ مراسیل کو احادیث مردودہ میں شمار کیا ہے اور موصوف نے تہذیب التہذیب تذکرہ نخعی میں ایک متاخر حافظ ابوسعید علائی کے حوالہ سے جو یہ نقل کیا ہے:

❶ الکفایة في علم الروایة للخطیب (ص: ۳۷۸)

❷ الرسالة للامام الشافعي رحمه الله (ص: ٤٦٥، فقرة: ۲۷۷) و الکفایة للخطیب (ص: ٤٠٥، ٤٠٦)

❸ مقدمة تحفة الأحوذي بحواله میزان الاعتدال.

"جماعة من الأئمة صححوا مراسيله، وخص البيهقي ذلك بما أرسله عن ابن مسعود"

یعنی ائمہ کی ایک جماعت نے مراسیل نخعی کو صحیح قرار دیا ہے مگر بیہقی نے صرف مراسیل نخعی عن ابن مسعود ہی کو صحیح کہا ہے۔

تو اس نقل سے جس جماعت ائمہ کا نظریہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مراسیل نخعی کو صحیح مانتی ہے، اس سے حافظ ابن حجر متفق نہیں ہیں، کیونکہ وہ بلا استثنائے نخعی رد مرسل کے قائل ہیں اور کوئی شک نہیں کہ ہماری پیش کردہ تفصیل کے بعد مراسیل نخعی کو احادیث صحیحہ کا درجہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ نیز اس نقل سے معلوم ہوا کہ ائمہ کی صرف ایک جماعت ہی مراسیل نخعی کو صحیح مانتی ہے، اس کا مفہوم یہ ہوا کہ دوسرے تمام ائمہ مراسیل نخعی کو صحیح نہیں مانتے۔ دریں صورت مصنف انور نے جو علی الاطلاق ابن عبدالبر کی طرف یہ دعویٰ منسوب کیا ہے کہ اہل نقد مراسیل نخعی کو احادیث صحیحہ کا درجہ دیتے ہیں، وہ مکذوب ہے، البتہ کچھ محدثین کا یہ نظریہ ہے کہ احادیث صحیحہ نہ ہونے کی صورت میں ضعیفہ پر عمل کر لیا جائے اور مراسیل بھی از قسم ضعیفہ ہے، اس لیے اس پر بھی احادیث صحیحہ نہ ہونے کی صورت میں وہ عمل کر لیتے ہیں۔ کبار تابعین کی مراسیل، جو شرائط معتبرہ کے ساتھ معمول بہ ہیں، انھیں بھی جمہور محققین احادیث صحیحہ کا درجہ نہیں دیتے اور یہ بات معلوم ہے کہ نخعی کبار تابعین سے نہیں ہیں۔ (کما مر)

اہل علم نے تصریح کی ہے:

"اتفقوا على أن مرسلات سعيد بن المسيب أصح المراسيل."[1]

یعنی کبیر ترین تابعی سعید بن المسیب کی مراسیل صحیح ترین مراسیل ہیں۔

اور اس کے باوجود مراسیل سعید بن المسیب کو صحیح احادیث کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ کبار تابعین مثلاً سعید بن المسیب وغیرہ جیسے تابعین کی مراسیل کو شرائط معتبرہ کے ساتھ قبول کرنے کے باوجود اہل نقد کے امام امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولا نستطيع أن نزعم أن الحجة تثبت به ثبوتها بالموتصل."[2]

دریں صورت بحوالہ تمہید لابن عبدالبر مصنف انوار کا یہ دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے کہ اہل نقد مراسیل نخعی کو صحیح احادیث کے درجے میں سمجھتے تھے بلکہ ان کے مراسیل کو اپنے مسانید پر ترجیح دیتے تھے؟!

مصنف انوار کے امام محمد بن حسن مراسیل کو حجت نہیں مانتے:

اگرچہ یہ بات کافی شہرت رکھتی ہے کہ ائمہ احناف مراسیل کو حجت مانتے ہیں، یہ بات المدخل للحاکم میں بھی موجود ہے، مگر مصنف انوار کے مسلّم امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں:

"وإنما يرویٰ هذا عن مالك من مرسل سعيد، ولم يسنده هو، ولم يروه عن أحد."[3]

یعنی یہ حدیث مرسل ہے، متصل نہیں۔ مطلب یہ کہ مرسل ہونے کے سبب یہ روایت حجت نہیں بن سکتی۔

امام محمد کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی مرسل روایت کو حجت نہیں مانتے، مگر اس کے باوجود عمل کا حال یہ ہے کہ ائمہ احناف بلکہ امام محمد خود بھی نہ جانے کن امور کے سبب مراسیل کو حجت بنائے ہوئے ہیں، شائد اس لیے کہ انھیں ان

---

[1] تقريب التهذيب وكفاية للخطيب (ص: ٤٠٤، ٤٠٥) و معرفة علوم الحديث للحاكم (ص: ٣٢، ٣٣)

[2] الرسالة (فقره: ٦٢٧٥٥) [3] كتب الحج (ص: ٥٩)

کے خلاف مسانید صحیحہ کا علم نہیں ہوسکا۔ جب مرسل روایت پر امام محمد کو بھی کلام ہے تو مراسیل نخعی کو صحیح احادیث کے درجے میں رکھنے کے وجوہ وعلل کیا ہیں؟ براہ کرم مصنف انوار اصول وقواعد کی پابندی کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالیں!

اگر مصنف انوار علائی کے قول کو حجت بنا کر کہیں کہ ائمہ کی ایک جماعت نے مراسیل نخعی کو صحیح کہا ہے تو ہم عرض کریں گے کہ مصنف انوار کا دعویٰ علی الاطلاق یہ ہے کہ اہل نقد مراسیل نخعی کو احادیث صحیحہ کے درجے میں سمجھتے ہیں، ہمارا اصل اعتراض مصنف انوار کے اس دعویٰ پر ہے، ورنہ اختلافی مسائل میں ایک جانب ائمہ کی ایک جماعت اور دوسری جانب دوسری جماعت ہوا کرتی ہے، دونوں جماعتوں کے قول میں ترجیح اسے ہوتی ہے جس کے دلائل قابل ترجیح ہوتے ہیں اور ہم اس موضوع پر بحث کر کے قول راجح مع وجوہِ ترجیح بتلا چکے ہیں۔

حدیث حسن اور امام نخعی:

اوپر مصنف انوار کا یہ قول نقل ہو چکا ہے کہ ''امام بخاری'' حدیث حسن کو حجت نہیں مانتے جس پر امام و سرتاج غیر مقلدین شوکانی بھی ساکت نہیں رہ سکے۔'' اس کے متعلق ہماری گزارش یہ ہے کہ بدعویٰ احناف امام ابوحنیفہ جس ابراہیم نخعی کے اقوال وفتاویٰ کو اپنے دین کا اصول بنائے ہوئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ ''کرهوا أن يخرج الرجل حسن حديثه''[1] یعنی اہل علم حسن احادیث کی تخریج (روایت) مکروہ جانتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب بقول نخعی اہل علم حسن حدیث کی روایت کو مکروہ سمجھتے تھے تو اسے دلیل و حجت بدرجہ اولیٰ نہیں مانتے ہوں گے۔ اور امام ابوحنیفہ کے قابل فخر استاذ امام شعبہ رحمہ اللہ بھی حدیث حسن کو حجت نہیں مانتے۔ چنانچہ مروی ہے:

''قيل لشعبة: لماذا لا تروي عن عبد الملك بن أبي سليمان العزرمي وهو حسن الحديث؟ فقال: من حسنه فررت.''[2]

یعنی شعبہ سے پوچھا گیا کہ آپ عزرمی کی حدیث کیوں نہیں روایت کرتے جب کہ وہ حدیث حسن بیان کرتی ہیں؟ موصوف نے جواب دیا کہ میں ان کی حدیث حسن ہی کے سبب ان سے روایت کرنے سے بھاگتا ہوں۔

دریں صورت یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوا کہ دوسری صدی کے بعد حدیث حسن سے حجت کی نفی کا نظریہ امام بخاری وغیرہ نے ایجاد کیا؟ واضح رہے کہ یہاں پر حدیث حسن سے مراد حدیث غریب یعنی شاذ ہے اور اسی قسم کی حدیث حسن کو نخعی اور ان کے معاصر واسلاف اور شعبہ و بخاری حجت نہیں مانتے، ورنہ امام بخاری نے اپنے رسائل میں بکثرت حدیث حسن سے استدلال و احتجاج کیا ہے۔ توجیہ النظر (ص: ۱۴۸) میں ہے کہ امام بخاری ''حسن لغیرہ'' کو بھی حجت مانتے ہیں، پھر تو وہ ''حسن'' کو بدرجہ اولیٰ حجت مانتے ہوں گے، البتہ مصنف انوار نے امام ابو حاتم محمد بن ادریس حنظلی کو امام الجرح والتعدیل تسلیم کیا ہے اور ابو حاتم سے منقول ہے کہ ''حديث حسن ليس بحجة''[3]

---

[1] ملاحظہ ہو: كتاب العلم للإمام أبي خيثمة (ص: ١١٨، نمبر ٣٧) و توجيه النظر (ص: ١٤٨ وغيره)

[2] ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب (٦٣٩٧) و خطيب (٩/ ٣٩٥ ترجمة عزرمي) و توجيه النظر (ص: ١٤٨)

[3] توجيه النظر (ص: ١٤٦) و حواشي فتح المغيث وغيره.

البتہ امام بخاری نے عزرمی کی حدیث کو جو حسن ہوتی ہے، حجت مانا ہے۔[1] حالانکہ امام ابوحنیفہ کے استاذ شعبہ اسے حجت نہیں مانتے۔ پھر بھی مصنف انوار نے امام بخاری کو نشانۂ طعن وتشنیع بنایا اور امام ابوحنیفہ کے استاذ کو چھیڑا تک نہیں۔ اسی طرح امام محمد بن اسحاق (متوفی ۱۵۰ھ، ۱۵۱ھ) حسن الحدیث ہیں۔ ان کی روایت صحیح نہیں ہوتی، اسی لیے صحیح بخاری میں ان سے کوئی حدیث نقل نہیں کی، مگر جزء القراءۃ (ص: ۳۳، ۳۴) میں ان کی حدیث کو حجت قرار دیا اور اہل علم سے بھی یہی نقل کیا ہے، امام ترمذی نے بھی محمد بن اسحاق کی حدیث حسن قرار دی ہے۔[2]

حاصل یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ حدیث حسن کو حجت مانتے ہیں، البتہ ممکن ہے کہ حسن کی جس قسم کو ابراہیم نخعی حجت نہیں مانتے اسی کو وہ بھی نہ مانتے ہوں، ورنہ الفیہ عراقی میں حسن کو از قسم صحاح قرار دیا گیا ہے۔ ؎

والفقهاء كلهم يستعمله　　والعلماء الجل منهم يقبله

وهو بأقسام الصحيح ملحق　　حجية وإن يكن لا يلحق[3]

یعنی سارے فقہاء اور اہل علم حسن کو قبول کرتے اور اقسام صحیح سے شمار کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان سارے فقہاء اور اہل علم میں امام بخاری شامل ہیں، ورنہ ان کے اختلاف کا ذکر عراقی اور دوسرے اہل علم ضرور کرتے اور یہاں اہل علم نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ امام بخای حدیث حسن کو حجت مانتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام شوکانی کا یہ بیان از راہ تسامح وتساہل صادر وسرزد ہوگیا ہے کہ:

”وهكذا يجوز الاحتجاج بما صرّح أحد الأئمة المعتبرين بحسنه، لأن الحسن يجوز العمل به عند الجمهور، ولم يخالف في الجواز إلا البخاري و ابن العربي، والحق ما قاله الجمهور.“[4]

یعنی جس حدیث کو معتبر علماء نے حسن کہا ہے، اس سے استدلال جائز ہے، کیونکہ جمہور نے حدیث حسن پر عمل کیا ہے، اس کی مخالفت سوائے بخاری اور ابن العربی کے کسی نے نہیں کی۔

مدت رضاعت کے مسئلہ میں نص قرآنی کے خلاف احناف کا عمل:

یہ عجیب بات ہے کہ امام شوکانی کے ایک تساہل وتسامح کو مصنف انوار نے امام بخاری کے خلاف حربہ اعتراض بنا لیا اور حدیث مرسل کے قبول اور عدم قبول کے مختلف فی مسئلے میں امام شافعی و بخاری و دیگر محدثین کے اختیار کردہ موقف پر سخت برہمی کا اظہار کیا، مگر نصوص قرآنیہ، جن کے واجب العمل ہونے پر سب کا اتفاق ہے، کی صریح مخالفت کرنے والے حنفی یعنی امام ابوحنیفہ و دیگر ائمہ احناف کے خلاف مصنف انوار کچھ نہیں کہتے، بلکہ ان کی مدح وتوصیف ہی کرتے ہیں، مثلاً مدت رضاعت (دودھ پلانے کی مدت) نص قرآنی کے مطابق دو سال ہے، مگر اس صریح قرآنی آیت کے خلاف فقہاءِ حنفیہ مدت رضاعت ڈھائی سال بتلاتے ہیں اور وہ امام طبری، جن کی آڑ میں مصنف انوار نے مرسل کے مسئلہ پر امام شافعی وغیرہ کو نشانہ طعن وتشنیع بنایا ہے، انھوں نے صحابہ وتابعین میں سے حضرت عمر فاروق خلیفہ راشد، ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر، علقمہ، شعبی

---

[1] تهذيب.
[2] جامع ترمذي مع تحفة الأحوذي (١/ ٢٥٣، ٢٥٤)
[3] الألفية مع فتح المغيث (١/ ٤٠)
[4] نيل الأوطار (١/ ٢٢)

اور ابراہیم نخعی وغیرہم کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ یہ لوگ نص قرآنی کے مطابق مدت رضاعت دو سال مانتے ہیں۔[1] اور مصنف انوار مدعی ہیں کہ ابن مسعود کے جانشین علقمہ اور علقمہ کے ابراہیم نخعی اور نخعی کے حماد اور حماد کے جانشین امام ابوحنیفہ ہیں۔[2] نیز یہ کہ ابن مسعود فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ ہیں مگر احناف نے نص قرانی اور اپنے مورث اعلیٰ ابن مسعود اور جملہ صحابہ و تابعین حتی کہ ابراہیم نخعی کی مخالفت کی تو مصنف انوار کو کچھ غصہ نہیں آیا، مصنف انوار کا یہی تضاد عمل ہی ان کی خالص علمی و دینی خدمت اور تحقیقی نقطۂ نظر ہے!!

لطف یہ کہ مصنف انوار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سیدہ فقہاء صحابہ مانتے ہیں اور حال یہ ہے کہ حضرت عائشہ مصنف انوار کے مذہب کی مقرر کردہ مدت رضاعت کے بعد بھی عمر کے کسی بھی مرحلہ میں کسی عورت کا دودھ پانچ گھونٹ پی لینے سے حرمت رضاعت کو واقع مانتی ہیں، نیز وہ پانچ گھونٹ سے کم دودھ پینے میں حرمت رضاعت کی قائل نہیں ہیں۔[3]

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد سفر میں پوری نماز پڑھنے کے قائل ہیں مگر مصنف انوار ان جملہ امور میں حضرت عائشہ کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور ان کی تقلید میں مصنف انوار نے امام طبری کی تصریح کے مطابق نص قرآنی اور جمیع صحابہ و تابعین حتی کہ اپنے علمی مورثین کی مخالفت کی ہے۔ نیز سیدہ فقہاء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عثمان غنی کے اقوال و آثار کو بھی رد کر دیا ہے، حالانکہ مصنف انوار سے پوچھیں کہ صحابہ کرام کی اتنی کثرت سے مخالفت کر کے آپ کیوں قرون مشہود لہا بالخیر کی مخالفت کے مرتکب ہوئے؟

غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل کے معاملہ میں تمام صحابہ سے احناف کی مخالفت:

مصنف انوار امام شافعی اور دیگر ائمہ کے رد مرسل پر تو بہت برہم ہیں، جو ایک اختلافی مسئلہ ہے، مگر تمام صحابہ اس پر متفق ہیں کہ غیر واقع شدہ اور غیر مسئولہ مسائل کی تدوین و ترتیب فعل ملعون ہے۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ مگر مصنف انوار امام ابوحنیفہ کی بہت بڑی فضیلت اس بات کو بتلاتے ہیں کہ انھوں نے غیر واقع شدہ اور غیر مسئولہ مسائل کی تدوین و ترتیب کی۔[4]

وقف کے مسئلہ میں احادیث متواترہ، اجماع صحابہ و تابعین سے امام ابوحنیفہ کی مخالفت:

اسی طرح وقف کے جواز میں احادیث متواترہ اور اجماعِ صحابہ و تابعین موجود ہیں، مگر ان سبھی چیزوں کے خلاف امام ابوحنیفہ نے اپنے ذاتی قیاس پر عمل کیا۔ امام صاحب کے اس طرز عمل پر مشہور و معروف حنفی امام ہلال الرای نے اپنی کتاب الوقف (ص: ۲) میں یہ اعتراض کرتے ہوئے فرمایا:

"هذه أخبار متواترة لا يجوز ردها." یعنی یہ متواترہ احادیث ہیں، ان کا رد کرنا جائز نہیں۔

مگر مصنف انوار نے امام صاحب کے اس عمل پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کے بجائے محدثین کو ہدف طعن بنا رکھا ہے۔

اپنے مندرجہ بالا بیانات میں امام شافعی اور امام بخاری وغیرہ محدثین کو ہدف طعن و تشنیع بنانے سے مصنف انوار کی طبیعت سیر نہیں ہوئی تو مندرجہ ذیل عنوان کے تحت کہا:

---

[1] تفسیر طبري (۲/ ۲۷۹ تا ۲۸۱) و موطأ إمام مالك مع مسوى (۲/ ۱۲۸) و كتاب الاعتبار للحازمي (ص: ۱۸۷ تا ۱۹۰ و درمنشور)

[2] مقدمه انوار (۱/ ۳٦ تا ٤٠)

[3] كتاب الاعتبار للحازمي و عام كتب حديث.

[4] مقدمه انوار (۱/ ۱٥٦، ۱٥۷ و ۱۹٤، ۱۹٥)

قرن ثالث میں حدیث شاذ پر عمل:

''اس دور میں زیادہ اعتناء طرق حدیث کی طرف ہوا، حتی کہ وہ احادیث جو عہد صحابہ و تابعین میں شاذ کے درجہ میں سمجھی جاتی تھیں اور فقہاء صحابہ و تابعین نے ان کو معمول بہا نہیں بنایا تھا مگر طرق حدیث کی زیادتی کے باعث وہ قرن ثالث میں معمول بہا بن گئیں، مثلاً حدیث قلتین کہ وہ شاذ تھی اور حسب تصریح ابن قیم وغیرہ سلف میں اس پر عمل بھی نہیں ہوا۔ اس کی ہر طرح سے حمایت کی گئی اور اس کے خلاف آراء کو گرانے کی سعی کی گئی۔ اسی طرح قرن ثالث کے محدثین نے ان تمام احادیث کو جن پر صحابہ و تابعین کے جلیل القدر ارباب فتویٰ نے عمل نہیں کیا تھا، معمول بہا بنا لیا اور اس طریقہ سے ان لوگوں نے سلف کے خلاف کافی اقدامات کیے اور صحابہ و تابعین کے فتاویٰ و اقوال کو اپنی مرویات پر اعتماد کرتے ہوئے نظر انداز کر دیا، حتی کہ یہ بھی کہہ دیا گیا کہ ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں، ان کو کوئی ترجیح نہیں۔''[1]

اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے ظاہر کیا ہے کہ تیسری صدی کے محدثین نے سلف یعنی صحابہ و تابعین کے خلاف بہت سے اقدامات کیے، جن میں سے ایک بھاری اقدام یہ تھا کہ طرق حدیث کی طرف زیادہ اعتناء کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور صحابہ و تابعین میں جو حدیث شاذ ہونے کے سبب متروک العمل تھی، وہ تیسری صدی کے محدثین کے نزدیک قابل عمل بن گئی، جس کی ایک مثال حدیث قلتین ہے۔ سلف کے خلاف ان محدثین نے دوسرا بھاری اقدام یہ کیا کہ اپنی مرویات کے بالمقابل اقوال صحابہ و تابعین کو نظر انداز کر دیا، یعنی احادیث مرفوعہ کے بالمقابل اقوال صحابہ و تابعین کو متروک العمل قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں مصنف انوار کی پہلی بات کی حقیقت صرف اس بات سے ظاہر ہے کہ دور صحابہ میں اکابر صحابہ کا کثرت طرق کی طرف اعتناء ثابت شدہ چیز ہے، جس کی صرف ایک مثال ہی مصنف انوار کے خیالات کی تکذیب کے لیے کافی ہے، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے صغار صحابہ میں سے ایک صحابی قبیصہ بن ذویب (متوفی ۸۶ھ، ۸۷ھ) ہیں۔ ان کا ترجمہ العقد الثمین فی تاریخ البلد الأمین (۷/ ۳۷، ۳۸) واستیعاب و اصابہ وغیرہ میں ہے، اگرچہ طبقات ابن سعد (۵/ ۱۳۱، و ۶/ ۲۶۳) قسم دوم میں انھیں ثقہ تابعی کہا گیا ہے مگر وہ دیدار نبوی سے مشرف تھے، اس لیے صحابی ہیں۔[2]

انھی قبیصہ بن ذویب سے مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا کہ میرا پوتا یا نواسا مر گیا ہے اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ کتاب اللہ میں اس کی میراث سے مجھے بھی حصہ ملنا چاہیے، لہٰذا آپ میرا حصہ دلائیے، صدیق اکبر نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تمہارا کوئی حصہ نہیں بیان کیا گیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی نہیں سنا ہے کہ تم کو پوتے یا نواسے کی میراث سے حصہ لے گا، لہٰذا تم فی الوقت واپس جاؤ، میں اس بارے میں لوگوں سے پوچھ گچھ کروں گا، وہ عورت چلی گئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے عورت کے مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا اور کہا:

''أيكم سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في الجدة شيئاً؟''

''تم میں سے کس نے جدہ کے بارے میں فرمان نبوی سن رکھا ہے؟''

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۶۸)　[2] تقريب التهذيب وإكمال في أسماء الرجال.

حاضرین میں سے مغیرہ بن شعبہ (متوفی ۵۰ھ) نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جدہ کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ صدیق اکبر نے کہا: اور کس نے یہ حدیث سنی ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہ (متوفی ۴۲ھ، ۴۳ھ) نے کہا کہ میں نے! صدیق اکبر نے اس حدیث کے مطابق فیصلہ کیا۔[3]

۱۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ احادیث نبویہ کی تحدیث و روایت کا حکم دیتے تھے اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے تھے، مگر مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ۔

''اکابر صحابہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے اور انھیں کے طریق پر امام ابوحنیفہ بھی عامل تھے۔''

۲۔ اس روایت صحیحہ سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر جیسے کبیر ترین صحابی جو سایہ کی طرح اول اسلام سے لے کر وفات نبویہ تک نبی ﷺ کے ساتھ رہے، وہ بھی بعض وجوہ کے سبب بعض احادیث نبویہ سے ناواقف تھے، جب ایسے عظیم صحابی کا یہ حال ہے تو بعد کے اہل الرائے فقیہوں کا کیا حال ہوگا، جو علم حدیث سے دلچسپی رکھنے کے بجائے غیر واقع شدہ امور و فرضی فقہی مسائل کی تخریج میں عمر عزیز صرف کرتے تھے اور جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ اہل الرائے دشمنان سنت ہیں، کیونکہ وہ حفظ احادیث سے عاجز ہونے کے سبب قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ دریں صورت دوسری صدی میں جس حدیث کا علم امام ابوحنیفہ کو نہیں ہوسکا، مگر اس کا علم دوسروں کو اسی زمانہ میں اور اس کے بعد تیسری صدی کے محدثین کو ہوگیا اور انھوں نے اس حدیث پر عمل کیا جب کہ علم نہ ہونے کے سبب امام ابوحنیفہ نے خلاف حدیث قیاس پر عمل کیا تو قصور کس کا ہے اور موقف کس کا صحیح ہے؟

۳۔ اس بوڑھی عورت نے اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ بات سنائی تھی کہ بعض لوگ فتویٰ دیتے ہیں کہ مجھے پوتے کی میراث میں حصہ ملنا چاہیے اور ظاہر ہے کہ یہ فتویٰ دینے والے صحابہ ہی تھے، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس فتویٰ کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ ان کے خیال میں کتاب اللہ اور سنت نبوی میں پوتا سے جدہ کے حصہ کا ثبوت نہیں تھا، مگر مقلدین کا حال یہ ہے کہ اپنے تقلیدی امام کے فتویٰ کو بہرحال قابل تقلید سمجھتے ہیں، خواہ وہ کتاب اللہ وسنت نبوی کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو!

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے جب صحابہ کو طلب کیا تو ان سے یہ نہیں کہا کہ مسئلہ زیر بحث میں تمام لوگ اپنا فتویٰ پیش کرو، کوئی حدیث مت سنانا، کیونکہ روایت حدیث شدت تورع وتقویٰ اور احتیاط کے خلاف ہے، بلکہ انھوں نے حدیث نبوی بیان کرنے کا حکم دیا اور حاضرین صحابہ میں سے کسی نے یہ بھی نہیں کہا کہ آپ مسئلہ زیر نظر میں صرف لوگوں کا فتویٰ حاصل کیجیے، طلب روایت خلاف تورع ہے۔ حاضرین میں سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ زیر بحث میں وارد شدہ وہ حدیث نبوی سنا دی جو انھیں معلوم تھی، انھوں نے بھی اسے شدت تورع کے خلاف نہیں سمجھا اور حاضرین میں سے کسی نے بھی اسے خلاف شدت تورع نہیں قرار دیا۔ پھر معلوم نہیں مصنف انوار نے کہاں سے یہ مسئلہ ایجاد کر لیا کہ روایت حدیث سے کبار

[3] جامع ترمذي مع تحفة الأحوذي بسند صحيح (۳/ ۱۸۱) موطأ إمام مالك مع مصفى (۲/ ۹۳، ۹٤) و مسند أحمد و أبوداود مع عون المعبود (۳/ ۱۸۱) ابن حبان، حاكم، كفاية للخطيب (ص: ۷٦، ۷۷) سنن دارمي (۲/ ۲۵۹، حديث نمبر ۲۹٤۲) و منتقى لابن جارود (ص: ۳۲۰)

صحابہ احتراز کرتے تھے، کیونکہ شدت تورع کا تقاضا بھی یہی تھا؟ نیز حدیث مغیرہ پر کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ قرآن میں میراث جدہ کا ذکر نہیں، پھر میراث جدہ کا ذکر حدیث میں کہاں سے آ گیا؟ مگر فقہاء اہل الرائے بہت سے مسائل میں کہتے ہیں کہ اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں، اس لیے اس سلسلے مین واردشدہ حدیث ماننے کے لائق نہیں۔ (کما سیأتي التفصیل)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تحقیق و تائید مزید کے لیے کہا کہ یہ حدیث کوئی اور بھی جانتا ہے؟ اس پر محمد بن مسلمہ نے کہا کہ میں جانتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی حدیث کئی طرق سے معلوم کرنا فعل محمود ہے، اگرچہ عمل کے لیے صرف ایک سند سے مروی حدیث ہی کافی ہے، کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صرف خبر واحد اور ایک ہی سند والی حدیثوں کو حجت مانتے تھے، جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ وفات نبوی کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ جس کسی سے رسول اللہ ﷺ نے کسی چیز کے دینے کا کوئی وعدہ کیا ہو وہ مجھ سے بیان کر کے لے جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے مال بحرین سے تین لپ درہم دینے کا آپ ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوراً انھیں تین لپ دیئے، جن کی مقدار پندرہ سو درہم تھی، اس موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مزید شاہد و گواہ نہیں طلب کیے، اسی طرح حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے تیرہ اونٹوں کے دینے کا وعدہ تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی بلا طلب گواہ اونٹنیاں دیں۔[1] حاصل یہ کہ صدیق اکبر خبر واحد کو مطلقاً حجت مانتے، اس کے لیے فقہاء اہل الرائے کی طرح شرائط و قیود نہیں رکھتے، البتہ تحقیق مزید و تائید بلیغ کے لیے دوسرے طریق سے بھی حدیث نبوی حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور یہی طریقہ دوسرے صحابہ کا بھی تھا، چنانچہ حضرت عمر بھی بلا قید و شرط خبر واحد پر عمل کرتے تھے۔[2]

مگر بعض مرتبہ صدیق اکبر کی طرح جمع طرق کے لیے یا کسی بھی سبب سے، مثلاً اپنے زمانہ میں پیدا ہونے والے بعض کذابین جو اپنے گھر سے اسی طرح احادیث وضع کر لیا کرتے تھے جیسے بعض کذابین نے امام ابوحنیفہ کو تابعی ثابت کرنے کے لیے بہت سی حدیثیں وضع کر لیں ہیں، ایسے کذابین کی تنبیہ کی غرض سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے کہ اگر کوئی صحابی کوئی حدیث تنہا بیان کرتا تو اس پر بظاہر عتاب کا اظہار کرتے ان کا مقصود صحابہ پر نہیں بلکہ کذابین پر عتاب ہوتا، جو وضع حدیث کرنے کا کاروبار کرتے تھے۔ (اس امر کی تفصیل مناسب موقع سے آئے گی) کسی صحابی کا ایک حدیث کو کئی سندوں سے طلب کرنا اس امر کی ہرگز دلیل نہیں کہ وہ خبر واحد کو حجت نہیں مانتا تھا۔[3] جیسا کہ تفصیل آگے آ رہی ہے۔ مجوس سے جزیہ (ٹیکس) لینے کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف کی خبر واحد ہی کو حجت مانا تھا۔[4] حمل کے بچے کو ہلاک کرنے کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے حدیث نبوی دریافت کی، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی۔ مزید تائید کے لیے حضرت

---

[1] جامع ترمذي.

[2] ملاحظہ ہو: جامع ترمذي مع تحفة الأحوذي (جلد: ۳، کتاب الفرائض، باب تراث المرأة من دية زوجها) و الکفایة للخطیب (ص: ۲۷ تا ۳۱)

[3] وانظر الرسالة للإمام الشافعي (۴۳۲، ۴۳۳ فقرہ: ۱۱۸۸ و ۱۱۸۹)

[4] موطأ مع مصفی (۲/ ۳۵۰) عون المعبود (۳/ ۱۳۲، ۱۳۳) الرسالة (ص: ۴۳۰ تا) ۴۳۲ کتاب الأم (۶/ ۹۶) بخاري مع فتح الباري (۶/ ۱۸۴)

عمر رضی اللہ عنہ نے تحریک کی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی وہی حدیث سنائی، اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عمل کیا۔[1]

مصنف انور کے شیخ اکبر مولانا احمد علی فرماتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ کی تائید کے باوجود بھی حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ خبر واحد ہی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قصاص و دیات کے معاملہ میں خبر واحد کو حجت مانتے تھے۔[2] ہم کہتے ہیں کہ حدیث مغیرہ پر طلب شہادت کثرت طرق کے حصول کے لیے تھی، ورنہ حضرت عمر خبر واحد پر عمل کرتے تھے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حج کے موقع پر میدان منیٰ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو قسم دلا کر دیۃ الجنین کے بارے میں حدیث نبوی سنانے کی درخواست کی، اس پر حضرت حمل بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی سنائی کہ ایک غلام دیت دینی ہوگی۔[3]

ان امور سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث کی ترغیب دلاتے تھے، اگر کسی انفرادی واقعہ کی وجہ سے یہ دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے کہ خبر واحد حجت نہیں تو لازم آئے گا کہ آیات قرآنیہ اور اخبار متواترہ بھی حجت نہیں، کیونکہ تیمّم کے مسئلہ میں اگر چہ قرآنی آیات موجود ہیں، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ یاددہانی کے باوجود کسی طرح جواز تیمّم کے قائل نہیں ہوتے تھے۔ (صحیحین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قائل ہوتا ہوا نہ دیکھ کر حضرت عمار نے بطور اعتراض کہا کہ آپ کا حکم ہو تو میں اس باب میں حدیث نبوی بیان نہ کروں، فاروق اعظم نے کہا نہیں تم ضرورت حدیث نبوی بیان کرو۔[4]

اگر خلافت فاروقی کا دور ہوتا تو خبر واحد کے قبول پر شرائط و قیود لگانے والوں کی سرزنش بھی ہوتی اور انھیں کوڑے بھی لگائے جاتے۔ (کما سیأتي) ذوالحلیفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز پڑھی ابن السمط نے ان سے کہا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔[5]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے فعل پر دلیل طلب کی جاتی اور وہ بخوشی ترویج حدیث کی غرض سے حدیث سناتے، روایت حدیث کو خلاف تورع نہیں سمجھتے تھے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کثرت طرق حدیث کی طرف توجہ دیتے تھے اور دوسرے صحابی بھی ایسا کرتے تھے پھر یہی بات اگر تیسری صدی کے محدثین نے کیا تو انھیں مصنف انوار الباری کا مورد الزام ٹھہرانا کونسی خالص علمی و دینی خدمت اور اعتدال پسندی ہے؟ الغرض کثرت طرق کی طرف اعتناء کا ثبوت افضل الصحابہ خلفائے راشدین اور دوسرے تمام صحابہ سے موجود ہے، لہٰذا کثرت طرق کی طرف اعتناء کو سلف صحابہ و تابعین کے خلاف اقدام قرار دینا بہت شرارت وشوخی ہے۔ نیز تیسری صدی سے پہلے ہی احادیث متواترہ، مشہورہ اور خبر واحد کی قسموں کی اصطلاح رائج ہوچکی تھی، جو بالکل واضح اور بدیہی چیز ہے اور کتب مصطلح حدیث میں مذکور ہے۔ یہ چیز اس امر کی صریح دلیل ہے کہ تیسری صدی سے پہلے امام ابوحنیفہ اور مالک کے زمانہ میں کثرت طرق حدیث کی طرف توجہ دینے کا رواج عام تھا، مگر نامعلوم مصنف انوار کس طرح صحیح بخاری کی شرح لکھنے بیٹھ گئے ہیں کہ اس قسم کی نہایت

[1] صحيح بخاري: باب الديات، وسنن أبي داود مع عون المعبود (٤/ ٣١٦)

[2] حاشية بخاري (٢/ ١٠٣٢)

[3] إصابه (١/ ٣٥٥ بحواله صحيح) و سنن أبي دواد مع عون المعبود (٤/ ٣١٦، ٣١٧) و نسائي مع تعليقات سلفية (٢/ ٢٤٤) و سنن دارمي (ص: ٣١٢)

[4] الإحكام لابن حزم (٢/ ١٣٤، ١٤٢) [5] مسند أحمد مع تعليقات شاكر (١/ ٢٤١ و ٢٤٤ سنده صحيح)

واضح باتوں کے علم سے بھی محروم ہیں؟ مصنف انوار نے کثرت طرق کی طرف اعتناء کے جس نتیجۂ بد کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس سے ایسی شاذ حدیث پر بھی تیسری صدی میں عمل ہونے لگا جو عہد صحابہ و تابعین میں شاذ ہونے کے سبب متروک العمل تھی تو مصنف انوار کی یہ بات جمع نقیضین کے مترادف ہے۔ جو حدیث دور صحابہ و تابعین میں شاذ ہوگی، وہ حدیث بھلا تیسری صدی میں کس طرح کثرت طرق سے مروی ہو کر شاذ کی تعریف سے خارج ہوجائے گی؟

معلوم نہیں مصنف انوار نے شرح بخاری کا اقدام اپنی اس علمی بے مائیگی کے باوجود کیسے کیا؟ "إنما الأعمال بالنيات" والی مشہور و معروف حدیث جسے اہل علم نے نصف یا تہائی دین قرار دیا ہے، صرف ایک صحابی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی سے بسند صحیح مروی ہے اور ان سے اس کی روایت کرنے والے تابعی بھی صرف ایک ہی ہیں۔ مگر اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ یہ حدیث قابل عمل ہے، اب اگر اس طرح کی کسی صحیح الاسناد حدیث کو شاذ کہہ کر کوئی بد طینت آدمی بلا وجہ رد کر دے اور اس کے خلاف اپنے قیاس و رائے کو یا کسی دوسرے شخص کے قیاس و رائے کو، خواہ وہ کوئی صحابی و تابعی ہی کیوں نہ ہو، لائحہ عمل بنالے تو اس میں ان لوگوں کا کیا قصور جو اس صحیح الاسناد حدیث پر عمل کریں؟ یہ تو عمل نہ کرنے والے کی شوخی و شرارت اور بے راہ روی ہے کہ جان بوجھ کر صحابہ و تابعین کے طریق کے خلاف مبتدعانہ رویہ اختیار کر رہا ہے، مصنف انوار نے اپنے سلسلۂ کلام میں جس حدیث قلتین کو اس قسم کی حدیث شاذ کی مثال میں پیش کیا، جو صحابہ و تابعین کے دور میں شاذ ہونے کے سبب تو متروک تھی، مگر تیسری صدی کے محدثین کے یہاں کثرت طرق کے سبب قابل عمل قرار دے لی گئی، اس پر عمل کرنے والوں کی بابت مصنف انوار کے شیخ اکبر مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

"وقد أخذ فيما اختاره بحديث جيد الإسناد قابل للاعتماد."[1]

یعنی امام شافعی نے جس حدیث قلتین کو معمول بہ بنایا ہے، وہ قابل اعتماد اور جید الاسناد ہے۔

مصنف انوار ازراہ دیانت داری وتقویٰ شعاری جید الاسناد حدیث کا مطلب بتلا کر فرمائیں کہ کیا جید الاسناد حدیث کو شاذ کہہ کر اس پر عمل کرنے والوں کو صحابہ و تابعین وسلف کے خلاف بہت زیادہ اقدامات کرنے والا قرار دینا جائز ہے؟ یہ مولانا قاسم نانوتوی وہ ہیں جن کے بنائے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں رہ کر مصنف انوار نے علامہ شاہ انور وغیرہ سے تعلیم پائی ہے مگر اسی دارالعلوم دیوبند کے بانی کی جید الاسناد اور قابل اعتماد قرار دی ہوئی حدیث کو مصنف انوار شاذ کہہ کر فرماتے ہیں کہ اس پر عمل کرنے والے صحابہ، تابعین اور سلف کے خلاف بہت زیادہ اقدامات کرنے والے ہیں!!

بانیٔ دارالعلوم دیوبند کی نظر میں مصنف انوار طبیعت سلیمہ سے محروم ہیں:

مصنف انوار کے یہی شیخ اکبر بانیٔ دار العلوم دیوبند حدیث قلتین کو قانون محکم، قابل اعتماد اور لائق عمل مان کر مزید فرماتے ہیں:

"وقد أجاب بعض الأحناف عن حديث القلتين بأوجوبة لا ترضاها الطبائع السليمة."[2]

یعنی بعض حنفیوں نے حدیث قلتین کے مختلف جواب دیے ہیں جنھیں طبائع سلیمہ پسند نہیں کرتیں۔

---

[1] الكواكب الدراري (١/ ٤٠)　[2] الكوكب الدراري (ص: ٤٣)

بانیٔ دار العلوم کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ حدیث قلتین جید الاسناد ہے، اسے شاذ کہہ کر رد کرنے والے طبیعت سلیمہ سے محروم ہیں، جس کا لازمی مطلب یہ نکلا کہ مصنف انوار دار العلوم دیوبند کے بانی شیخ قاسم نانوتوی کی نظر میں طبیعت سلیمہ سے محروم ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک، سچ ہے۔ ؎

إذا كان الطباع طباع سوء　　فلا أدب يفيد ولا أديب

افسوس کہ مصنف انوار نے بانیٔ دار العلوم دیوبند کی تصریحات کا بھی کوئی لحاظ و خیال نہیں کیا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مصنف انوار کے کے فتوی کے مطابق بانی دار العلوم شیخ نانوتوی بھی صحابہ و تابعین و سلف کے خلاف بہت زیادہ اقدامات کرنے والے ہیں، کیونکہ وہ بھی حدیث قلتین کو شاذ نہیں کہتے بلکہ جید الاسناد اور قابل اعتماد بتلاتے ہیں، گویا مصنف انوار کے فتوی سے بانی دار العلوم دیوبند مخالف صحابہ و تابعین ہی نہیں بلکہ صحابہ و تابعین کے خلاف بہت زیادہ اقدامات کرنے والے قرار پائے، اور بانیٔ دار العلوم کے فتوی کے مطابق مصنف انوار طبیعت سلیمہ سے محروم! عجیب دلدل میں پھنسے ہیں مصنف انوار کہ اس سے رہائی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے!!

بانیٔ دار العلوم نے اس حدیث کو جید الاسناد و قابل اعتماد قرار دے کر جس انداز میں اس پر عمل کیا ہے، اس کی تفصیل تو ان شاء اللہ آئندہ آئے گی، مگر ناظرین کو ہم اس جگہ یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس حدیث نبوی پر ابن عباس، ابن عمر، ابو ہریرہ وغیرہ جیسے صحابہ اور مجاہد و عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر وغیرہ جیسے تابعین کا بھی عمل رہا ہے، حتی کہ اشارتاً ابن مسعود سے بھی اسی پر فتویٰ منقول ہے۔ (کما سیأتي) اور مصنف انوار ابن مسعود کو فقہاء صحابہ میں بہت عظیم ترین فقیہ مانتے ہیں، مگر ناظرین کرام مصنف انوار کی مذکورہ بالا باتوں کی روشنی میں دیکھیں کہ وہ صحابہ مذکورین کے خلاف کیا اقدام کیے ہوئے ہیں؟

عمل متوارث کی حجیت:

مذکورہ بالا مباحث کے بعد مصنف انوار نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت کہا:

> ''عمل متوارث عند الفقہاء ہمارے لیے بہت بڑی اہم دستاویز ہے اور اسی سے بہت سی احادیث کی صحت کی جانچ ہوسکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ اتفاق سلف اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ عمل متوارث عند الفقہاء سبھی اہل علم کے لیے بڑی اہم دستاویز ہے۔ دور صحابہ سے لے کر آج تک تمام صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے خدا ترس لوگ متفق تھے کہ کسی فقہی گروہ اور فقہی مسلک کی مدح و منقبت کے لیے استعمال اکاذیب نہ کیا جائے، نہ اس کے لیے احادیث و آثارِ سلف گھڑے جائیں، مگر کذابین کا ایک گروہ ایسا پیدا ہوگیا جس نے اس عمل متوارث کے خلاف استعمال اکاذیب کے ذریعہ خاص فقہی گروہ و مذہب کی مدح سرائی کی۔ نیز سید الفقہاء امیر المؤمنین عمر فاروق کا فرمان ہے کہ غیر واقع شدہ امور سے متعلق مسائل کی تدوین کرنے والے ملعون و مردود ہیں۔ حضرت عمر کے اس فرمان سے تمام صحابہ متفق ہیں اور اسی پر دور نبوی سے لے کر دور تابعین تک عمل چلا آ رہا تھا، مگر غیر واقع شدہ امور سے متعلق

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۸)

مسائل کی تدوین وترویج اور مدح وتوصیف کو مصنف انوار نے اپنا فریضہ بنا لیا ہے۔

اور مصنف انوار نے یہ جو یہ کہا ہے کہ:

''امام ابوداود نے اپنی سنن کے "باب لحم الصید للمحرم" میں فرمایا کہ جب دو حدیثیں متضاد ہمارے سامنے آئیں تو دیکھا جائے گا کہ صحابہ نے کس پر عمل کیا۔''[1]

تو ہم کہتے ہیں کہ یہ فرمان فاروقی معلوم ہو چکا ہے کہ غیر واقع شدہ امور سے متعلق مسائل کی تدوین باعث لعنت ہے، اس سے کسی صحابی کا اختلاف بھی نہیں، اس پر تمام صحابہ وتابعین کا عمل متوارث بھی ہے، اس بارے میں متضاد حدیثیں بھی نہیں اور فرمان فاروقی ہے کہ حفظ حدیث سے عاجز ہونے کے سبب اہل الرائے قیاس ورائے کے تابع ہوتے ہیں، اس لیے ان سے پرہیز کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے بھی کسی صحابی کا اختلاف منقول نہیں اور اس سلسلے میں متضاد حدیثیں بھی نہیں ہیں، بلکہ کتاب وسنت سے اہل الرائے کی مذمت مستفاد ہوتی ہے۔ لہٰذا صحابہ کے عمل کو دیکھتے ہوئے ان کے مذہب سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ بدعویٰ مصنف انوار فقہ اہل الرای کی خصوصیت ہے کہ اس میں غیر واقع شدہ واقعات سے متعلق فرضی مسائل مدون ہیں۔

سنن ابی داود باب صید المحرم (۲/ ۱۰۸، ۱۰۹ مع عون المعبود) میں منقول دو متضاد حدیثوں میں سے ہر ایک پر صحابہ کے دو گروہوں کا عمل ہے۔ مصنف انوار بتلائیں کہ کن صحابہ کی پیروی کی جائے اور کن کی مخالفت؟ جس حدیث پر بھی عمل کیا جائے صحابہ کے ایک گروہ کی مخالفت لازم آئے گی، پھر تو مصنف انوار تارک تعامل صحابہ قرار پائیں گے! ہم اس قسم کے اصول پر مفصل گفتگو کریں گے۔ ان شاء اللہ

البتہ ناظرین کرام یاد رکھیں کہ یہ اصول اہلحدیث کا ہے اور اہل الرائے اس کے خلاف اپنی رائے کے مقابلہ میں نہ صحابہ کا تعامل دیکھتے ہیں، نہ نصوص کتاب وسنت کی پرواہ کرتے ہیں، بطور مثال عرض ہے کہ نص قرآنی میں مدت رضاعت دو سال بتلائی گئی ہے، اسی پر صحابہ کا تعامل تھا، کسی صحابی سے اس سے اختلاف منقول نہیں۔ اصحاب الرائے نے قرآنی نص کو چھوڑ کر قیاس ورائے کی پیروی کرتے ہوئے مدت رضاعت ڈھائی سال بتلائی ہے مگر مصنف انوار کو ذرا بھی غیرت نہیں کہ نص قرآنی اور صحابہ کے تعامل کے خلاف اہل الرائے کے اس اتباع قیاس ورائے پر نکیر اور رد وقدح کریں، بلکہ اصحاب الرائے کی قصیدہ خوانی ہی کرتے ہیں۔

مصنف انوار نے کہا:

''امام محمد نے امام مالک سے روایت کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف حدیثیں آئیں اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نے کسی ایک پر عمل کیا ہے اور دوسری کو چھوڑا ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حق انھیں کے عمل کے ساتھ ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ عمامہ پر مسح کرنے کے جواز پر بہت سی احادیث نبویہ دلیل قاطع ہیں، ان کے خلاف کوئی بھی حدیث نبوی

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۸)

نہیں ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی جواز پر تھا، حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"من لم يطهره المسح على العمامة فلا طهره الله."[1]

مگر مصنف انوار کے مذہب نے ان احادیث اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں اسی طرح مخالفت کی ہے جس طرح دوسرے بہت سے مسائل میں، اس طرح کی متعدد مثالیں موجود ہیں، جو آئندہ صفحات آئندہ میں آئیں گی۔ تقریباً یہی بات مصنف انوار نے بھی بحوالہ بیہقی و دارمی نقل کی ہے، اس کے بعد فرمایا ہے:

''مشہور امام مجتہد ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ جب دو متضاد حدیثیں مروی ہوں تو اگر سلف کا عمل کسی ایک پر معلوم ہو تو وہی برقرار رکھی جائے گی۔ شیخ الاسلام ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ جن چیزوں سے حدیث کی صحت معلوم کی جاتی ہے ان میں سے ایک ان کے موافق علماء کا عمل ہونا بھی ہے، علامہ حیدر حسن کا عمل متوارث کی حجیت پر مستقل رسالہ قابل دید ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ اپنے بیان کردہ ان اصولوں کی سب سے زیادہ مخالفت مصنف انوار نے کر رکھی ہے، جیسا کہ ناظرین کرام کو بڑی حد تک یہ بات معلوم ہو چکی ہے اور بہت کچھ معلوم ہو جائے گی۔

سلف میں باہمی اختلاف رحمت تھا:

احادیث نبویہ جو بطریق کثیرہ ثابت ہوں انھیں شاذ کہہ کر رد کر دینے کا خانہ ساز اصول بنانے والے حامیان حدیث کی دیانتداری کی محیر العقول مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ مندرجہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے ایک وضعی روایت کو حدیث صحیح کہہ کر بطور دلیل و حجت پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

''حدیث صحیح ہے کہ ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ فروعی مسائل میں اختلاف امت کے لیے رحمت وسہولت کا باعث ہے، چنانچہ قرون مشہود لہا بالخیر میں یہ اختلاف ایسا ہی تھا، مگر بعد کے لوگوں نے اس اختلاف رحمت کو اختلاف زحمت بنا دیا اور معمولی معمولی اختلاف پر دوسروں کو ہدف ملامت بنایا، طعن وتشنیع پر کمر باندھی، بہتان و افتراء تک بھی نوبت پہنچائی، ایک دوسر کے خلاف کتابیں تصنیف ہوئیں اور بے تحقیق دوسروں پر غلط مسائل ونظریات تھوپے گئے، ایسے ہی وہ اختلاف ہے جو امام صاحب اور آپ کے اصحاب و تلامذہ کے ساتھ پیش آیا۔'' الخ[2]

ہم کہتے ہیں کہ حدیث مذکور بتصریح اہل علم موضوع ہے۔[3] اسے صحیح قرار دے لینا بذات خود ایک فتنہ انگیزی و بھاری جرم ہے، خصوصاً جب کہ کتاب وسنت میں مطلقاً اختلاف کو ممنوع و مہلک قرار دے کر اس سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے اور اگر اختلاف ہو ہی جائے تو ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ کے حکم قرآنی کے ذریعہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کر کے اختلاف ختم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، مگر مصنف انوار اور ان کی برادری نے اس کی مخالفت کر کے اختلافی و غیر اختلافی سبھی معاملات میں ان فقیہوں کو اپنا مرجع بنایا جن کی بہت بڑی خصوصیت خود مصنف انوار نے یہ بتلائی ہے

[1] رواه الخلال. [2] مقدمه انوار (١/ ٢٩) [3] فيض القدير شرح جامع صغير للمناوي (جلد: ١)

کہ وہ غیر واقع شدہ امور و غیر مسئولہ مسائل کی زندگی بھر تدوین کرتے رہے، حالانکہ تمام صحابہ نے متفقہ طور پر ایسے مسائل کی تدوین کو حرام و ناجائز کہا ہے اور اختلافی مسائل کو مصنف انوار خود سب سے زیادہ اختلاف زحمت بنانے والے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ بذات خود اپنے اس قول کے مصداق ہیں کہ بعد کے لوگوں نے (یعنی مصنف انوار جیسے لوگوں نے) معمولی معمولی اختلاف پر دوسروں کو (یعنی صحابہ و تابعین اور ان کے متبع فقہاء و محدثین) کو ہدف ملامت بنایا اور وہ اس طرح کہ صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث نبویہ کی مخالفت کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے اور صحابہ کرام کو مجرم قرار دینے کے لیے مصنف انور نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہ صحابہ نعوذ باللہ اصول شریعت کے خلاف احادیث روایت کرتے تھے، اس لیے ان کی روایت کردہ احادیث مردود ہیں!

نیز حدیث مرسل کو قبول کرنے کے مختلف فیہ مسائل کے معاملہ میں اگرچہ بعض صحابہ و تابعین و اتباع تابعین بھی امام شافعی کے ہم خیال ہیں مگر ان کی بابت یہ کہا گیا کہ انھوں نے قرون مشہود لہا بالخیر کے خلاف راستہ نکالا اور اسلاف کے خلاف بہت زیادہ اقدامات کیے۔ مصنف انوار ہی نے غیر حنفی فقہاء اور محدثین (جو صحابہ اور تبع تابعین کے پیروکار ہیں) کے طعن و تشنیع پر کمر باندھ کر یہ افتراء کیا کہ طرق کثیرہ سے مروی احادیث نبویہ پر عمل کر کے ان لوگوں نے سلف کے خلاف کافی اقدامات کیے اور مصنف انوار ہی نے سیکڑوں اکاذیب ایجاد کر کے انھیں مناقب احناف اور مثالب غیر احناف میں خالص علمی و دینی چیز قرار دے کر پیش کیا جیسا کہ ناظرین کرام مشاہدہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ معمولی چیزوں کی بنا پر لوگوں کو ہدف ملامت بنانا، طعن پر کمر باندھنا، بہتان و افتراء تک نوبت پہنچانا، صحابہ، تابعین اور محدثین کے خلاف تصانیف کے ذریعہ بہت سارے اقدامات کرنا سب مصنف انوار اور ان کی پارٹی کا شیوہ و شعار ہے اور انوار الباری بذات خود ہمارے اس دعوی کی شاہد عادل ہے۔ بحمد اللہ محدثین اور اہل حدیثوں نے بے تحقیق دوسروں پر یا احناف پر غلط مسائل ونظریات نہیں تھوپے ہیں، نہ امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ ہی کے ساتھ ایسا کیا ہے، البتہ مصنف انوار الباری اپنی کتاب انوار الباری کے ذریعہ محدثین و اہل حدیثوں بلکہ صحابہ و تابعین کے خلاف یہ سارے کام ضرور کر رہے ہیں، جن کا ناظرین کرام مشاہدہ کرتے آرہے ہیں۔

امام اعظم رحمہ اللہ اور فرقہ مرجیہ کا تذکرہ:

اپنی مذکورہ بالا باتوں کے بعد مصنف انوار نے کہا:

> ''امام صاحب نے اپنے زمانے میں بڑے بڑے فتنوں کا بے جگری سے مقابلہ کیا، فرق باطلہ معتزلہ، قدریہ، جبریہ اور دہریہ وغیرہ سے مناظرے کیے، ان کو دلائل و براہین قویہ سے لاجواب کیا، اس سلسلے میں چونکہ امام صاحب نے بہت ضروری عقائد و مسائل کو پوری صراحت و وضاحت سے بیان فرمایا تو ان کو بھی موجب فتنہ بنا لیا گیا۔'' الخ[1]

اپنے اس حقیقت افروز بیان کے بعد مصنف انوار نے مختلف عناوین سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے غیر مرجی ہونے پر کلام کیا ہے، اس سلسلے میں مصنف انوار نے بزعم خویش بہت زیادہ ''تحقیق'' سے کام لیا ہے اور مختلف جگہوں پر اس مسئلہ کو چھیڑا

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۹)

ہے، چونکہ محدثین کرام خصوصاً امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کو ان کے معاصر ائمہ کرام کی شہادتوں اور تصریحات کی بنا پر مرجی کہہ دیا ہے، اس لیے مصنف انوار نے جملہ محدثین خصوصاً امام بخاری رحمہ اللہ پر اظہار برہمی کیا اور ان کے خلاف حسب عادت زہر افشانیوں سے کام لے کر امام بخاری رحمہ اللہ پر مختلف مقامات پر مزید گفتگو کی ہے۔ ہم ان شاء اللہ ان تمام باتوں پر حسب مواقع مفصل گفتگو کریں گے اور مصنف انوار کی ''صحیح تنقید'' اور ''افراط وتفریط سے پاک معتدل شاہراہ'' کی حقیقت واضح کریں گے۔

عہد نبوی میں تعلیمی انتظامات:

کوئی معاند حقائق، خواہ وہ کتنا ہی ہٹ دھرم و تنگ نظر ہو، مگر وہ کچھ ایسی باتیں کرنے اور کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو اس کے خلاف حجت اور رد بلیغ کا کام دے سکیں۔ مصنف انوار نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے کوفی ہونے کی مناسبت سے کوفہ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی مگر اس سے پہلے وہ مندرجہ بالا عنوان کے تحت یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

''مدینہ طیبہ تمام علمی و تبلیغی جدوجہد و مساعی کا مرکز تھا، جہاں چار بڑے معلم اور ایک خوش نویس کاتب تعلیم کے لیے مقرر تھے اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مدیر اعلیٰ اور سرپرست تھے، نیز یہ کہ عالی مرتبت صحابہ کی تعلیم و تربیت سرور کائنات بنفس نفیس خود فرماتے تھے، جن کے سرفہرست خلفاء راشدین، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ تھے، یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ''إنما بعثت معلماً'' کا فیض تھا کہ تھوڑے ہی دنوں میں سرزمین عرب کا جہالت کدہ علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا اور انھیں کی شاگردی ایشیا، افریقہ اور یورپ تک نے اختیار کی۔''[1]

ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین، اکابر صحابہ اور ان کے بعد ان کے تلامذہ راشدین و جانشین کی سرپرستی و تعاون سے چلنے والا علمی ادارہ دنیا کے دوسرے تمام علمی اداروں پر بدرجہا فائق و برتر ہوگا، خواہ پرستارانِ کوفہ، کوفہ کو دنیا کا سب سے بڑا علمی و مرکزی دار العلوم قرار دینے کے لیے فضائل کوفہ میں کتنی ہی جھوٹی داستانیں، رنگین بیانیاں ایجاد و اختیار کریں اور کوفہ پرستوں کی طبیعت خواہ حرمین کی علمی خصوصیت تسلی کرنے پر آمادہ نہ ہو، مگر ؎

صداقت ہوں تو دل سینوں میں کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

اور ؎

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے

اس اعتراف کے باوجود کہ مدینہ کے علمی ادارے کے مدیر اعلیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تھے، مصنف انوار نے کوفہ کی فضیلت میں وہی طرز بیان اختیار کیا ہے جو ''سیرۃ النعمان'' میں علامہ شبلی نے کیا، بلکہ انھوں نے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ پر کوفہ کو علم و فضل کے اعتبار سے برتر و فائق ثابت کرنے کے لیے نہایت جارحانہ طرز بیان اختیار کیا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کا علمی و دینی و روحانی مرکز بنا دیا اور جہاں باعتراف مصنف انوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود تعلیم و تزکیہ اور درس و تدریس اصلاح و تبلیغ، تدریب و تربیت کا فریضہ خیر امت کے منتخب افراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعاون سے انجام دیتے رہے، جو سر

[1] مقدمہ انوار (١/ ٣٤، ٣٥)

زمین ملائکہ رحمت خصوصاً حضرت جبرئیل کا مہبط ہو، اس پر کوفہ کو کس طرح علمی یا دینی فوقیت حاصل ہوگی؟ آج بھی مدینہ منورہ میں قائم جامعہ اسلامیہ اور مکہ مکرمہ کے جامعہ ام القری سے جو دینی وعلمی خدمات پذیر ہورہی ہیں، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

کوفہ کی مدح سرائی میں مصنف انوار کی مبالغہ آرائی:

چونکہ عام طور سے ہر آدمی پر اس کے مولد ومسکن اور درسگاہ کے ماحول وکوائف کے اثرات پڑتے ہیں اس لیے مصنف انوار نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اثبات فضائل ومناقب کے لیے ان کے مولد وموطن کوفہ کی مدح سرائی کی طرف کافی توجہ صرف کی، ساتھ ہی ساتھ وہ کسی نہ کسی انداز میں اس حقیقت کے معترف ہیں کہ کوفہ کی عظمت وفضیلت کوفہ میں بعض صحابہ کے قیام کی مرہون منت ہے، اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ کوفہ میں جن بعض صحابہ کے چند روزہ قیام سے کوفہ کی قسمت جاگی تھی، وہ مدینہ منورہ میں قائم شدہ درسگاہ نبوی کے فیض یافتہ تھے۔ مدینہ منورہ عالم اسلام کا مرکز تھا اور وہاں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ خدمت دین میں ہمہ وقت مصروف رہا کرتے تھے، خصوصاً کبار فقہاء صحابہ وخلفاء راشدین اور ان کے تلامذہ کی علمی ودینی خدمات کا اصل مرکز مدینہ منورہ ہی تھا، کوفہ ہو یا کوئی اور جگہ تمام کی تمام جگہیں جملہ امور میں مدینہ منورہ کی محتاج تھیں، بعض صحابہ وتابعین کے قیام کے سبب کوفہ کو اگرچہ کسی قدر علمی عظمت حاصل ہوگئی تھی، مگر اس کی عظمت وفضیلت ۱۷ھ، ۱۸ کے بعد ہی قائم ہوئی ہے، کیونکہ وہ بحکم فاروق اعظم ۱۷ھ، ۱۸ھ میں آباد ہوا تھا، اور ہر دور میں شرور وفتن کا گہوارہ رہا، وہاں سے نہایت خوفناک قسم کے ہلاکت خیز طوفانی فتنے اٹھتے رہے، وہاں جابر جعفی جیسے "أکذب الناس" رافضی پیدا ہوئے، جن کی درسگاہ میں امام ابوحنیفہ نے تربیت پائی، بقول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جابر جعفی کا حال یہ تھا کہ امام صاحب رحمہ اللہ رائے وقیاس سے جو فقہی مسئلہ مستخرج کرتے، جعفی مذکور اس کے مطابق کوئی حدیث وضع کر دیتے۔[1]

اس سرزمین کوفہ میں حماد بن ابی سلیمان (امام صاحب کے استاذ خاص) بھی رونما ہوئے جو امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ (متوفی ۹۶ھ) کے شاگرد خاص ہونے کے سبب وفات نخعی کے بعد مسند نخعی کے جانشین بنے تھے، مگر کوفہ کے پُرفتن ماحول کے سامنے سپر انداز ہوکر مرجی بن گئے اور دماغی خلل کے باعث اہل کوفہ کے بچوں کے بچوں کو بھی حجاز کے اکابر اماموں سے علم وفضل میں برتر کہتے تھے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اسی قسم کی باتوں کے بل پر مصنف انور نے کوفہ کو اسلامی دنیا کا سب سے بڑا علمی ادارہ اور علوم فنون کا مرکز کہا ہے۔

مرکز علم مدینہ منور کا تذکرہ:

لیکن اس حقیقت کی تکذیب نہیں کی جاسکتی کہ مدینہ منورہ کی صرف ایک فقیہ عورت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علم وفضل کے سامنے سارے فقہاءِ کوفہ کی مجموعی علمی فضیلت ذرۂ ناچیز کی حیثیت رکھتی ہے۔ خود مصنف انوار معترف ہیں کہ "عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدہ فقہاءِ امت ہیں۔"[2]

فقہاء کوفہ کے سرتاج امام ابوحنیفہ کے قابل فخر مدنی استاذ امام زہری نے کہا:

---

[1] نصب الراية.
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۲۲)

”قال قبيصة بن ذويب: كانت عائشة أعلم الناس، يسألها الأكابر من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم.“ ❶

یعنی حضرت قبیصہ صحابی نے کہا کہ حضرت عائشہ تمام صحابہ میں اعلم تھیں، ان سے اکابر صحابہ علوم سیکھتے تھے۔

حضرت عائشہ کی بابت اس قسم کی شہادتیں بکثرت وارد ہیں امام ابوحنیفہ کے قابل فخر اساتذہ کے مشہور و معروف استاد امام مسروق نے کہا کہ ”اکابر صحابہ کرام علوم فرائض میں حضرت عائشہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔“ ❷

امام ذہبی نے کہا: ”كان فقهاء أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجعون إليها“ ابوموسیٰ نے کہا کہ ”ما أشكل علينا أصحاب محمد قط فسألنا عائشة إلا وجدنا عندها منه علماً“

حاصل یہ کہ صحابی بھی اس امر کے معترف تھے کہ حضرت عائشہ مرجع علوم وفنون تھیں، حتی کہ اکابر صحابہ بھی ان کی طرف تحقیق مسائل میں رجوع کیا کرتے تھے۔ ❸

مصنف انوار رقمطراز ہیں:

”صحیح حاکم میں شعبی سے روایت ہے کہ صحابہ میں چھ قاضی تھے، جن میں سے تین مدینہ میں تھے، عمر، ابی بن کعب، زید اور تین کوفہ میں علی، ابن مسعود، ابوموسیٰ۔“ ❹

ایک دوسری جگہ مصنف انوار نے اس طرح فرمایا:

”علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں امام مسروق سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا تو ان سب کے علوم کا سرچشمہ چھ صحابہ کو پایا، علی، ابنِ مسعود، عمر، زید، ابودرداء اور ابی۔ اس کے بعد پھر دیکھا تو ان چھ کے علم کا خزانہ حضرت علی و ابن مسعود کو پایا۔ ان دونوں کا علم یثرب کی پہاڑیوں سے اٹھا اور کوفہ کی وادیوں میں برسا، ان دونوں آفتاب و ماہتاب نے ریگستانِ کوفہ کے ذرہ ذرہ کو چمکا دیا۔“ ❺

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے مندرجہ بالا بیان میں جن چھ سات مخازن علوم صحابہ کا تذکرہ کر کے کوفہ کی فضیلت کا اظہار کرنا چاہا ہے ان میں سے تین کی بابت خود مصنف انوار معترف ہیں کہ وہ مدینہ میں رہتے تھے، یعنی عمر، ابی بن کعب اور زید، اور باقی کے بارے میں بحوالہ شعبی اگرچہ یہ دعویٰ ہے کہ وہ کوفہ میں رہتے تھے، مگر آنے والی تفاصیل سے معلوم ہوگا کہ ان حضرات کی زندگی کا بیشتر حصہ اور علمی خدمت کا زیادہ وقت مدینہ منورہ ہی میں گزرا، کوفہ میں ان کی مدت اقامت مدینہ منورہ کی بہ نسبت نہایت قلیل بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے اور مصنف انوار جن ابن مسعود اور علی کی بابت مدعی ہیں کہ وہ تمام صحابہ کے علوم کے مخزن تھے، ان میں سے ابن مسعود حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بابت فرماتے ہیں:

”لو أن علم عمر وضع في كفة الميزان، ووضع علم أهل الأرض في كفة لرجح علم عمر.“ ❻

---

❶ طبقات ابن سعد (۲/ ۳۷٤)

❷ طبقات ابن سعد (۸/ ٤٥ و ۲/ ۳۷۰)

❸ تذكرة الحفاظ (۱/ ۲۳، ۲٤) و طبقات ابن سعد (۲/ ۳۷۵، ۳۷٦)

❹ مقدمه انوار (۱/ ۳۵)

❺ مقدمه انوار (۱/ ۳۷)

❻ كتاب العلم لأبي خيثمة (ص: ۱۲۳ بسند صحيح) ومعناه في طبقات ابن سعد (۲/ ۹۹ قسم ثاني)

یعنی پوری دنیا کا علم اگر ترازو کے ایک پلڑے میں اور عمر فاورق رضی اللہ عنہ کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ کر تولا جائے تو عمر کا پلڑا بھاری پڑے گا۔''

اسی طرح ابن مسعود کا یہ بیان بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم (۹/۱۰) حصہ ملا تھا، باقی صرف (۱/۱۰) حصہ میں پوری دنیا کا علم ہے۔[1]

حتی کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔''[2] اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کا علم حضرت عمر سے بڑھا ہوا تھا اور یہ حضرات مدینہ منورہ میں تھے، کوفہ کی زمین ان کی بُو بھی سونگھنے سے محروم رہی تھی، ایک بار حضرت عمر نے کوفہ جانے کا رجحان بھی ظاہر کیا، مگر لوگوں نے ان سے کہا کہ سرزمین کوفہ فسادات وفتن وشر وفساد کا مخزن ہے، آپ وہاں جانے سے پرہیز کریں، چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اس کی طرف رخ نہیں کیا۔[3]

جن صحابہ کے کوفہ میں چند روز یا چند سال قیام پر مصنف انوار کو اس قدر فخر ہے وہ مدینہ منورہ کے اصل باشندے اور رہنے والے تھے، وہیں رہ کر وہ دین وملت کی خدمت کرتے تھے، کوفہ تو ۱۷ھ، ۱۸ھ یا اس کے بعد آباد ہوا، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عارضی طور پر بضرورت تھوڑے دنوں کے لیے کوفہ یا دوسری جگہ چلے جاتے تھے، پھر بھی مدینہ منورہ سے ان کا رابطہ وتعلق گہرا ہی رہتا تھا، کیونکہ:

اولاً: مدینہ منورہ ان کا موطن ومسکن تھا، ان کے اہل خاندان واحباب وہیں رہتے تھے۔

ثانیاً: مدینہ منورہ ہی عالم اسلام کا مرکز تھا، پورے عالم اسلام کے علوم وفنون یا سیاسی امور کے نظم ونسق مدینہ منورہ ہی کے زیر انتظام چلتے تھے۔

دریں صورت ہر صاحب عقل سوچ سکتا ہے کہ مدینہ منورہ کی علمی حیثیت کوفہ کے مقابلے میں کیا ہوگی؟ نیز کوفہ کی علمی فضیلت خواہ کتنی ہی ہو، وہاں کے بعض افراد اور گروہ کا علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے قابل بحث ونظر اور لائق نقد وجرح ہونا مستبعد نہیں۔ جابر جعفی کوفہ ہی کے تھے مگر وہ خود بھی مجروح تھے اور ان کا مذہب بھی مبغوض ومکروہ تھا، اور جس جماعت (یعنی فرقۂ روافض) سے ان کا تعلق تھا، وہ بھی مبغوض تھی۔

تعمیر کوفہ ۱۷ھ، ۱۸ھ:

بقول واقدی اور بعض دیگر اہل علم کوفہ ۱۷ھ میں بحکم عمر فاورق رضی اللہ عنہ آباد کیا گیا اور بقول ابوعبیدہ ۱۸ھ میں ”وقال أبو عبيدة: كان تكويف الكوفة في سنة ١٨ ھ“[4]

شہر کوفہ کی تعمیر کے بعد اس کے سب سے پہلے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بنائے گئے، ان کی گورنری کے ابھی دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ ان کے خلاف اہل کوفہ نے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور دارالخلافہ مدینہ منورہ میں فاروق

[1] أبو خيثمة، كتاب العلم (ص: ١٢٤ بسند صحيح) و طبقات ابن سعد وغيره.
[2] ترمذي مع تحفة الأحوذي (٤/ ٣١٥) و أحمد و حاكم وغيره.
[3] كنز العمال والبداية والنهاية.
[4] فتوح البلدان (ص: ٢٨٦) و تاريخ طبري (٤/ ١٨٨ تا ١٩٠، واقعات ١٧ھ) و معجم ابلدان وغيره.

اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی شکایات پہنچائی گئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر کے مدینہ بلالیا، اس موقعہ پر انھوں نے اہل کوفہ کے خلاف یہ بد دعا کی کہ "اللهم لا ترض نهم أميراً ولا ترضهم بأمير." [1] ''اے اللہ! تو اہل کوفہ کو کسی امیر سے مت خوش کر!''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بعد وہاں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا، اہل کوفہ نے ان کی بھی شکایت کی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "من عزيري لأهل الكوفة؟" [2]

نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ ''عراق میں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں اور وہ شرور وفتن کا ماویٰ وملجا ہے۔'' [3] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ۲۱ھ میں کوفہ بھیجا گیا تھا۔ [4]

امام ابن الجوزی نے کہا ہے:

"وولي قضاء الكوفة، وبيت مالها، لعمر وصدراً من خلافة عثمان، ثم صار إلى المدينة فمات بها سنة ۳۲ھ." [5]

یعنی خلافت فاروقی کے اواخر اور خلافت عثمانی کے ابتدائی دور میں حضرت ابن مسعود کوفہ کے قاضی اور معتمد مالیات تھے، پھر وہ مدینہ منورہ میں چلے آئے اور وہیں ۳۲ھ میں انتقال کر گئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود ۲۱ھ سے لے کر ابتدائی دور عثمانی یعنی زیادہ سے زیادہ کل چند سال کوفہ میں مقیم رہے۔ ظاہر ہے کہ ۲۱ھ سے پہلے ابن مسعود مدینہ طیبہ ہی میں رہ کر تعلیم و تدریس اور خدمات دین کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔ مصنف انوار معترف ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں ابن مسعود کو درس و تعلیم کی اجازت عطا فرما دی تھی اور صحابہ کو ارشاد فرمایا تھا کہ ''ابن مسعود سے تعلیم حاصل کرو۔'' [6]

معلوم ہوا کہ ابن مسعود کوفہ آنے سے پہلے تقریباً اکیس سال تک مدینہ منورہ میں تعلیم و تدریس کا کام کرتے رہے تھے اور ۲۱ھ سے لے کر چند سال کوفہ میں رہے۔ اس کے بعد پھر مدینہ طیبہ ہی میں رہ کر علوم دینیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ ابن مسعود کے علوم وفنون اور ان کی خدمات سے مدینہ کی سرزمین کوفہ سے کہیں زیادہ بہرہ ور ہوئی۔ یہی حال دوسرے صحابہ کا بھی ہے جن کی بابت مصنف انوار مدعی ہیں کہ وہ کوفہ میں رہ کر خدمت دین کرتے تھے۔ یہ حقیقت سورج سے زیادہ روشن ہے کہ کوفہ کو جو بھی علمی عظمت حاصل ہے وہ محض مدینہ منورہ کے رہنے والے بعض صحابہ کی برکت سے ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں زیادہ سے زیادہ چار سال رہے اور زندگی کا بیشتر حصہ مدینہ میں گزار کر دین وملت کی خدمت

---

[1] فتوح البلدان (ص: ۲۸۷) و تارخ طبري (٤/ ۲۳۷ تا ۲۳۹، واقعات: ۲۱ھ) والبداية والنهاية و المعرفة والتاريخ للفسوي (۲/ ۷٥٤)

[2] فتوح البلدان (ص: ۸۸) و طبري (٤/ ۲٦۱، ۲٦۲) و البداية والنهاية.

[3] المعرفة والتاريخ للفسوي (۲/ ۷٥٤، ۷٥٥) البداية (۹/ ۱۳۲ وغيره)

[4] شذرات الذهب (۱/ ۳۲) و تاريخ طبري وغيره.　[5] تلقيح الفهوم (ص: ٦۰)　[6] مقدمه انوار (۱/ ۳٦)

کرتے رہے، مگر مدینہ کا علمی مقام و مرتبہ کوفہ پرستوں کے نزدیک صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہاں کے ائمہ کی ہجو کر کے لذت محسوس کریں، حتی کہ امام دار الہجرۃ امام مالک رحمہ اللہ کی بابت مصنف انوار جیسے مدعی علم و انصاف یہ فرمائیں کہ ان کے فقہی مسائل سے اطمینان قلب نہیں ہوتا اور یہ کہ مدینہ و مکہ کے کبار تابعین کرام کا علم کوفہ کے بچوں کے بچوں سے بھی کمتر ہے۔[1]
اس مسئلہ پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔

مصنف انوار کو جن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے چند سالہ قیام کوفہ پر فخر ہے اور جن کی بابت انھوں نے کہا ہے کہ سارے صحابہ کے علم کا مخزن یہی دو حضرات تھے، وہ مدینہ میں زندگی بھر رہے۔ اور یہ ایک روشن اور واضح حقیقت ہے کہ اہل الرائے نے بڑی کثرت کے ساتھ ان دونوں جلیل القدر صحابہ کے فرامین و تعامل سے اختلاف کیا ہے، امام شافعی نے اس سلسلے میں ایک باب "اختلاف ابن مسعود و علي" قائم کر کے بتلایا ہے کہ اصحاب الرای نے بکثرت دونوں صحابہ کی مخالفت کی ہے۔[2]

یہ معلوم ہے کہ کوفہ عراق کا مرکزی شہر اور خلافت اسلامیہ کے ایک صوبہ کا دارالسلطنت تھا اور عراق کا دوسرا نام بابل ہے اور بابل نامی ایک شہر بھی تھا جو عراق یا ملک بابل کا قدیم دارالسلطنت ہے، یہ شہر بابل کوفہ سے قریب ہی ہے، ملک بابل و شہر بابل کا تذکرہ قرآن مجید میں جس طرح ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں، یعنی کہ یہ مرکز شیاطین ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ (۹/۱۰) شر اور خرابیاں کوفہ کے اندر موجود ہیں، باقی (۱/۱۰) شر اور خرابیاں پوری دنیا میں ہیں۔ نیز یہ کوفہ شیاطین اور سرکش جنات کا مرکز ہے۔[3] حضرت علی نے کوفہ اور اہل کوفہ کے خلاف بہت زیادہ بد دعا کر رکھی ہے۔[4] حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ اہل کوفہ جھوٹ بولنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے، اسی طرح کی بات حضرت عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ صحابہ نے بھی کہی ہے۔[5] حضرت علی کے صاحبزادے حضرت حسن اور حسین نے بھی کوفہ کی بڑی مذمت کی ہے۔[6] حضرت حسن بن علی بن ابی طالب نے اہل عراق کو باطل پرست اور باطل پرستی پر ہٹ دھرمی کرنے والا بتلایا ہے۔[7] کوفہ کا ایک حائک مدعی نبوت تھا۔[8] مختار ثقفی جیسا کذاب اور مدعی نبوت بھی کوفہ کا باشندہ تھا، حضرت احنف بن قیس کے ساتھ بعض اہل کوفہ نے مکالمہ کیا، احنف نے کہا کہ کوفہ وہ سرزمین ہے جہاں مختار ثقفی جیسے کذابین اور بدطینت لوگ پیدا ہوئے، یہ سن کر اہل کوفہ کی گردن شرم سے جھک گئی۔[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے عراق و کوفہ کی مذمت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يشير بيده يؤم العراق، فقال: أن الفتنة ههنا ثلاث مرات من حيث يطلع قرن الشيطان."

---

❶ مقدمه انوار (۱/ ۳۵ و ۴۲) ❷ كتاب الأم (۷/ ۱۵۱ تا ۱۷۷) ❸ فسوي (۲/ ۷۵۱)
❹ فسوي (۲/ ۷۵۱ و ۷۵۲) تاريخ بغداد للخطيب (۲/ ۳۰۵) والبداية والنهاية (۸/ ۱۲)
❺ فسوي (۲/ ۷۵۹ ۷۶۰) ❻ فسوي (۲/ ۷۵۳، ۷۵۴) والبداية والنهاية (۸/ ۱۶۱) و خطيب (۱/ ۱۳۹)
❼ فسوي (۱/ ۷۵۶) ❽ فسوي (۲/ ۷۵۸) ❾ فسوي (۲/ ۳۰، ۳۲)

یعنی عراق کو رسول ﷺ نے مسلسل تین بار مرکز شرور وفتن قرار دیا۔

اس صحیح الاسناد حدیث نبوی کے علاوہ صحیح مسلم کتاب الفتن (۳۹۴/۲) میں بروایت سالم بن عبداللہ بن عمر مروی ہے:

”یا أهل العراق ما أسئلكم عن الصغيرة و أركبكم على كبيرة، سمعت أبي يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الفتنة تجيء من ههنا، و أومأ بيده نحو المشرق من حيث يطلع قرن الشيطان.“

یعنی اے اہل عراق! تم معمولی باتوں کے متعلق کس قدر سوال کرنے والے اور کبائر معاصی کا کتنا ارتکاب کرنے والے ہو! میرے باپ نے یہ حدیث نبوی سنائی ہے کہ سرزمین مشرق سے فتنے اٹھیں گے، وہیں سے شیطانی گروہ نمودار ہوگا۔

دونوں حدیثوں کو یکجا کرنے سے مستخرج ہوتا ہے کہ عراق کو زبان نبوی سے ارض مشرق و مرکز فتنہ وفساد کہا گیا ہے، اسی طرح اسے نجد کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ ابن عمر نے کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ شام وغیرہ کی بابت دعائے برکت فرما رہے تھے کہ ایک آدمی نے کہا ”وفي عراقنا“ وفي رواية: في نجدنا يا رسول الله یعنی نجد (عراق) کی بابت بھی یہی دعا کر دیجیے، آپ نے فرمایا: ”هناك الزلازل والفتن“ یعنی وہ مرکز فتن وشرور اور جائے زلازل ہے۔“[1]

مناقب امام مالک للشیخ عیسی الزواوی (ص: ۵۱ تا ۵۲) میں عراق خصوصاً کوفہ کے مرکز شرور وفتن اور منبع اکاذیب و اباطیل ہونے پر تفصیلی بحث کی گئی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوفہ بالکل ہی حق پرستوں سے خالی تھا، چنانچہ امام ابراہیم نخعی، جنھیں مصنف انوار حنفی مذہب کے مورثین میں قرار دیتے ہیں، اہل الرای خصوصاً فرقہ مرجیہ سے بہت برہم رہا کرتے تھے اور انھیں اپنی درسگاہ میں بیٹھنے بھی نہیں دیتے تھے، حتی کہ ان کی وفات کے بعد جب حماد طریق سنت (یا بلفظ دیگر طریق نخعی) کو چھوڑ کر مرجئی اور اہل الرائے بن گئے تو ان کے (یعنی امام نخعی کے) خصوصی تلامذہ نے حماد کا بائیکاٹ کر دیا اور ان سے سلام و کلام بند کر دیا، کیونکہ امام نخعی کی ہدایت ہی یہ تھی کہ مرجئی المذہب اور اہل الرای سے دور رہا کرو۔ (كما سيأتي)

مصنف انوار کی تنقیص ملک شام:

مصنف انوار نے حجاز مقدس مکہ و مدینہ کے علم وفضل کی تحقیر اور مدح کوفہ کے بعد درج ذیل گہر افشانی کی:

”علامہ عبد بن رجب سے نقل ہے کہ آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا، جواب دیا تو سائل نے کہا کہ اہل شام آپ کی اس بات کے خلاف بتلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اہل شام کو ایسا مرتبہ کہاں سے حاصل ہوا یہ مرتبہ تو صرف اہل مدینہ واہل کوفہ کا ہے کہ ان کے اقوال سے حجت پکڑی جائے۔“[2]

ہم کہتے ہیں کہ شام کی عظمت وفضیلت کے لیے یہ قرآنی آیت کافی ہے ﴿الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾

[1] المعرفة والتاريخ للفسوي (۲/ ۷٤٦ تا۷٥٠) و تاريخ دمشق ابن عساكر (۱/ ۳۰۳) كنز العمال (۷/ ۱٦۱ و ۱٦٤) و فتح الباري (۱۳/ ۳۸، ۳۹، مطبوعه مصر، كتاب الفتن)

[2] مقدمه انوار (۱/ ۳٥، ۳٦، بحواله عقود الجواهر المنفية)

قرآن نے سر زمین شام کو ارض مقدس کہا ہے، مگر کوفہ کو زبان نبوی سے زلازل وفتن کی آ ماجگاہ بتلایا گیا ہے۔ نیز شام کی عظمت وفضیلت اس فرمان نبوی سے ظاہر ہے:

”اللهم بارك لنا في شامنا ثلاث مرات، وقالوا: في عراقنا؟ قال: هناك الزلازل والفتن.“

یعنی اے اللہ! تو ہمارے شام میں برکت دے۔ (یہ دعا آپ نے تین مرتبہ کی) لوگوں نے عرض کیا کہ عراق کے لیے بھی دعائے برکت کر دیجیے، آپ نے فرمایا: وہاں زلازل وفتن ہیں۔“

البتہ شام کی بابت ارشاد نبوی ہے:

”عليكم بالشام، فإنها خيرة الله من أرضه، يجتبي إليها خيرته من عباده، فإن الله عزوجل توكل لي بالشام وأهله.“[1]

یعنی اے اہل اسلام! تم ارض شام کو اپنے اوپر لازم پکڑو، کیونکہ وہ اللہ کا منتخب کردہ پسندیدہ ملک ہے، وہاں اللہ کے منتخب و پسندیدہ بندے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے شام واہل شام کے لیے مجھ سے حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سر زمین کوفہ گہوارہ شر وفتن ہونے کے باوجود بعض صحابہ کرام اور ان کے ہم مسلک پختہ کار تابعین عظام کے وجود با مسعود سے شرفیاب و سرفراز تھی، اور انھیں کے طریق پر چلنے والے پختہ کار اہل علم سے تحصیل علم کے لیے دوسرے محدثین اور امام بخاری کوفہ جاتے تھے، چنانچہ مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ ”امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں تحصیل علم کے لیے مختلف شہروں میں گیا، لیکن کوفہ و بغداد اتنی بار گیا کہ ان کا شمار بھی نہیں کر سکتا۔“[2]

تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ امام بخاری اور دوسرے محدثین کوفہ کے ان لوگوں سے بھی علم حاصل کرنے جاتے تھے، جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ اہل الرای احادیث نبویہ کے حفظ وضبط سے عاجز ہونے کے سبب قیاس ورائے پر عمل کرتے ہیں، تم ان سے دور رہو۔

امام ابوحنیفہ کی اپنے حجازی اساتذہ کی تکریم وتعظیم:

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنے کوفی استاذ جابر جعفی کو اکذب الناس کہنے کے باوجود اپنے مدنی استاذ امام مالک کی خدمت میں بچوں کی طرح باادب بیٹھتے اور امام مالک کے تلامذہ سے علوم مالک سیکھنے کی کوشش کرتے، نیز مدینہ منورہ کے ایک امام ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (متوفی: ۱۳۶ھ) (استاذ خاص امام مالک) کے سامنے امام ابوحنیفہ کا یہ حال تھا کہ:

”قال يونس بن يزيد: رأيت أبا حنيفة عند ربيعة، وكان مجهود أبي حنيفة أن يفهم كلام ربيعة.“[3]

یعنی امام یونس نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہ کو امام ربیعہ کے پاس دیکھا کہ وہ کلام ربیعہ سمجھنے میں اپنی سارے کوشش صرف کرتے تھے۔

ہر طالب علم اپنے استاذ کے کلام کو سمجھنے کی بھر پور کوشش کرتا ہے مگر مندرجہ بالا روایت میں مصنف انوار کے استاذ کوثری کو

---

[1] رواه أحمد و أبوداود عن عبدالله بن حواله مرفوعاً.
[2] مقدمه انوار (۱/ ۳۶)
[3] خطیب (۸/ ۴۲۲ ترجمة ربيعة)

قدح ابی حنیفہ محسوس ہوئی، بنا بریں انھوں نے روایت مذکورہ کو غیر معتبر قرار دے دیا۔ (کما سيأتي) ابن ندیم رافضی نے قلب موضوع کر کے ربیعہ کو شاگرد ابی حنیفہ قرار دے دیا۔[1] اس کذاب رافضی کی تقلید مصنف انوار وغیرہ نے بھی کی ہے۔ (کما سيأتي) احناف معترف ہیں کہ امام صاحب اپنے حجازی استاذ امام باقر اور امام صادق کا بڑا احترام کرتے تھے۔[2] امام صادق نے امام ابوحنیفہ کو قیاس و رائے سے اشتغال رکھنے سے منع کیا تھا۔[3] امام عطاء کو امام ابوحنیفہ نے "ما رأيت أفضل منه" کہا۔ ایک بار امام عطاء نے امام ابوحنیفہ سے کہا کہ تم اسی شہر کوفہ کے رہنے والے ہو جہاں کے باشندوں نے فرقہ پرستی اختیار کر کے شیرازہ ملت کو بکھیر دیا ہے۔ (سيأتي التفصيل على هذا الموضوع)

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ کوفہ کی علمی فضیلت ثابت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں قابل رد وقدح اور مجروح ومطعون قسم کے بعض ایسے فقہاء و رواۃ نہیں پیدا ہوئے جو بذات خود غیر ثقہ ہونے کے ساتھ قابل نقد ونظر فقہی وفکری مسلک و مذہب کے بانی وموسس ہوں، آخر خوارج و روافض وغیرہ جیسے فرقوں کے قائدین، فقہاء اور ائمہ کوفہ ہی میں پیدا ہوئے تھے، جو ناپسندیدہ مذاہب کے بانی و پیرو ہونے کے ساتھ بذات خود بھی نقل روایت میں مجروح و غیر ثقہ تھے۔ کوئی شک نہیں کہ کوفہ میں وہ اصحاب الرائے بکثرت پائے جاتے تھے جن کی بابت فاروق اعظم کا فرمان ہے کہ اصحاب الرائے اعداء السنن ہوتے ہیں، کیونکہ وہ حفظ وضبط و روایت احادیث نبویہ سے عاجز ہونے کے سبب قیاس و رائے کے متبع ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے اجتناب و پرہیز کرو اور ان سے بچ کر رہو۔

مرکز علم کوفہ کے دار العلوم سے فارغ شدہ علماء:

مندرجہ بالا عنوان سے مصنف انوار نے بحوالہ حافظ ابن قیم امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک کوفہ کے محدثین فقہاء، قضاۃ اور مفتیوں کے پانچ طبقات کا تذکرہ کیا ہے اور اس سے پہلے مدح کوفہ میں یہ بھی فرمایا ہے:

"معجم البلدان میں کوفہ کے بیان میں امام احمد سے سفیان ثوری کا یہ مقولہ منقول ہے کہ احکام حج کے لیے مکہ، قراءت کے لیے مدینہ، اور حلال وحرام کے لیے کوفہ مرکز ہے۔"[4]

ہم کہتے ہیں کہ کوفہ کے مرکز حلال وحرام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں روافض و خوارج جیسے فرق باطلہ اور دوسرے بد مذہب مبتدعین و متروکین و غیر ثقہ رواۃ کا وجود نہیں تھا۔

شیوخ امام اعظم رحمہ اللہ:

مذکورہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے اولاً حضرت ابن مسعود کے فضائل و کمالات بیان کر کے دعویٰ کیا ہے کہ حنفی مذہب کے مورث اعلیٰ یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔[5]

---

[1] فهرست ابن نديم (ص: ٢٨٥)

[2] جامع المسانيد للخوارزمي (١/ ٢٠٤، ٢٠٥ و ١/ ٢٢٢، ٢٢٣) و موفق.

[3] حلية الأولياء (٣/ ١٩٦، ١٩٧) و وفيات الأعيان لابن خلكان.

[4] مقدمہ انوار (١/ ٣٥)

[5] مقدمہ انوار (١/ ٣٦ تا ٣٨)

ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کے فضائل وکمالات مصنف انوار کے بیان سے بھی کہیں زیادہ ہیں، مگر مصنف انوار کا یہ دعویٰ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حنفی مذہب کے مورث اعلیٰ ہیں، قطعاً غلط ہے، جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے، مگر یہ دعویٰ ''ابن مسعود حنفی مذہب کے مورث اعلیٰ ہیں۔'' امر واقع کے خلاف ہونے کے باوجود احناف کا نظریہ بن چکا ہے، حالانکہ یہ نظریہ تخریب پسندی وشخصیت پرستی کے اصول پر قائم ہے، جملہ صحابہ و تابعین کو چھوڑ کر صرف ایک صحابی کو اپنے فقہی مسلک و مذہب کا مورث کہنا اور وہ بھی امر واقع کے خلاف، اسلامی روح کے منافی ہے، کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے سبھی صحابہ و تابعین دین کے پیشوا اور ائمہ رشد و ہدایت ہیں، ان میں سے کسی ایک کی طرف اپنے مذہب کو منسوب کرنا فرقہ پرستی کے رجحان کا غماز ہے۔ لطف یہ کہ مصنف انوار نے اگرچہ ابن مسعود کو اپنے مذہب کا مورث اعلیٰ کہا ہے اور اقوال و آثار صحابہ کو حجت نہ ماننے والوں پر طریق سلف سے اعراض و انحراف کا الزام لگایا ہے۔[1]

مگر بنیادی طور پر ان کا تقلیدی مذہب جملہ صحابہ و تابعین بشمول ابن مسعود کی تصریحات کی مخالفت پر قائم ہے، لیکن یہاں صرف دو بنیادی چیزیں بطور مثال عرض ہیں۔ اولاً تقلید پرستی کسی بھی صحابی و تابعی کا مذہب نہیں تھا، بلکہ سبھی اس کے خلاف تھے، مگر مصنف انوار کا مذہب ہی تقلید پرستی ہے، ثانیاً مصنف انوار نے تذکرہ ابن مسعود ہی میں کہا ہے کہ ''تمام صحابہ کے علوم کا سرچشمہ حضرت علی، ابن مسعود، عمر بن الخطاب، زید بن ثابت، ابو درداء و ابی بن کعب رضی اللہ عنہم ہیں۔''[2]

لیکن یہ سب صحابہ دیگر تمام صحابہ کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل کی پوچھ گچھ اور ان کے بارے میں سوال و جواب ملعون ومقبوح اور حرام کام ہے۔

غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں:

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''سمعت عمر بن الخطاب يلعن من سأل عما لم يكن.''[3]

یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس شخص پر لعنت کرتے تھے جو غیر واقع شدہ امور سے متعلق پوچھ گچھ کرتا تھا۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ غیر واقع شدہ باتوں کے متعلق سوال کرنا حلال ومباح نہیں۔[4]

انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''تم غیر واقع شدہ باتوں کے بارے میں سوال کرو نہ جواب دو، کیونکہ اگر یہ باتیں کبھی واقع ہوں گی تو اس وقت کے علماء ان کا جواب دے لیں گے۔''[5] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بعض غیر واقع شدہ مسائل پوچھے گئے تو انھوں نے فرمایا: ''ذروه حتى يكون'' یعنی اس کے متعلق پوچھ گچھ اور سوال و جواب ترک کر دو اور جب تک واقع نہ ہو تب تک خاموش رہو۔[6] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مسلک و مذہب بھی غیر واقع شدہ امور سے متعلق سوال و جواب

---

[1] مقدمه انوار (١/ ٢٤)　[2] مقدمه انوار (١/ ٣٧ و ٦٩)

[3] كتاب العلم لأبي خيثمة (ص: ١٤٣) و سنن دارمي (١/ ٢٨، ٢٩) و جامع بيان العلم (٢/ ١٣٩)

[4] جامع بيان العلم (٢/ ١٤٢ وغيره)　[5] جامع بيان العلم (٢/ ١٤٣ وغيره)

[6] سنن دارمي (١/ ٢٨، ٢٩) و كتاب العلم لأبي خيثمة (ص: ١٢٦، ١٢٧) و جامع بيان العلم (٢/ ١٤٢)

کی بابت وہی تھا، جو حضرت عمر و زید رضی اللہ عنہما کا تھا۔[1]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے کہا:

روی نحو ذلك عن عمر و علی و ابن عباس و ابن مسعود فی کراهة التکلم فیما لم ینزل"[2]

یعنی حضرت عمر، علی، ابن عباس، ابن مسعود سے بھی غیر واقع شدہ امور کی بابت کلام کے مکروہ ہونے کا فتویٰ منقول ہے۔

اور کیوں نہ ہو خود سرور کائنات خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے غیر واقع شدہ امور سے متعلق تکلم کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔[3]

گویا تمام صحابہ کا اجماعی مسلک تھا کہ فرضی مسائل بالخصوص غیر واقع امور کے متعلق سوالات پوچھے جائیں اور نہ حل کیے جائیں، حضرت عمر نے یہ بات خطبہ میں کہی تھی اور سارے صحابہ نے اس پر سکوت اختیار کیا تھا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سب صحابہ ان کے خیال سے متفق تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس امر میں اتنا تشدد تھا کہ واقع شدہ مسائل میں بھی نصوص کتاب و سنت کی عدم موجودگی میں جواب دینے میں بہت زیادہ فرار اختیار کرتے تھے، حتی کہ ایک مسئلہ کے پوچھنے پر انھوں نے پوچھنے والوں سے کہا: "فأتوا غيري وأسئلوا، أهل تجدون فيه أثراً." "تم لوگ دوسروں کے پاس جا کر یہ مسئلہ دریافت کرو، شاید کسی کے پاس کوئی حدیث نبوی مل جائے۔"

مگر پوچھنے والوں کو طلب بسیار کے باوجود اس کا جواب دوسروں کے پاس نہ ملا، وہ برابر ابن مسعود کی طرف بھی رجوع کرتے رہے، اس طرح ایک ماہ گزر گیا:

"فاختلفوا إليه شهرا، وقالوا: من نسأل إن لم نسألك؟ ولا نجد غيرك، قال: سأقول فيها بجهد رأيي الحديث."[4]

آخر لوگوں نے ابن مسعود سے جب ایک ماہ کی مسلسل دوڑ و دھوپ کے بعد یہ کہا کہ اگر آپ سے نہ پوچھیں تو ہم کس سے پوچھیں؟ کیونکہ ہم آپ سے بڑا صاحب علم کسی کو نہیں پاتے تو انھوں نے بڑے لیت و لعل کے بعد کہا کہ اچھا میں اس کا جواب اپنے اجتہاد سے دیتا ہوں، اگر جواب باصواب ہوا تو خیر ورنہ خطا ہونے پر اسے میری غلطی مانا جائے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب اپنے اجتہاد سے دیا تو اس وقت لوگ وہاں موجود تھے، انھوں نے اس امر کی شہادت دی کہ جس طرح کا جواب آپ نے دیا ہے، اسی طرح کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا تھا، اس پر ابن مسعود بے حد خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

ابن مسعود کے اس قول سے معلوم ہوا کہ انھیں کی تصریح کے مطابق ان کے ذاتی قول و اثر میں غلطی و خطا کا احتمال ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کے اور دوسرے صحابہ کے ذاتی اقوال و آثار کو حجت شرعیہ ماننا صحیح نہیں ہے، مگر مصنف انوار ایک طرف انھیں حجت شرعیہ منوانے پر مصر ہیں اور نہ ماننے پر خفا، لیکن دوسری طرف سب سے زیادہ اقوال و آثار صحابہ کے معاند و مخالف بھی وہی ہیں!!

---

[1] ملاحظہ ہو: سنن دارمي (ص: ٣١) و كتاب العلم لأبي خيثمة (ص: ١٢٧) و جامع بيان العلم وغيره.

[2] حجة الله البالغة (١/ ١٤٨)

[3] سنن دارمي (ص: ٢٨، ٢٩ و ٣٢ عن معاذ بن جبل) وكذلك في جامع بيان العلم (٢/ ١٤٢)

[4] سنن نسائي مع تعليقات سلفية (ص: ٧٩، ٨٠) و دیگر کتب حدیث.

روایت مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحبت نبوی سے گہرے اختصاص کے باوجود بھی ابن مسعود پر بعض سنن نبویہ اور احادیث مخفی تھیں اور جب ابن مسعود جیسے سابق الاسلام، قدیم الصحبۃ، امتیازی خصوصیت رکھنے والے صحابہ پر بعض سنن نبویہ و احادیث مخفی رہتی تھیں حتی کہ وہ معذور کو بذریعہ تیمّم نماز پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے اور نسخ تطبیق پر واقف نہیں تھے وغیرہ وغیرہ، تو ان اصحاب الرائے کا کیا حال ہوگا جن کی بابت فاروق اعظم کا یہ فرمان ہے کہ وہ احادیث نبویہ کے حفظ وضبط اور روایت سے عاجز ہونے کے سبب محض رائے و قیاس کے متبع ہوتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود کا فرمان ہے کہ ''جو شخص ہر سوال و استفتاء کا جواب دیتا پھرتا ہے، وہ مجنون ہے۔''[1]

خود سید المرسلین ﷺ کثرت مسائل کو ناپسند فرماتے تھے۔[2] مگر مصنف انوار نے غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل کی تدوین و ترویج کو امام ابوحنیفہ کا بہت بڑا کارنامہ اور ان کا بھاری فضل و کمال قرار دیا ہے۔ چنانچہ مصنف انوار نے امام ابوحنیفہ کی مدح سرائی کی غرض سے لکھا ہے:

قیس بن ربیع سے جب کوئی امام صاحب کی خصوصیت دریافت کرتا تو جواب میں فرماتے: ''أعلم بما لم یکن'' یعنی جو حوادث ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے ان کے متعلق احکام کے وہ سب سے بڑے عالم تھے۔''[3]

ایک دوسری جگہ مصنف انوار رقمطراز ہیں:

''ایک وجہ امام مالک کی تفقہ میں کمی کی یہ ہے کہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ جو واقعات و حوادث ابھی پیش نہیں آئے، ان کا جواب دیا جائے اور نہ ان کے بارے میں غور و خوض کیا جائے برخلاف اس کے امام اعظم اور ان کے اصحاب کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قسم کے احتمالات اور امکانی صورتوں پر بھی غور کیا جائے اور ہر سوال کا جواب دیا جائے۔'' الخ[4]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ صحابہ کے متفق علیہ طور پر ملعون و ممنوع قرار دیئے ہوئے کام کو مصنف انوار امام صاحب کا بہت بڑا کارنامہ اور کمال تفقہ و وجہ فضیلت بتلا رہے ہیں اور اس معاملہ میں صحابہ کی پیروی کرنے والے امام مالک کو قلت تفقہ کے عیب سے متصف بتلا رہے ہیں، پھر بھی صحابہ کے آثار و فتاویٰ پر عمل پیرا ہونے کے مدعی ہیں اور دوسروں کو صحابہ کی مخالفت کا الزام دیتے ہیں!!

فضیلت کوفہ پر ایک مکذوبہ روایت سے مصنف انوار کا استدلال:

مصنف انوار کوفہ اور اہل کوفہ اور ابن مسعود کی فضیلت میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

''کوفہ میں ابن مسعود کے حلقہ درس میں بیک وقت چار چار ہزار طلبا شریک ہوتے تھے، جس وقت حضرت علی کوفہ پہنچے تو ابن مسعود اپنے شاگردوں کو لے کر استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرط مسرت سے کہا: ''ابن مسعود تم نے کوفہ کو علم و فقہ سے مالا مال کر دیا اور یہ شہر تمہاری وجہ سے علم کا مرکز بن گیا۔'' مگر مصنف انوار نے اپنے اس بیان کو خود ہی خلاف تحقیق بھی قرار دیا ہے۔''[5]

---

[1] مسند دارمي (ص: ٣٥) و جامع بیان العلم و کتاب العلم لأبي خیثمة وغیرہ.

[2] کتاب العلم لأبي خیثمة (ص: ١٢٧) و صحیحین و موطأ وغیرہ.

[3] مقدمہ انوار (١/ ١٥٥) بحوالہ موفق (٢/ ٤٠)

[4] مقدمہ انوار (١/ ١٩٤، ١٩٥)

[5] مقدمہ انوار (١/ ٣٧)

اس روایت کا غیر معتبر بلکہ مکذوب ہونا اس طرح ظاہر ہے کہ کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانے سے بہت پہلے حضرت ابن مسعود کوفہ کو خیر باد کہہ چکے تھے اور مدینہ ہی میں آ کر مقیم ہوگئے تھے۔ خلافت عثمانی ہی کے زمانہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوگیا تھا، یعنی حضرت علی کے ورود کوفہ سے پہلے ابن مسعود فوت ہوچکے تھے اسی طرح کی بے شمار مکذوبہ روایات کو صحیح ومعتبر کہہ کر مصنف انوار نے مدح مذہب حنفی و ائمہ احناف میں پیش کیا ہے مگر تعجب ہے کہ اپنی عادت کے خلاف موصوف نے مذکورہ بالا روایت کو خلاف تحقیق کیسے کہہ دیا؟!

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے معلم کوفہ ہونے کی حقیقت:

کوفہ کی آبادکاری ۱۷ھ، ۱۸ھ کے بعد سے اگرچہ کوفہ میں بہت سے صحابہ کسی نہ کسی سلسلے میں گئے تھے، مگر مصنف انوار نے چونکہ ابن مسعود کا تذکرہ زیادہ اہمیت وخصوصیت کے ساتھ کر کے کوفہ میں ابن مسعود کے ورود کو حنفی مذہب کی فضیلت کی دلیل بنایا ہے اس لیے ہم بھی صرف ابن مسعود کے تذکرہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ناظرین کرام کو یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ ابن مسعود ۲۱ھ یعنی اواخر دور فاروقی میں کوفہ گئے اور ابتدائے دور عثمانی تک یعنی چند سال صرف کوفہ میں مقیم رہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ابن مسعود کوفہ کے عہدۂ قضا وشعبہ مالیات سے متعلق تھے، ظاہر ہے کہ ان کی مشغولیات بھی انھیں امور سے متعلق زیادہ ہوں گی، ان چند سالوں میں کوفہ کے اندر ابن مسعود کا طریق تعلیم و تدریس کیا رہا اس کی تفصیل نا معلوم ہے۔ مگر مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ کوفہ جانے والے صحابہ کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وصیت کر دی تھی کہ وہاں تم لوگ احادیث نبویہ بیان کرنے سے احتراز کرنا۔ اس لیے مصنف انوار کو بہر حال یہ ماننا ہوگا کہ کوفہ جانے والے صحابہ خصوصاً ابن مسعود کوفہ میں احادیث نبویہ کی تعلیم نہیں دیتے تھے، اور بعض مرسل روایات سے ثابت ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود اور ان کے بعض ساتھیوں کو احادیث نبویہ بیان کرنے سے روک دیا تھا۔[1]

مصنف انوار کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہے، لہٰذا انھیں ماننا چاہیے کہ ابن مسعود کوفہ میں علم حدیث کی تعلیم نہیں دیتے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ اسلاف کے نزدیک اصل علم ''حدیث نبوی'' ہی ہے، اسی پر قرآنی علوم کے سمجھنے کا بھی مدار ہے، بلکہ حدیث نبوی قرآن مجید کی شرح وتبیین ہے، اور جب کوفہ جانے والے صحابہ کو بدعویٰ احناف حدیث نبوی کی تعلیم دینے سے منع کر دیا گیا تھا تو انھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دعویٰ کریں کہ صحابہ کوفہ میں احادیث نبویہ کی تعلیم دیتے تھے۔

البتہ ہمارے نزدیک تمام صحابہ جہاں کہیں جاتے تھے، اپنی طاقت بھر علوم نبویہ کی اشاعت کی کوشش کرتے تھے، البتہ اصحاب الرائے خواہ کوفہ کے ہوں یا کسی اور جگہ کے علوم حدیث سیکھنے سے محروم ہی رہتے تھے، کیونکہ بقول فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اصحاب الرای حفظ وضبط اور احادیث نبویہ کی روایت سے محروم و عاجز ہونے کے سبب رائے و قیاس کے متبع تھے، ہم بتلا چکے ہیں کہ ایک مسئلہ کے حل کرنے میں ابن مسعود کو ایک ماہ لگ گئے تھے، جس کے بارے میں انھیں حدیث نبوی معلوم نہ تھی، حالانکہ اس کا تعلق واقع شدہ امور سے تھا، پھر امام ابوحنیفہ کے حل کردہ ساڑھے بارہ لاکھ فقہی مسائل میراث ابن مسعود کیسے ہوں گے جن کی خاصی مقدار غیر واقع شدہ مسائل پر مشتمل ہے؟

[1] ابن سعد (۲/ ۳۳۶ وغیرہ)

ابن مسعود کے شاگرد خاص علقمہ بن قیس فقیہ عراقی (متوفی ۶۱ھ،۶۲ھ) کا ذکر خیر:

مصنف انوار نے اگرچہ علقمہ کو ابن مسعود کا جانشین قرار دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ وفات ابن مسعود کے بعد وہی مسند ابن مسعود پر متمکن ہوئے، مگر ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ وفات ابن مسعود کے بعد لوگوں نے علقمہ سے کہا کہ آپ ان کی جگہ پر درس و تدریس کا کام کیجئے، تو علقمہ نے جواب دیا کہ "أتريدون أن يؤطا عقبي"[1]

یعنی موصوف نے مسند ابن مسعود پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ مگر نامعلوم کیوں مصنف انوار کی نظر اس روایت پر نہیں پڑتی؟!

اوپر یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ ابن مسعود کی زیادہ تر تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کا محور و مرکز مدینہ منورہ تھا، البتہ وہ کچھ دنوں تک کوفہ بھی رہے، کوفہ میں ان کے کچھ تلامذہ ضرور تھے، مگر علقمہ کو ان کا خصوصی شاگرد کہا جاتا ہے، اس بناء پر مصنف انوار نے مذہب حنفی کا جو علمی نسب نامہ ابن مسعود تک بیان کیا ہے اس میں علقمہ کو ابن مسعود کا جانشین اور شاگرد خصوصی قرار دے کر ان نقول کو جن میں کہا گیا ہے کہ علقمہ ابن مسعود کے نمونہ تھے، بشوق و ذوق نقل کیا ہے۔ نیز یہ دعویٰ کیا ہے کہ علوم علقمہ کے وارث و جانشین نخعی اور نخعی کے حماد اور حماد کے جانشین امام ابوحنیفہ تھے، مگر ہم بتلا چکے ہیں کہ حماد امام نخعی کے طور و طریق سے منحرف ہوگئے تھے، لہٰذا حماد کو جانشین نخعی کہنا درست نہیں ہے اور جب حماد کو جانشین نخعی کہنا درست نہیں تو مذہب حنفی کو نخعی و علقمہ کے توسط سے ابن مسعود کی میراث بھی قرار دینا درست نہیں۔ مگر مصنف انوار نے اپنے اس دعویٰ کو مختلف جگہ دھرایا ہے کہ حنفی مذہب بواسطہ حماد عن ابراہیم عن علقمہ حضرت ابن مسعود کی میراث ہے۔[2]

ایک جگہ مصنف انوار رقمطراز ہیں کہ "فقہ کا کھیت ابن مسعود نے بویا، علقمہ نے سینچا، ابراہیم نے کاٹا، حماد نے بانٹا، ابو حنیفہ نے پیسا، ابو یوسف نے گوندھا، محمد نے پکایا اور سب نے کھا۔"[3]

مگر ناظرین کرام پر مصنف انوار کے اس دعویٰ کی حقیقت واضح ہوچکی ہے، کیونکہ لوگوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ حماد مذہب نخعی پر قائم نہیں رہے تھے، بلکہ اس سے منحرف ہو کر مذہب مرجی کے پیروکار اور پابند ہوگئے تھے۔ حضرت علقمہ ایمان میں کمی و بیشی کے قائل تھے حتی کہ تعلیم و تعلم کو بھی زیادتی ایمان کا باعث قرار دیتے تھے، ابراہیم نخعی نے کہا:

"ان علقمة قال لأصحابه: امشوابنا نزد؟ إيمانا يعني يتفقهون."[4]

یعنی علقمہ نے اپنے اصحاب سے کہا: آؤ! ذرا ہم لوگ اپنے ایمان کو بڑھانے کا سامان کریں۔ چنانچہ ان لوگوں نے فقہ کی تعلیم و تعلم شروع کیا۔

علقمہ سے کسی نے پوچھا آپ مومن ہیں تو موصوف نے جواب دیا کہ: "أرجو"[5]

مگر اس طرح کا جواب احناف کے نزدیک ایمان کے مشکوک ہونے کی علامت ہے، یعنی حنفی مذہب میں علقمہ کا ایمان مشکوک تھا، پھر نہ جانے کس طرح مصنف انوار نے علقمہ کو حنفی مذہب کے مورثین میں شمار کر لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے

---

[1] طبقات ابن سعد (٦/ ٦٠ وغیرہ)　[2] ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (٣٨، ٣٩، ٦٨، ٦٩، ١٥٣، ١٥٤ وغیرہ)

[3] مقدمہ انوار (١/ ١٥٣، ١٥٤)　[4] حلية الأولياء (٢/ ٩٩ وغیرہ)

[5] طبقات ابن سعد (٦/ ٥٨) و حلية الأولياء (٢/ ١٠٠)

کہ علقمہ ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ رکھتے تھے، مگر حنفی مذہب اسلام کے اس بنیادی عقیدہ کے خلاف ایمان میں کمی بیشی کا منکر ہے اور نہ صرف یہ کہ منکر ہے، بلکہ اس عقیدہ کو معیوب اور تفقہ کے خلاف سمجھتا ہے، حتی کہ مصنف انوار کے استاذ کوثری اسے خوارج وغیرہ جیسے فرق باطلہ کا عقیدہ قرار دیتے ہیں۔ (کما سیأتي)

علقمہ نے ابن مسعود سے نقل کیا کہ: "الصبر نصف الإیمان، والیقین کله"[1]

یعنی صبر نصف ایمان ہے۔ مگر حنفی مذہب ابن مسعود کی علمی میراث کا مدعی ہونے کے باوجود ابن مسعود اور علقمہ کے ان فرامین کا مخالف ہے، اور ناظرین کرام کو معلوم ہے کہ ایمان میں کمی بیشی کا انکار مرجیہ کی خاص الخاص علامت ہے۔

مدحِ علقمہ کی آڑ میں مصنف انوار نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص کی:

مصنف انوار نے ایک مکذوبہ روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا:

''قابوس نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ فرمایا: بات یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ خود صحابہ ان کے پاس تحقیق مسائل کے لیے آتے تھے۔''[2]

اس روایت میں ایک غیر صحابی کے بالمقابل صحابہ کرام کو علمی اعتبار سے کمتر بتلانے کی سعی کی گئی ہے۔ اگر دوسری صدی کے کسی محدث کو امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم مذہب حضرات سے زیادہ صاحب علم وفضل کہا جائے تو مصنف انوار اسے گوارہ کرنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا علم صحابہ وتابعین کے علوم سے زیادہ نفع بخش ہے۔ (کما سیأتي) لیکن علقمہ کے بارے میں مصنف انوار کی نقل کردہ روایت (جسے مصنف انوار نے صحیح ومعتبر کہہ کر تحقیق کے نام پر تحریر کیا ہے) کی سند کا حال یہ ہے کہ اسے قابوس نے اپنے باپ ظبیان سے روایت کیا ہے۔[3]

اور قابوس کی بابت امام ابن حبان نے بتلایا ہے کہ "تفرد عن أبیه بما لا أصل له." یعنی موصوف اپنے باپ سے بے اصل باتیں روایت کرنے میں منفرد ہوا کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں قابوس کو ابن معین، ابن ابی حاتم، نسائی، ابن سعد، احمد بن حنبل اور دارقطنی وغیرہ نے ضعیف وغیر ثقہ کہا ہے۔[4] نیز اس کی سند میں محمد بن عثمان بن ابی شیبہ بھی ہیں۔[5] مصنف انوار کے استاذ کوثری نے غیر معتبر بلکہ کذاب کہا ہے۔[6] حالانکہ موصوف ثقہ ہیں۔[7]

ہر صاحب انصاف سوچ سکتا ہے کہ علقمہ کے مقابلے میں باعتبار علم وفضل صحابہ کو کمتر بتلانے کے لیے ایک مکذوبہ روایت کو دلیل وحجت بنا کر مصنف انوار نے کتنی دیانتداری سے کام لیا ہے۔ علقمہ کے استاذ مسروق کا بیان ہے:

''ہم نے صحابہ کرام سے جب بھی کوئی علمی بات دریافت کی تو ان کے علم کو اپنے علم سے کہیں زیادہ پایا، ہمارا علم صحابہ سے کمتر وقاصر ہے۔''[8]

---

[1] أخرجه الطبراني بسند صحیح و عمدة القاري حاشیة صحیح بخاري مولانا أحمد علي سهارنپوري (١/ ٦)

[2] مقدمه انوار (١/ ٤٣)

[3] ملاحظہ ہو: کتاب العلم لأبي خیثمة (ص: ١٢٢ وغیره)

[4] کتاب الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم (٣/ ١٤٥ قسم ثاني) تهذیب التهذیب (٧/ ٣٠٦) میزان الاعتدال (٣/ ٣٣٧ وغیره)

[5] حلیة الأولیاء (٢/ ٩٨ ترجمة علقمة)

[6] تانیب (ص: ١٤٧ و ١٦٨)

[7] التنکیل (١/ ٤٦٠، ٤٦١)

[8] کتاب العلم لأبي خیثمة (ص: ١٢٠)

امام ابوحنیفہ سے مروی ہے:

"مقام أحدهم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ساعة واحدة خير من عمل أحدنا جميع عمره وإن طال."❶

یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی بھی صحابی کا تھوڑا وقت گزارنا بھی ہماری طویل تر مدت زندگی سے کہیں بہتر ہے۔

امام صاحب سے مروی اس روایت کی روشنی میں بھی مصنف انوار کی نقل کردہ مندرجہ بالا مکذوبہ روایت دیکھنی چاہیے۔ علقمہ کا ایک بہترین صاحب علم وفضل ہونا مسلم ہے، مگر مصنف انوار کا یہ احساس کہ تابعین میں علقمہ سے زیادہ قرآن وحدیث کا عالم کوئی نہیں تھا۔❷ ان کے اس نظریہ پر قائم ہے کہ علقمہ حنفی مذہب کے علمی نسب نامہ کے ایک بنیادی فرد تھے، حالانکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ مصنف انوار کا یہ نظریہ خلاف واقع ہونے کے ساتھ روح اسلامی کے منافی بھی ہے۔

سب سے افضل تابعی کی بحث:

نیز از روئے تحقیق تابعین میں مدینہ منورہ کے امام وقت حضرت سعید بن المسیب کا مقام علم وفضل میں علقمہ سے کہیں بڑھا ہوا ہے، نیز بفرمان نبوی حضرت اویس قرنی خیر التابعین ہیں۔❸ اویس قرنی یمن کے اصل باشندے تھے اور چند دنوں کے لیے کوفہ آئے تھے، باختلاف روایت آذر بائیجان یا مکہ مکرمہ یا صفین یا حیرہ میں فوت ہوئے۔❹ مگر ان سے درس و تدریس کا سلسلہ جاری نہیں ہوسکا، ان سے سلسلہ درس و تدریس جاری کرنے کی درخواست کی گئی تو انھوں نے کہا:

"لست أحب أن أفتح هذا الباب على نفسي، ولا أحب أن أكون قاضياً ومفتياً." الخ❺

یعنی میں نہ تو اپنے اوپر درس و تدریس کا دروازہ کھولنا چاہتا ہوں اور نہ قاضی و مفتی بننا چاہتا ہوں۔

امام بخاری نے فرمایا کہ ان تک کوئی روایت نظر سے خالی نہیں۔❻ البتہ جن تابعین سے سلسلہ علم وفن جاری ہوا، ان میں سعید بن المسیب کا نام سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، امام ابوحنیفہ کے قابل فخر اساتذہ میں سے قتادہ، زہری، مکحول اور اوزاعی وغیرہ نے کہا:

"ما رأينا أحدا أعلم من سعيد بن المسيب." ''ہم نے سعید سے زیادہ عالم کسی کو نہیں دیکھا۔''

حتی کہ امام ابوحنیفہ کے جلیل القدر استاذ امام حسن بصری مسائل مشکلہ میں انھیں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔❼ امام علقمہ صرف علوم ابن مسعود کے خصوصی ماہر تھے، مگر امام سعید بن المسیب خلفائے راشدین و اکابر صحابہ و امہات المؤمنین کے علوم پر پوری دسترس رکھتے تھے، خود ابن المسیب بھی بات فرماتے تھے اور اہل علم ان کی اس بات کی تصدیق کرتے تھے۔❽ امام ابوحنیفہ کے اساتذہ کے استاذ میمون بن مہران نے کہا کہ سب سے بڑے فقیہ سعید بن المسیب ہیں، خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کوئی

---

❶ موفق (١/ ٨٤)　❷ مقدمہ انوار (١/ ٣٨)　❸ صحيح مسلم، و تدريب الراوي (ص: ٤٢٢)

❹ لسان الميزان و حلية الأولياء وغيره.　❺ حلية الأولياء (٢/ ٨٥)

❻ تعقيب التقريب.　❼ ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ (١/ ٤٦، ٤٧) و حلية الأولياء (١/ ١٦٣) و تهذيب التهذيب.

❽ طبقات ابن سعد (٥/ ٨٩، ٩٠، قسم اول)

فیصلہ سعید بن المسیب کے مشورے کے بغیر نہیں کرتے تھے، حجاج بن یوسف جیسا ظالم روزگار اور سنگ دل شخص بھی امام ابن المسیب کی توجہ سے اچھے طریقہ پر نماز پڑھنے لگا۔ ❶

عبدالملک جیسے باجبروت خلیفہ نے ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو انھوں نے کہلا دیا کہ مجھے خلیفہ سے ملاقات کرنے کی حاجت نہیں، خلیفہ ان کے پاس سرکاری آدمی بھیجتا تو اسے ہدایت کر دیتا کہ اگر وہ سوتے ملیں تو مت جگانا، خلیفہ ان کی تعریف و توصیف ہی کرتا، حالانکہ امام موصوف اس پر سخت تنقید بھی کرتے رہتے، موصوف ہمیشہ روز رکھتے تھے اور ہمہ وقت باوضو رہا کرتے تھے۔ ❷

اس کے باوجود بہر حال ہمارا عقیدہ ہے کہ "المجتهد يصيب ويخطئ" غیر نبی خواہ کوئی ہو اس کی نہ تو تقلید ہوسکتی ہے اور نہ خلاف نصوص اس کے کسی قول و فعل کو حجت بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس مصنف انوار کا دعویٰ اگرچہ یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال حجت ہیں، مگر اس کی مخالفت کرنے میں مصنف انوار سب سے آگے ہیں، اس کا اندازہ ناظرین کرام کو گزشتہ صفحات کے مباحث سے ہوگیا ہوگا اور تحقیقی تفصیل آگے بھی آئے گی۔

امام ابن المسیب عظیم المرتبت رضوانی صحابی مسیّب بن حزن کے قابل فخر بیٹے اور تربیت یافتہ تھے، ان کے دادا حزن بن ابی وہب بھی جلیل القدر صحابی تھے اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ ❸ اور یہ معلوم ہے کہ امام سعید بن مسیّب کو خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، امہات المؤمنین اور کبار صحابہ کی شاگردی کی سعادت و شرف حاصل ہے، موصوف صرف ایک حدیث کے لیے کئی کئی راتوں کا سفر کرتے تھے۔ (ابن سعد) یہ چیز مدینہ کے اس عالم دین کی علمی فضیلت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ (كما لا يخفىٰ)

طریق علقمہ پر امام ابوحنیفہ عامل نہیں تھے:

مصنف انوار مدعی ہیں کہ "علقمہ سے کتب حدیث میں ہزاروں احادیث مروی ہیں۔" ❹

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام علقمہ احادیث نبویہ کی بکثرت تحدیث و روایت کرتے اور اسے خلاف احتیاط و تورع نہیں سمجھتے تھے، مگر بدعوائے مصنف انوار امام ابوحنیفہ کے علمی خاندان والے یعنی ابن مسعود، علقمہ، ابراہیم اور حماد روایت حدیث میں سخت محتاط و متشدد ہونے کے باعث قلیل الروایۃ تھے۔ ❺

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کا یہ دعویٰ ان کے اس دعویٰ کے معارض و مخالف ہے کہ علقمہ ہزاروں احادیث کے راوی ہیں، کیا ہزاروں احادیث کے راوی کو قلیل الروایۃ کہنا صحیح ہے؟ اس طرح ابن مسعود بھی ساڑھے آٹھ سو احادیث کے راوی ہیں، جس کا مقتضی ہے کہ وہ بھی کثیر الروایۃ تھے اور حماد بھی کثیر الروایۃ ہی تھے۔ ❻ پھر ان حضرات کو مصنف انوار کا قلیل الروایۃ کہنا کیا معنی رکھتا ہے، لطف یہ کہ ان سارے حضرات کے وارث امام ابوحنیفہ اپنے ان تمام مورثین کے طریق کے خلاف بدعویٰ مصنف

---

❶ طبقات ابن سعد (٥/ ٩٥) ❷ طبقات ابن سعید (١/ ٩٥، ٩٦، قسم اول) و حلية الأولياء (٢/ ١٦٢، ١٦٣)

❸ معرفة علوم الحديث للحاكم (ص: ٣٢، ٣٣) تذكرة الحفاظ (ص: ٤٦، ٤٧) حلية الأولياء (٢/ ١٦١ تا ١٧٥) طبقات ابن سعد وغیرہ)

❹ مقدمہ انوار (١/ ٣٨) ❺ مقدمہ انوار (١/ ١٩، ٣٠ وغیرہ) ❻ طبقات ابن سعد و میزان الاعتدال.

انوار شدت احتیاط وتورع کے باعث حدیثوں کی تحدیث و روایت نہیں کرتے تھے۔[1]

حضرت علقمہ تاکیداً فرماتے تھے کہ "تذاکروا الحدیث فإن حیاته ذکر."[2]

مگر امام ابوحنیفہ کو احادیث کے مذاکرہ سے دلچسپی نہیں تھی، بلکہ انھیں مذاکرہ حدیث کے بجائے غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل کو حل کرنے سے دلچسپی تھی، حالانکہ صحابہ اس سے روکتے اور مذاکرہ حدیث کا حکم دیتے تھے، حتی کہ علقمہ و ابن مسعود بھی اس کی تاکید کرتے تھے، مگر امام صاحب ان کے وارث ہونے کے باوجود مذاکرہ حدیث کے بجائے فقہ اصحاب الرای سے اشتغال رکھتے تھے۔ مصنف انوار نے علقمہ کے مسند علم کا جانشین ابراہیم نخعی کو قرار دیا ہے، اب ہم ابراہیم نخعی کے متعلق مفصل گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

ابراہیم نخعی (مولود ۵۰ھ ومتوفی ۹۶ھ):

مصنف انوار نے تصریح کی ہے کہ علقمہ کی وفات ۶۲ھ میں اور ابراہیم نخعی کی ولادت ۵۰ھ میں ہوئی اور وفات علقمہ کے بعد نخعی ہی مسند علقمہ کے جانشین ہوئے۔[3]

مصنف انوار کے اس بیان کے مطابق وفات علقمہ کے وقت نخعی کی عمر بارہ سال تھی اور ناظرین کرام جانتے ہیں کہ کسی بارہ سالہ لڑکے کا درسگاہ علقمہ (یعنی جانشین ابن مسعود) کا جانشین و وارث ہونا ناممکن ہے، مگر مصنف انوار کے نزدیک تحقیقی و علمی خدمت کے نام پر سب کچھ جائز و درست ہے۔

امام ابراہیم نخعی کا سال ولادت:

مشہور و معروف قول اور روایات صحیحہ کے مطابق وفات علقمہ ۶۱، ۶۲ھ میں ہوئی، یہ دونوں قول فضل بن دکین ابونعیم سے منقول ہیں، جو اخبار الناس، تواریخ اور انساب و رجال کے ماہر ترین امام تھے، ابن معین نے کہا ہے کہ وفات علقمہ ۶۲ھ میں ہوئی۔[4] ابن حبان کا قول ہے کہ ولادت نخعی ۵۰ھ میں ہوئی اور ابن سعد نے کہا:

"أجمعوا على أنه توفي ۹۶ھ وهو ابن تسع وأربعين سنة لم يستكمل الخمسين."

یعنی اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ نخعی کی وفات ۹۶ھ میں بعمر ۴۹ سال ہوئی، وہ پچاس تک نہیں پہنچے تھے۔

اور موصوف امام ابراہیم نخعی کے ایک نواسے نے کہا کہ حجاج کے چار پانچ ماہ بعد نخعی کا انتقال ہوا۔[5] اس اعتبار سے موصوف کی وفات ابتدائے ۹۶ھ میں اور ولادت ۴۷ھ میں ہوئی۔

دریں صورت وفات علقمہ کے وقت موصوف کی عمر چودہ سال تھی، موصوف کا اس عمر میں بھی درسگاہ علقمہ کا جانشین ہونا مستبعد ہے، امام اعمش (سلیمان بن مہران استاذ ابی حنیفہ مولود ۵۹، ۶۱ھ) کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شقیق (متوفی ۸۲ھ) کی زندگی میں نخعی کو کوئی بھی علمی اہمیت حاصل نہیں تھی۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰)
[2] حلیة الأولیاء (۲/ ۱۰۱)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۳۸، ۳۹)
[4] تهذیب التهذیب (۸/ ۲۷۸) و طبقات ابن سعد (۶/ ۲۶ وغیرہ)
[5] طبقات ابن سعد.

"كنا نأتي شقيقا ونأتي ذا و ذا ولا نرىٰ أن عند إبراهيم شيئاً."[1]

یعنی ہم حصول علم کے لیے درسگاہِ شقیق اور فلاں فلاں کی تعلیم گاہوں میں جاتے تھے اور ابراہیم نخعی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی ان کی درسگاہ میں تحصیل علم کے لیے نہیں جاتے تھے۔

اگر نخعی درسگاہ علقمہ کے جانشین وفات علقمہ یعنی ۶۱،۶۲ھ کے بعد ہی فوراً ہوگئے ہوتے تو ۵۹ھ یا ۶۱ھ میں پیدا ہونے والے امام اعمش اور ان کے اصحاب نخعی کی بابت مذکورہ بالا بات ہرگز نہ کہتے، کیونکہ درسگاہ علقمہ کا جانشین ہرگز اس طرح کا آدمی نہیں ہوسکتا ہے جس کے متعلق اعمش یہ کہنے کی جرأت کرتے کہ ہم سمجھتے تھے کہ ان کے پاس کوئی خاص علم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ امام اعمش کم از کم گیارہ بارہ سال کی عمر میں پڑھنے کے لیے جانے لگے ہوں گے، یعنی ۷۱،۷۲ھ کے بعد بھی نخعی کا ایک شہرت یافتہ استاذ کی حیثیت سے طلباءِ علم میں معروف نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ وفات علقمہ کے بعد یعنی ۶۱ھ، ۶۲ھ، کے بعد جانشین علقمہ کی حیثیت سے مشہور نہیں ہوئے تھے۔

عن أبي إسحاق الشيباني قال: خرجت إلى خراسان، وما يذكر إبراهيم، ورجعت وقد أفتى ومات."[2]

خود نخعی کا ارشاد ہے:

"عليك بشقيق فإني أدركت الناس وهم متوافرون وأنهم ليعدونه من خيارهم."[3]

یعنی تم شقیق کی صحبت لازم پکڑو، کیونکہ میں نے اہل علم کو دیکھا کہ وہ انھیں بہترین اساتذہ وشیوخ میں شمار کرتے تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جانشین علقمہ کی حیثیت سے نخعی کی کوئی خاص اہمیت اہل علم کے درمیان نہیں تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وفات علقمہ کے فوراً بعد علقمہ کے جانشین کی حیثیت سے نخعی کا مسند علقمہ پر رونق افروز ہونا ناممکنات میں سے ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نخعی کا سال ولادت متعین کرنے میں مصنف انوار نے جمہور اہل علم کے اجماع اور مشہور اور معروف قول سے انحراف کیا ہے، معلوم نہیں کیوں مشہور اقوال کی مخالفت کو مصنف انوار نے اپنا شیوہ وشعار بنا رکھا ہے؟!

تاریخ صغیر للبخاری (ص:۱۰) اور طبقات ابن سعد (۶/ ۱۹۵) میں ہے کہ حماد نے کہا حجاج کے مرنے کی بشارت میں نے نخعی کو دی تو وہ سجدہ شکر میں چلے گئے۔ تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ حیدر آباد میں حماد کی یہ روایت بواسطہ ابو حنیفہ بحذف ذکر حماد کاتب کی غلطی سے نقل ہوگئی ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے ورنہ غلطی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔

کیا نخعی چند صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے؟

مصنف انوار مدعی ہیں کہ ابراہیم نخعی چند صحابہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔[4] اس سلسلے میں ایک بات ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ امام ابن المدینی نے فرمایا:

"لم يلق النخعي أحدا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم."[5]

---

[1] ابن سعد (٦/ ١٨٩)　[2] فسوي (٢/ ٦٤٠)　[3] تهذيب التهذيب (٤/ ٣٦٢)

[4] مقدمه انوار (١/ ٣٨)　[5] تهذيب التهذيب (١/ ٧٨)

یعنی ابراہیم نخعی کسی ایک صحابی سے بھی نہیں مل سکے۔

نیز موصوف امام ابن المدینی نے کہا کہ عائشہ سے ابراہیم کے لقا کی بات ابومعشر نے کہی جو ضعیف ہیں، معلوم ہوا کہ عائشہ و دیگر صحابہ سے لقاءِ ابراہیم کا دعویٰ غیر صحیح ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ نخعی نے دو ایک صحابی کو دیکھا ضرور ہے، حافظ ابن حجر نے نخعی کو طبقہ خامسہ میں شمار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف صرف دو ایک صحابی کو دیکھ سکے ہیں کسی سے ملاقات و روایت نہیں کر سکے۔ اور ناظرین جانتے ہیں کہ دیکھنے اور ملاقات و روایت کرنے میں فرق عظیم ہے، الحاصل بلا شک نخعی سے کسی بھی صحابی سے مروی کوئی روایت معتبر نہیں۔

مصنف انوار نے کہا:

''نخعی فن حدیث کے امام ہیں انھیں اس طرح کمال وتبحر حاصل تھا کہ ''صیرفي الحدیث ''کے خطاب سے مشہور تھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ نخعی بلا شک ائمہ حدیث میں سے باکمال و متبحر تھے مگر ان کے ''صیر في الحدیث'' ہونے کی بات اعمش استاذ ابی حنیفہ سے مروی ہے اور انھیں سے یہ بھی مروی ہے:

''كنا نأتي شقيقا ونأتي ذا و ذا ولا نرى أن عند إبراهيم شيئاً.''[1]

یعنی ہم تحقیق مسائل کے لیے امام شقیق وغیرہ کے پاس جاتے تھے، مگر یہ سمجھتے تھے کہ ابراہیم کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شقیق کی بہ نسبت نخعی کو علمی شہرت حاصل نہیں تھی اور یہ بھی معلوم ہے کہ حماد طریق نخعی پر قائم نہیں رہ گئے تھے اور حماد ہی کے توسط سے حنفی مذہب کو میراث نخعی کہا جاتا ہے، لہٰذا نخعی کی فضیلت و مدح کے ذریعہ حنفی مذہب کی فضیلت و مدح وعظمت ثابت نہیں ہوسکتی۔

مصنف انوار نے کہا ہے کہ ''نخعی کے علمی عظمت وجلال کا رعب سلاطین جیسا تھا۔'' الخ[2]

ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نخعی کا رعب سلاطین جیسا تھا۔[3] اور اس وجہ سے ان کے منع کر دینے کے سبب مرجیہ اور دیگر بدعتی فرقے کے لوگ نخعی کی درسگاہ و خدمت میں حاضری دینے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، البتہ ان کی وفات کے بعد حماد کو بھی مرجی بننے کی ہمت ہوگئی، حتی کہ مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ وغیرہ نے چالیس ہزار درہم دے کر انھیں مرجی جماعت کا سرپرست و سردار بھی بنا لیا۔

مصنف انور نے کہا ہے کہ ''نخعی شہرت سے بہت بچتے تھے، درس میں بھی ممتاز جگہ نہ بیٹھتے تھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ اہل علم وفضل کی یہی شان ہوتی ہے، مگر کتب احناف میں مذکور ہے کہ امام ابو یوسف وغیرہ جیسے فقہاءِ احناف باکمال ہونے سے پہلے ہی ریاست و سیادت کی تلاش میں اپنے اساتذہ کو چھوڑ کر علیحدہ درس گاہ قائم کر کے مدرس بن گئے، بلفظ دیگر یہ حضرات طالبِ شہرت ہوئے اور بعد میں انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور حماد کوفہ کے بچوں کے بچوں کو بھی

---

[1] ابن سعد (٦/ ١٨٩) [2] مقدمہ انوار (١/ ٣٩)

[3] فسوي (٢/ ٦٠٤) و طبقات ابن سعد (٦/ ١٧٢) و الجامع الخلاق الراوي (١/ ٣١)

امام ابوحنیفہ کے اساتذہ سے فائق سمجھتے تھے، پھر تو وہ اپنے کو اساتذہ ابی حنیفہ سے کہیں زیادہ بلند و بالا سمجھتے ہوں گے، گویا حماد اور فقہاء احناف اس معاملے میں بھی امام نخعی کے طریق پر نہیں تھے۔

مصنف انوار نے خلاصۃ التذہیب کے حاشیہ سے بحوالہ ابن شعیب نقل کیا:

''بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام میں ابراہیم سے زیادہ کوئی عالم نہیں تھا، ابن سیرین وحسن بصری بھی علم میں ان سے زیادہ نہ تھے۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ نخعی ایک بڑے عالم ضرور تھے، مگر ابن شعیب (ابوبکر عبداللہ بن شعیب) کی روایت غیر صحیح ہے، کیونکہ ابن شعیب ضعیف وغیر معتبر راوی ہیں۔[2] نیز اسی سند میں محمد بن عثمان، ابن ابی شیبہ بھی ہیں، ان کو استاذ مصنف انوار کوثری نے ساقط الاعتبار کہا ہے۔[3]

حالانکہ موصوف ثقہ ہیں (التنکیل) نیز اس روایت میں کہا گیا ہے کہ ابراہیم کا انتقال زمانہ حجاج میں یعنی رمضان ۹۵ھ سے پہلے ہوا، حالانکہ یہ بات خلاف تحقیق ہے، خود امام ابوحنیفہ نے کہا کہ حماد نے ابراہیم کو موت حجاج کی خبر دی تھی اور وہ سجدہ شکر میں خوشی سے گر گئے تھے، معلوم ہوا کہ ابن شعیب کا قول روایتاً و درایتاً غیر صحیح ہے اور ناظرین کو معلوم ہے کہ اعمش نے کہا کہ "ولا نری أن عند إبراهيم شيئاً" یعنی ہم نخعی کو علمی اعتبار سے کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ دریں صورت نخعی کو حجاز و کوفہ و شام کا مطلقاً سب سے بڑا عالم قرار دینا حتی کہ ابن سیرین وحسن بصری سے بھی صرف اس اعتبار سے صحیح کہا جا سکتا ہے کہ اس قول کے قائل کے نزدیک وہ اسی قسم کے عالم تھے۔ اس قسم کے اقوال عموماً بالکل اعتباری ہوتے ہیں، کسی کے اعتبار سے کوئی زیادہ عالم ہوتا ہے اور کسی دوسرے کے اعتبار سے کوئی اور، بہر حال نخعی کا علم و فضل مسلم ہے، البتہ از روئے تحقیق امام ابن سیرین وحسن بصری کا علم و فضل نخعی سے کہیں بلند و بالا ہے، اس کا اندازہ ان حضرات کے تراجم کو کتب رجال میں دیکھ کر کیا جا سکتا ہے۔

مصنف انور نے کہا:

''نخعی کے انتقال پر علامہ شعبی نے کہا: انھوں نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے زیادہ عالم نہیں چھوڑا، کوفہ میں بعہدہ افتاء ممتاز تھے اور حضرت علقمہ کے افضل ترین شاگرد تھے، ان کی جگہ بھی مسند علم پر بیٹھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ بدعویٰ مصنف انوار وفات علقمہ کے وقت نخعی کی عمر بارہ سال تھی، پھر وہ کس طرح علقمہ کے بعد ان کے مسند درس پر بیٹھے؟ البتہ شعبی کی جو یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ نخعی نے کسی کو اپنے سے بڑا عالم نہیں چھوڑا تو شعبی کی طرف اس قول کی نسبت صحیح ماننے کی صورت میں عرض ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نخعی شعبی سے بھی بڑے عالم تھے، کیونکہ اس قسم کی باتیں بعض اعتبار سے کہی جاتی ہیں اور شعبی متواضع بھی بہت تھے۔ امام نخعی اس اعتبار سے اپنے معاصرین میں ضرور فائق تھے کہ وہ بدعتی لوگوں خصوصاً مرجیہ پر دوسروں کی بہ نسبت بہت زیادہ سخت گیر تھے اور ان کے شاہانہ رعب و جلال کی بدولت مرجیہ کو ان کی زندگی میں سر اٹھانے کا موقعہ نہیں مل سکا تھا، ان کی وفات کے بعد مرجیہ اتنے جری ہوگئے کہ حماد جیسے لوگوں کو

---

[1] مقدمہ انور (۱/ ۳۹)　[2] حلية الأولياء (٤/ ٢٢٠) و ميزان الاعتدال (٣/ ٣٤٦، ٣٤٨)

[3] تأنيب (ص: ١٤٧ و ١٦٨)

بھی انھوں نے مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق چالیس ہزار درہم کے بدلے مرجی بنا لیا۔

مصنف انوار نے شعبی کے بارے میں خود فرمایا ہے:

''عاصم کہتے ہیں کہ کوفہ، بصرہ، حجاز (روایت میں تمام آفاق کا بھی ذکر ہے) میں شعبی سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ خود شعبی فرماتے تھے کہ میں نے بیس سال سے کوئی روایت کسی محدث سے ایسی نہیں سنی جو مجھے نہ معلوم ہو۔ ابن عمر نے کہا کہ شعبی مجھ سے اور تمام محدثین سے بھی زیادہ علم مغازی جانتے ہیں۔ ان کے درس میں صحابہ بھی شریک ہوتے تھے۔ ابومجلز نے کہا کہ شعبی ابن المسیب، عطاء، حسن بصری، ابن سیرین سے بھی زیادہ فقیہ تھے، ابن عیینہ وابواسحاق نے کہا شعبی اپنے زمانہ میں بے مثل و بے نظیر تھے۔''[1]

مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان میں مذکورہ بعض روایات غیر معتبر ہیں جن کی تفصیل آ رہی ہے، مگر اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ شعبی نخعی وغیرہ سے زیادہ صاحب علم وفضل تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تمام چیزیں مختلف اشخاص کے اپنے خیال و اعتبار کے مطابق ہوتی ہیں، البتہ اس میں شک نہیں کہ تحقیقی موازنہ سے نخعی کے مقابلہ میں شعبی کا مقام و مرتبہ کہیں بلند و برتر ہے۔ امام ابوحنیفہ کے استاذ اعمش کا بیان ہے کہ نخعی رات میں امام شعبی سے پڑھتے تھے اور دن میں مسند درس و افتاء پر بیٹھ کر دوسروں کو پڑھاتے تھے۔[2]

معلوم ہوا کہ امام نخعی استاذ و مدرس بن جانے کے بعد بھی امام شعبی کی خدمت میں برائے استفادہ حاضری دیا کرتے تھے اور ان کی درسگاہ میں رات کو رہ کر دن کے وقت پڑھانے کی تیاری کرتے تھے، بایں ہمہ امام شعبی از راہ تواضع و انکساری کہا کرتے تھے کہ ''ہم فقیہ و عالم نہیں ہیں۔''[3]

صلت بن بہرام نے کہا کہ میں نے شعبی سے زیادہ کسی کو "لا أدري" کہتے نہیں سنا۔ نخعی پر شعبی کی علمی برتری اس طرح ظاہر ہے کہ شعبی اکابر صحابہ میں سے حضرت عائشہ، ابوہریرہ، فاطمہ بنت قیس، مغیرہ بن شعبہ، ابن عباس، ابن عمر، عدی بن حاتم وغیرہ کے تربیت یافتہ شاگرد تھے۔ انھیں خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز نے منصب قضاء بھی تفویض کیا تھا۔ (کتب رجال) جبکہ نخعی کسی بھی صحابی سے مستفید نہیں ہوسکے، ان کی بہت بڑی فضیلت یہی ہے کہ انھوں نے دو ایک صحابی کو آنکھوں سے دیکھ لیا تھا، نخعی کو بعض اہل علم نے مدلس قرار دیا ہے۔[4]

دریں صورت ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ نخعی و شعبی میں علمی اعتبار سے کون بلند ہے اور ابن سیرین و حسن بصری کا مقام و مرتبہ بھی نخعی سے کہیں بلند ہے۔

مصنف انوار نے کہا ہے:

''تہذیب التہذیب میں ابوالمثنیٰ سے نقل ہے کہ علقمہ ابن مسعود کے فضل و کمال اور اعمال کا نمونہ ہیں اور ابراہیم تمام علوم میں علقمہ کا نمونہ ہیں۔''[5]

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۳۹)

[2] تذكرة الحفاظ (۱/ ۷٤ ترجمة شعبي)

[3] تذكرة الحفاظ و حلية الأولياء: ترجمة شعبي.

[4] طبقات المدلسين لابن حجر: المرتبة الثانية (ص: ۸)

[5] مقدمہ انوار (۱/ ۳۹)

ہم کہتے ہیں کہ ابراہیم اگر چہ علقمہ کے اور علقمہ ابن مسعود کے نمونہ تھے، مگر حماد نے ابراہیم وعلقمہ و ابن مسعود کے طور و طریق کو چھوڑ کر مرجی مذہب اختیار کر لیا تھا، اس لیے وہ بہر حال ابراہیم کے نمونہ نہیں تھے اور مدح ابراہیم کے ذریعہ مذہب حنفی کی فضیلت ثابت ہونا مشکل امر ہے۔

امام صاحب کے شاگردِ امام ابراہیم نخعی ہونے پر بحث:

مصنف انوار نے کہا ہے:

''وفات نخعی کے وقت امام ابوحنیفہ کی عمر چھبیس سال تھی اور یہ کہ ابوحنیفہ نے امام نخعی سے بھی روایت کی ہے۔''❶

مصنف انوار کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ ۷۰ھ میں پیدا ہوئے، جس کی حقیقت ہم واضح کر کے بتلا آئے ہیں کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور وفات نخعی کے وقت ان کی عمر سولہ سال تھی، اس لیے بلحاظ عمر وہ درسگاہ نخعی میں ضرور پڑھ سکتے تھے، مگر مصنف انوار ہی کا دعویٰ ہے کہ امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہونے کے باوجود ۱۸۱ھ میں فوت ہونے والے ابویوسف سے ملاقات نہیں کر سکے تھے، حالانکہ اس وقت امام شافعی کی عمر تیس سال سے زیادہ تھی، مگر مصنف انوار کا کہنا ہے کہ دونوں میں ملاقات کا چونکہ ثبوت نہیں اس لیے ملاقات ثابت نہیں۔ مصنف انوار کی اس بات کے مطابق وفات ابراہیم کے وقت سولہ سال کی عمر والے امام ابوحنیفہ کی ملاقات ابراہیم نخعی سے اسی وقت معتبر وصحیح مانی جا سکتی ہے جبکہ اس کا کوئی معتبر ثبوت ہو، مگر دونوں کے مابین ملاقات کا کوئی بھی معتبر ثبوت نہیں، البتہ ملاقات نہ ہونے پر قرائن واضحہ موجود ہیں، وہ یہ کہ ۹۰ھ میں پیدا ہونے والے امام حمزہ بن مغیرہ (متوفی ۱۸۰ھ) کا بیان ہے کہ رمضان کے مہینہ میں امام ابوحنیفہ اپنی والدہ کے ساتھ عمر بن ذر کی مسجد میں نماز تراویح پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے، حالانکہ امام صاحب کا گھر عمر بن ذر کی قیام گاہ سے بہت ہی زیادہ دور تھا۔❷

اور یہ معلوم ہے کہ عمر بن ذر مرجی مذہب کے پیشوا وامام تھے اور امام نخعی مرجیہ سے سلام وکلام کے بھی روادار نہ تھے، نہ ان سے ملنا جلنا جائز سمجھتے تھے اور اپنے تلامذہ ومتعلقین کو بھی ان سے دور رہنے کا حکم دیتے تھے، اس کے باوجود امام صاحب کا اپنی والدہ کے ساتھ دور دراز کا سفر کر کے عمر بن ذر جیسے امام المرجیہ کے یہاں جا کر نماز تراویح پڑھنا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ امام صاحب اپنی والدہ کی متابعت میں عمر بن ذر سے گہری عقیدت و ربط رکھتے تھے، صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب عمر بن ذر سے اتنا گہرا تعلق و ربط رکھنے کی صورت میں امام نخعی سے کسی قسم کا تعلق و ربط نہیں رکھ سکتے تھے، یہ بھی ظاہر ہے کہ وفات نخعی کے وقت عمر امام صاحب کی سولہ سال کے لگ بھگ تھی اور اس وقت تک آدمی عموماً اپنے والدین کے زیر اثر رہتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ والدہ امام صاحب جن ائمہ مرجیہ کی معتقد تھیں، وہ بارگاہ نخعی سے نکال باہر کیے گئے تھے۔ دریں صورت وہ اپنے بیٹے کو کیونکر درسگاہ نخعی میں جا کر پڑھنے کی اجازت دے سکتی تھیں اور امام صاحب جیسا مطیع والدین، والدہ کی مرضی کے خلاف کیونکر درسگاہ نخعی میں پڑھنے جا سکتا تھا؟ الحاصل نخعی سے امام صاحب کا رشتہ تلمذ مستبعد ہے۔

---

❶ مقدمه انوار (۱/ ۳۹)　❷ الانتقاء (ص: ۱۳۹، بسند صحیح)

اہل کوفہ میں تحصیل علم حدیث شروع کرنے کی عمر:

نیز کوفہ کے علمی گھرانوں کا رواج عام تھا کہ جب لڑکے بیس سال کے ہوتے تھے تو انھیں حدیث کی درسگاہوں میں حصول علم کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ ابراہیم نخعی کی درسگاہ درسگاہِ حدیث ہی تھی اور کسی کوفی کو کوفہ کے اس رواج عام کے خلاف کم عمری میں حدیث کا طالب علم جب ہی مانا جا سکتا ہے کہ اس پر دلیل موجود ہو اور اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ امام ابوحنیفہ بیس سال کی عمر سے پہلے علم حدیث حاصل کرنے کے لیے کسی درسگاہ حدیث میں داخل ہوئے بلکہ قرائن وشواہد اس کے خلاف ہی ہیں۔ بہر حال اگر امام صاحب بیس سال کی عمر میں علم حدیث حاصل کرنے کے لیے کمر بستہ ہوئے ہوں، یعنی ۱۰۰ھ میں تو ظاہر ہے کہ اس وقت نخعی کو انتقال کیے ہوئے تقریباً پانچ سال ہو چکے تھے، امام نخعی سے ان کے تلمذ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ موسیٰ بن ہارون نے کہا:

"أهل البصرة يكتبون لعشر سنين وأهل الكوفة لعشرين وأهل الشام لثلاثين."[1]

''اہل بصرہ دس سال کی عمر میں حدیث لکھنے پڑھنے لگتے ہیں اور اہل کوفہ بیس سال کی عمر میں اور اہل شام تیس سال کی عمر میں۔''

موسیٰ بن اسحاق سے پوچھا گیا کہ آپ نے امام ابونعیم سے روایت حدیث کیوں نہیں کی؟ تو انھوں نے جواب دیا:

"كان أهل الكوفة لا يخرجون أولادهم في طلب الحديث صغاراً حتى يستكملوا عشرين سنة."[2]

یعنی اہل کوفہ بیس سال مکمل ہوئے بغیر لڑکوں کو تحصیل حدیث کے لیے نہیں بھیجتے تھے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔[3]

امام وکیع کے بارے میں کہا گیا کہ انھوں نے کم عمری میں تحصیل علم شروع کر دیا حالانکہ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں پڑھ رہے تھے۔[4] مصنف انوار کی مستدل روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب ۱۰۲ھ تک علم کلام کی تحصیل اور تعلیم وتعلم میں اس طرح مشغول تھے کہ فقہ کا معمولی مسئلہ بھی نہیں جانتے تھے۔ اس کے بعد موصوف علم فقہ کی طرف اور فقہ کے بعد علم حدیث پڑھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا مطلب ہوا کہ مصنف انوار کی مستدل روایات کے مطابق امام صاحب اپنی عمر کے بیس سال کے عرصہ بعد یعنی ۱۰۲ھ یا اس کے بعد تحصیل علم کے لیے حدیث کی درسگاہوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت امام نخعی کو انتقال کیے کئی سال بیت چکے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ نخعی درس حدیث ہی دیا کرتے تھے، علم کلام یا فقہ اہل الرائے یا مسئلہ ارجاء کا درس نہیں دیتے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ احناف کے دعویٰ کے مطابق امام صاحب نے ابتدا میں علم کلام حاصل کیا، اس میں ماہر بنے اور مناظرہ میں شہرت یافتہ شخصیت کے حامل بنے، اس کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق انھوں نے وفات نخعی کے بعد جانشین نخعی یعنی حماد کو چالیس ہزار روپیہ دے کر مرجی مذہب کا سرپرست بنایا، پھر کب اور کیسے امام نخعی سے پڑھ کر ان کے شاگرد بنے؟

---

[1] الكفاية للخطيب (ص: ٥٥) و تدريب الراوي (ص: ٢٣٧، ٢٣٨)
[2] الكفاية (ص: ٥٤)
[3] الكفاية (ص: ٥٤، ٥٥)
[4] الكفاية (ص: ٥٤)

ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ایسے شیخ الحدیث و الفقہ سے امام صاحب کے تلمذ کا تذکرہ کتب رجال میں قابل وثوق ذریعہ سے نہیں ملتا جن کا انتقال ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ سے پہلے ہوا ہو۔ امام صاحب کے اکبر ترین شیخ واستاذ امام شعبی وعطاء کہے جاتے ہیں، مگر شعبی بدعویٰ مصنف انوار ۱۰۳ھ میں اور بقول راجح اس کے بعد فوت ہوئے۔[1] امام عطاء ۱۱۵ھ میں فوت ہوئے، متقدمین کے یہاں اسناد عالی کی بڑی اہمیت تھی، اس کا اعتراف مصنف انوار کو بھی ہے۔[2] مگر امام صاحب کے شیوخ کی فہرست میں کسی ایسے استاد کا نہ ملنا جو ۱۰۳ھ سے پہلے فوت ہوا ہو، اس امر کا قرینہ ہے کہ امام صاحب تحصیل علوم کی طرف ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ کے پہلے متوجہ نہیں ہوئے، مثلاً ۱۰۲ھ میں امام ابو المتوکل علی بن داود کا انتقال ہوا۔[3]

یہ کوفہ ہی کے استاذ حدیث تھے اور بہت مشہور ومعروف تھے، امام ابوحنیفہ کے بہت سے اساتذہ کے استاذ وشیخ تھے، اگر امام صاحب کی توجہ ان کی زندگی میں تحصیل علم حدیث وفقہ کی طرف ہوئی ہوتی تو ان کی خدمت میں وہ ضرور پہنچتے۔ اسی طرح بقول مشہور امام ضحاک بن مزاحم کا انتقال بھی ۱۰۲ھ میں ہوا یہ بہت بڑے فقیہ اور استاذ ہیں مگر ان سے بھی امام صاحب کا تلمذ ثابت نہیں، بعض اہل علم نے امام ضحاک کے سالِ انتقال ۱۰۵ھ یا ۱۰۶ھ بھی بتلایا ہے، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز ۱۰۱ھ میں فوت ہوئے، حدیث وفقہ میں عظیم المرتبت امام اور بڑے بڑے محدثین وفقہاء کے استاد ہیں، عرصہ تک مدینہ منورہ کے گورنر رہے، ان سے بھی امام صاحب کا لقا وسماع نہیں۔ پھر ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں فوت ہوجانے والے امام نخعی سے امام صاحب کے لقا وسماع کا دعویٰ مصنف انوار نے آخر کس دلیل کی بنیاد پر کیا ہے، اس دعویٰ کی دلیل اور ماخذ کا آخر موصوف نے کیوں ذکر نہیں کیا جبکہ وہ امام بخاری تک پر معترض ہیں کہ انھوں نے بلا ماخذ بتلائے اپنی بات لکھ دی ہے؟ حالانکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ امام بخاری پر مصنف انوار کا یہ اعتراض بالکل ہی بے جا ہے۔

۹۵ھ یا ۹۶ھ میں فوت ہوجانے والے امام نخعی سے امام صاحب کے لقا وسماع کے دعویٰ ہی پر مصنف انوار نے اکتفا نہیں کیا بلکہ خانہ ساز روایات کو دلیل بنا کر ۹۱ھ یا ۹۲ھ میں فوت ہونے والے حضرت انس اور ۸۶ھ میں فوت ہونے والے حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء سے بھی سماع ولقا کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ جس طرح کی خود ساختہ ومکذوبہ روایات کی بنیاد پر موصوف نے یہ دعویٰ کیا ہے اسی طرح کی مکذوبہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کا ۵۴ھ میں فوت ہوجانے والے حضرت عبداللہ بن انیس سے بھی لقا وسماع ہے مگر مصنف انوار نے نہ جانے کیوں اس طرح کی روایات کو دلیل بنا کر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ امام صاحب ۵۴ھ سے بھی پہلے پیدا ہوگئے تھے، اس لیے وفات نخعی کے وقت ان کی عمر چالیس سال سے بھی زیادہ تھی۔ مصنف انوار از راہ دیانت داری فرمائیں کہ مکذوبہ باتوں کو دلیل بنا کر یہ دعویٰ کرنا کیونکر دینی وعلمی خدمت ہے کہ ''امام صاحب وفات نخعی کے وقت چھبیس سال کے تھے اور انھوں نے امام نخعی سے روایت کی۔'' مگر یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں کہ امام صاحب حضرت عبداللہ بن انیس کی وفات سے بھی پہلے پیدا ہوئے، اس لیے ان کی عمر وفات نخعی کے وقت چالیس سال سے متجاوز تھی؟ نیز موصوف یہ بھی بتلائیں کہ آپ کے دعویٰ مذکورہ کے صحیح ہونے پر وہ کون سی معتبر دلیل قائم ہے جس کی وجہ سے اسے اس گروہ کے پھیلائے ہوئے اکاذیب میں نہیں شمار کیا جا سکتا، جو آپ ہی کے دعویٰ کے مطابق سفید کو سیاہ کر دکھانے کے

---

[1] تفصیل کے لیے تہذیب التہذیب ملاحظہ ہو۔ [2] ملاحظہ ہو: تذکرۂ ابی یوسف۔ [3] العبر للذهبي (١/ ١٢٤)

لیے جھوٹ کو کارِ خیر وثواب سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتا رہا ہے؟[1]

مصنف انوار نے ایک روایت اس طرح نقل کی ہے:

''محمد بن فضیل بلخی نے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے بیان کیا کہ میں خلیفہ منصور کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے علم کس سے حاصل کیا؟ میں نے کہا حماد سے اور حماد نے ابراہیم نخعی سے، انھوں نے حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس سے، منصور نے سن کر کہا خوب خوب، ابوحنیفہ تم نے بہت مضبوط علم حاصل کیا، وہ سب طیبین و طاہرین تھے۔''[2]

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا روایت کو بھی مصنف انوار نے صحیح ومعتبر قرار دے کر نقل کیا ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ خلیفہ منصور کے دریافت کرنے پر امام صاحب نے بتلایا کہ میں نے بواسطہ حماد امام نخعی کے علوم حاصل کیے اور امام نخعی نے یہ علوم صحابہ مذکورین سے حاصل کیے، یعنی کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت میں اس بات کا اشارہ بھی نہیں کہ امام صاحب نے منصور کو یہ بتلایا کہ میں نے امام نخعی سے براہ راست روایت کی ہے بلکہ اس روایت میں امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ میں نے علومِ نخعی حماد کے ذریعہ حاصل کیے، حالانکہ یہ موقع ایسا تھا کہ اگر امام صاحب نے امام نخعی سے روایت کی ہوتی تو منصور کے سامنے وہ اس کا اظہار ضرور کرتے تاکہ موصوف کے عالی السند ہونے کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہوجاتا کہ وہ امام نخعی جیسے عظیم المرتبت امام کے شاگرد ہیں۔ مصنف انوار ذرا ازراہ دیانت داری بتلائیں کہ ان کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت میں یہ کیوں نہیں ظاہر کیا گیا کہ امام صاحب نے امام نخعی سے تحصیل علم کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے حماد سے امام نخعی کے وہ علوم سیکھے جو انھوں نے صحابہ مذکورین سے حاصل کر رکھے تھے؟

ناظرین کرام سمجھتے ہوں گے کہ انوار الباری میں صرف صحیح ومعتبر باتیں لکھنے کا بھاری بھرکم دعوی کرنے والے مصنف انوار کی لکھی ہوئی مذکورہ بالا روایت فی الواقع صحیح اور معتبر ہوگی، مگر موصوف کی دیانت داری ظاہر کرنے کے لیے عرض ہے کہ روایت مذکورہ کی سند میں ابومطیع بلخی ہے۔[3] اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ یہ شخص کذاب اور وضاع ہے، نیز اس کی سند میں دوسری علل قادحہ بھی موجود ہیں۔

نیز جس طرح مصنف انوار نے یہ خانہ ساز دعوی کر رکھا ہے کہ امام صاحب امام نخعی کے شاگرد ہیں، اسی طرح موصوف کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت میں بھی یہ جھوٹا دعویٰ کیا گیا ہے کہ امام نخعی نے صحابہ مذکورین سے تحصیل علم کیا ہے، حالانکہ امام نخعی حضرت عمر بن خطاب، علی بن طالب اور ابن مسعود کی وفات کے زمانہ بعد پیدا ہوئے اور کسی صحابی سے تحصیل علم نہیں کر سکے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

ناظرین کرام سوچیں کہ جب مصنف انوار ایسی روایت کو صحیح ومعتبر قرار دے کر دلیل بنائے ہوئے ہیں جس میں کھلا ہوا جھوٹا دعویٰ موجود ہے تو وہ اپنے منصوبہ بند مقاصد حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتے؟!

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۳، ۱۲٤) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۰۳)

[3] خطیب (۱۳/ ۳۳٤) و موفق و کردری وغیرہ.

شرح مسند ابی حنیفہ ملا علی قاری کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں ایک عجیب سی عبارت موجود ہے:

"إبراهيم النخعي قد عد من مشائخ الإمام، قال الكردري: سمع إبراهيم النخعي، وكان أعلم الناس برأيه، مات سنة ١٢٠هـ."[1]

یعنی امام نخعی کو اساتذہ امام صاحب میں شمار کیا گیا ہے، کردری نے کہا کہ امام صاحب نے امام نخعی سے سماع کیا اور وہ ان کی ''رائے'' کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے اور وہ ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس عبارت میں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ امام صاحب امام نخعی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، کردری کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے امام نخعی سے حدیث سنی اور ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے، ہر صاحب نظر بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ عبارت مذکورہ میں حذف وتحریف واقع ہوئی ہے اور اس میں بڑی عجیب بات یہ ظاہر کی گئی ہے کہ امام صاحب ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے، حالانکہ یہ بدیہی طور پر غلط ہے، کیونکہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام صاحب ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے یہاں بذریعہ تاویل یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ ۱۲۰ھ کو امام نخعی کا سال وفات بتلایا گیا ہے، کیونکہ یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ امام نخعی کا انتقال ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں ہوا اور جس کردری کے حوالہ سے عبارت مذکورہ لکھی گئی ہے، اس میں یہ بات اس طرح ہے:

"حماد بن أبي سليمان الأشعري تابعي، سمع إبراهيم النخعي رحمه الله، أعلم الناس برأيه مات سنة ١٢٠هـ."[2]

یعنی حماد بن ابی سلیمان اشعری تابعی ہیں، انھوں نے ابراہیم نخعی سے حدیث سنی اور یہ امام نخعی کی ''رائے'' کے سب سے زیادہ واقف کار تھے، ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔

اس عبارت میں واضح طور پر حماد کو شاگرد نخعی کہہ کر بتلایا گیا ہے کہ وہ ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے اور امام ابن سعد نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حماد ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے، البتہ ابن سعد کے بعد امام بخاری اور ابن حبان نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ ۱۱۹ھ میں فوت ہوئے۔[3]

اس سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاری والی عبارت میں حذف وتحریف واقع ہوئی ہے اور اسی طرح کی باتوں، نیز اپنی خانہ ساز باتوں کو ایجاد کر کے مصنف انوار طرح طرح کے عجیب وغریب دعاوی کرنے کے عادی ہیں اور اپنی اس کارستانی کو خالص علمی ودینی خدمات کہتے پھرتے ہیں!

عبارت مذکورہ میں حذف وتحریف واقع ہونے پر ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ ملا علی قاری نے جس حدیث کی شرح کے تحت مذکورہ بالا عبارت لکھی ہے، وہ حدیث امام صاحب نے جامع المسانید میں مذکور شدہ تخریج کے مطابق بواسطہ حماد امام نخعی سے روایت کی ہے۔[4]

حاصل یہ کہ تحریف وحذف کے سبب ملا علی قاری والی عبارت سے کج فہم لوگ یہ مطلب نکالنے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ امام صاحب شاگرد نخعی تھے، حالانکہ یہ عبارت اپنے محرف ہونے پر بذات خود دلالت کرتی ہے۔

---

[1] شرح مسند أبي حنيفة لملا علي قاري (ص: ٨) [2] كردري (٢/ ٧٥)

[3] تهذيب التهذيب. [4] جامع المسانيد (٢/ ١٩٧، بحواله كتاب الآثار لمحمد بن حسن)

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ وفات نخعی کے وقت امام صاحب کی عمر لگ بھگ سولہ سال تھی، اس لیے بلحاظ عمر وہ امام نخعی سے استفادہ کر سکتے تھے، مگر ثبوت استفادہ نہ ہونے کے سبب دعویٔ استفادہ صحیح نہیں ہے، خصوصاً ہمارے ذکر کردہ ان قرائن کی موجودگی میں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کے مابین رشتہ تلمذ مستبعد ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں کی متعدد روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ ۱۰۲ھ تک امام صاحب مسلک اہل کلام کے پیروکار رہے، پھر اس سے تائب ہو کر تحصیل علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، کیونکہ یہ معلوم و معروف حقیقت ہے کہ امام نخعی اہل کلام کے حریف و مخالف تھے اور وفات نخعی کے زمانہ بعد تک بھی امام صاحب مسلک اہل کلام کے پیرو ہونے کے سبب امام نخعی کو اپنا حریف و مخالف سمجھتے تھے۔ دریں صورت یہ بات بہت مستبعد ہے کہ امام صاحب امام نخعی سے رشتہ تلمذ قائم کرتے، کیونکہ امام نخعی اہل کلام اور مرجیہ سے سلام و کلام تک کے روادار نہ تھے۔ (كما سيأتي)

مصنف انوار کو ایک بات پوری کیے بغیر دوسری شروع کر دینے کی عادت ہے، پھر دوسری کو ادھوری چھوڑ کر تیسری بات چھیڑ دینے کا بھی ذوق ہے، یہاں بھی انھوں نے یہی کیا کہ ذکر نخعی کو ادھورا چھوڑ کر تذکرۂ حماد چھیڑ دیا، پھر اسے پورا کیے بغیر دوسرے اساتذہ امام صاحب کے ذکر میں لگ گئے، اس وقت ہم بھی مصنف انوار کے ادھورے تذکرہ حماد پر تبصرہ کو آئندہ صفحات کے لیے مؤخر کرتے ہوئے دوسرے اساتذہ امام صاحب کے سلسلے میں موصوف کی پیش کردہ باتوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔

امام عامر بن شراحیل (علامۃ التابعین):

امام نخعی و حماد کے ادھورے تذکروں کو چھوڑ کر مصنف انوار نے امام عامر بن شراحیل شعبی کا ذکر شروع کرتے ہوئے پہلے امام شعبی کے بعض فضائل بیان کیے، پھر فرمایا:

> ’’سب سے پہلے علامہ شعبی ہی نے امام صاحب کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے ان کو علم حاصل کرنے کا شوق دلایا تھا اور امام صاحب برسوں ان کے حلقۂ درس میں شریک رہے، اسی لیے امام صاحب کے بڑے شیوخ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔‘‘[1]

اولاً: مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا دعوی کا ماخذ نہیں بتلایا اور ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ موصوف نے اپنی اسی کتاب (۱/۲۴) میں بعنوان ’’قرون مشهود لها بالخير‘‘ امام بخاری کی نقل کردہ ایک حدیث کے سلسلے میں امام بخاری کو مطعون کرتے ہوئے کہا:

> ’’امام بخاری نے اپنی لکھی ہوئی اس بات کا ماخذ نہیں بتلایا نہ اس کی تائید میں کوئی بات ذکر کی۔‘‘

حالانکہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ جس بات کے سبب امام بخاری پر مصنف انوار نے طعن مذکور کیا ہے، اس کا ماخذ امام بخاری نے صحیح سند کے ساتھ بیان کر دیا ہے، دریں صورت امام بخاری پر موصوف کا طعن مذکور بے جا اور غلط ہی نہیں بلکہ افترا اور بہتان ہے، لیکن امام بخاری پر اس طرح کی بہتان تراشی کرنے والے مصنف انوار سے ناظرین کرام دریافت کریں کہ آپ نے اپنے اس دعویٰ کا ماخذ اور معتبر ہونا کیوں نہیں بتلایا؟ آخر اس دعوی کے صحیح ہونے پر وہ کون سی معتبر دلیل قائل ہے جس کی

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۴۰)

وجہ سے اسے اس گروہ کے خانہ ساز اکاذیب میں نہیں شمار کیا جا سکتا جو آپ ہی کے کہنے کے مطابق سیاہ کو سفید کر دکھانے کے لیے جھوٹ کو کارِ خیر سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتا ہے؟

ثانیاً: اس بات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں کی متعدد روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب ۱۰۳ھ تک مسلک اہل کلام کے پابند رہے، اس کے بعد مذہب اہل کلام سے تائب ہو کر تحصیل علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، یعنی کہ موصوف ۱۰۲ھ تک محدثین وفقہاء کو اپنا حریف ومخالف سمجھنے کے سبب ان سے علوم نہیں پڑھتے تھے۔ امام شعبی امام نخعی کی طرح محدث وفقیہ تھے، اس لیے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ امام صاحب ۱۰۲ھ سے پہلے حصول علم کے لیے امام شعبی کے پاس آئے ہوں، یعنی ۱۰۲ھ میں یا اس کے بعد ہی امام شعبی سے امام صاحب کے تلمذ کا دعویٰ صحیح مانا جا سکتا ہے، حالانکہ مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں کی بعض روایات سے امام شعبی سے امام صاحب کے تلمذ کی نفی ہوتی ہے۔ (كما سيأتي)

نیز مصنف انوار نے امام شعبی کا سال وفات ۱۰۳ھ بتلایا ہے۔[1] ۱۰۳ھ میں فوت ہوجانے والے جس استاذ کی خدمت میں پڑھنے کے لیے امام صاحب ۱۰۲ھ میں یا اس کے بعد حاضر ہوسکے اس استاذ کے بارے میں مصنف انوار کا یہ دعوی کیا معنی رکھتا ہے کہ:

"امام صاحب برسوں ان کے (یعنی امام عامر شعبی رحمہ اللہ کے) حلقہ درس میں شریک رہے۔"

آخر مصنف انوار کا مذکورہ بالا دعویٰ کس معتبر دلیل معتبر پر قائم ہے؟

ثالثاً: امام شعبی سے امام صاحب کے برسوں مستفید ہوتے رہنے کے دعوی کو صحیح ماننے کی صورت میں یہ ماننا بھی لازم ہوگا کہ ۱۰۲ھ سے بہت پہلے امام صاحب امام شعبی سے پڑھنے لگے تھے، مگر سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں سے مستفاد ہونے والی اس بات کا کیا جواب ہے جس کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب ۱۰۲ھ تک علم کلام سے اشتغال رکھنے کے سبب امام شعبی اور ان جیسے دوسرے محدثین کو اپنا حریف سمجھتے رہنے کی وجہ سے ۱۰۲ھ سے پہلے امام شعبی اور دوسرے محدثین سے فقہ و حدیث نہیں پڑھ سکے؟

رابعاً: اگر یہ مان لیا جائے کہ امام صاحب ۱۰۲ھ کے پہلے امام شعبی کی ترغیب وتشویق سے تحصیل علم میں مصروف ہوئے تو کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ امام شعبی نے امام صاحب کو مذہب کلام سے وابستہ رہ کر علم کلام پڑھنے کی ترغیب دی ہوگی؟ ظاہر ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ ۱۰۲ھ سے پہلے امام صاحب ترغیبِ شعبی سے تحصیل علم میں لگ گئے تھے تو یہ ماننا بھی لازم ہوگا کہ امام صاحب اپنے خیر خواہ استاذ کی منشا کے خلاف حدیث وفقہ سیکھنے کے بجائے کلام کے ساتھ مشغول رہے اور یہ نہ ماننے کی صورت میں مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں سے مستفاد ہونے والی باتوں کی تکذیب ہوگی، حالانکہ ان کتابوں میں مندرج شدہ اسی طرح کی باتوں کو مصنف انوار بکثرت دلیل وحجت بنائے ہوئے ہیں۔

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۳۹)

درسگاہِ شعبی سے امام صاحب کا اخراج:

مصنف انوار نے اپنے بہت سارے مکذوبہ دعاوی کی طرح اگر چہ یہ دعویٰ بھی کر رکھا ہے کہ امام شعبی کی ترغیب وتشویق سے امام صاحب حصول علم فقہ وحدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور موصوف امام شعبی رحمہ اللہ کی درسگاہ میں برسوں پڑھتے رہے، مگر معلوم نہیں کیوں مصنف انوار نے اپنی معتمد علیہ کتابوں میں مذکورہ درج ذیل روایات کو دلیل نہیں بنایا:

''امام ابوحنیفہ نے کہا کہ میں حجاج کے زمانے میں، جبکہ ایک نوعمر لڑکا تھا، ریشم فروشوں کے بازار میں آمد و رفت رکھتا تھا اور لوگوں سے مناظرے کیا کرتا تھا، ایک روز ایک آدمی نے مجھ سے ایک فتویٰ پوچھا، میں ٹھیک سے اس کا جواب نہ دے سکا، اس شخص نے کہا تم اتنے بڑے مناظر ہو کر فرائض شریعت کا ایک مسئلہ نہیں بتلا سکے! مجھے اس شخص کی بات سے شرم محسوس ہوئی، لہٰذا میں فقہ پڑھنے کی طرف متوجہ ہوگیا، چنانچہ میں حصول فقہ کے لیے سب سے پہلے شعبی کے یہاں گیا، میں نے دیکھا کہ شعبی شطرنج کھیل رہے ہیں، میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس کے بارے میں لونڈی زادے حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان کیا کہتے ہیں؟ میں شعبی کے اس سوال پر خاموش رہا، میں نے شعبی کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ نذر معصیت میں کفارہ نہیں ہے۔ میں نے ان سے کہا قرآن میں ظہار پر کفارہ کا حکم ہے اور اسے قرآن مجید نے منکر اور قول زور یعنی معصیت قرار دیا ہے، میری اس بات پر امام شعبی نے مجھے اپنے یہاں سے نکال باہر کیا اور ساتھ ہی ساتھ فرمایا کہ تم قیاس ہو؟ وہاں سے میں قتادہ کے یہاں آیا، وہ مسئلۂ قدر پر بحث کر رہے تھے، میں وہاں سے چل کر ابوزبیر کے یہاں پہنچا، انھیں علم میں خام اور زبان کا خراب پایا، پھر حماد کے یہاں آیا انھیں اپنے معیار کا پایا، لہٰذا ان کا شاگرد بن گیا اور ان سے فقہ پڑھنے لگا۔''[1]

سب سے پہلے مصنف انوار یہ بتلائیں کہ انھوں نے روایت مذکورہ بالا کو کیوں نہیں قبول کیا؟ اگر مصنف انوار کہیں کہ یہ غیر معتبر ہے تو موصوف یہ بتلائیں کہ ان کا زیر بحث دعویٰ کسی دلیل کی بنا پر معتبر ہے؟ اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب کو ترغیب شعبی سے نہیں بلکہ ایک آدمی کی ملامت سے تحصیل علم فقہ کا شوق پیدا ہوا تھا اور امام صاحب ترغیب شعبی کے بجائے ایک آدمی کی ملامت سے متأثر وعبرت پذیر ہو کر مناظرہ بازی کے مشغلہ کو چھوڑ کر کے تحصیل علم فقہ کے لیے خدمتِ شعبی میں گئے تھے، مگر امام شعبی کی خدمت میں پہلی مرتبہ کی حاضری کے وقت ہی ایسی صورت حال پیش آئی کہ امام شعبی نے موصوف امام صاحب کو اپنے یہاں سے یہ کہہ کر نکال باہر کیا کہ تم قیاس کے آدمی ہو۔

اہل الرای سے امام شعبی کی بیزاری:

مندرجہ بالا روایت الفاظ مذکورہ کے ساتھ اگر چہ سنداً صحیح نہیں، کیونکہ اسے چھٹی صدی کے موفق نے اپنے ایک معاصر ابو المحاسن حسن بن علی بن عبدالعزیز مرغینانی سے نقل کیا ہے اور مرغینانی نے اسے بلا سند امام صاحب کے ایک شاگرد نعیم بن عمرو سے نقل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بے سند روایت ساقط ہے، لیکن اس روایت میں فتویٔ شعبی پر جس طرح کا قیاسی اعتراض امام

[1] مناقب كردري (٢/ ١١٩) و موفق (١/ ٦٤) وجاء ت هذه الرواية في جامع المسانيد (٢/ ٢٥٥ و ١/ ٢٨ مختصراً)

صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس طرح کے قیاسی اعتراض کرتے رہنے کی عادت عام اہل الرائے میں پائی جاتی ہے، اور اہل الرائے نیز مذہب اہل الرائے سے عام اسلاف کی طرح امام شعبی کا برہم و بیزار ہونا بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، چنانچہ امام صالح بن مسلم بکری سے بسند صحیح مروی ہے:

"سمعت الشعبي يقول والله لقد بغض هولاء القوم إلى المسجد حتى لهو أبغض إلي من كناسة داري، قلت: من هم يا أبا عمر؟ قال: الآرائيون قال: فيهم الحكم و حماد بن أبي سليمان وأصحابهم." ❶

یعنی میں نے امام شعبی کو یہ کہتے سنا کہ خدا کی قسم ان لوگوں نے اپنے بُرے کردار سے میرے لیے مسجد کو میرے گھر کے کوڑا خانہ سے بھی بدتر بنا دیا ہے۔ میں نے کہا کہ کن لوگوں نے ایسا کر رکھا ہے؟ امام شعبی نے جواب دیا کہ "الآرائیون"یعنی اہل الرائے والقیاس نے، جن میں سے حماد اور ان کے اصحاب بھی ہیں۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ امام عامر شعبی نے اپنے اس بیان میں حماد اور ان کے اصحاب پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے اس کا یہ سبب بتلایا ہے کہ یہ لوگ مذہب رائے و قیاس کے پابند ہیں۔ اس روایت کے مطابق امام شعبی نے ان اہل الرائے والقیاس کو لفظ "الآرائیون" سے یاد کیا ہے جبکہ دوسری روایت کے مطابق انھیں "الآرائیون" کے بجائے "الصعافقة" کے نام سے بھی یاد کیا ہے چنانچہ جس صالح بن مسلم بکری سے مذکورہ بالا روایت مروی ہے، انھیں سے بسند صحیح یہ بھی مروی ہے:

"كنت مع الشعبي، ويدي في يده أو يده في يدي فانتهينا إلى المسجد، فإذا حماد في المسجد وحوله أصحابه، ولهم ضوضاة وأصوات، قال: فقال: والله لقد أبغضني هولاء هذا المسجد حتى تركوه أبغض إلى من كناسة داري معاشر الصعافقة، فانصاع راجعاً ورجعنا." ❷

''میں (مسلم بن صالح) امام شعبی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مسجد پہنچا، وہاں حماد اور ان کے اصحاب موجود تھے، یہ لوگ شور وغل کر رہے تھے، امام شعبی نے فرمایا کہ ان ''صعافقہ'' نے مسجد کو میرے لیے میرے گھر کے کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض بنا دیا ہے، یہ کہہ کر موصوف مسجد سے واپس چلے آئے اور ہم بھی ان کے ساتھ واپس آ گئے۔

مذکورہ بالا روایت میں امام شعبی نے حماد اور اصحاب حماد کو جس لفظ ''صعافقہ'' سے یاد کیا ہے وہ صالح بن مسلم ہی سے مروی شدہ مندرجہ ذیل رویت میں بھی وارد ہوا ہے:

"قال لي عامر الشعبى يوما آخذا بيدي: إنما هلكتم حين تركتم الآثار، وأخذتم بالمقاييس، لقد بغض إلي هذا المسجد فلهو أبغض إلي من كناسة داري، هولاء الصعافقة." ❸

یعنی مجھ سے امام شعبی نے ایک دن کہا کہ تم مسلمانوں پر ہلاکت اس لیے آئی ہوئی ہے کہ تم نے آثار چھوڑ کر قیاس پرستی شروع کر دی، یقیناً ان ''صعافقہ'' نے میرے لیے مسجد کو اپنی روش سے مبغوض بنا دیا حتی کہ وہ میرے

---

❶ جامع بيان العلم لابن عبدالبر (٢/ ١٦٤) وذكره ابن حزم مختصراً في الإحكام (٦/ ٥٥)

❷ طبقات ابن سعد (٦/ ٢٥١)　　❸ الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم (٨/ ٣٣)

لیے میرے گھر کے کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض ہوگئی۔

مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں ''صعافقۃ'' سے امام شعبی نے اظہار بیزاری کیا ہے اور پہلی روایت میں بصراحت بتلایا گیا ہے کہ یہ لفظ امام شعبی نے حماد اور اصحاب حماد کے بارے میں استعمال کیا ہے، اور دوسری روایت سے اس بات کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ ان صعافقہ سے موصوف کی بیزاری کا سبب ان کا طریق قیاس اور رائے پرستی تھا، مگر اس لفظ ''صعافقۃ'' کی تفسیر صالح بن مسلم ہی سے مروی درج ذیل روایت کے ساتھ زیادہ وضاحت کے ساتھ ہوتی ہے:

"قال لي عامر الشعبي: إنما هلكتم بأنكم تركتم الآثار، وأخذتم بالمقاييس، ولقد بغض إلي هولاء المسجد حتى أنه لأبغض إلي من كناسة داري يعني أصحاب الرأي." ❶

یعنی مجھ سے امام شعبی نے ایک دن کہا کہ تم مسلمانوں کی ہلاکت ترک آثار اور عمل بالقیاس کے سبب ہے، یقیناً ان اہل الرائے نے میرے لیے مسجد کو اپنے طریق کار کے سبب میرے گھر کے کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض بنا دیا ہے۔

اس روایت میں پوری صراحت ہے کہ اپنے طریق عمل سے امام شعبی کے لیے مسجد کو کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض بنا دینے والے لوگ اصحاب الرائے تھے، جن کو پہلی دونوں روایتوں میں لفظ ''صعافقۃ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام عامر شعبی نے صعافقہ سے مراد اہل الرائے لیے ہیں، ان تینوں روایات سے واضح ہوگیا کہ امام شعبی اہل الرائے والقیاس سے سخت بیزار تھے۔ امام شعبی سے مذکورہ بالا روایتوں کے راوی امام صالح بن مسلم بکری ثقہ ہیں۔ ❷

حماد اور ان کے اصحاب کے لیے امام شعبی نے جس لفظ ''صعافقۃ'' کا استعمال کیا ہے اس کے معنی ہیں کمینے و بدذات لوگ جو شور و شغب اور غل غپاڑہ مچانے کے عادی ہوتے ہیں، چونکہ حماد اور ان کے اصحاب اپنے مسائل قیاس و رائے پر بحث و نظر کے دوران مسجد میں بہت شور و غل مچاتے تھے اور مسجد میں شور و غل مچانے سے مطلقاً ممانعت کی گئی ہے۔ نیز قیاس و رائے کے ذریعہ مسائل شرعیہ حل کرنے کو رسول اللہ ﷺ نے فتنہ عظیمہ قرار دیا ہے۔ ❸

---

❶ حلية الأولياء (٤/ ٣٢٠) ❷ الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٢/ ٤١٢، قسم ثاني)

❸ رواه الطبراني في الكبير والبزار ورجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائد (١/ ١٧٩، باب في القياس والتقليد) والمستدرك (٤/ ٤٣٠) و سنن دارمي (١/ ٦٥ وغيره) کتب حدیث و رجال کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث صحیح کو کم سے کم آٹھ افراد امام نعیم بن حماد خزاعی، عبداللہ بن جعفر رقی، سوید بن سعید حدثانی، حکم بن المبارک ابو صالح خواستی، عمرو بن عیسیٰ بن یونس سبیعی، عبدالوہاب بن الضحاک حمصی، عبداللہ بن وہب محمد بن سلام المنجی نے درج ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے: "عن عيسى بن يونس عن خريز بن عثمان عن عبدالرحمن بن جبير بن نفير عن أبيه عن عوف بن مالك الأشجعي" ان میں سے اول الذکر چار حضرات ثقہ وصدوق ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سند مذکور سے اس حدیث کو روایت کرنے میں کم از کم چار ثقہ وصدوق رواۃ ایک دوسرے کے متابع ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ خطیب، ترجمہ نعیم بن حماد (۱۳/ ۳۰۸ تا ۳۱۱) والأحکام للبکری و میزان الاعتدال، بایں ہمہ التنکیل کے حاشیہ میں علامہ ناصر الدین البانی نے معلوم نہیں کیسے کہہ دیا کہ نعیم اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کرنے میں متفرد ہیں، حالانکہ مذکورہ بالا تینوں ثقہ حضرات نے بھی انھیں الفاظ میں اس روایت کو نقل کیا ہے، ان متابعات کی موجودگی میں کسی طرح بھی حدیث مذکور درجۂ صحیح سے کمتر نہیں قرار دی جا سکتی جب کہ معنوی طور پر متعدد صحابہ سے متعدد اسانید کے ساتھ بھی منقول ہے، اس وقت ہم اسی مختصر اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ اس کے طرق و اسانید کی تفصیل اور اصول جرح و تعدیل سے اس پر بحث و تمحیص پوری ایک کتاب میں بھی پھیل سکتی ہے۔ (رئیس)

اس لیے قیاسی مسائل کے سلسلے میں مسجد کے اندر ان شور وشغب مچانے والوں کو امام شعبی نے اتنے مکروہ اور سخت کلمہ سے یاد کیا مگر حماد کے شاگرد خاص امام ابوحنیفہ مسجد میں اس طرح کے شور وغل کو نہ صرف یہ کہ جائز بتلاتے ہیں، بلکہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے شور وغل کے بغیر علم فقہ حاصل ہی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ابراہیم بن بشار نے کہا:

"حدثنا سفيان بن عيينة قال: مررت بأبي حنيفة، وهو مع أصحابه في المسجد، وقد ارتفعت أصواتهم فقلت: يا أبا حنيفة هذا في المسجد والصوت لا ينبغي أن يرفع فيه! فقال: دعهم فإنهم لا يفقهون إلا بهذا." [1]

یعنی امام سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ میرا گزر امام ابوحنیفہ پر ہوا، اس وقت وہ اور ان کے اصحاب مسجد میں شور وغل کر رہے تھے، میں نے کہا: اے ابوحنیفہ! مسجد میں یہ شور وغل کیسا؟ مسجد میں ایسا کرنا مناسب نہیں! امام صاحب نے فرمایا کہ انھیں یہ شور وغل کرنے دیجیے، کیونکہ شور وغل کیے بغیر یہ لوگ فقیہ نہیں بن سکیں گے۔

یہ روایت صحیح ہے اور اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب اور ان کے ہم مذہب مسجد میں اس طرح کے شور وغل کو نہ صرف جائز قرار دیتے ہیں بلکہ فقیہ بننے کے لیے اسے ایک لازمی ضرورت سمجھتے ہیں۔ جو فقہ مسجد میں شور وغل کے بغیر نہ حاصل ہو سکے، جبکہ مسجد میں شور وغل سے شرعی ممانعت موجود ہے، وہ فقہ مسلمانوں کے لیے کس قدر مفید و نفع بخش ہوسکتی ہے؟!

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ امام شعبی نے حماد پر سخت طعن و تنقید کی ہے اور انھیں اہل الرائے والقیاس بتلایا ہے، اور مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام ابوحنیفہ انھی حماد کی درسگاہ میں اٹھارہ سال تعلیم و تربیت پا کر فقیہ بنے۔ جس روایت میں درسگاہِ شعبی سے امام صاحب کے نکالے جانے کا ذکر ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ امام صاحب نے امام شعبی سے جب ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے حماد اور حکم بن عتیبہ کا نام لے کر کہا: "ما يقول بنواستها" یعنی اس بارے میں "بنواستها" کیا کہتے ہیں؟ یہ روایت اگرچہ صحیح نہیں ہے مگر یہ لفظ درج ذیل روایت میں بھی مذکور ہے:

قال عبد الحميد بن عبد الرحمن الحماني: حدثني أبو حنيفة قال: رأيت الشعبي يلبس الخز، ويجالس الشعراء، فسألته عن مسئلة، فقال ما يقول فيها بنواستها؟ يعني الموالي." [2]

یعنی عبدالحمید حمانی نے کہا کہ امام صاحب نے بیان کیا کہ میں نے امام شعبی کو دیکھا وہ شعراء کے ساتھ بیٹھے تھے، میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس کے بارے میں "بنواستها" یعنی موالی (لونڈی زادے) کیا کہتے ہیں؟"

امام شعبی نے یہاں بھی یہ کلمہ یعنی "بنواستها" اہل الرائے کے لیے بطور تعریض استعمال کیا ہے اور امام صاحب کے سوال کا اصل جواب دینے کے بجائے اپنے حریف و مخالف اہل الرائے کی تعریض پر اکتفا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ امام صاحب اور شعبی کے مابین اس مکالمہ کے ثبوت سے یہ نہیں ثابت ہوسکتا کہ امام صاحب نے محدثین و فقہاء کے معروف طریق پر امام شعبی سے فقہ و حدیث کا درس لیا ہے، لہٰذا امام شعبی سے امام صاحب کے برسوں یا چند مہینوں بلکہ چند دنوں یا چند گھنٹوں تک باقاعدہ فقہ و

---

[1] جامع بیان العلم (١/ ١٣٩)　[2] ابن سعد (١/ ٦٥١)

حدیث پڑھنے کے دعوی پر الگ سے معتبر دلیل دینی ہوگی۔

امام عبداللہ بن ابی السفر سے بسند صحیح مروی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شعبی جب بھی اپنے حریف اہل الرائے کو دیکھتے تھے تو ان کی زبان سے عام طور پر بے ساختہ ''بنواستھا'' یا ''صعافقہ'' کا لفظ نکل جایا کرتا تھا۔ چنانچہ امام عبداللہ بن ابی السفر نے کہا:

"وكان يقول إذا مر عليهم: ما يقول هولاء الصعافقة أو قال: بنواستها." [1] الخ

یعنی امام شعبی کا گزر جب کبھی ان پر ہوتا تو فرماتے کہ یہ صعافقہ یا بنواستھا کیا کہتے ہیں۔

روایت مذکورہ کو ابو یوسف یعقوب بن یوسف فسوی نے بسند صحیح اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔[2] علمائے لغت نے ''بنواستھا'' کے معنی لونڈی زادہ ہی بتلائے ہیں۔[3] یہ بتلایا جا چکا ہے کہ ''صعافقہ'' سے امام شعبی کی مراد اہل الرائے ہیں، اہل الرائے کو ایسے مکروہ لفظ کے ساتھ یاد کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ ان سے امام شعبی کی شدت بیزاری ونفرت تھی، لیکن اہل الرائے کو اس لفظ یا لقب سے یاد کرنے کی ایک مناسبت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایک معتبر مرفوع حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لم يزل أمر بني إسرائيل معتدلا حتى بدأ فيهم أبناء سبايا الأمم، فأفتوا بالرأي فضلوا وأضلوا." [4]

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل کا حال اس وقت تک اعتدال پر قائم رہا جب تک کہ کچھ لونڈی زادوں نے پیدا ہو کر اسے خراب نہیں کر دیا، ان لونڈی زادوں نے مذہب رائے و قیاس اختیار کر کے رائے و قیاس کے مطابق فتاویٰ دیے، بنا بریں خود تو گمراہ ہوئے ہی دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

کشف الاستار عن زوائد مسند البزار میں ہے کہ حدیث مذکور مرسلاً بھی مروی ہے، بہر حال یہ حدیث معتبر و حسن ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو صحابی سے اس حدیث مرفوع کے راوی امام عروہ بن زبیر سے کئی اسانید کے ساتھ اس مفہوم کی روایت منقول ہے:

"لم يزل أمر بني إسرائيل مستقيما حتى أدرك فيهم المولدون أبناء سبايا الأمم فأخذوا فيهم بالرأي فضلوا وأضلوا." [4]

یعنی بنو اسرائیل کا حال درست و معتدل تھا مگر کچھ لونڈی زادوں نے پیدا ہو کر مذہب قیاس و رائے کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا، اس لیے یہ لوگ گمراہ و تباہ ہوگئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث نبوی امام عامر شعبی کے زمانے میں اور ان کے تلامذہ کے مابین بہت مشہور و معروف

---

[1] ابن سعد (٦/ ٢٥١) [2] المعرفة والتاريخ للفسوي (٢/ ٥٩٢) [3] ملاحظہ ہو: لسان العرب (١٣/ ٣٩٧)

[4] زوائد مسند بزار، باب التحذير من علماء السوء، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد: إسناده حسن.

[5] جامع بيان العلم (٢/ ١٣٦ و ١٣٨) والإحكام لابن حزم (٦/ ٥٥) و تاريخ خطيب، ترجمة إمام أبي حنيفة (١٣/ ٣٩٤، ٣٩٥)

تھی، چنانچہ یہ قول امام سفیان بن عیینہ، محمد بن مسلمہ اور حمیدی وغیرہم سے بھی منقول ہے اور چونکہ منصوص طور پر رسول اللہ ﷺ نے بتلایا تھا کہ بنو اسرائیل میں مذہب الرائے والقیاس کی ایجاد واختراع کرنے والے لونڈی زادے تھے اور ان کے لیے خود رسول اللہ ﷺ نے ہی لونڈی زادوں (أبناء سبايا الأمم) کا لفظ استعمال کیا تھا۔ محدثین کرام نے جب دیکھا کہ امت مسلمہ میں بھی مذہب رائے وقیاس کے بڑے بڑے مشہور امام لونڈی زادے ہی ہیں، تو اس لیے ان حضرات نے ان کے لیے یہ لفظ استعمال کر دیا، یعنی کہ محدثین کرام نے اہل الرائے کے لیے اس کلمہ ولفظ کا استعمال اتباعِ سنت میں کیا ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ مذہب اہل الرائے کو مسلمانوں کے لیے تباہ کن سمجھتے تھے:

اہل الرائے سے امام شعبی کی اس شدت بیزاری کا سبب یہ تھا کہ وہ مذہب اہل الرائے کو مسلمانوں کے لیے تباہ کن اور مہلک سمجھتے تھے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اہل الرائے کے بارے میں ان سے مروی اقوال سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً ان کا یہ قول کہ ”إنما هلكتم حين تركتم الآثار، و أخذتم المقاييس.“ مطلب یہ کہ مسلک اہل الرائے والقیاس مسلمانوں کے لیے تباہ کن اور ہلاکت خیز ہے، نیز یہ کہ ”إنما هلك من كان قبلكم في أرأيت“[1] یعنی مذہب رائے ہی کے سبب امم ماضیہ ہلاک ہوئیں۔

اہل الرائے سے امام شعبی کی اس شدت بیزاری کا نہایت معقول سبب یہ بھی تھا کہ دار الخلافہ مدینہ منورہ سے اہل کوفہ کی تعلیم وتربیت کے لیے بھیجے جانے والے حضرت عبد اللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب وتلامذہ عام صحابہ وتابعین کی طرح اتباع سنت و پیرویٔ شریعت کی بنیاد پر مذہب رائے وقیاس سے اظہار بیزاری کرتے رہتے تھے، اور لوگوں کو اس سے روکتے اور اسے مہلک ومضر قرار دیتے تھے۔ مصنف انوار حضرت ابن مسعود کی فقہی اور علمی عظمت کے معترف ہیں اور امام شعبی فرماتے ہیں:

”ما رأيت قوماً أعظم أحلاماً، ولا أفقه رجالاً من قوم صحبوا ابن مسعود، لو لا الصحابة ما فضلت عليهم أحداً.“[2]

یعنی میں نے ابن مسعود کے اصحاب سے زیادہ کسی جماعت کو حلم وفقہ والا نہیں دیکھا، اگر صحابہ کی عظمت مانع نہ ہوتی تو میں کسی کو ان پر فوقیت نہ دیتا۔

حضرت علی اور سعید بن جبیر سے مروی ہے:

”أصحاب ابن مسعود سرج هذه القرية.“[3] یعنی اصحاب ابن مسعود کوفہ کے چراغ ہیں۔

امام زبرقان بن عبد اللہ اسدی نے کہا:

”إن أبا وائل شقيق بن سلمة قال له: إياك ومجالسة من يقول: أرأيت أرأيت.“[4]

یعنی امام شقیق نے مجھے سے فرمایا کہ ”أرأيت أرأيت“ کہنے والوں کی صحبت سے پرہیز کرو، یعنی کہ اہل

---

[1] جامع البيان (١/ ١٤٧)　[2] حلية الأولياء (٤/ ١٧٠) و طبقات ابن سعد وغیرہ.

[3] حلية الأولياء (٤/ ١٧٠) وابن سعد وغیرہ.

[4] الإحكام في أصول الأحكام (٦/ ٥٥) و جامع بيان العلم وإعلام الموقعين (١/ ٢٦)

الرائے سے دور رہو۔[1]

مذکورہ بالا بات کہنے والے امام شقیق حضرت ابن مسعود کے خاص تلامذہ میں سے تھے، امام اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

قال لي إبراهيم: عليك بشقيق، فإني قد أدركت أصحاب عبد الله، وهم متوافرون، وهم يعدونه من خيارهم."[2]

شقیق کی صحبت لازم پکڑو، میں نے تلامذۂ ابن مسعود کو دیکھا کہ وہ لوگ شقیق کو اپنے میں افضل ترین لوگوں سے شمار کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں امام شقیق کا یہ قول منقول ہے: ''لا تقاعد أصحاب أرأيت."[3]

یعنی اہل الرائے کے ساتھ مت اٹھو بیٹھو۔[4]

امام شقیق کا ایک ہم نام شخص شقیق ضبی کے نام سے مشہور تھا، وہ اہل الرائے میں سے تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک جلیل القدر شاگرد ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی نے حکم دے رکھا تھا کہ اس شخص سے مصاحبت رکھنے والا ہماری درسگاہ میں نہ آئے، اس پر ایک دن شخص مذکور نے پوچھا کہ آپ میرے پاس آنے سے لوگوں کو کیوں روکتے ہیں؟ موصوف ابو عبدالرحمٰن سلمی نے جواب دیا:

"إني رأيتك مضلا لدينك تطلب أرأيت أرأيت."[5]

یعنی میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں کو اپنے مذہب رائے کے ذریعہ گمراہ کر رہے ہو۔

کتب رجال میں تصریح ہے:

"كان من أصحاب ابن مسعود."[6]

''ابوعبدالرحمٰن سلمی حضرت ابن مسعود کے اصحاب میں سے تھے۔''

حضرت ابن مسعود کے ایک دوسرے مشہور و معروف شاگرد مسروق بن اجدع سے کئی اسانید کے ساتھ منقول ہے: ''میں قیاس و رائے سے اس لیے کام نہیں لیتا کہ اس کے سبب صحیح راستہ سے ہٹ جانے کا خطرہ ہے۔''[7]

ظاہر ہے کہ امام مسروق نے یہ طریق عمل اتباعِ سلف خصوصاً صحبتِ ابن مسعود کے فیض سے اختیار کیا تھا۔ امام سعید بن منصور نے کہا:

"حدثنا خلف بن خليفة حدثنا أبو زيد عن الشعبى قال: قال ابن مسعود: إياكم وأرأيت أرأيت، فانما هلك من كان قبلكم بأرأيت أرأيت، ولا تقيسوا شيئاً فتزل قدم بعد ثبوتها، وإذا سئل أحدكم بما لم يعلم فليقل: لا أعلم، فإنه ثلث العلم."[8]

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: سنن دارمي (١/ ٦٦)
[2] ابن سعد (٦/ ٩٩) و تهذيب (٤/ ٣٦٢)
[3] جامع البيان (٢/ ١٤٦)
[4] نیز ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد (٦/ ١٠١)
[5] حلية الأولياء بسند صحيح (٤/ ١٩٣)
[6] تهذيب التهذيب و تاريخ خطيب، ترجمة عبد الله بن حبيب سلمى)
[7] جامع بيان العلم (١/ ٧٦، ١٣٧) و الإحكام لابن حزم (٨/ ٣٢) و سنن دارمي.
[8] إعلام الموقعين (١/ ٢٠)

یعنی ابن مسعود نے فرمایا کہ "أر أیت" سے پرہیز کرو، کیونکہ پہلے لوگ اسی سے تباہ ہوئے ہیں۔ قیاس سے کچھ بھی کام مت لو ورنہ راہ راست سے ہٹ جاؤ گے اور جس سے کوئی ایسی چیز پوچھی جائے جس کا اسے علم نہ ہو تو صاف کہہ دے کہ میں نہیں جانتا کیونکہ یہ تہائی علم ہے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام شعبی تک اس روایت کی سند متصل ہے اور صحیح بھی کیونکہ شعبی سے اسے ابو زید عطاء بن السائب ثقفی (متوفی ۱۳۶ھ یا ۱۳۷ھ) نے نقل کیا ہے، جو ثقہ وصدوق ہیں، عطاء موصوف کی کنیت میں اختلاف ہے، ابو زید، ابو یزید، ابومحمد، ابوالسائب، یہ چار کنیتیں ان کے لیے مشہور ہیں۔[1] اور ابو زید موصوف سے اس روایت کے ناقل خلف بن خلیفہ بھی ثقہ ہیں۔[2] اور خلف سے اس کے ناقل امام سعید بن منصور ہیں۔ یہ روایت ایک دوسری سند کے ساتھ بھی مروی ہے جس میں جابر حنفی ضعیف ہیں۔[3] مگر جب شعبی تک اس روایت کی دوسری سند صحیح ہے تو جابر کی متابعت سے اس میں اور بھی قوت آ جاتی ہے، البتہ شعبی کا ابن مسعود سے سماع نہیں ہے، یعنی یہ روایت مرسل ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ امام عجلی نے کہا:

"لا يكاد الشعبي يرسل إلا صحيحا."[4]

یعنی امام شعبی کی بیان کردہ مراسیل تقریباً صحیح ہی ہوتی ہیں۔

مصنف انوار کے نزدیک مرسل حجت ہے بلکہ مرسل کو حجت نہ ماننے والوں پر مصنف انوار معترض ہیں اور دوسرے اہل علم کے نزدیک مرسل روایت کی متابعت کسی متصل روایت سے ہو جائے، خواہ وہ ضعیف ہو، تو بھی حجت ہو جاتی ہے اور روایت مذکورہ کی معنوی متابعت کئی سندوں سے موجود ہے۔ مجالد بن سعید نے کہا کہ شعبی نے مسروق سے اور مسروق نے ابن مسعود سے یہ حدیث بیان کی:

"ثم يحدث قوم يقيسون الأمور برأيهم فينهدم الإسلام وينثلم."[5]

یعنی ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں پیدا ہونے والے کچھ لوگ امور دین کو رائے و قیاس سے حل کریں گے، ایسا کرنے سے اسلام ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کی اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام شعبی نے اپنے زمانے کے اہل الرائے کے بارے میں خود بھی مذکورہ بالا قسم کے خیال کا اظہار کیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود بھی اہل الرائے سے سخت بیزار و ناراض تھے۔ یہ وہی ابن مسعود ہیں جن کو مصنف انوار اپنے تقلیدی حنفی مذہب کا مورث قرار دیتے ہیں، حضرت ابن مسعود کے اس ارشاد کے ہوتے ہوئے مذہب اہل الرائے کو موصوف ابن مسعود کی میراث قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

حضرت ابن مسعود کی یہ پیش گوئی کیسی صحیح ثابت ہوئی کہ قیاس و رائے کو دین قرار دے لینے والے لوگ اپنے کو تفقہ فی الدین کا ٹھیکیدار سمجھنے لگے اور متبعین نصوص کتاب وسنت و تارکین قیاس و رائے پر طعن و تشنیع کرنے لگے اور کیوں نہ ہو حضرت ابن مسعود کی یہ پیش گوئی حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور احادیث مرفوعہ سے بھی قول ابن مسعود کی تائید ہوتی ہے، بلکہ انھیں

---

[1] تهذيب التهذيب وغيره.
[2] تهذيب التهذيب.
[3] مجمع الزوائد (١/ ١٨٠ بحواله طبراني)
[4] تهذيب التهذيب (٥/ ٦٧)
[5] جامع البيان (٢/ ١٣٥، ١٣٦) الإحكام لابن حزم (٨/ ٢٩) المقاصد الحسنة (ص: ٣٢٤ بحواله دارمی، و يعقوب بن شيبة.

احادیث نبویہ کی متابعت میں دراصل حضرت ابن مسعود نے اپنی یہ بات کہی ہے۔

امام شعبی نے بواسطہ عمرو بن حریث حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"إیاکم وأصحاب الرأي فإنهم أعداء السنن، أعیتهم الأحادیث أن یحفظوها، فقالوا بالرأي فضلوا وأضلوا."[1]

یعنی تم اہل الرائے سے دور رہا کرو کیونکہ یہ لوگ احادیث وسنن نبویہ کے دشمن ہوتے ہیں، یہ لوگ احادیث کے حفظ وضبط سے عاجز ہونے کے سبب قیاس ورائے سے کام لیتے ہیں، دریں صورت خود گمراہ ہوجاتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔"

یہ روایت گزشتہ صفحات میں بھی نقل کی جا چکی ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام شعبی نے اہل الرائے کے خلاف اتنا سخت موقف اکابر صحابہ کے فرامین پر عمل کرتے ہوئے اختیار کیا تھا، خصوصاً اس لیے کہ اہل الرائے کی مذمت وتنقید پر حضرت عمر بن خطاب اور ابن مسعود متفق ہیں۔ نیز امام شعبی نے کہا ہے:

"إذا اختلف الناس في شيء فخذوا بما قال عمر."[2]

یعنی جب لوگوں میں اختلاف ہوتو حضرت عمر بن خطاب کے قول پر عمل کرو۔

اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ حضرت عمر اور ابن مسعود کے اس موقف وطریق سے کسی صحابی کا اختلاف ثابت نہیں، گویا مذہب اہل الرائے کی مذمت پر تمام صحابہ کا اجماع سکوتی ہے اور نصوص شرعیہ بھی اسی کے مطابق ہیں۔ امام شعبی کا یہ موقف اس وقت کے لیے ہے جبکہ قول عمر نص شرعی کے خلاف نہ ہو، اسی طرح دوسرے ائمہ کرام کا بھی یہی موقف ہے، مثلاً امام اعمش کا ایک قول ہے:

"إن إبراهیم کان لا یعدل بقول عمر و عبد اللّٰه إذا اجتمعا، فإذا اختلفا کان قول عبد اللّٰه أعجب إلیه."[3]

یعنی امام ابراہیم نخعی حضرت عمر اور ابن مسعود کے اس موقف وطریق عمل سے نہیں ہٹتے تھے جس پر دونوں متفق ہوں اور دونوں میں اگر اختلاف ہوتو موصوف امام نخعی ابن مسعود کا موقف وطریق عمل اختیار کرتے تھے۔

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مذہب رائے وقیاس کی مذمت پر حضرت عمر اور ابن مسعود متفق تھے اور کسی صحابی سے اس معاملہ میں اختلاف منقول نہیں، اس سے لازمی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام نخعی بھی امام شعبی اور دوسرے اہل علم کی طرح مذمتِ رائے وقیاس میں حضرت ابن مسعود اور عمر کے طریق پر گامزن تھے، چنانچہ مصنف انوار خود بھی ناقل ہیں کہ امام اعمش یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ابراہیم کبھی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے۔[4]

مصنف انوار نے امام ابراہیم کے اس طرز عمل کا معنی ومطلب اپنے تقلیدی طریق پر نہایت لغو انداز میں بیان کیا ہے، جس پر بحث آگے آرہی ہے، مگر امام اعمش کے حوالہ سے موصوف نے امام نخعی کا جو طریق نقل کیا ہے وہ بسند صحیح منقول ہے۔[5]

---

[1] الإحکام في أصول الأحکام (٦/ ٤٢)
[2] إعلام الموقعین (١/ ٦) وعام کتب رجال.
[3] إعلام الموقعین (١/ ٧) و عام کتب رجال.
[4] مقدمه انوار (١/ ٤١)
[5] حلیة الأولیاء و کتاب العلم لأبی خیثمة (ص: ١١٨، حدیث نمبر: ٣٨)

امام اعمش بھی بدعوی مصنف انوار امام صاحب کے استاذ ہیں۔❶

امام مغیرہ سے بسند صحیح مروی ہے:

''امام سعید بن جبیر سے پوچھا گیا کہ آپ سے بھی زیادہ صاحب علم کوئی ہے؟ سعید نے کہا کہ ہاں عکرمہ۔ جب سعید مقتول ہوگئے تو ابراہیم نخعی نے کہا کہ اپنے جیسا صاحب علم انھوں نے نہیں چھوڑا اور جب امام نخعی کی خبر مرگ امام شعبی کو ملی تو انھوں نے نخعی کے بارے میں یہی بات کہہ کر مزید کہا کہ انھوں نے فقہی گھرانے میں نشو و نما پا کر علم فقہ حاصل کیا، پھر ہم سے حدیث پڑھی۔''❷

ظاہر ہے کہ یہ سارے حضرات اہل الرائے کی مذمت پر متفق ہیں، ان میں سے امام شعبی کے اقوال مذکور ہو چکے ہیں، دریں صورت ہر صاحب ہوش و گوش بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مذہب اہل الرائے سے امام شعبی کس قدر برہم و ناراض تھے، لہٰذا اگر امام صاحب فی الواقع ان کی درسگاہ میں تحصیل علم کے لیے جاتے اور انھیں پتہ چل جاتا کہ امام صاحب مذہب اہل الرائے کے پابند ہیں، جس کے بارے میں حضرت عمر بن خطاب اور ابن مسعود کے مذکورہ بالا فرامین موجود ہیں تو وہ امام صاحب کے ساتھ جو برتاؤ کرتے وہ ظاہر ہے۔ کم از کم موصوف از راہ خیر خواہی امام صاحب کو مذہب رائے ترک کرنے کا حکم ضرور دیتے، جیسا کہ انھوں نے اپنے شاگرد ابو زید داود بن یزید اُودی کو بطور نصیحت کہا تھا:

"إياك والمقايسة في الدين، فإذا أنت قد أحللت حراماً أو حرمت حلالاً، وتزل قدم بعد ثبوتها، وفي رواية: لا تتبع مسألتك أرأيت أرأيت، إلى أن قال: فلا تقس بشيء فتحرم حلالاً وتحل حراماً." الخ❸

یعنی دین میں قیاس و رائے سے کام مت لو، ورنہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے بیٹھو گے اور راہ صواب سے تمہارے پاؤں پھسل جائیں گے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ کسی مسئلہ کے بارے میں اہل الرائے کی طرح فرضی اعتراض کر کے "أرأيت أرأيت" کہہ کر بحث و مباحثہ مت کرو اور نہ قیاس آرائی سے کام لو، ورنہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہہ بیٹھو گے۔

نیز امام شعبی نے اپنے ایک دوسرے شاگرد ابن ابجر عبدالملک بن سعید بن حبان بن ابجر کوفی کو یہ نصیحت کی:

"ماحدثوك عن أصحاب محمد فخذه، وما قالوا برأيهم فبل عليه."❹

یعنی لوگ صحابہ سے جو احادیث روایت کریں ان پر عمل کرو اور اپنی رائے سے جو بات کہیں ان پر پیشاب کر دو۔

اس معنی و مفہوم کی بات امام شعبی نے مالک بن مغول اور دوسرے لوگوں کو بھی کہی تھی۔❺

عیسیٰ بن ابی عیسی نے کہا کہ امام شعبی نے فرمایا:

---

❶ مقدمه انوار (١/ ٤٠)　　❷ كتاب العلم لأبي خيثمة (ص: ١١٧) و حلية الأولياء، وابن سعد وغيره.

❸ حلية الأولياء (٤/ ٣١٩) و الإحكام في أصول الأحكام (٨/ ٢٢)

❹ حلية الأولياء (٤/ ٣١٩) و الإحكام لابن حزم.

❺ الإحكام لابن حزم (ص: ٥٤، ٥٥) و حلية الأولياء (٤/ ٣١٩) و جامع بيان العلم (٢/ ١٤٦)

"إياكم والمقايسة، فوالذي نفسي بيده لإن أخذتم بالمقايسة لتحلن الحرام..."[1] الخ

یعنی تم لوگ قیاس آرائی سے پرہیز کرو ورنہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لو گے۔

حتی کہ رائے و قیاس سے موصوف امام شعبی کو اس قدر بیزاری تھی کہ کسی ایک مسئلہ میں ایک شخص نے ان کی ذاتی رائے معلوم کی تو جواب دیا:

"ما تصنع برأيي؟ بل على رأيي."[2]

''تم میری رائے کو کیا کرو گے، میری رائے پر پیشاب کر دو!''

امام اسماعیل بن ابی خالد سے امام شعبی نے فرمایا:

"ما كلمة أبغض إلي من أرأيت."[3]

''میرے نزدیک "أرأیت" سے زیادہ مبغوض کوئی کلمہ نہیں۔''[4]

یہ کلمہ "أرأیت" اہل الرائے و القیاس کا خاص کلمہ ہے، بروایت مجالد، شعبی نے قیاس و رائے کی مذمت میں ابن مسعود سے بواسطہ امام مسروق ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا:

"لعن الله ارأيت."[5] ''اللہ تعالیٰ "أرأیت" پر لعنت بھیجے۔''[6]

جس روایت میں مذکور ہے کہ درسگاہِ شعبی میں جاتے ہی امام صاحب نے ان کے بتلائے ہوئے مسئلہ پر اعتراض کر دیا، اس لیے وہ وہاں سے خارج کر دیے گئے! اگرچہ غیر صحیح ہے مگر اس میں شک نہیں کہ اہل الرائے احادیث سے ثابت شدہ مسائل پر اس قسم کے اعتراضات کرنے کے عادی ہوتے ہیں، حالانکہ یہ اعتراض اسی طرح باطل و بے معنی ہوتے ہیں جس طرح کہ روایت مذکورہ میں امام صاحب کی طرف منسوب اعتراض لغو و باطل ہے، کیونکہ ظہار اور نذر معصیت کے درمیان ایسی حد فاصلِ موجود ہے جس کے سبب ظہار پر نذر معصیت کو قیاس کرنا سراسر لغو لا طائل ہے، اور ظہار کے صرف منکر و زور ہونے کو وجوب کفارہ کا سبب سمجھنا بھی جہالت در جہالت ہے، اگر ظہار کا محض منکر و زور ہونا باعثِ وجوب کفارہ کا باعث ہوتا تو ہر جھوٹی بات، چغل خوری اور اس طرح کے گناہوں پر کفارہ عائد ہوتا، بس صرف اتنی سی بات سے اس اعتراض کی لغویت ظاہر ہو جاتی ہے۔

کیا امام شعبی سے مستفید نہ ہونے پر امام صاحب نادم تھے؟

مصنف انوار کی معتمد علیہ کتاب مناقب ابی حنیفۃ للکردری میں منقول ہے:

"قال أبو حنيفة: أتيت الشعبى فسألته عن أشياء فاستقبلني بمكروه فتركت الاختلاف إليه، ثم ندمت بعد ذلك فسمعت عن رجل أو رجلين عنه، ومن كان مثله في العلم والسن."[7]

---

[1] الأحكام لابن حزم (۸/ ۳۳)

[2] طبقات ابن سعد (٦/ ٣٥٠) وحلية الأولياء (٤/ ٣١٩) والأحكام لابن حزم (٦/ ٥٢) و جامع بيان العلم (٢/ ٣٢)

[3] جامع البيان (٢/ ١٤٦)

[4] نیز ملاحظہ ہو: سنن دارمي (ص: ٦٥)

[5] الإحكام لابن حزم (٦/ ٤٩)

[6] نیز ملاحظہ ہو: إعلام الموقعين (١/ ٢٦)

[7] مناقب أبي حنيفة للكردري (٢/ ٤)

یعنی امام صاحب نے کہا کہ میں نے امام شعبی کے پاس آ کر چند باتیں دریافت کیں، اس کے جواب میں وہ مجھ سے بری طرح پیش آئے، لہٰذا میں نے ان کے پاس جانا ہی ترک کر دیا، پھر مجھے ندامت وشرمندگی ہوئی تو میں نے ایک یا دو آدمیوں کے واسطہ سے ان کا علم حاصل کیا اور ایسے لوگوں سے بھی تحصیل علم کیا جو شعبی ہی جیسے صاحب علم اور انھیں کے ہم عمر تھے۔

معلوم نہیں مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت کو صحیح ومعتبر قرار دے کر دلیل وحجت کیوں نہیں بنایا، جب کہ موصوف نے مناقب ابی حنیفہ للکردری کی بہت سی دیگر روایات کو دلیل وحجت بنا لیا ہے؟ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب امام شعبی کی درسگاہ میں مستفید ہونے سے محروم رہے، جس پر امام صاحب نادم بھی تھے۔

مسانید ابی حنیفہ میں امام شعبی سے امام صاحب کی مرویات کی تعداد:

مذکورہ بالا روایت سے قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ مسند أبي حنیفة للخصفکي مع شرح ملا علی قاری (ص:۱۲۶تا ۱۲۸) میں امام شعبی سے براہ راست امام صاحب کی کل پانچ روایات مذکور ہیں، اور ان پانچوں کا حال بھی یہ ہے کہ جامع المسانید للخوارزمی میں ان کی سندوں کی دی ہوئی تخریج کے مطابق پہلی اور چوتھی روایت شعبی سے براہ راست نہیں بلکہ بواسطہ عون بن عبداللہ عن الشعبی مروی ہیں۔[1] باقی تین روایتیں اگرچہ امام شعبی سے براہ راست مروی ہیں مگر امام صاحب تک ان کی سندیں صحیح نہیں ہیں، کیونکہ ان کی تخریج ابومحمد بخاری حارثی کذاب اور وضاع نے کی ہے، جس کا مختصر تعارف گزشتہ صفحات میں کرایا جا چکا ہے۔[2] کتاب الآثار لمحمد بن حسن (ص: ۱۰۵) "باب النذر في معصیة" میں ہے کہ:

"أخبرنا أبو حنیفة قال: سمعت عامر الشعبي یقول: لا نذر في معصیة." "امام صاحب نے فرمایا کہ امام شعبی سے سنا کہ "لا نذر في معصیة" مگر یہ بیان ہو چکا ہے کہ مناقب موفق وغیرہ کے مطابق امام شعبی کی اس بات پر اعتراض کرنے کے سبب امام صاحب درسگاہ شعبی سے خارج کر دیے گئے تھے۔ مصنف انوار از راہِ دیانت داری بتلائیں کہ موفق وغیرہ میں اضافہ شدہ اس بیان کو انھوں نے کیوں دلیل وحجت بنا کر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ امام صاحب درسگاہِ شعبی سے مستفید ہونے سے محروم رہے؟ جب کہ موصوف اسی طرح کی دوسری روایات کو دلیل وحجت بنائے ہوئے ہیں؟ عنقریب یہ بحث آ رہی ہے کہ امام شعبی ہی کی طرح امام ابراہیم نخعی بھی اہل الرائے والقیاس اور ان کے مذہب سے نفرت ووحشت رکھتے تھے، حالانکہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام ابوحنیفہ مذہب نخعی ہی کے پیرو تھے!

مرجی مذہب سے امام شعبی کی بیزاری:

یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ امام شعبی نے کہا کہ صحابہ میں اختلاف ہو تو حضرت عمر بن خطاب کا قول اختیار کرو، اور یہ کہ امام نخعی اس قول سے انحراف نہیں کرتے تھے جس پر حضرت عمر اور ابن مسعود متفق ہوں اور اگر دونوں میں اختلاف ہو تو موصوف ابن مسعود کے قول کو ترجیح دیتے تھے۔ ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ امام شعبی، نخعی اور دوسرے ائمہ کا یہ موقف اس وقت ہوتا تھا کہ حضرت عمر اور ابن مسعود کے اقوال نصوص کے خلاف نہ ہوں، اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود

---

[1] جامع المسانید (۱/ ۲۱۸، ۲۱۹ و ۲۸٤)

[2] ملاحظہ ہو: جامع المسانید (۱/ ۲۷٦ و ۹۳ و ۲/ ۱۷٦)

ایمان میں کمی بیشی ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہی عقیدہ حضرت ابن مسعود کے عام اصحاب و تلامذہ خصوصاً امام علقمہ و اسود بن یزید، شقیق بن وائل اور سعید بن جبیر وغیرہم کا بھی تھا۔❶

اور حضرت عمر بن خطاب کا یہ ارشاد منقول ہے کہ وہ اپنے اصحاب کو بلا کر کہا کرتے تھے:

"هلمو نزدد إيمانا." ❷ یعنی آؤ ہم ایمان میں اضافہ کریں۔

حضرت عمر سے مروی یہ روایت مرسل ہے جو مصنف انوار کے یہاں حجت ہے اور دوسرے اہل علم کے یہاں اس لیے حجت ہے کہ دوسرے متصل طریق سے بھی یہ روایت منقول ہے۔ حضرت ابن مسعود اور عمر بن خطاب کے اس عقیدہ سے کسی صحابی کا اختلاف منقول نہیں بلکہ متعدد صحابہ سے اتفاق منقول ہے۔❸ اور نصوص کتاب و سنت بھی اس کے موافق ہیں، امام ابو عبید قاسم بن سلام نے بتلایا ہے کہ عام صحابہ و تابعین کی طرح امام عامر شعبی و امام نخعی بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔❹

اور یہ معلوم ہے کہ اس کے خلاف ایمان میں کمی و بیشی کے منکرین کو امام عامر شعبی اور ان کے اصحاب مرجیہ کہتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

"حدثنا خلف بن حيان حدثنا معقل بن عبيد الله العبسي قال: قدم علينا سالم الأفطس بالإرجاء، فنفر منه أصحابنا نفوراً شديدا، منهم ميمون بن مهران و عبد الكريم بن مالك... الخ." ❺

یعنی معقل نے کہا کہ سالم افطس ہمارے یہاں مرجی مذہب لے کر آئے، ہمارے اصحاب نے ان سے شدید نفرت ظاہر کی جن میں میمون بن مہران اور عبدالکریم جزری بھی تھے۔

یہ روایت بہت طویل ہے۔ اس میں امام صاحب کے اساتذہ امام عطاء بن ابی رباح اور زہری وغیرہ سے بھی مذہب ارجاء پر سخت تنقید منقول ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جس طرح امام شعبی اہل الرائے اور ان کے مذہب سے متنفر و متوحش تھے، اسی طرح مرجیہ اور مذہب مرجیہ سے بھی۔ ہم زیادہ تفصیل و تطویل میں پڑے بغیر امام شعبی سے مروی ایک طویل روایت کا ایک ٹکڑا نقل کر رہے ہیں جسے موصوف امام شعبی نے اپنے ایک شاگرد عبیداللہ بن الولید وصافی نصیحت کے طور پر کہا تھا:

"لا تكن شيعياً، ولا تكن مرجياً ولا تكن قدرياً." ❻

یعنی تم نہ شیعی بن کر رہو نہ مرجی اور نہ قدری۔

عنقریب یہ بحث آرہی ہے کہ امام شعبی کی طرح امام نخعی بھی مرجی مذہب اور مرجیہ سے نفرت رکھتے تھے، حتی کہ موصوف مرجی آدمی سے سلام و کلام کے بھی روادار نہ تھے۔ اسلاف کرام مرجیہ و قدریہ اور اہل الرائے کو "أهل الأهواء" (نفس پرست) کے لقب سے بھی یاد کیا کرتے تھے۔ امام شعبی بھی "أهل الأهواء" کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إنما سموا أهل الأهواء أهل الأهواء لأنهم يهوون في النار" ❼

---

❶ كتاب الإيمان لابن تيمية (ص: ١٦١، ١٦٢، بحواله أبي عبيد)

❷ كتاب الإيمان لابن تيمية بحواله أحمد بن حنبل (ص: ١١٨) و كتاب الإيمان لابن أبي شيبة (ص: ٣٦)

❸ كتاب الإيمان لابن تيمية (ص: ١١٨، ١١٩) و كتاب الإيمان لابن أبي شيبه.

❹ كتاب الإيمان لابن تيمية (ص: ١٦١، ١٦٢)

❺ كتاب الإيمان لابن تيمية (ص: ١٠٨، ١٠٩)

❻ طبقات ابن سعد (٦/ ٢٤٨ مختصراً)

❼ حلية الأولياء (٤/ ٣٢٠)

یعنی اہل الاہواء کو اہل علم نے اس نام سے اس لیے یاد رکھا ہے کہ یہ جہنم رسید ہوں گے۔

امام شعبی کے اس ارشاد کی موافقت بھی امام ابراہیم نخعی نے کر رکھی ہے۔❶ امام آدم سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے امام نخعی سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ "لا أدري" مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ اتنے میں امام شعبی ادھر سے جاتے ہوئے نظر آئے تو امام نخعی نے سائل سے کہا کہ ان بزرگ سے جا کر پوچھو اور جو کچھ جواب دیں مجھے بھی آ کر بتلاؤ۔ اس شخص نے شعبی کے پاس سے واپس آ کر نخعی کو بتلایا کہ وہ بھی "لا أدري" فرماتے ہیں، امام نخعی نے کہا: "هذا والله الفقه" بخدا یہی فقہ ہے۔❷ اسلاف میں سے کچھ حضرات سے منقول ہے کہ "لا أدري نصف العلم" یعنی "لا أدري" آدھا علم ہے۔❸

امام شعبی سے بھی یہ قول منقول ہے۔ (دارمی: ۱/۴۳) نیز حدیث نبوی میں ہے:

"الطهور نصف الإيمان."❹

مگر امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ان دونوں ہی باتوں پر تعریض کرتے ہوئے فرمایا:

"لتتوضأ مرتين حتى تستكمل الإيمان، وليقل مرتين لا أدري حتى يستكمل العلم."❺

یعنی دو مرتبہ وضو کر لیا جائے تو ایمان مکمل ہوجائے گا اور دو مرتبہ "لا ادری" کہہ دیا جائے تو پورا علم حاصل ہوجائے گا!

ظاہر ہے کہ اس طرح کی بات امام نخعی و شعبی اور ان کے ہم خیال و ہم مزاج اسلاف کے طور وطریق کے خلاف ہے اور اس سے حدیث نبوی پر بھی تعریض ہوتی ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ امام نخعی کے استاذ تھے:

حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ کئی سندوں سے مروی ہے کہ امام شعبی نے فرمایا کہ امام نخعی رات کو ہم سے پڑھ کر دن میں اپنے تلامذہ کو پڑھاتے ہیں۔❻ اس سے معلوم ہوا کہ مسند درس پر بیٹھنے کے بعد بھی امام شعبی سے امام نخعی پڑھا کرتے تھے۔ نیز مصنف انوار نے کہا کہ:

''امام شعبی نے کہا کہ ابراہیم نے فقہی گھرانا میں تعلیم و تربیت پائی ہے، اس لیے فقہ تو ان کے گھر کی چیز ہے، پھر ہمارے پاس پہنچے تو ہمارے پاس کی تمام اعلیٰ درجہ کی حدیث لے کر اپنے حاصل کردہ فقہ کے ساتھ ملا لیں۔''❼

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی ذکر کردہ یہ بات حلیۃ الاولیاء (۴/ ۲۲۱) میں منقول ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ امام شعبی نے یہ بات ان کی خبر مرگ کے موقع پر کہی تھی، یعنی ۹۶ھ میں۔ اس موقع پر امام شعبی نے کہا تھا:

"إنه نشأ في أهل بيت فقه فأخذ فقههم، ثم جالسنا فأخذ صفو حديثنا إلى فقه أهل بيه."

---

❶ حلية الأولياء ترجمة نخعي. ❷ طبقات ابن سعد (٦/ ٢٥٠) ❸ جامع بيان العلم.

❹ جامع صغير مع فيض القدير، كتاب الإيمان لابن أبي شيبة (ص: ٤١، ٤٢) ❺ خطيب (١٣/ ٣٨٨، ٣٨٩)

❻ تذكرة الحفاظ، المعرفة والتاريخ للفسوي (٢/ ٦٠٣) ❼ مقدمه انوار (١/ ٤١)

یعنی موصوف نخعی نے فقہی گھرانے میں پرورش پائی، لہٰذا اپنے گھرانے کی فقہ حاصل کر چکنے کے بعد موصوف نے ہماری درسگاہ میں بیٹھ کر ہم سے اعلیٰ درجہ کی احادیث کا علم حاصل کر کے اپنی فقہ میں شامل کر لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام نخعی امام شعبی کے شاگرد اور شعبی کی زیر تربیت رہ کر موصوف امام نخعی نے حدیث کی اعلیٰ تعلیم پائی اور امام نخعی کی یہ بہت بڑی سعادت مندی و خوش نصیبی تھی کہ وہ اہل الرائے والقیاس والارجاء سے نفرت و کراہت رکھنے میں اپنے اس جلیل القدر استاذ نیز تمام اسلاف کرام کے ہم زبان وہم خیال تھے، مگر یہ عجیب حیرت انگیز وعبرت خیز اور افسوسناک بات ہے کہ ان دونوں جلیل القدر اماموں کی درسگاہوں میں تعلیم پانے کے باوجود حماد بن ابی سلیمان نے وفات نخعی کے کچھ دنوں بعد ان دونوں جلیل القدر اساتذہ کے مسلک و مذہب سے اعراض و انحراف کر کے مسلک اہل الرائے والارجاء اختیار کر لیا، بلکہ یوں کہیے کہ عام اسلاف کا طور وطریق چھوڑ کر موصوف مذہب رائے و ارجاء کے پیرو ہو گئے اور انھوں نے مسلکِ سلف کے خلاف مسلکِ رائے وارجاء کی پیروی میں ایسا طریق عمل اختیار کیا کہ ان کے طرز عمل سے برافروختہ ہو کر امام شعبی حماد اور ان کے ہم مسلک اصحاب کو ''صعافقۃ'' جیسے سخت لفظ سے یاد کرنے لگے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اور مصنف انوار کے دعویٰ کے مطابق امام ابوحنیفہ انھیں حماد کے ہم مسلک تھے، امام نخعی اگرچہ عمر میں امام شعبی سے چھوٹے تھے، کیونکہ بدعویٰ مصنف انوار امام شعبی رحمہ اللہ ۱۷ھ اور امام نخعی ۵۰ھ میں پیدا ہوئے، یعنی کہ امام شعبی سے نخعی تینتیس (۳۳) سال چھوٹے تھے، بلفظ دیگر ولادتِ نخعی کے وقت شعبی کی عمر تینتیس سال تھی اور عمر میں اس قدر چھوٹے ہونے کے ساتھ امام نخعی امام شعبی کے شاگرد تھے، ان کی درسگاہ سے انھوں نے حدیث کی اعلیٰ تعلیم پائی تھی اور موصوف امام نخعی اپنے اس جلیل القدر استاذ سے بہت پہلے ۹۶ھ ہی میں وفات پا چکے تھے، جبکہ ان کی وفات کے کئی سال بعد بقول مصنف انوار ۱۰۳ھ میں امام شعبی فوت ہوئے، یعنی کہ وفاتِ نخعی کے بعد امام شعبی کئی سال زندہ رہے، مگر چونکہ امام نخعی اپنے اس جلیل القدر استاذ یعنی امام شعبی اور دوسرے اساتذہ سے تعلیم پا کر ایک عظیم المرتبت صاحب علم و کمال اور عالم باعمل اور مسلک سنت کے پیرو بننے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، اس لیے امام شعبی اور دوسرے اہل علم نے امام نخعی کے علم وفضل اور تفقہ و پیرویٔ سنت کی تعریف و مدح کی جیسا کہ مصنف انوار نے بھی مدح نخعی میں امام شعبی اور بعض دوسرے اہل علم کے اقوال نقل کیے ہیں، مگر اہل انصاف خود فیصلہ کریں کہ ان جلیل القدر اماموں یعنی شعبی ونخعی سے تعلیم پانے والے ان کے جو شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد اپنے ان دونوں اساتذہ کی سخت ممانعت کے باوجود بھی مسلکِ رائے وارجاء کے پیرو ہو گئے، ان کی مدح سرائی کو اپنا شیوہ و شعار بنا لینے والے اور ان کی ثنا خوانی کو علمی وتحقیقی و دینی خدمت قرار دیتے پھرنے والے اپنے اختیار کردہ موقف میں کس قدر حق بجانب ہیں؟

امام نخعی پر امام شعبی کی علمی برتری اور فضیلت صرف اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ امام شعبی کے تربیت یافتہ شاگردوں میں سے ہیں، مصنف انوار نے لکھا ہے کہ ''مرتبہ استاذ کا بڑا ہے یا شاگرد کا؟''[1]

یعنی کہ بدعوی مصنف انوار استاذ کا مرتبہ شاگرد کے بالمقابل بڑا ہے، اور مصنف انوار نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''امام شعبی کو پانچ سو صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔''[2]

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۵۳)　　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۳۹)

اور مصنف انوار کی لکھی ہوئی یہ بات صحیح بھی ہے، اگرچہ انھوں نے اپنی اس بات کا ماخذ بتلایا ہے نہ اس کا حوالہ دیا ہے مگر کتب رجال میں یہ بات بسند صحیح مروی ہے۔❶

اس کے بالمقابل مصنف انوار نے لکھا ہے کہ ''امام نخعی چند صحابہ کی زیارت سے مشرف بھی ہوئے۔''❷

مصنف انوار کی لکھی ہوئی یہ بات اگرچہ خلاف تحقیق ہے، کیونکہ نخعی صرف ایک دو صحابی کی زیارت سے مشرف ہو سکے تھے لیکن روایت کسی سے بھی نہیں کر سکے، جیسا کہ تقریب التہذیب میں ارجح الاقوال کے طور پر موصوف کو طبقہ خامسہ کا راوی کہا گیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ موصوف صرف ایک دو صحابی کو دیکھ سکے تھے، کسی سے روایت نہیں کر سکے تھے، جبکہ امام شعبی بدعویٰ مصنف انوار پانچ سو صحابہ کی زیارت سے مشرف تھے اور بہت سارے صحابہ کے شاگرد بھی تھے، دریں صورت ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی امام نخعی پر امام شعبی کو بدرجہا تفوق وفضیلت حاصل ہے۔

نیز مصنف انوار نے لکھا ہے:

''حضرت ابن عمر صحابی نے ایک بار شعبی کو مغازی کا درس دیتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تمام محدثین سے اور مجھ سے بھی زیادہ یہ مغازی کو جانتے تھے۔ یہ صحابہ کے سامنے درس دیتے تھے اور صحابہ بھی شریک درس ہوتے تھے۔''❸

مصنف انوار نے اپنے اس بیان کا ماخذ بتلایا ہے اور نہ ان الفاظ کے ساتھ یہ بات ہم کو کسی کتاب میں مل سکی ہے۔ اور ان الفاظ میں اس بات کا غلط ہونا بالکل واضح ہے، مگر اتنی بات ضرور صحیح ہے کہ حضرت ابن عمر نے شعبی کو احوال مغازی بیان کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تم ان احوال کو اس طرح بیان کرتے ہو گویا ہمارے ساتھ غزوات میں شریک رہ چکے ہو۔❹

نیز تذکرۃ الحفاظ (۱/ ۷۱) میں منقول ہے کہ ابن عمر نے شعبی کو احوال مغازی بیان کرتے دیکھ کر کہا کہ تم ان باتوں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ نیز ابن سیرین سے مروی ہے:

"قدمت الكوفة، وللشعبي حلقة عظيمة، وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ كثير."❺

یعنی میں کوفہ آیا تو امام شعبی کا حلقہ درس بہت عظیم تھا، حالانکہ اس زمانے میں بہت سے صحابہ کرام زندہ موجود تھے۔

ابوبکر ہذلی نے کہا:

قال لي ابن سيرين: الزم الشعبي فلقد رأيته يستفتى، والصحابة يتوافرون."❻

یعنی ابن سیرین نے کہا کہ امام شعبی کی صحبت لازم پکڑو، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ ان سے فتویٰ لیا جاتا تھا، حالانکہ اس زمانے میں بہت سارے صحابہ زندہ تھے۔

اس روایت کے راوی ابوبکر ہذلی ضعیف ہیں۔❼ مگر یہ بات بہر حال ثابت ہے کہ ۷۳ھ میں فوت ہونے والے صحابی ابن عمر کی زندگی میں امام شعبی کا حلقہ درس قائم ہو چکا تھا اور وہ ۷۴ھ سے پہلے حدیث وفقہ ومغازی کے علوم کی تعلیم دینے لگے

❶ حلية الأولياء (٤/ ٣٢٣) و عام كتب رجال.　❷ مقدمه انوار (١/ ٣٨)　❸ مقدمه انوار (١/ ٣٩)
❹ خطيب (١٢/ ٢٣٠) و جامع المسانيد (٢/ ٢٩٧، ٢٩٨، باب: ٣٧)
❺ تذكرة الحفاظ و حلية الأولياء (٤/ ٣١٠)　❻ تذكرة الحفاظ (١/ ٧١) و خطيب (١٢/ ٢٣٠)
❼ تهذيب التهذيب (١٢/ ٤٥، ٤٦)

تھے، جبکہ امام نخعی ابھی تحصیل علم میں مشغول تھے۔ اس اعتبار سے بھی امام نخعی پر امام شعبی کو تقدم وفضیلت حاصل ہے مگر اس تفاوت کے ساتھ ساتھ یہ دونوں استاذ و شاگرد بلند پایہ اصحاب علم وفضل تھے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ امام صاحب کے عام اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ مذہب قیاس ورائے سے بیزار تھے، ان میں سے ایک امام ابن سیرین بھی تھے۔ (وللتفصیل موضع آخر)

حماد کا ذکر متخلل:

ہم اس بات کی طرف اشارہ کر آئے ہیں کہ مصنف انوار اپنی چھیڑی ہوئی ایک بات کو ادھوری چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دینے اور پھر اس دوسری بات کو بھی ادھوری چھوڑ کر تیسری بات چھیڑ دینے کے عادی ہیں، چنانچہ انھوں نے تذکرہ شعبی سے پہلے تذکرہ حماد چھیڑ رکھا تھا مگر اسے پورا کیے بغیر ادھورا چھوڑ کر تذکرہ شعبی شروع کر دیا اور اس ادھورے تذکرہ حماد سے پہلے موصوف نے تذکرۂ نخعی چھیڑ رکھا تھا مگر اسے بھی ادھورا چھوڑ کر موصوف نے تذکرہ حماد شروع کر دیا، پھر اپنے چھیڑے ہوئے تذکرہ حماد کو ادھورا چھوڑ کر تذکرۂ شعبی شروع کر دیا، لیکن تذکرۂ شعبی کے بعد دوبارہ پھر تذکرۂ حماد چھیڑتے ہوئے حماد سے متعلق صرف ایک جملہ لکھ کر دوسری بات شروع کر دی، یعنی کہ دوسری بار چھیڑے ہوئے تذکرہ حماد کو بھی ادھورا چھوڑ کر دوسری بحث کا آغاز کر دیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> ''امام صاحب نے دس سال حضرت حماد کی خدمت میں رہ کر فقہ کی تحصیل کی اور دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا، اس کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور کوفہ میں کوئی محدث ایسا نہیں تھا جس سے آپ نے احادیث نہ سنی ہوں۔''❶

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے واضح طور پر دعوی کیا ہے کہ امام صاحب نے خدمت حماد میں دس سال رہ کر فقہ پڑھی اور حماد سے تحصیل فقہ کی، اسی دس سالہ مدت میں دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا اور دس سال تک حماد سے فقہ پڑھنے اور دوسرے بزرگوں سے استفادہ کے بعد امام صاحب تحصیل علمِ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور دس سال حماد اور دوسرے بزرگوں سے تحصیل فقہ کرنے کے بعد تحصیل علم حدیث کی طرف اس طرح متوجہ ہوئے کہ کوفہ کے کسی محدث کو بھی نہ چھوڑا جس سے موصوف نے علم حدیث نہ پڑھا ہو، مگر مصنف انوار نے اپنے کسی بھی بیان سے یہ نہیں ظاہر ہونے دیا ہے کہ حماد سے فقہ پڑھنے اور دوسرے اساتذہ سے استفادے کی یہ دس سالہ مدت کب سے شروع ہو کر کب ختم ہوئی جس کے بعد امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے؟ نیز مصنف انوار نے یہ بھی نہیں بتلایا کہ امام صاحب حماد اور دوسرے اساتذہ سے استفادہ کی جس دس سالہ مدت کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اس دس سالہ مدت سے پہلے امام صاحب کا کیا مشغلہ تھا؟

ان دونوں معاملات کو مبہم رکھنے کے ساتھ مصنف انوار نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ:

> ''حضرت حماد کے حلقہ درس میں امام صاحب کے سوا کوئی اور استاذ کے سامنے نہ بیٹھتا تھا، دس برس ان کی خدمت میں رہے تھے کہ ایک دفعہ اپنی جگہ پر بٹھا کر حماد باہر گئے، امام صاحب لوگوں کے سوالات کے جواب

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۴۰)

دیتے رہے، استاذ کی واپسی پر وہ مسائل ان کی خدمت میں پیش کیے جن کی تعداد ساٹھ تھی، استاذ نے چالیس سے اتفاق اور بیس سے اختلاف کیا، امام صاحب نے قسم کھائی کہ ساری عمر حاضر رہوں گا، چنانچہ استاذ کی وفات تک ساتھ رہے۔ کل زمانہ رفاقت اٹھارہ سال ہوا۔"[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس بیان میں مصنف انوار نے حماد سے امام صاحب کی مدت تحصیل علم اٹھارہ سال بتلائی ہے، ظاہر ہے کہ موصوف کا یہ بیان ان کے پہلے والے اس بیان کے معارض ہے کہ امام صاحب نے دس سال حضرت حماد کی خدمت میں رہ کر تحصیل فقہ کی، مصنف انوار کی اس تضاد بیانی کے ساتھ ساتھ ان کی تلبیس کاری (جس کی وضاحت آگے آرہی ہے) سے قطع نظر فی الوقت ہمیں یہ بتلانا ہے کہ مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ امام صاحب حماد کی وفات تک حماد سے اٹھارہ سال تک پڑھتے رہے تھے، اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ حماد کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں حماد کی درسگاہ میں داخل ہوکر امام حماد سے اٹھارہ سال تک پڑھتے رہے۔ اس سے قطع نظر کہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا دونوں بیانات میں کوئی صورت تطبیق نہیں بتلائی یہ سوال اپنی جگہ پر برقرار ہے کہ حماد اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کی جس دس سالہ مدت کے بعد امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے وہ کب سے شروع ہوکر کب ختم ہوئی؟ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ دس سالہ مدت حماد کی وفات سے دس سال پہلے شروع ہوکر وفاتِ حماد تک ختم ہوئی ہے، یعنی کہ ۱۱۲ھ سے شروع ہوکر ۱۲۰ھ پر ختم ہوئی تو مصنف انوار کے اس دعویٰ کے پیش نظر کہ حماد سے امام صاحب کی مدت استفادہ اٹھارہ سال ہے، لازمی طور پر یہ سوال اٹھے گا کہ ۱۱۲ھ سے لے کر ۱۲۰ھ تک کی دس سالہ مدتِ تحصیلِ فقہ کے پہلے آٹھ سال تک خدمت حماد میں رہ کر امام صاحب کیا حاصل کرتے رہے جبکہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ حماد سے دس سالہ تحصیل فقہ کی مدت کے بعد امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، جس کا ظاہری مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس دس سالہ تحصیل فقہ کی مدت کے پہلے امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے؟ اور اگر کہا جائے کہ حماد سے دس سالہ تحصیل فقہ کی مدت کے پہلے امام صاحب حماد کی خدمت میں مزید آٹھ سال رہے، اس طرح حماد سے امام صاحب کی کل مدت استفادہ اٹھارہ سال ہوتی ہے، تو لازم آئے گا کہ امام صاحب درسگاہ حماد میں ۱۰۲ھ سے لے کر ۱۱۲ھ تک تحصیل فقہ کرتے رہے اور اس کے بعد موصوف حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، دریں صورت یہ سوال ہوگا کہ جب امام صاحب ۱۰۲ھ سے ۱۱۲ھ تک تحصیلِ فقہ کرتے رہے اور اس کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے تو جو محدثین کرام ۱۱۲ھ کے پہلے وفات پا چکے تھے، ان سے امام صاحب ۱۱۲ھ کے بعد حدیث کیسے پڑھ سکے؟ مثلاً مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب نے ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں فوت ہونے والے امام نخعی سے اور ۱۰۳ھ میں فوت ہونے والے امام شعبی سے، ۱۰۷ھ میں فوت ہونے والے عکرمہ مولی ابن عباس سے، ۱۰۶ھ میں فوت ہونے والے امام سالم بن عبداللہ بن عمر سے اور ۱۰۰ھ کے لگ بھگ فوت ہونے والے امام سلیمان مولی میمونہ سے حدیث پڑھی۔[2]

لیکن اس مفروضہ کی صورت میں کہ امام صاحب ۱۱۲ھ کے بعد تحصیل حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، مذکورہ بالا حضرات

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۵۵)
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۳۹ تا ۴۲)

سے امام صاحب کے حدیث پڑھنے کا دعویٰ کیونکر صحیح ہوگا؟ اور اگر کہا جائے کہ امام صاحب تحصیلِ حدیث کی طرف ۱۱۲ھ سے پہلے ۱۰۲ھ میں یا اس سے بھی پہلے متوجہ ہوئے تو مصنف انوار کے اس دعویٰ کی کیا توجیہ ہوگی کہ حماد سے دس سال فقہ پڑھنے کے بعد امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ کہ امام صاحب نے حماد سے اٹھارہ سال تحصیل علم کیا؟

ان باتوں سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ حماد سے امام صاحب کی مدت تعلیم کے دس سال یا اٹھارہ سال ہونے کے دعویٰ پر کون سی معتبر دلیل قائم ہے جس کی بنا پر اسے اس گروہ کے ایجاد کردہ اکاذیب میں نہیں شمار کیا جا سکتا جو بقول مصنف انوار سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے والے جھوٹ کو کارخیر سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتا رہا ہے؟ اپنے مذکورہ بالا پر پیچ بیان میں یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ:

''امام صاحب نے حماد سے دس سال فقہ پڑھی اور دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا، اس کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور کوفہ میں کوئی محدث ایسا نہ تھا جس سے آپ نے احادیث نہ سنی ہوں۔''

مصنف انوار نے مزید کہا:

''ابوالمحاسن نے امام صاحب کے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں جن میں سے ۹۳ کوفہ کے ساکن یا نزیل کوفہ تھے، جن میں سے امام شعبی کا ذکر ہو چکا ہے، چند دوسرے حسب ذیل ہیں۔'' ❶

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے مذکورہ بالا دعاوی کے مطابق امام صاحب نے اپنے شیوخ حدیث سے درسگاہِ حماد میں دس سال تک فقہ پڑھنے کے بعد حدیث پڑھی، جس کا لازمی مطلب مصنف انوار ہی کے دعاوی کے مطابق یہ ہے کہ ان شیوخ حدیث سے امام صاحب نے یا تو ۱۱۲ھ کے بعد حدیث پڑھی یا ۱۲۰ھ کے بعد، مگر ابوالمحاسن کے ذکر کردہ امام صاحب کے شیوخ حدیث میں بہت سارے حضرات ایسے ہیں جو ۱۲۰ھ ہی نہیں بلکہ ۱۱۲ھ سے پہلے حتی کہ ۱۰۰ھ سے بھی قبل فوت ہو گئے، اور حقیقت یہ ہے کہ ابولمحاسن کے ذکر کردہ متعدد شیوخ حدیث سے امام صاحب کا سماع معتبر طور پر ثابت نہیں یہاں سوال یہ ہے کہ جب مصنف انوار کا ایک طرف یہ دعویٰ ہے کہ حماد سے دس سال فقہ پڑھنے کے بعد امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور دوسری طرف مصنف انوار کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ امام شعبی سے امام صاحب نے حدیث پڑھی جو ۱۰۳ھ میں فوت ہوئے تو مصنف انوار یہ کیوں نہیں بتلاتے کہ حماد سے دس سال فقہ پڑھ کر امام صاحب کس سال فارغ ہوئے جس کے بعد انھوں نے شعبی سے حدیث پڑھی؟

مصنف انوار نے اس جگہ امام صاحب کے سات کوفی اساتذہ شعبی، حماد، سلمہ بن کہیل، اعمش، سماک بن حرب، ہشام بن عروہ اور ابراہیم کا ذکر کیا ہے۔ ❷ جن میں سے ابراہیم اور حماد کے ادھورے ذکر کے بعد شعبی کا ذکر کیا ہے۔ شعبی سے متعلق موصوف کے دعاوی کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے، ان تینوں کے بعد سلمہ بن کہیل کا ذکر ہے۔

امام سلمہ بن کہیل:

مصنف انوار نے امام صاحب کے شیوخ حدیث میں سلمہ بن کہیل کا تذکرہ صرف دو سطروں میں کرنے پر اکتفا کیا ہے:

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۴۰)　　❷ مقدمہ انوار (۱/ ۳۹ تا ۴۵)

''سلمہ مشہور محدث و تابعی تھے، سفیان استادِ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سلمہ ایک رکن ہیں ارکان میں سے، ابن مہدی کا قول ہے کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایہ تھے، منصور، سلمہ، عمرو بن مرہ، ابوحصین۔'' ❶

ہم کہتے ہیں کہ سفیان استاذ امام شافعی نے یہ بھی فرمایا ہے:

"قال سلمة بن كهيل: اجتمع الضحاك وميسرة وأبو البختري فأجمعوا على أن الشهادة والإرجاء والبراء بدعة." ❷

یعنی سلمہ بن کہیل نے کہا کہ ضحاک بن شراحیل ہمدانی، میسرہ بن یعقوب بن جمیلہ اور ابوالبختری سعید بن فیروز نے متفق اللسان ہو کر کہا کہ مذہب ارجاء بدعت ہے۔

متفق اللسان ہو کر ارجاء کو بدعت قرار دینے والے مذکورہ بالا تینوں ہی حضرات اکابر تابعین اور حضرت ابن مسعود کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں، مصنف انوار نے امام اوزاعی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استاذ قرار دیا ہے۔ ❸

اور امام اوزاعی نے فرمایا کہ:

"قال الزهري: ما ابتدعت في الإسلام بدعة أعز على أهلها من هذا الإرجاء." ❹

یعنی امام زہری نے فرمایا کہ اسلام میں ارجاء سے زیادہ خطرناک بدعت ایجاد نہیں کی گئی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلمہ بن کہیل بھی مذہب ارجاء کو بدعت قرار دیتے تھے مگر جس حماد کی درسگاہ میں بقول مصنف انوار امام صاحب نے اٹھارہ سال تعلیم پائی وہ ان سب حضرات سے منحرف ہو کر مرجی المذہب ہوگئے، بنا بریں تلامذۂ نخعی کے عتاب کے شکار ہوئے۔ سلمہ بن کہیل کے بعد مصنف انوار نے امام صاحب کے اساتذہ کی فہرست میں امام اعمش کا ذکر کیا ہے، لہٰذا اب ہم اس پر تبصرہ کریں گے۔

امام اعمش استاذ ابی حنیفہ کے فقیہ و غیر فقیہ ہونے کا متضاد دعوائے مصنف انوار:

مصنف انور نے تذکرہ اعمش شروع کرتے ہوئے کہا:

''اعمش کوفہ کے جلیل القدر محدث و فقیہ تابعی تھے، باوجودیکہ امام صاحب کے اساتذہ کے طبقہ میں تھے اور امام صاحب نے ان سے روایات بھی کی ہیں مگر امام صاحب کے تفقہ و اجتہاد کے بڑے مداح تھے۔'' ❺

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں امام اعمش کو جلیل القدر محدث اور فقیہ تابعی قرار دیا ہے، مگر اس اقرار و اعتراف کے بعد ہی فوراً موصوف نے اپنے خالص علمی و تحقیقی نقطہ سے صحیح قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل روایت نقل کی جس کا لازمی مطلب ہے کہ امام اعمش فقیہ نہیں تھے۔ ملاحظہ ہو:

''ایک بار امام صاحب بھی اعمش کی مجلس میں تھے، کسی نے سوال کیا تو آپ نے جواب کے لیے امام صاحب ہی کو حکم دیا، امام صاحب نے جواب دیا تو اس کو بہت پسند فرمایا اور پوچھا کہ یہ جواب آپ نے کس دلیل سے

❶ مقدمہ انوار (١/ ٤٠)　❷ كتاب الإيمان لأبي عبيد قاسم بن سلام (ص: ٦٤)
❸ مقدمہ انوار (١/ ٤٦)　❹ كتاب الإيمان لأبي عبيد (ص: ٨٢)　❺ مقدمہ انوار (١/ ٤٠)

دیا؟ امام صاحب نے فرمایا کہ فلاں حدیث سے جو آپ ہی سے میں نے سنی ہے۔ امام اعمش اس پر متحیر ہوئے اور فرمایا: اے گروہِ فقہاء! واقعی ہم لوگ تو صرف دوا فروش ہیں اور تم طبیب ہو!''[1]

اس سے قطع نظر کہ مصنف انوار کی صحیح و معتبر قرار دی ہوئی یہ روایت کس معتبر دلیل پر قائم ہے؟ جس کی وجہ سے اسے ان لوگوں کے ایجاد کردہ اکاذیب میں نہیں شامل کیا جا سکتا جو بقول مصنف انوار جھوٹ کو کار خیر سمجھ کر سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے پھیلاتے تھے، ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس روایت میں امام اعمش کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ انھوں نے فقہاء و محدثین کو دو مختلف گروہ قرار دے کر فقہاء کو اطباء اور محدثین کو دوا فروش کہہ کر اپنے کو گروہ فقہاء سے خارج اور گروہ دوا فروش میں شمار کیا اور امام صاحب کو فقہاء میں، جس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ امام اعمش بقول خویش محدث تھے مگر فقیہ نہیں تھے، اس روایت کو بطور دلیل پیش کرنے سے لازم آیا کہ مصنف انوار امام اعمش کو گروہ فقہاء سے خارج یعنی انھیں غیر فقیہ کہتے ہیں اور موصوف کی یہ بات اس سے پہلے ان کی لکھی ہوئی اس بات کے معارض ہے کہ اعمش جلیل القدر محدث و فقیہ تھے۔ مزید براں یہ کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت کی سند میں ابراہیم بن عثمان بن سعید نامی ایک راوی موجود ہے۔[2] اور یہ مجہول ہے۔[3] اور اس مجہول سے اس روایت کا ناقل محمد بن قاسم بن سفیان ہے، اس کی روایات کو امام ابن حزم نے کذب خالص و بلائے ظاہر قرار دیا ہے۔[4]

یعنی مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی یہ روایت مکذوبہ و سفید جھوٹ ہے، امام صاحب کے جلیل القدر محدث و فقیہ استاذ کو خود ہی ایک طرف فقیہ قرار دے کر دوسری طرف انھیں غیر فقیہ قرار دینے کے لیے جھوٹی و خانہ ساز روایت کو اس دعویٰ کے ساتھ انوار الباری میں لکھنا کہ خالص علمی، تحقیقی و دینی نقطۂ نظر سے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی اس میں لکھی گئی ہیں، کون سی دیانت داری ہے؟

مصنف انوار بہر حال معترف ہیں کہ امام اعمش استاذ ابی حنیفہ ہیں اور وہ مدعی ہیں کہ استاذ کا مرتبہ شاگرد سے بڑا ہوتا ہے، اس اعتبار سے امام صاحب پر امام اعمش کا تفوق ثابت شدہ حقیقت ہے لیکن یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کوئی جلیل القدر محدث و فقیہ استاذ اپنے سعادت مند شاگرد کی علمی صلاحیتوں کو دیکھ کر اس کی تعریف و مدح کیے بغیر نہیں رہ سکتا، اس لیے یہ مستبعد نہیں کہ امام صاحب میں قابل مدح کوئی بات دیکھ کر امام اعمش نے ان کی کوئی مدح کی ہو مگر مصنف انوار نے یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ ''امام اعمش امام صاحب کے تفقہ و اجتہاد کے بڑے مداح تھے۔'' اپنے اس دعویٰ پر بطور دلیل مذکورہ بالا جو روایت پیش کی ہے اسے ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مکذوب ہے اور اس سے امام صاحب کے جلیل القدر محدث و فقیہ استاذ کی قدح بھی ہوتی ہے۔ دریں صورت سوال یہ ہے کہ اکاذیب کے ذریعہ مدح ابی حنیفہ کی یہ کوشش کون سی تحقیقی و دینی خدمت ہے جبکہ اس سے امام صاحب کے جلیل القدر استاذ کی قدح بھی ہوتی ہے؟

مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی یہ مکذوبہ روایت بذات خود اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ امام صاحب امام اعمش کے

---

[1] مقدمه انوار (١/ ٤٠) بحواله عقود الجواهر المنيفة (١/ ١٠٤، ١٠٥)
[2] جامع بيان العلم (٢/ ١٣١)
[3] لسان الميزان (١/ ٨)
[4] لسان الميزان (٥/ ٣٤٨، ٣٤٩)

شاگرد تھے اور موصوف امام صاحب درسگاہِ اعمش میں پڑھنے کے لیے گئے ہوئے تھے کہ کسی آدمی نے امام اعمش سے کوئی مسئلہ پوچھا، امام اعمش نے اپنے تلامذہ کی مجلس پر ایک نظر ڈال کر امام صاحب سے کہا کہ تم ہی اس سوال کا جواب دو، جب امام صاحب نے جواب دیا تو اعمش نے اس پر مذکورہ بالا بات کہی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعمش کی مجلس میں پیش آنے والے جس واقعہ کا اس میں ذکر ہے، یہ اس زمانے میں پیش آیا تھا جبکہ امام صاحب درسگاہِ اعمش میں زیر تعلیم تھے اور امام اعمش نے سوال مذکور کا جواب دینے کی جو فرمائش امام صاحب سے کی وہ ان کی صلاحیت کا امتحان لینے کی غرض سے تھی، اس سوال کا جواب امام صاحب نے اس طرح دیا کہ اعمش کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ تم لوگ اطبا ہو اور ہم دوا فروش، اپنی درسگاہ میں زیر تعلیم کسی طالب علم کے اس سوال کے جواب پر استاذ کا یہ تبصرہ عجیب ہے جو اس نے بطور امتحان اپنے اس شاگرد سے کیا ہو! بہر حال اس طرح کے اکاذیب کو صحیح و معتبر قرار دے کر خدمت علم و دین کے نام پر کتاب لکھنی عجیب طرح کی دیانتداری ہے۔

مصنف انوار نے آگے چل کر اس مکذوبہ روایت سے ملتی جلتی ہوئی ایک دوسری مکذوبہ روایت اس طرح نقل کی ہے:

> ''ایک بار امام صاحب سے امام اعمش نے چند مسائل میں گفتگو کی، آپ نے جواب دیے، پوچھا کہاں سے؟ امام صاحب نے احادیث بیان کرنی شروع کر دیں جو اعمش ہی سے سنی تھیں، اعمش نے کہا بس کافی ہے، آپ نے تو حد کر دی، میں نے جو احادیث سو دن میں آپ سے بیان کی تھیں، وہ آپ نے ایک ساعت میں سنا دیں، مجھے یہ علم نہ تھا کہ آپ ان پر عمل کر رہے ہیں، اے جماعت فقہاء! آپ لوگ طبیب ہیں اور ہم دوا فروش، آپ نے دونوں طرف (فقہ و حدیث) سے حظ وافر حاصل کیا ہے۔''[1]

مصنف انوار نے اپنی دلیل بنائی ہوئی اس روایت کو خیرات الحسان اور خطیب کے حوالہ سے نقل کیا ہے حالانکہ یہ روایت تاریخ خطیب میں مصنف انوار کے ذکر کردہ الفاظ کے ساتھ نہیں بلکہ اس میں یہ روایت اس طرح ہے:

> ”عن أبي عباد شيخ لهم قال: قال الأعمش لأبي يوسف: كيف ترك صاحبك أبو حنيفة قول عبد الله: عتق الأمة طلاقها؟ قال: تركه لحديثك الذي حدثته عن إبراهيم عن الأسود عن عائشة أن بريرة حين أعتقت خيرت. قال الأعمش: إن أبا حنيفة لفطن، قال: وأعجبه ما أخذ به أبو حنيفة.“[2]

یعنی اعمش نے ابو یوسف سے کہا کہ تمہارے استاذ نے ابن مسعود کے فتوی ”عتق الامة طلاقها“ کے خلاف کیوں عمل کیا؟ ابو یوسف نے کہا کہ حضرت عائشہ کی بیان کردہ حدیث ”إن بريره حين أعتقت خيرت“ کی وجہ سے جس کو آپ ہی نے ان سے بیان کیا ہے۔ اس پر امام اعمش نے کہا کہ امام صاحب سمجھدار آدمی ہیں، اعمش کو امام صاحب کا یہ طریق پسند آیا۔

---

❶ مقدمه انوار (١/ ١٠٤، ١٠٥) بحواله خيرات الحسان (ص: ٦٧) و خطيب عن أبي يوسف.

❷ خطيب (١٣/ ٣٤٠)

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے بیان اور اصل روایت کے مضمون میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اس میں اطبا و صیادلہ کا ذکر نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس میں امام صاحب کے ساتھ اعمش کے مکالمہ کا تذکرہ بھی نہیں ہے بلکہ وہ ابو یوسف کے ساتھ ہے پھر مصنف انوار نے تاریخ خطیب کے حوالے سے اسے امام صاحب کے ساتھ اعمش کے مکالمہ کی شکل میں کیوں پیش کر دیا؟ یہ کون سی دیانتداری ہے؟!

خطیب کے حوالے سے اس روایت کی نقل میں مصنف انوار کی دیانتداری اس تفصیل سے واضح ہوگئی جس میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ قول ابن مسعود کے خلاف حدیث نبوی پر عمل کرنے اور حدیث مذکور سے امام صاحب کے طرز استدلال کی اعمش نے تحسین کی۔ پھر بھی خطیب والی اس روایت کی سند کے راوی ابو عباد اور محمد بن عمر حنفی کا حال معلوم نہیں، یعنی یہ روایت بھی معتبر نہیں ہے۔

اس سے بڑی بات یہ کہ روایت مذکورہ کو مصنف انوار نے خیرات الحسان کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ خیرات الحسان میں درج شدہ روایات کی سندیں حذف کر دی گئی ہیں، دریں صورت بلا سند دیکھے مصنف انوار نے یہ کیسے معلوم کر لیا کہ روایت مذکورہ خالص علمی و تحقیقی اور دینی نقطۂ نظر سے صحیح ہے؟

کوئی شک نہیں کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی یہ روایت مکذوب ہے اور یہ مکذوبہ روایت اگرچہ صرف ایک محدث امام اعمش کی طرف منسوب ہے مگر مصنف انوار ترنگ میں آ کر ایک جگہ فرماتے ہیں:

''بڑے بڑے حفاظ حدیث کو کہنا پڑا کہ ''نحن الصيادلة وأنتم الأطباء''یعنی ہم لوگ صرف دوا فروش ہیں اور آپ لوگ طبیب ہیں۔''[1]

صرف ایک محدث کی طرف مکذوب طور پر منسوب روایت میں وارد شدہ بات کو اپنے خانہ ساز اکاذیب کے زور پر ''بڑے بڑے حفاظ حدیث'' کی طرف منسوب کر دینا کون سی دیانت داری ہے؟

مصنف انوار (۱/ ۴۰) نے مذکورہ بالا مکذوبہ روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا:

> ''اسی طرح کا واقعہ امام اعمش ہی کا امام ابو یوسف کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ امام اعمش نے فرمایا تھا کہ یہ حدیث مجھ کو اس وقت سے یاد ہے کہ تمہادی پیدائش کے آثار بھی نہیں تھے لیکن اس کے معانی پر آج تنبہ ہوا، بے شک ہم لوگ دوا فروش اور آپ لوگ اطباء ہیں۔''

حالانکہ ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کا ذکر امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بلا سند جامع البیان (۲/ ۱۳۰، ۱۳۲) میں کیا ہے اور بلا سند والی روایت کیونکر صحیح و معتبر قرار دی جا سکتی ہے؟

آگے چل کر مصنف انوار (۱/ ۱۰۵) نے ابو یوسف اور اعمش کے مابین پیش آنے والے اس مکالمہ کا ذکر کیا ہے۔[2] جسے ہم تاریخ خطیب کے حوالہ سے نقل کر کے بتلا آئے ہیں کہ

اولاً یہ بھی معتبر نہیں۔ ثانیاً اس میں اطباء صیادلہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس مفہوم کی ایک روایت جامع المسانید (۱/ ۲۷) میں ابو

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ٦٤)　[2] مقدمه انوار (۱/ ۱۰۵)

محمد حارثی بخاری سے نقل کی گئی ہے، اس میں اطباء وصیادلہ کا لفظ مذکور نہیں اور حارثی موصوف کذاب و وضاع ہے۔ اسی مفہوم کی ایک روایت بشر بن الولید سے تاریخ خطیب ترجمہ ابی یوسف میں مروی ہے۔ [1] اس میں بھی اطباء وصیادلہ کا ذکر نہیں اور اس کی سند میں عبداللہ بن محمد الاسدی الاکفانی ہے، جو بقول خطیب "لم یکن في الحدیث شیئاً" تھا۔ [2] ایسی روایت کو معتبر قرار دینا کون سی دیانتداری ہے؟

مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی مذکورہ بالا روایت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے حضرت ابن مسعود کے فتویٰ و قول "بیع الأمة طلاقها" اور "عتق الأمة طلاقها" پر عمل کرنے کے بجائے حدیث نبوی پر عمل کیا، حالانکہ مصنف انوار دوسری طرف اقوال صحابہ کو حجت نہ ماننے والوں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ امام صاحب حضرت ابن مسعود ہی کے علوم کے وارث اور ان کے ہم مذہب تھے۔ مصنف انوار کی ان باتوں میں صورت تطبیق کیا ہے؟ اگر قول صحابی کو حجت نہ ماننا قابل طعن ہے تو امام صاحب نے قول ابن مسعود کو حجت کیوں نہیں مانا؟ اگر کہا جائے کہ حدیث نبوی کے مقابلے میں قول صحابی کو حجت نہیں مانا تو پھر قول صحابی کو حجت شرعیہ قرار دینے پر اصرار کا معنی رکھتا ہے؟

مصنف انوار کا موضوع حدیث سے استدلال:

مصنف انوار اگرچہ اس حدیث نبوی سے واقف ہیں کہ

"من كذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار" [3]

نیز "کفی بالمرء کذبا أن یحدث بکل ما سمع." [4] جن کا حاصل یہ ہے کہ بے تحقیق سنی سنائی بات کو بھی حدیث نبوی کہنے والا کذاب ہے اور جان بوجھ کر ایسا کرنے والا جہنم رسید ہوگا مگر اس کے باوجود موصوف نے نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ کہا:

> ''امام اعمش محدثین کے مشہور ومعروف شیخ الشیوخ ہیں، مسند خوارزمی میں امام اعمش کا قول منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ مواضع فقہ دقیقہ اور غوامض علم خفیہ کو بخوبی جانتے ہیں اور ان کو تاریک مقام میں بھی اپنے چراغ قلب کی وسیع نورانی روشنی سے اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے امام صاحب کو سراج امت فرمایا ہے، یعنی کہ وہ میری امت کے چراغ ہیں۔'' [5]

اولاً: مصنف انوار اپنا یہ جملہ کہ ''امام اعمش محدثین کے مشہور شیخ الشیوخ ہیں۔'' لکھتے وقت یہ بھول گئے کہ وہ اعمش کو اپنے امام ابوحنیفہ کا بھی قابل فخر، جلیل القدر شیخ اور استاذ بتلا آئے ہیں۔ [6] امام صاحب جس استاذ کی درسگاہ میں تعلیم و تربیت پا کر درجہ امامت کو پہنچے اس استاذ کو آخر یہاں مصنف انوار نے کس مصلحت سے اس جملے کے ساتھ یاد کیا ہے؟

ثانیاً: مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت کے مطابق امام اعمش یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام صاب کو چراغ امت کہا ہے، تو انھوں نے امام صاحب کے اختیار کردہ مذہب ارجاء کو بدعت کیوں کہا؟ نیز انھوں نے کیوں امام صاحب

---

[1] تاریخ خطیب (١٤/ ٢٤٦) [2] میزان الاعتدال (٢/ ٧٥) [3] مقدمہ انوار (١/ ١٩)
[4] مقدمہ انوار (١/ ١٢٤) [5] مقدمہ انوار (١/ ١٠٤) [6] مقدمہ انوار (١/ ٤٠)

کے ہم مذہب استاذ حماد کے مرجی ہوجانے پر قطع تعلق کرلیا اور ان سے سلام وکلام بھی بند کر دیا؟ (كما سيأتي)

ثالثاً: مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی مسند خوارزمی والی یہ بات کس دلیل معتبر پر قائم ہے جس کی وجہ سے اس کو اس گروہ کے ایجاد کردہ اکاذیب میں نہیں شمار کیا جا سکتا جو بقول مصنف انوار سفید کو سیاہ کر دکھانے کے لیے کار ثواب سمجھ کر مسلمانوں میں جھوٹ کو پھیلاتا تھا، جب کہ مسند خوارزمی میں یہ بات ابو محمد حارثی کذاب و وضاع سے منقول ہے؟ [1]

رابعاً: کذاب شخص سے بلا سند مروی موضوع حدیث کو بطور حجت پیش کرنا کن لوگوں کا کام ہے؟ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اکاذیب کی ترویج واشاعت کو علمی و دینی خدمت کہتے پھریں!!

امام اعمش رحمہ اللہ پر مصنف انوار کی افترا پردازی:

مصنف انوار نے کہا:

''امام اعمش نے فرمایا کہ ابو حنیفہ وہ مسائل جانتے ہیں کہ نہ حسن بصری جانتے ہیں، نہ ابن سیرین جانتے ہیں، نہ قتادہ، نہ بتی، نہ ان کے سوا کوئی اور۔'' [2]

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں امام اعمش کی طرف منسوب کر کے جو بات کہی ہے، یعنی مذکورہ بالا حضرات بھی وہ مسائل نہیں جانتے جو امام صاحب جانتے ہیں، بلکہ جو مسائل امام صاحب جانتے ہیں وہ کوئی نہیں جانتا، وہ سراسر امام اعمش پر افترا ہے، اگر مصنف انوار میں ذرا بھی دینی و علمی غیرت ہے تو اس روایت کا معتبر ہونا ثابت کریں ورنہ بے سند ہونے کے سبب اس کا مکذوب ہونا ظاہر ہے۔ نیز مذکورہ بالا حضرات میں سے سبھی لوگ امام صاحب کے اساتذہ یا اساتذہ کے اساتذہ ہیں، امام صاحب کے اساتذہ بلکہ دنیا کا کوئی آدمی جس علم سے واقف نہیں وہ کون سا علم ہوسکتا ہے جس سے واقف ہونا امام صاحب کے لیے باعثِ فضیلت ہوگیا؟

مصنف انوار نے اپنے مندرجہ ذیل بیان میں کہا ہے کہ امام اعمش مخالفین امام صاحب کے مخالفین میں سے تھے:

''واضح ہو کہ امام وکیع بھی امام اعمش و اوزاعی کی طرح ابتدا میں امام صاحب کے مخالف تھے، پھر صحیح حالات معلوم ہونے پر معتقد و مقلد ہوگئے۔'' [3]

مصنف انوار نے اس بیان میں دو دعوے کیے ہیں، ایک یہ کہ ابتدا میں امام اعمش، اوزاعی اور وکیع مخالفین امام صاحب میں تھے، دوسرے یہ کہ یہ حضرات صحیح حالات معلوم ہونے پر بعد میں امام صاحب کے معتقد و مقلد ہوگئے، صاف ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا سفید جھوٹ ہے، مصنف انوار تا قیامت ان دونوں دعاوی کا صحیح ہونا نہیں ثابت کر سکتے۔ مصنف انوار کی ان دونوں باتوں کا حاصل یہ ہوا کہ پہلے امام اعمش دوسرے اہل علم کی طرح امام صاحب کے مخالفین میں سے تھے، پھر بعد میں یہ کہنے لگے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے چراغ امت کہا ہے۔ نیز یہ بھی کہنے لگے کہ امام صاحب ایسے علوم سے واقف ہیں جن سے دنیا میں کوئی بھی واقف نہیں، اور یہ کہ امام صاحب طبیب ہیں۔ ان پیچ در پیچ اکاذیب کو خالص علمی و دینی و تحقیقی باتیں کہہ کر مسلمانوں میں پھیلانا آخر کون سی حرکت ہے؟ مصنف انوار یہ بتلائیں کہ امام اعمش کو ''سراج امتی'' والی حدیث نبوی کا علم

---

[1] مسند خوارزمي (۱/ ۲۷) [2] مقدمه انوار (۱/ ۷۲) [3] مقدمه انوار (۱/ ۷۲)

کب ہوا تھا؟ امام صاحب کا مخالف ہونے سے پہلے یا بعد میں؟ اگر بعد میں تو انھوں نے یہ حدیث کس سے سنی تھی؟

نیز مصنف انوار نے کہا ہے:

''کسی نے اعمش سے مسئلہ پوچھا۔ کہا کہ اس کا جواب ابوحنیفہ خوب جانتے ہیں، میرا خیال ہے کہ ان کے علم میں برکت دی گئی ہے۔''❶

مصنف انوار نے یہ بات خیرات الحسان سے نقل کی ہے، جس میں درج شدہ روایات بلاسند منقول ہیں، پھر اس کا صحیح و معتبر ہونا کیسے معلوم ہوسکا؟ نیز امام اعمش نے مذہب حماد کو بدعت کہا ہے اور حماد نے جب یہ مذہب امام نخعی کی وصیت سے انحراف کر کے قبول کر لیا تھا تو اعمش نے ان سے سلام و کلام بند کر دیا تھا، پھر اعمش نے امام صاحب کے علم کو بابرکت کیوں اور کب کہا؟ علمی و دینی غیرت سے کام لے کر مصنف انوار اس روایت کا معتبر ہونا ثابت کریں۔ مصنف انوار نے کہا:

''اعمش نے امام صاحب سے کہا تھا کہ اگر طلب سے فضیلت حاصل ہوتی تو میں تم سے افقہ ہوجاتا مگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہے۔''❷

مصنف انوار نے مذکورہ بالا بات کردری کے حوالہ سے لکھی ہے جس میں درج شدہ روایات خیرات الحسان کی طرح بلاسند مذکور ہیں، پھر اس کا معتبر ہونا مصنف انوار کو کیسے معلوم ہوا؟ جو مذہب ارجاء اعمش کے نزدیک نو ایجاد بدعت ہے اور جس کے پیروکار سے وہ سلام کے روادار نہ تھے، اس کے کسی متبع کو انھوں نے اگر اپنے سے افقہ کہا ہے، باوجودیکہ وہ ان کا شاگرد بھی ہو تو موصوف کی ان دونوں باتوں میں صورت تطبیق بتلائی جائے، مگر پہلے یہ ثابت کر دیا جائے کہ اعمش کی طرف امام صاحب کے بارے میں منسوب شدہ مذکورہ بالا بات فی الواقع اعمش نے کہی بھی ہے۔ امام صاحب کے ذکر سے پہلے امام مالک کا ذکر کرنے کے سبب مصنف انوار صاحب مشکوۃ پر خفا ہیں، لیکن امام صاحب کے جلیل القدر اساتذہ کے بالمقابل خود امام صاحب کے خانہ ساز فضائل بیان کر کے وہ کون سا نیک کام کر رہے ہیں؟

مرجی مذہب سے امام اعمش کی بیزاری:

مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب درسگاہ حماد میں اٹھارہ سال تعلیم و تربیت پا کر امام بنے اور وہ مذہب حماد کے پیرو تھے۔ اہل قلم نے تصریح کر رکھی ہے کہ حماد مرجی المذہب تھے جس کے سبب ان سے تلامذۂ نخعی بیزار تھے، چنانچہ امام صاحب کے یہ جلیل القدر فقیہ و محدث استاذ یعنی امام اعمش بھی امام صاحب کے عام اساتذہ، مثلاً امام شعبی و نخعی کی طرح مرجی مذہب اور رائے و قیاس سے بہت نفرت رکھتے تھے، چنانچہ وفات نخعی کے بعد جب حماد مذہب نخعی چھوڑ کر مرجی اور مذہب قیاس کے پیرو ہوگئے تو انھوں نے حماد سے سلام و کلام بھی امام نخعی کی وصیت کے مطابق بند کر دیا۔❸

امام جریر بن حازم نے کہا:

ذكر الإرجاء عند الأعمش، فقال ما ترجو من رأي أنا أكبر منه.''❹

---

❶ مقدمه انوار (۱/ ۱۰٤ و ۱/ ۷۲)　　❷ مقدمه انوار (۱/ ۷۷ بحواله كردري)

❸ تهذيب التهذيب ترجمة حماد.　　❹ حلية الأولياء (٥/ ٤٨)

یعنی اعمش کے پاس مذہب ارجاء کا ذکر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ اس مبتدعانہ مذہب سے تم کو کیا امید ہوسکتی ہے جس سے میں خود بڑی عمر والا ہوں۔ یعنی کہ یہ نومولود مذہب میری ولادت کے بعد ایجاد کیا گیا ہے۔

اعمش نے امام نخعی سے نقل کیا:

”ذكر عند إبراهيم المرجية فقال: والله إنهم أبغض إلي من أهل الكتاب.“ ❶

یعنی امام نخعی کے پاس مرجیہ کا ذکر آیا تو موصوف نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھے اہل کتاب سے بھی زیادہ مبغوض ہیں۔

معلوم ہوا کہ امام اعمش مذہب ارجاء کو اپنے اساتذہ امام نخعی و شعبی کی طرح مذموم سمجھتے تھے اور اہل علم کی تصریح ہے کہ حماد مرجی المذہب تھے اور مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب مذہب حماد کے پیرو تھے۔

علوم ابن مسعود میں اعمش کی مہارت:

امام اعمش امام شعبی و نخعی کے شاگرد اور ان کے ہم مسلک تھے اور مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام نخعی علوم ابن مسعود کے وارث تھے۔ امام حاکم نے کہا:

”قال ابن معين: أجود الأسانيد: الأعمش عن إبراهيم عن علقمة عن عبدالله بن مسعود.“ ❷

یعنی ابن معین نے کہا کہ سب سے عمدہ سند یہ ہے: اعمش عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود۔

مذکورہ بالا بات امام ابن معین نے کہی ہے جن کو مصنف انوار نے امام جرح و تعدیل تسلیم کیا ہے۔ امام سفیان بن عیینہ نے کہا:

”سبق الأعمش أصحابه بأربع، كان أقرأهم للقرآن، وأحفظهم للحديث، وأعلمهم بالفرائض، وذكر خصلة أخرى.“ ❸

یعنی اعمش اپنے اصحاب میں چار باتوں کے اندر سب سے فائق ہیں، سب سے بڑے قاری قرآن ہیں، سب سے بڑے حافظ حدیث ہیں، سب سے بڑے ماہر علم فرائض ہیں اور ایک چوتھی فضیلت کا بھی ذکر کیا۔

امام اعمش کے علم و فضل سے متعلق دوسرے بہت سارے اقوال ہیں، اختصار کے پیش نظر بعض کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

قاسم بن عبدالرحمٰن نے کہا:

”ليس أحد أعلم بحديث عبد الله من الأعمش.“ ❹

یعنی حدیث ابن مسعود کا جاننے والا اعمش سے زیادہ کوئی نہیں تھا۔

نیز یہ بھی منقول ہے کہ ”امام اعمش نے یحییٰ بن وثاب اور یحییٰ نے عبید بن نضلہ اور عبید نے علقمہ اور علقمہ نے ابن مسعود سے پڑھا۔“ ❺

امام یحییٰ بن وثاب علوم ابن مسعود کے ماہر سمجھے جاتے تھے اور اعمش انھیں یحییٰ کے جانشین علم ہوئے۔ مگر نہ جانے

---

❶ طبقات ابن سعد (٦/ ٢٧٤)　❷ تهذيب التهذيب (٤/ ٢٢٥ وغيره)　❸ تهذيب التهذيب (٤/ ٣٢٣)

❹ حلية الأولياء (٥/ ٤٨)　❺ طبقات ابن سعد (٦/ ٣٤٢) وجاء بمعناه في حلية الأولياء (٥/ ٤٦)

مصنف انوار نے یہ دعویٰ کیوں نہیں کیا کہ اعمش علوم ابن مسعود کے وارث تھے اور امام ابوحنیفہ امام اعمش کے ہم مذہب تھے؟ غالباً مصنف انوار نے ایسا دعویٰ اس لیے نہیں کیا کہ وہ حماد کو علوم ابن مسعود کا وارث قرار دے کر یہ دعویٰ کیے بیٹھے ہیں کہ امام صاحب انھیں حماد کے ہم مذہب تھے۔

اس جگہ مصنف انوار نے امام اعمش سے نقل کیا ہے کہ ''میں نے امام نخعی کے پاس جب کوئی حدیث پیش کی تو اس کا علم ضروران کے پاس پایا، نیز اعمش نے امام نخعی کو حدیث کا ''صيرفي'' (کھرا کھوٹا پہچاننے والا) کہا۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ امام نخعی اور اسی طرح شعبی و اعمش کی ثابت شدہ علمی فضیلت اپنی جگہ پر مسلّم ہے مگر ان جلیل القدر اماموں کے جن شاگردوں نے ان کے مسلک و مذہب سے انحراف کر کے ان کی وصیت و نصیحت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مذہب الارجاء والرائے اختیار کر لیا، انھیں کیا کہا جائے؟

مصنف انوار نے تذکرہ اعمش کے پہلے تذکرہ نخعی و حماد چھیڑ کر انھیں ادھورا چھوڑ دیا تھا مگر بعد میں اپنے بہترین طریقہ تصنیف کے مطابق اس جگہ تذکرہ اعمش ہی میں ذکر متخلل کے طور پر موصوف نے پھر تذکرہ نخعی و حماد چھیڑ دیا ہے، جیسا کہ ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

مصنف انوار کے پیش کردہ قول اعمش سے امام صاحب پر ثبوتِ جرح:

مصنف انوار نے کہا:

''نیز اعمش فرمایا کرتے تھے کہ جو حدیث فقہاء میں دائر و سائر ہو وہ اس سے بہتر ہے جو شیوخ (محدثین و رواۃ) میں دائر و سائر ہو۔''[2]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے امام اعمش کے اصل قول ''شیوخ'' کے بعد قوسین میں جو لفظ محدثین و رواۃ لکھ رکھا ہے وہ ان کا اپنا اضافہ کردہ ہے، جو اہل علم کی نظر میں تحریف ہے مگر مصنف انوار کے دعویٰ کے مطابق دینی و علمی خدمت ہے۔

مصنف انوار کے حسب اعتراف امام ابن معین جرح و تعدیل کے ماہر امام ہیں، انھوں نے فرمایا:

''كان أبو حنيفة صدوقا إلا في حديثه ما في حديث الشيوخ.''[3]

یعنی امام صاحب صدوق تھے مگر ان کی حدیث میں وہ ساری خرابیاں پائی جاتی ہیں جو شیوخ کی بیان کردہ حدیث میں پائی جاتی ہیں۔

مناقب ابی حنیفہ للذہبی میں اس امر کی توضیح موجود ہے کہ حدیث شیوخ کی خامیوں سے مراد ''خطا فی الحدیث'' ہے (مناقب ابی حنیفہ للذہبی) اور لفظِ شیخ محدثین کی اصطلاح میں ایسا کلمہ توثیق ہے جو جرح سے قریب تر ہے۔[4]

معلوم ہوا کہ مصنف انوار نے امام اعمش کے جس قول کو فقہاء کے بالمقابل محدثین کی تنقیص میں نقل کر رکھا ہے، اس سے امام صاحب کا مجروح ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ امام ابن معین نے تصریح کر دی ہے کہ امام صاحب کی روایت کردہ حدیث

---

[1] مقدمه انوار (١/ ٤٠) [2] مقدمه انوار (١/ ٤١، ٤٢) [3] خطيب (١٣/ ٤١٩)

[4] ظفر الأماني للشيخ عبدالحي لكهنوى، بحث كلمات تعديل.

میں وہ خرابیاں موجود ہوتی ہیں جو شیوخ کی بیان کردہ حدیثوں میں پائی جاتی ہیں۔

اس جگہ مصنف انوار نے بحوالہ تمہید لابن عبدالبر نقل کیا کہ اہل نقد امام نخعی کے مراسیل کو صحیح احادیث کے درجہ میں سمجھتے تھے بلکہ ان کے مراسیل کو اپنے مسانید پر ترجیح دیتے تھے۔[1]

مصنف انوار کی اس بات پر حدیث مرسل کی بحث میں گفتگو ہوچکی ہے، اگر اہل نقد کے یہاں مراسیل نخعی صحیح احادیث کے درجہ میں فی الواقع سمجھی جاتی ہوں تو اس سے امام نخعی کے ان تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کی کون سی فضیلت ثابت ہوسکتی ہے جو امام نخعی کی تاکیدی وصیت ونصیحت کے باوجود مذہب نخعی سے منحرف ہوکر مذہب رائے وارجاء کے پیروکار بن گئے؟

اس جگہ مصنف انوار نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ امام شعبی ونخعی وغیرہ مسجد میں جمع ہوکر مذاکرہ حدیث کرتے تھے۔[2] اس کا لازمی مطلب ہوا کہ یہ حضرات احادیث نبویہ ﷺ کی تعلیم وتدریس وروایت کو اپنا شیوہ وشعار اور مشغلہ زندگی بنائے ہوئے تھے، البتہ یہ حضرات ان بلند پایہ محدثین ورواۃ میں سے تھے جو احادیث نبویہ کی نقل وروایت کرتے وقت پوری بیدارمغزی اور توجہ کے ساتھ اس بات کا بہت زیادہ خیال ولحاظ رکھتے تھے کہ ہماری کسی لغزش وکوتاہی اور غفلت وسستی کی بنا پر کوئی حدیث نبی ﷺ کی طرف غلط طور پر منسوب نہ ہوجائے، اور یہ بات احادیث نبویہ کی روایت کرنے والوں کے لیے ضروری بھی ہے، مگر احادیث نبویہ کی نقل وروایت اور تعلیم وتدریس اور ترویج واشاعت میں پوری شدت وتوجہ کے ساتھ اس بات کا لحاظ رکھتے تھے کہ ذات نبوی کی طرف کوئی حدیث غلط طور پر نہ منسوب ہوجائے، لیکن اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ امام نخعی وشعبی اور ان کے بلند پایہ اساتذہ ومعاصر محدثین کرام احادیث نبویہ کی نقل وروایت اور تعلیم وتدریس اور ترویج واشاعت کا کام کرتے ہی نہیں تھے اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ حضرات شدتِ تقویٰ وتورع کی وجہ سے احادیث کی نقل وروایت اور تعلیم وتدریس کی بجائے غیر وقوع پذیر واقعات سے متعلق بغیر پوچھے ہوئے فرضی سوالات قائم کر کے دن رات ان کے جواب تیار کرنے میں مشغول رہا کرتے تھے، بلکہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام نخعی وشعبی واقع شدہ امور سے متعلق مسائل کا جواب بھی اس وقت دیتے تھے جب ان سے سوال کیا جاتا تھا، بلکہ ان حضرات کو ان وقوع پذیر امور سے متعلق کیے گئے سوالات سے کبیدگی اور الجھن ہوا کرتی تھی اور جواب دینے سے چارہ کار نہ پاکر بدرجہ مجبوری زبان کھولتے تو اپنے ذاتی قیاس ورائے سے جواب دینے میں پرہیز کرتے تھے، بلکہ ان کی کوشش ہوتی کہ پیش آمدہ مسائل سے متعلق وارد شدہ کتاب وسنت کی نصوص کو یاد اور ضبط رکھیں اور ان کے مطابق خود عمل کریں اور دوسروں کو بھی فتویٰ دیں، کیونکہ ان کے سامنے حضرت عمر فاروق کا ارشاد گرامی تھا کہ ''تم لوگ احادث نبویہ کے حفظ وضبط اور روایت کی صلاحیت سے محروم اہل الرائے کے طور وطریق سے دور رہو، جو احادیث کے حفظ اور ضبط وروایت سے تو عاجز ہوتے ہیں مگر مسائل دین میں استعمال رائے وقیاس کرنے میں بہت تیز ہوتے ہیں، بنا بریں خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔''

حاصل یہ کہ امام نخعی وشعبی احادیث نبویہ کی تعلیم وتدریس اور نقل وروایت کو اپنا مشغلہ زندگی بنائے ہوئے تھے اور فرضی مسائل خصوصاً غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل سے بہت پرہیز کرتے تھے، لیکن بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۴۱)
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۴۱)

اگر چہ امام نخعی کے علمی وفقہی مورث تھے مگر انھوں نے روایت حدیث کا کام تورعاً اور بوجہ اشتغال فقہ نہیں کیا۔[1]

صرف یہی نہیں بلکہ مصنف انوار نے یہ پروپیگنڈہ بھی کر رکھا ہے کہ روایت حدیث سے اجتناب و پرہیز شدت احتیاط و تورع اور کمال تقویٰ ہے، گویا اساتذۂ نخعی شدت احتیاط وتورع کے طریق پر گامزن نہیں تھے اور نہ نخعی ہی، کیونکہ وہ بھی روایت حدیث سے احتراز و اجتناب کرنے کے بجائے اپنے تلامذہ کو احادیث کی تعلیم دیتے تھے، البتہ اہل الرائے کے فقہی مسائل کے ساتھ اشتغال کو نخعی ناپسند کرتے تھے، مگر امام صاحب نخعی کے برعکس بدعویٰ مصنف انوار فقہی مسائل سے اشتغال کو پسند اور روایت حدیث سے اجتناب کو کمال تورع سمجھتے تھے، امام شعبی رحمہ اللہ اگر چہ امام نخعی کے استاد حدیث تھے مگر انھوں نے امام نخعی کے فضل وکمال خصوصاً فقہی صلاحیتوں کی جی بھر کر تعریف کی اور اس میں بخل سے کام نہیں لیا، محدثین کے یہاں اسی طرح کی فراخ قلبی اور وسعت فکری پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اصحاب الرائے اپنی پارٹی کی مدح تو بڑے مبالغہ آمیز طور پر کرتے ہیں مگر اہلحدیثوں کے کمالات کے اعتراف میں نہایت تنگ نظر اور متعصب واقع ہوئے ہیں، حتی کہ اپنے اصحاب الرائے اماموں کے اساتذہ اہل حدیث کی عظمت و وقعت گرانے کے لیے طرح طرح کی جھوٹی داستانیں تحقیق و انصاف کے نام پر زیب قرطاس کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے استاذ اعمش گروہِ فقہاء سے خارج تھے، وہ صرف دوا فروشوں کی طرح تھے مگر امام ابو حنیفہ طبیب کی طرح تھے۔ وغیرہ

امام سعید بن جبیر کو امام نخعی کے علم وفضل کا اعتراف:

مصنف انوار نے کہا:

> ''حضرت سعید بن جبیر علمی حدیثی سوال کرنے والوں سے فریاد کرتے تھے کہ حیرت کی بات ہے کہ تم مجھ سے سوالات کرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس امام نخعی موجود ہیں!''[2]

ظاہر ہے کہ سعید بن جبیر مکہ کے رہنے والے تھے، کوفہ کے لوگ طویل سفر کر کے ان سے سوال کریں گے تو انھیں سب سے پہلے یہی ہدایت کی جائے گی کہ اپنے یہاں کے اہل علم سے تحقیق مسائل کر لینا چاہیے، اگر کانپور کے بعض افراد دیوبند جا کر بعض مسائل دریافت کریں تو وہاں کے مفتی صاحبان ضرور کہیں گے کہ آپ نے مفتی کانپور کو چھوڑ کر تحقیق مسائل کے لیے دیوبند آنے کی اتنی زحمت کیوں کی؟

بہر حال سعید بن جبیر کے قول سے نخعی کی علمی عظمت ثابت ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ نخعی وسعید دونوں مرجی مذہب سے سخت تنفر رکھتے تھے اور مرجیہ سے ترک تعلق کا برتاؤ کرتے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ حماد طریق نخعی چھوڑ کر مرجی مذہب کے پابند ہوگئے اور بدعوی مصنف انوار امام صاحب انھیں مرجی المذہب حماد کے مذہب ومسلک کے پیروکار تھے۔

امام نخعی فقہی مسائل میں قیاس و رائے کا استعمال نہیں کرتے تھے:

مصنف انوار نے کہا:

> ''اعمش یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ابراہیم کبھی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے، معلوم ہوا

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۵۹)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۴۱)

کہ ابراہیم نخعی سے جتنے فقہی اقوال نقل کیے جاتے ہیں، خواہ وہ امام ابو یوسف کی کتاب الآ ثار میں ہوں یا امام محمد کی کتاب الآ ثار میں یا ابن ابی شیبہ کے مصنف میں وہ سب آ ثار مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ اگر امام نخعی کے فقہی اقوال آ ثار مرفوعہ کے حکم میں ہیں تو کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہ نے بڑی کثرت سے نخعی کے اقوال فقیہ کی مخالفت کی ہے، جس سے یہ مستخرج ہوتا ہے کہ امام صاحب سے بکثرت احادیث نبویہ کی مخالفت سرزد ہوئی ہے، اس جگہ ہم امام نخعی کے وہ فقہی اقوال بطور نمونہ پیش کرتے ہیں جن کی امام ابوحنیفہ اور احناف نے مخالفت کی ہے۔

امام ابراہیم نخعی کے فقہی اقوال سے امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی مثالیں:

۱۔ امام نخعی مرجی لوگوں سے سلام و کلام بند کر دیتے تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی ان سے پرہیز کرنے کا حکم دیتے تھے، نیز مرجی طلباء کو اپنی درسگاہ سے نکال باہر کرتے تھے، لیکن امام نخعی کے ان تمام فرامین کے خلاف امام ابوحنیفہ نے مرجیہ کو اپنا استاذ مان لیا اور انھیں صرف استاذ ہی نہیں بلکہ اپنا پیشوا بھی بنا لیا، حماد جیسے مرجی کو امام نخعی اپنی درسگاہ سے نکال باہر کرتے تھے مگر امام ابوحنیفہ نے ان سے اٹھارہ سال تک علوم دین سیکھے۔ ہر صاحب انصاف بآسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ دریں صورت کیا امام ابوحنیفہ کو مذہب نخعی کا پابند کہا جا سکتا ہے؟

۲۔ امام نخعی نے کہا: وضو میں چہرہ دھوتے وقت کان کا وہ حصہ جو چہرے کی طرف ہے دھونا چاہیے، کان کا باقی حصہ سر کے مسح کے وقت مسح کرنا چاہیے، امام ابوحنیفہ نخعی کے اس فتویٰ کی مخالفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پورے کان کا سر کے مسح کے ساتھ مسح کرنا چاہیے۔[2]

۳۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے وضو میں مضمضہ و استنشاق (کلی اور ناک میں پانی) نہیں کیا تو اس کا وضو صحیح نہیں ہوگا، اسے دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔[3] امام ابوحنیفہ کے نزدیک مضمضہ و استنشاق کے بغیر ہی وضو صحیح ہو جائے گا۔

۴۔ امام نخعی نے فرمایا: بیوی اور غیر محرم کو بوسہ دینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔[4] امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی عورت کو بھی بوسہ دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[5]

۵۔ امام نخعی نے فرمایا کہ غیبت و چغل خوری سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔[6] امام ابوحنیفہ کے نزدیک غیبت و چغل خوری سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۶۔ امام نخعی نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح فرض ہے۔[7] امام ابوحنیفہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کافی ہے۔

۷۔ امام نخعی نے فرمایا: بچے کا پیشاب کپڑے یا جسم پر لگ جائے تو پانی کے چھڑکنے سے طہارت ہو جاتی ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک دھوئے بغیر طہارت نہیں ہو سکتی۔[8]

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ٤١)

[2] ملاحظہ ہو: كتاب الآثار لمحمد (ص: ١٠، باب الوضوء) و كتاب الآثار لأبي يوسف (ص: ٤، ٥، نمبر: ١٢)

[3] الآثار لأبي يوسف (ص: ٤ و ١٤، نمبر: ٩ و ٦٣)

[4] الآثار لمحمد (ص: ١٣، ١٤) الآثار لأبي يوسف (ص: ٦، نمبر: ٢٧)

[5] كتب فقه حنفي.

[6] حلية الأولياء (٤/ ٢٢٧) و ابن أبي شيبة.

[7] الآثار لأبي يوسف (ص: ٦، نمبر: ٢٦)

[8] الآثار لمحمد (ص: ١٦)

۸۔ امام نخعی نے فرمایا: باوضو آدمی اگر ناخن یا سر کے بال تراشے تو تر شے ہوئے ناخنوں کو دوبارہ دھوئے اور سر کا مسح کرے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں۔[1]

۹۔ امام نخعی نے فرمایا: عورت اگر صرف کنپٹی پر مسح کرے تو وضو صحیح نہیں ہوگا، پورے کا مسح کرنا ہوگا مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک کنپٹی پر مسح کرنے سے عورت کا وضو صحیح ہوجائے گا۔[2]

۱۰۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کپڑے یا جسم میں ایک درہم بھر نجاست لگ جائے تو دھوئے بغیر نماز صحیح نہیں ہوگی مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک درہم بھر معاف ہے، اس کے ساتھ نماز صحیح ہوجائیگی، اس سے زیادہ پر دھونا ہوگا۔[3]

۱۱۔ امام نخعی نے فرمایا: مستحاضہ عورت ظہر وعصر کے مابین ایک غسل کے ساتھ جمع صوری کر لے، اسی طرح مغرب وعشاء کے درمیان بھی اور فجر کے لیے ایک علیحدہ غسل کر کے نماز پڑھے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہر نماز کے لیے صرف تازہ وضو بلا جمع صوری کافی ہے۔[4]

۱۲۔ امام نخعی نے فرمایا: بچہ پیدا ہونے والی عورت کے ایام نفاس کی اگر کوئی تعیین نہیں ہوسکی تو وہ اپنے خاندان کی عورت کی مدت نفاس گزارے مگر امام ابوحنیفہ و دیگر احناف نے کہا: "ولسنا نأخذ بذلك"۔[5]

۱۳۔ امام نخعی کے نزدیک لعاب دہن پاک نہیں ہے، اسے دھوئے بغیر طہارت نہیں حاصل ہوگی۔[6]
مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک لعاب دہن پاک ہے۔

۱۴۔ امام نخعی نے فرمایا: شوہر اپنی مری ہوئی بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کرا سکتا ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک شوہر اپنی مردہ بیوی کو غسل یا تیمّم نہیں کرا سکتا، البتہ زندہ کو سبھی کچھ کرا سکتا ہے۔[7]

۱۵۔ امام نخعی نے فرمایا: مؤذن کو اختیار ہے، خواہ اثنائے اذان میں بات کرے یا نہ کرے مگر امام ابوحنیفہ و احناف نے کہا: "وأما نحن فنرى أن لا يفعل، وإن فعل فلم ينقض ذلك أذانه"۔[8]

۱۶۔ امام نخعی امامت فرماتے تو محراب کے سامنے نہیں بلکہ داہنے یا بائیں ہٹ کر کھڑے ہوتے مگر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ محراب کے سامنے کھڑے ہو کر امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اندرونِ محراب نہ کھڑا ہو۔[9]

۱۷۔ امام نخعی نے فرمایا: سترہ کو کھڑا کر کے گاڑے بغیر سترہ نہیں کہا جا سکتا مگر امام ابوحنیفہ نے کہا کہ سترہ گاڑے بغیر بھی سترہ رہے گا، البتہ گاڑ دینا مستحب ہے۔[10]

۱۸۔ امام نخعی نے فرمایا: صبح صادق سے پہلے اگر نماز وتر نہیں پڑھی گئی تو اب وتر کی نماز نہ پڑھی جائے گی مگر امام ابوحنیفہ و دیگر احناف کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بهذا"[11]

---

[1] ابن أبي شيبة وغيره.
[2] الآثار لمحمد (ص: ١٧)
[3] الآثار لمحمد (ص: ١٦ و ٣٢ و ٣٣)
[4] الآثار لمحمد (ص: ١٨) و الآثار لأبي يوسف (ص: ٣٥، نمبر: ١٧٥)
[5] الآثار لمحمد (ص: ١٩)
[6] محلى لابن حزم (١/ ١٣٩)
[7] الآثار لمحمد (ص: ٤٤ و لأبي يوسف (ص: ١٧، نمبر ٨٤)
[8] الآثار لمحمد (ص: ١٩) و لأبي يوسف (ص: ١٩، نمبر ٨٤)
[9] الآثار لمحمد (ص: ٢٦)
[10] الآثار لمحمد (ص: ٢٨) و لأبي يوسف (ص: ٤٧، نمبر ٢٤١)
[11] الآثار لمحمد (ص: ٢٩)

۱۹۔ امام نخعی نے فرمایا: جو شخص مسجد میں داخل ہوا اس حال میں کہ امام رکوع میں جا چکا ہو تو اسے بھی تیز دوڑے بغیر رکوع میں چلے جانا چاہیے مگر احناف کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بهذا"[1]

۲۰۔ امام نخعی نے فرمایا: نماز میں اگر کسی کو شک کی بنا پر عضو تناسل میں تری محسوس ہوئی تو اسے نماز چھوڑ کر از سر نو نماز پڑھنی چاہیے، مگر امام ابوحنیفہ نے فرمایا جب تک یقینی طور پر تری محسوس نہ ہو نماز نہ چھوڑے اور نہ دوڑے۔[2]

۲۱۔ امام نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا: خطبہ جمعہ کے درمیان سلام و چھینک کا جواب دے سکتا ہے، احناف نے کہا: "لسنا نأخذ بهذا"[3]

۲۲۔ امام نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر مقتدی بقدر تشہد قعدہ میں بیٹھا رہا اور امام کے سلام سے پہلے نماز چھوڑ کر چلا آیا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی۔[4]

۲۳۔ امام نخعی سورۂ ص میں سجدہ کے قائل نہیں تھے مگر احناف قائل ہیں۔[5]

۲۴۔ امام نخعی نے فرمایا: مرد کے کفن کے کپڑوں کی تعداد طاق ہونی چاہیے، مگر امام ابوحنیفہ نے کہا کہ خواہ طاق رہے یا جفت سب کا اختیار ہے۔[6]

۲۵۔ امام نخعی نے فرمایا: جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔[7] مگر امام ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں۔

۲۶۔ امام نخعی نے فرمایا: جو روپیہ کسی نے کسی سے قرض لیا ہے، اس کی زکوٰۃ قرض لینے والے پر واجب ہے دینے والے پر نہیں مگر حنفیوں کے ائمہ کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بهذا"[8]

۲۷۔ امام نخعی نے فرمایا: جس عورت کا شوہر مرتد ہو گیا ہو وہ مطلقہ کے حکم میں ہوگئی، مگر امام ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں۔[9]

۲۸۔ امام نخعی نے فرمایا جس نے ایلاء کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دی تو ایلاء باطل ہو جائے گا مگر حنفیوں کے ائمہ فرماتے ہیں: "لسنا ناخذ بهذا"[10]

۲۹۔ امام نخعی نے فرمایا: جس شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اسے قصاص میں سزائے قتل دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ مقتول کے اولیاء چاہیں مگر حنفیوں کے ائمہ کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بهذا"[11]

۳۰۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے عدت طلاق میں کسی مطلقہ عورت سے شادی کی اور اس نکاح کے طفیل بچہ پیدا ہوا، دریں صورت اگر اس عورت کا طلاق دینے والا شوہر اس بچہ کو اپنا کہے تو یہ بچہ اسی طلاق دینے والے کا ہوگا اور اگر اس نے انکار کیا اور دوسرے نے اپنا بچہ مانا تو اسی کا ہو جائے گا اور اگر دونوں انکار و شک کریں تو دونوں کا مشترک بچہ مانا جائے گا، مگر حنفیوں کے ائمہ نے کہا: "ولسنا نأخذ بهذا"[12]

---

[1] الآثار لمحمد (ص: ٢٩)　[2] الآثار لمحمد (ص: ٣٤)

[3] الآثار لمحمد (ص: ٣٧، ٣٨) ولأبي يوسف (ص: ٧٣، نمبر: ٣٦٢، ٣٦٣)

[4] الآثار لمحمد (ص: ٣٨)　[5] الآثار لمحمد (ص: ٤٢)

[6] الآثار لمحمد (ص: ٤٤، باب الجنائز وغسل الميت)　[7] حلية الأولياء (٤/ ٢٢٧ وغيره)

[8] الآثار لمحمد (ص: ٥٤)　[9] الآثار لمحمد (ص: ٧٦) ولأبي يوسف (٨٨، نمبر: ٤٣٠)

[10] الآثار لمحمد (ص: ٩٥ وغيره)　[11] الآثار لمحمد (ص: ١٠٤)　[12] الآثار لمحمد (ص: ١١٤)

۳۱۔ امام نخعی نے فرمایا: امور قصاص میں عورتوں کی شہادت مقبول نہیں، مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقبول ہے۔ ❶

۳۲۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے وصیت کی کہ فلاں کو یہ غلام دیا جائے اور فلاں کو (۱/۳) مال تو پہلے غلام کو دیا جائے گا اور دوسرے کو (۱/۳) مال بشرطیکہ موصی نے مال چھوڑا ہو مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بھذا" ❷

۳۳۔ امام نخعی نے فرمایا: مرتد ہونے والی عورت کو سزائے قتل دی جائے گی مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بھذا" ❸

۳۴۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی مسلمان یا یہودی و نصرانی نے بسم اللہ پڑھے بغیر شکاری کتے کو شکار پر چھوڑ دیا تو اس کے شکار کا گوشت کھانا مکروہ ہے مگر ائمہ احناف نے کہا: "لسنا نأخذ بھذا، لا بأس بأكله" ❹

۳۵۔ امام نخعی سے پوچھا گیا: خصی و غیر خصی جانوروں سے کس کی قربانی افضل ہے؟ جواب دیا کہ خصی کی مگر امام ابوحنیفہ نے کہا دونوں میں سے جو زیادہ موٹا تازہ ہو اس کی قربانی افضل ہے۔ ❺

۳۶۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے نذر مانی کہ ہم چار میل پیدل چلیں گے اور وہ صرف ایک میل چل کر سوار ہو گیا تو اسے چاہیے کہ پھر سے چار میل چلے مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بھذا" ❻

۳۷۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر چاندی کی انگوٹھی ہو اور اس میں نگینہ بھی لگا ہو تو اسے جس چیز کے بدلے اور جس بھاؤ سے چاہے فروخت کیا جا سکتا ہے مگر ائمہ احناف نے کہا: "لسنا نأخذ بھذا" ❼

۳۸۔ امام نخعی خالص سرخ و زرد رنگ کے کپڑے استعمال کرتے تھے۔ ❽ ائمہ احناف مردوں کے لیے خالص سرخ و زرد کپڑے ممنوع کہتے ہیں۔ ❾

۳۹۔ امام نخعی نے فرمایا: کفارہ میں مکاتب غلام آزاد کرنا کافی نہیں ہے، لیکن ائمہ احناف اسے جائز بتلاتے ہیں۔ ❿

۴۰۔ امام نخعی نے فرمایا: جس شخص نے نذر مانی کہ اپنے بچے کو ذبح کرے گا تو اسے کفاہ میں سو اونٹ ذبح کرنا چاہیے، مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بھذا" ⓫

۴۱۔ امام نخعی نے فرمایا: لعان کرنے والوں کا بچہ اگر مر جائے اور اس کے ورثہ میں ماں اور ایک بہن اور ایک بھائی ہوں تو بھائی بہن کو (۱/۳) ملے گا اور باقی ماں کو ملے گا مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بھذا" ⓬

۴۲۔ امام نخعی نے فرمایا: لعان کرنے والی عورت کا بچہ اگر مر جائے اور اس کی ماں زندہ ہے تو اس کا سارا مال ماں کو ملے گا اور ماں زندہ نہیں ہے تو ماں کے قریب ترین وارث کو ملے گا مگر ائمہ احناف کہتے ہیں کہ ماں کی عدم موجودگی میں سارا مال متوفی لڑکے کے قریبی رشتہ دار کو ملے گا۔ ⓭

۴۳۔ امام نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر کسی نے حاملہ لونڈی خریدی اور بائع و مشتری دونوں نے دعویٰ کیا کہ بچہ ہمارا ہے تو بچہ مشتری

---

❶ الآثار لمحمد (ص: ١١٢)　❷ الآثار لمحمد (ص: ١١٤)
❸ الآثار لمحمد ١٠٣ وأبي يوسف (ص: ١٦١، نمبر: ٧٣٥)　❹ الآثار لمحمد (ص: ١٤٠)
❺ الآثار لمحمد (ص: ١٣٦)　❻ الآثار لمحمد (ص: ١٢٥)　❼ الآثار لمحمد (ص: ١٣١)
❽ ابن سعد (٦/ ١٩٧)　❾ كتب فقه حنفي.　❿ الآثار لمحمد (ص: ١٢٣)
⓫ الآثار لمحمد (ص: ١٢٤)　⓬ الآثار لمحمد (ص: ١٢١)　⓭ الآثار لمحمد (ص: ١٢١)

کا ہوگا مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بھذا" ❶

۴۴۔ امام نخعی نے فرمایا: کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا مگر احناف کہتے ہیں کہ نہیں۔ ❷

۴۵۔ امام نخعی نے فرمایا: چور کا ہاتھ کاٹنے کے ساتھ چوری شدہ مال کا تاوان بھی لیا جائے گا مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: "لسنا نأخذ بھذا" ❸

۴۶۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر ایک طہر میں کسی مملوکہ سے تین افراد نے وطی کی اور وہ حاملہ ہوگئی، تو بچہ اس کا ہوگا جس نے آخر میں وطی کی مگر ائمہ احناف نے کہا: "لسنا نأخذ بھذا" ❹

۴۷۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی کو ڈاکو قتل کر دیں تو مقتول کے ورثہ کو اختیار ہے کہ ڈاکو کے ہاتھ پاؤں کاٹ لیں اور اس کے بعد اسے قتل بھی کر دیں مگر ائمہ احناف کہتے ہیں کہ ڈاکو کو صرف قتل کیا جا سکتا ہے، ہاتھ پاؤں کا کاٹنا جائز نہیں۔ ❺

۴۸۔ امام نخعی نے فرمایا: لوطی زانی کے حکم میں ہے، یعنی جو سزا زانی کی وہی لوطی کی۔ ❻ مگر ائمہ احناف لوطی کو زانی نہیں مانتے۔ ❼

۴۹۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے ادھار چاندی کسی کو دی اور ادھار لینے والے نے اس کی چاندی سے اچھی چاندی اسی مقدار میں ادا کی تو جائز نہیں، کیونکہ یہ سود ہوگیا مگر ائمہ احناف نے کہا: "لسنا نأخذ بھذا" ❽

۵۰۔ امام نخعی نے فرمایا: شرابی کو کوڑے لگاتے وقت اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں، مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ کپڑے اتار لیے جائیں۔ ❾

۵۱۔ امام نخعی نے فرمایا: جس بچے کی ماں کے شوہر نے ماں پر الزام لگا کر بچے کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کر دیا تو اس عورت پر اگر کوئی شخص الزام زنا لگائے تو اسے سزائے قذف دی جائے گی مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسی عورت کو متہم کرنے والے پر سزائے قذف نہیں ہے۔ ❿

۵۲۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے قربانی کے لیے صحیح سالم جانور خریدا اور بعد میں یہ جانور معیوب ہوگیا تو اس کی قربانی درست ہے مگر ائمہ احناف نے کہا: "لسنا نأخذ بھذا" ⓫

۵۳۔ امام نخعی لوہے کی انگشتری پہنتے تھے مگر ائمہ احناف مردوں کے لیے لوہے کی انگشتری ناجائز بتلاتے ہیں۔ ⓬

چوتھائی مسائل میں امام ابوحنیفہ کی امام نخعی سے مخالفت:

مندرجہ بالا تفصیل ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول زیادہ سے زیادہ دوسو مسائل سے ماخوذ ہے، ان دوسو مسائل میں سے باون (۵۲) میں امام ابوحنیفہ امام نخعی کے مخالف اور ایک سو اڑتالیس میں موافق ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ کم سے کم پچیس فیصد یعنی ایک چوتھائی مسائل میں امام ابوحنیفہ نخعی کے مخالف ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بہت زیادہ مخالفت ہوئی اور اختلاف کی یہ

---

❶ الآثار لمحمد (ص: ۱۲۷) ❷ الآثار لمحمد (ص: ۱۱۱) ❸ الآثار لمحمد (ص: ۱۱۱)

❹ الآثار لمحمد (ص: ۱۲۷) ❺ الآثار لمحمد (ص: ۱۱۰) ❻ الآثار لمحمد (ص: ۱۰۷)

❼ کتب فقه حنفي. ❽ الآثار لمحمد (ص: ۱۳۲) ❾ الآثار لمحمد (ص: ۱۰۵، ۱۰۶)

❿ الآثار لمحمد (ص: ۱۰٤) ⓫ الآثار لمحمد (ص: ۱۳٦) ⓬ الآثار لمحمد (ص: ۱٤٤)

فہرست صرف ان مسائل میں ہے جو واقع شدہ امور سے متعلق ہیں ورنہ امام نخعی فرضی و غیر واقع شدہ مسائل کے جواب ہی نہیں دیتے تھے، اس اعتبار سے امام نخعی سے امام ابوحنیفہ کے اختلاف کردہ مسائل کی تعداد بہت زیادہ ہوجائے گی، یعنی امام نخعی کے کم از کم تین لاکھ مسائل سے امام ابوحنیفہ نے مخالفت کی ہے، کیونکہ بقول مصنف انوار امام صاحب نے ساڑھے بارہ لاکھ مسائل وضع کیے، اور یہ معلوم ہوچکا ہے کہ چوتھائی مسائل میں امام صاحب نے نخعی سے مخالفت کی ہے، وہ بھی واقع شدہ مسائل میں، بلفظ دیگر امام صاحب نے تین لاکھ احادیث مرفوعہ کی مخالفت کی ہے، کیونکہ مصنف انوار اقوال نخعی کو احادیث مرفوعہ قرار دیتے ہیں، اور مدعی ہیں کہ امام نخعی رحمہ اللہ کے سارے فتاویٰ احادیثِ مرفوعہ کے درجہ میں ہیں۔

حضرت ابن مسعود اور علی بن ابی طالب سے امام ابوحنیفہ کی بکثرت مخالفت:

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ نے احادیث مرفوعہ سے بکثرت مخالفت کی ہے۔ یہاں ایک اہم سوال یہ ہے کہ امام صاحب نے امام نخعی سے جن فتاویٰ میں اختلاف کیا ہے، ان میں امام نخعی ابن مسعود اور علی کے موافق تھے یا مخالف؟ اگر موافق تھے تو احناف نے آثار صحابہ سے بکثرت مخالفت کی اور مخالف تھے تو لازم آیا کہ امام نخعی آثار صحابہ سے بکثرت اختلاف کرتے تھے، جس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ امام نخعی بھی آثار صحابہ کو مطلقاً حجت نہیں مانتے تھے، یا پھر امام ابوحنیفہ ہی آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین کو حجت نہیں مانتے تھے، پھر مصنف انوار خواہ مخواہ کے لیے دوسری صدی کے بعد کے محدثین پر الزام لگاتے ہیں کہ ان لوگوں نے آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین کی حجیت سے انکار کیا، ورنہ پہلے اہل اسلام کا عمل اس کے خلاف تھا۔ حاصل یہ کہ یا تو امام ابوحنیفہ ابن مسعود کے فقہی مسلک کے کلی طور پر وارث نہیں یا ابراہیم نخعی وارث نہیں۔ پھر مصنف انوار کا یہ دعویٰ کیونکر صحیح ہوا کہ حنفی مذہب میراث ابن مسعود ہے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ ایک طرف مصنف انوار مدعی ہیں کہ نخعی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے، کیونکہ اسی بات کی بنیاد پر وہ مدعی ہیں کہ اقوال نخعی رحمہ اللہ آثار مرفوعہ کے حکم میں ہیں مگر دوسری طرف تضاد بیانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

روایت و درایت:

''حق یہ ہے کہ نخعی رحمہ اللہ روایت بھی کرتے تھے اور درایت سے بھی کام لیتے تھے، جب وہ روایت کرتے تو علم حدیث کے امام بلکہ حجت تھے اور جب اجتہاد کرتے تو ایسے دریائے صافی تھے جس میں شائبہ تکدر نہ تھا، کیونکہ تمام اسباب و شرائط اجتہاد ان میں موجود تھے، اس لیے حسب روایت ابی نعیم وہ خود فرمایا کرتے کہ ''نہ کوئی رائے بغیر حدیث کے مستقیم ہے اور نہ کوئی حدیث بغیر رائے کے'' اور یہی بہترین طریقہ ہے حدیث و رائے کو جمع کرنے کا۔ خطیب نے بھی ''الفقیه والمتفقه'' میں ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ جب حدیث صریح مل جاتی ہے تو اس سے مسائل کا جواب دیتا ہوں اور جب حدیث نہیں ملتی تو میں دوسری احادیث کی روشنی میں قیاس کر کے جواب دیتا ہوں۔ غرض یہی صحیح فقہ ہے۔''[1]

---

[1] مقدمه أنوار الباري (١/ ٤١)

غیر منصوص مسائل میں امام نخعی اجتہاد کرتے تھے:

مصنف انوار کے مندرجہ بالا طویل بیان میں اس حقیقت کا پوری صراحت کے ساتھ اعتراف کیا گیا ہے کہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ احادیث کی غیر موجودگی میں قیاس و رائے اور اجتہاد و استنباط کا استعمال کرتے تھے، اور مصنف انوار نے امام نخعی کے اس طریق عمل کو صحیح و درست قرار دیتے ہوئے اس بات کی بھی صراحت کر دی ہے کہ ''غرض یہی صحیح فقہ ہے'' یعنی احادیث کی غیر موجودگی میں قیاس و رائے اور اجتہاد و استنباط کا استعمال صحیح فقہ ہے، جس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار اس بات کے بھی معترف ہیں کہ امام نخعی احادیث کی موجودگی میں اگرچہ قیاس و رائے استعمال نہیں کرتے تھے مگر احادیث کی غیر موجودگی میں کرتے تھے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اعتراف کے باوجود دوسری طرف مصنف انوار نے امام اعمش کی طرف منسوب اس بات کو کہ ''ابراہیم کوئی بات کبھی اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے'' صحیح قرار دے کر اور بنیاد مان کر یہ کیوں کہہ دیا کہ امام نخعی سے منقول تمام فقہی اقوال آثار مرفوعہ یعنی احادیث نبویہ کے حکم میں ہیں، جس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے لاکھوں احادیث نبویہ کی مخالفت کر رکھی ہے؟

جب ایک طرف مصنف انوار اس بات کو صحیح مانتے ہیں کہ امام نخعی احادیث کی غیر موجودگی میں قیاس و رائے سے کام لیتے تھے تو دوسری طرف اس بات کو صحیح ماننا کہ ''امام نخعی کبھی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے'' کیا معنی رکھتا ہے؟ اور یہی نہیں بلکہ اسے صحیح مان کر اس کی بنیاد پر یہ دعوی کہ امام نخعی سے منقول تمام فقہی اقوال احادیث نبویہ کے حکم میں ہیں، کون سی خالص علمی اور دینی خدمت ہے؟ خصوصاً ایسی صورت میں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ علم و فضل میں امام نخعی سے بدرجہا بڑھے ہوئے صحابہ کرام نے قیاس و رائے و اجتہاد کے ذریعہ جو مسائل مستنبط کیے ہوئے ہیں ان میں سے بہت سارے مسائل نصوص کتاب و سنت کے صریح خلاف ہیں، مثلاً حضرت عمار بن یاسر جیسے جلیل القدر صحابی اپنے قیاس و رائے سے یہ مسئلہ مستنبط کیے ہوئے تھے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں دھول اور مٹی میں جانور کی طرح خوب لوٹ لوٹ کر جنبی آدمی کو تیمّم کرنا چاہیے، مگر حضرت عمار کے استنباط کردہ اس مسئلہ کی نبی ﷺ نے تغلیط کرتے ہوئے فرمایا کہ جنبی آدمی کو مٹی پر مارے ہوئے ہاتھوں کو چہرہ و ہتھیلیوں پر مل لینا کافی ہے۔[1]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمار کا یہ اجتہادی و قیاسی مسئلہ صریح حدیث کے بالکل خلاف تھا، اس طرح کی دیگر بہت ساری مثالیں ہیں مگر مثال کے لیے صرف ایک ہی کا تذکرہ کافی ہے۔ دریں صورت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام نخعی سے علم و فضل میں بدرجہا بڑے ہوئے صحابہ کے قیاسی مسائل جب احادیث کے خلاف ہوجایا کرتے تھے تو امام نخعی کے قیاسی مسائل کو علی الاطلاق احادیث نبویہ کے حکم میں قرار دینا کون سی علمی دیانت داری ہے؟

نیز یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حدیث صریح اور اقوال صحابہ میں صراحت ہے کہ غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل نہ بیان کیے جائیں، ظاہر ہے کہ امام نخعی بھی اس حدیث نبوی و طریق صحابہ کے پابند تھے، مگر بدعویٰ مصنف انوار امام ابوحنیفہ اس حدیث نبوی و طریق صحابہ و مذہب نخعی کے خلاف بہت بڑے پیمانے پر غیر واقع شدہ امور سے متعلق مسائل مدون کیے ہوئے

[1] بخاری و مسلم وغیرہ.

ہیں، پھر امام صاحب مسلک نخعی کے پابند کس طرح تھے؟ اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام نخعی عام اسلاف صحابہ و تابعین کی طرح اہل الرائے و القیاس اور مرجیہ سے بہت بیزار و ناراض اور کبیدہ خاطر رہا کرتے تھے، حتیٰ کہ موصوف اہل الرائے اور مرجیہ سے سلام و کلام کے بھی روادار نہ تھے، مگر موصوف کے مسلک سے موصوف کی وفات کے کچھ دنوں بعد منحرف ہو جانے والے موصوف کے شاگرد حماد نہ جانے کیوں خود اہل الرائے والقیاس میں شامل ہو گئے اور مذہب نخعی کے بجائے مذہب ارجاء اور مسلک اہل الرائے کے پیروکار اور پابند ہو کر اس کی ترویج و اشاعت میں لگ گئے۔ ہم اس جگہ وہ روایات نقل کر رہے ہیں، جن سے اہل الرائے والقیاس اور مرجیہ کی بابت امام نخعی کی واضح پالیسی کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ ناظرین کرام آنے والی سطور کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اہل الرائے اور مرجیہ سے امام ابراہیم نخعی کی نفرت:

امام ابونعیم اصبہانی ناقل ہیں:

"عن أبي حمزة عن إبراهيم قال: والله ما رأيت فيما أحدثوا مثقال حبة من خير يعني أهل الأهواء والرأي والقياس."[1]

یعنی امام نخعی نے فرمایا کہ میں نے موجدین بدعات میں دانہ برابر بھی خیر نہیں دیکھا، موجدین بدعات سے موصوف کی مراد اصحاب الاہواء و اصحاب الرائے والقیاس ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ موصوف اصحاب الاہواء و اصحاب الرائے کو سخت مبغوض و ناپسندیدہ سمجھتے تھے اور انھیں خیر و فلاح سے عاری و خالی جانتے تھے۔ ناظرین کرام اصحاب الرائے کا مطلب اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کے قول کے مطابق اعداء السنن ہوتے ہیں، کیونکہ وہ احادیث نبویہ کے حفظ و ضبط اور روایت سے عاجز ہونے کے سبب قیاس و رائے کے متبع ہوتے ہیں اور اپنی اس پالیسی کی وجہ سے اس لائق ہوتے ہیں کہ ان سے احتراز اور پرہیز اور اجتناب کیا جائے۔ امام نخعی نے بھی بالتصریح کہا:

"أصحاب الرأي أعداء أصحاب السنن."[2]

یعنی اصحاب الرائے اصحاب السنن کے دشمن ہوتے ہیں۔

اور "أصحاب الأهواء" میں مرجیہ و اہل کلام داخل ہیں۔ اہل کلام کو "أصحاب المقالات" بھی کہا جاتا ہے، کوفہ میں جب اصحاب المقالات یعنی اہل کلام کا زور بڑھنے لگا تو ابوحمزہ اعور نے امام نخعی رحمہ اللہ سے پوچھا:

"يا أبا عمران أما ترى ما ظهر بالكوفة من المقالات؟ فقال: ... دققوا قولا، واخترعوا دينا من قبل أنفسهم، ليس من كتاب الله، ولا من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: هذا هو الحق، وما خالفه باطل، لقد تركوا دين محمد صلى الله عليه وسلم، إياك وإياهم."[3]

یعنی آپ کوفہ میں ''المقالات'' کے ظہور و نمود کو نہیں دیکھ رہے ہیں! امام نخعی نے جواباً کہا ان لوگوں نے بال کی کھال نکالنی شروع کی ہے اور نیا دین و مذہب ایجاد کر لیا ہے۔ اس کا تعلق کتاب و سنت سے نہیں ہے، اپنے

---

[1] حلية الأولياء (٤/ ٢٢٤ وغیرہ)　[2] حلية الأولياء (٤/ ٢٢٢)　[3] حلية الأولياء (٤/ ٢٢٣ وغیرہ)

اختراعی دین کو یہ لوگ حق اور اس کے خلاف کو باطل کہتے ہیں، ان لوگوں نے دین محمدی کو ترک کر دیا ہے، ان سے اپنے آپ کو بچاؤ اور پرہیز کرو۔

ناظرین مطلع رہیں کہ امام ابوحنیفہ بدعویٰ احناف خصوصاً کوثری وشبلی اپنی عمر کے ابتدائی بائیس سال تک اہل الکلام ہی کے مسلک و مذہب سے وابستہ تھے، امام صاحب کا اصل مسلک و مذہب مذہب الکلام اور ان کا اصل علم وفن علم الکلام ہی تھا۔ (كما سيأتي)

امام اعمش یعنی استاذ وشیخ امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

”ذكر عند إبراهيم المرجية، فقال: والله هم أبغض إلي من أهل الكتاب.“ [1]

یعنی امام نخعی کی مجلس میں فرقہ مرجیہ کا ذکر آ گیا تو انھوں نے فرمایا مرجی لوگ میرے نزدیک یہود ونصاریٰ سے بھی زیادہ مبغوض وناپسندیدہ ہیں۔

چنانچہ امام نخعی اگرچہ یہود ونصاریٰ کو سلام کرنے کے روادار تھے اور ان سے تعلقات و روابط میں بھی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ [2] مگر مرجیہ کے سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہیں فرماتے تھے اور نہ ان سے کسی قسم کا رابطہ رکھنا پسند کرتے تھے، بلکہ انھوں نے یہ فتویٰ وحکم صادر فرمایا تھا:

”عن الحارث العكلي عن إبراهيم قال: إياكم وأهل هذا الرأي المحدث يعني المرجئة.“ [3]

یعنی امام نخعی نے فرمایا کہ تم اس مبتدعانہ رائے والوں مراد مرجیہ سے بچ کر رہو۔

نیز مروی ہے:

”عن غالب أبي الهزيل أنه كان عند إبراهيم فدخل عليه قوم من المرجية، فقال: فكلموه فغضب، وقال: إن كان هذا كلامكم فلا تدخلوا علي“

”وعن محل قال لنا إبراهيم: لا تجالسوا المرجية“ [4] وعن حكيم بن جبير عن إبراهيم: قال لأنا على هذه الأمة من المرجية أخوف عليهم من عدتهم من الأزارقة“

”وقال محل: كان رجل يجالس إبراهيم، يقال له: محمد، فبلغ إبراهيم أنه يتكلم في الإرجاء، فقال له إبراهيم: لا تجالسنا.“ [5]

یعنی امام نخعی نے فرمایا کہ مرجیہ میری مجلس درسگاہ میں داخل نہ ہوں اور اپنے تلامذہ سے کہا کہ تم مرجیہ سے مت ملو جلو، نہ ان کی مصاحبت اختیار کرو، کیونکہ یہ امت محمدیہ کے لیے خوارج سے بھی زیادہ مہلک وتباہ کن ہیں۔ موصوف امام نخعی کو اپنے ایک شاگرد کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ مرجی ہے تو انھوں نے اسے اپنی درسگاہ سے نکال باہر کیا۔

ان تمام امور سے ثابت ہوا کہ ابراہیم نخعی مرجیہ سے سخت برہم و برافروختہ تھے اور انھیں سخت مبغوض ومکروہ جانتے تھے،

---

❶ حلية الأولياء (٤/ ٢٢٣) طبقات ابن سعد (٦/ ١٩٢)

❷ حلية الأولياء (٤/ ٢٢٦ وغيره)

❸ طبقات ابن سعد (٦/ ١٩١ وغیره)

❹ المعرفة والتاريخ للفسوي (٢/ ٦٠٥، ٦٠٦)

❺ ابن سعد (٦/ ١٩١)

کیونکہ انھیں یہود و نصاریٰ اور خوارج سے بھی زیادہ خطرناک سمجھتے تھے اور اپنی درسگاہ سے ایسے طلباء کو خارج کر دیتے تھے جن کے بارے میں انھیں اطلاع ملتی کہ وہ مرجی ہیں۔

مذہب نخعی سے جانشین نخعی حماد بن ابی سلیمان کا اعراض و انحراف:

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام نخعی کے معتمد علیہ تلامذہ میں حماد کو خصوصی مقام حاصل تھا اور امام نخعی رحمہ اللہ حماد کی صلاحیت کے معترف تھے۔ انھوں نے بقول مصنف انوار فرمایا بھی تھا کہ میری وفات کے بعد تم لوگ حماد کی طرف رجوع کرنا۔[1] چنانچہ امام نخعی کی حسب وصیت درسگاہ نخعی سے تعلق رکھنے والوں نے حماد کو ان کا جانشین سمجھا مگر:

”قال مغيرة: لما مات إبراهيم جلس الحكم وأصحابه إلى حماد حتى أحدث ما أحدث يعني الإرجاء.“[2]

یعنی امام نخعی کے بعد حکم بن عتیبہ اور ان کے اصحاب نے حماد کو نخعی کے جانشین کے طور پر اپنا مرکز توجہ بنایا مگر جب حماد نے نخعی کے مسلک و مذہب کو چھوڑ کو مبتدعانہ مذہب یعنی مذہب مرجیہ اختیار کر لیا تو لوگوں نے ان سے ترکِ تعلق کر لیا۔

یہ روایت صاف طور پر اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ حماد نے ابراہیم نخعی کے مسلک و مذہب کو ترک کر کے مذہب مرجیہ اختیار کر لیا تھا اور ان کی اس تبدیلی سے دل برداشتہ ہو کر ان کے اصحاب و احباب نے بھی ان سے ترک تعلق کر لیا تھا، کیونکہ امام ابراہیم نخعی کی یہ وصیت و ہدایت تھی کہ ”لا تجالسوا المرجية“ مرجیہ سے رابطہ و تعلق مت رکھو۔

تہذیب التہذیب (۳/ ۱۶ تا ۱۸) وغیرہ تذکرہ حماد میں منقول ہے:

”قال الثوري: كان الأعمش يلقى حمادا حين تكلم في الإرجاء، فلم يكن يسلم عليه، وقال شعبة: كنت مع زبيد، فمررنا بحماد، فقال: تنح عن هذا فإنه قد أحدث.“

یعنی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا کہ امام اعمش استاذ ابی حنیفہ جب حماد کے مرجی ہونے کے بعد ان سے ملتے تھے تو سلام نہیں کرتے تھے، اور امام شعبہ نے کہا کہ ہم لوگ زبید کے ساتھ حماد کے پاس سے گزرے تو زبید نے کہا کہ اس شخص یعنی حماد سے دور رہو، کیونکہ یہ بدعتی یعنی مرجی ہو گیا ہے۔

”قال سفيان الثوري: كنت ألقى حماداً بعد ما أحدث فما كنت أسلم عليه.“[3]

یعنی امام سفیان ثوری نے کہا کہ حماد جب مرجی ہو گئے تو میں نے ان سے سلام بند کر دیا۔

ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات کے بعد کچھ دنوں تک حماد مذہب نخعی پر قائم تھے، پھر انھوں نے مسلک نخعی سے انحراف کر کے مرجی مذہب اختیار کر لیا تھا اور ان کے اس طرز عمل سے امام نخعی کے متوسلین و اصحاب بے حد

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ٤٢)

[2] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٢/ ١٤٦، قسم ثاني) ورجاله ثقات، التنكيل (١/ ١٨٩) تذكرۂ أحمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحماني.

[3] فسوي (٢/ ٧٩١)

برہم ہوئے تھے، حتی کہ ان حضرات نے حماد سے سلام وکلام بند کر دیا امام ابن سعد رحمہ اللہ اہل علم سے ناقل ہیں:

"قالوا: وكان حماد ضعيفا في الحديث، فاختلط في آخر أمره، وكان مرجيا، وكان كثير الحديث." ❶

یعنی اہل علم کا فیصلہ ہے کہ حماد ضعیف الحدیث ہیں، آخری عمر میں مختلط ہوگئے تھے اور مرجی بھی تھے، نیز کثیر الحدیث تھے۔

مغیرہ نے کہا کہ وفات نخعی کے بعد ہم سمجھتے تھے کہ ابراہیم نخعی کے جانشین اعمش ہوں گے مگر وہ علم حرام وحلال میں کچے نکلے اور حماد کی طرف رجوع کیا گیا تو وہ علم فرائض میں کچے نکلے، لہٰذا ہم نے حلال وحرام کا علم حماد اور فرائض کا علم اعمش سے سیکھا۔ ❷

ابوشعیب صلت بن دینار نے کہا:

"قلت لحماد أنت راوي إبراهيم؟ أكان إبراهيم مرجيا؟ قال: لا، كان شاكا مثلك." ❸

''میں نے حماد سے کہا: تم ابراہیم کے شاگرد ہو، کیا ابراہیم بھی تمہاری طرح مرجی تھے؟ حماد نے کہا: نہیں، وہ مرجی نہیں بلکہ تمہاری طرح ''شاک'' تھے۔''

واضح رہے کہ مرجیہ کی اصطلاح میں اہل سنت کو ''شاکین'' کہا جاتا ہے، اس روایت میں حماد کی زبانی یہ بات واضح طور پر بتلائی گئی ہے کہ ابراہیم نخعی اگرچہ مرجی نہیں تھے مگر ان کے جانشین حماد مرجی بن گئے تھے، ابوشعیب مذکور اگرچہ ضعیف ہیں مگر ان کی یہ روایت سابقہ روایات کی تائید ومتابعت میں پیش کی گئی ہے، حماد مرجی ہونے کے ساتھ اہل الرائے بھی بن گئے تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم نخعی کی جو درسگاہ مذہب اہل الرائے والقیاس اور مسلک اہل الارجاء والاہواء کے خلاف ایک مستحکم قلعہ تھی، وہ حماد کے ہاتھوں مذہب اہل الرائے والقیاس اور مسلک ارجاء کی ترویج واشاعت کا مرکز بن گئی، حماد کے اس طرز عمل سے تلامذہ نخعی کو بے حد کبیدگی ہوئی اور اگر اپنی وفات کے بعد امام نخعی حماد کو دیکھتے کہ وہ مرجی بن گئے تو ان سے اپنی دی ہوئی یہ سند ضرور چھین لیتے جس کا ذکر مصنف انوار نے بڑے فخر سے کیا ہے:

''بتصریح ابن عدی ابراہیم سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہم کس سے تحقیق مسائل کریں گے؟ تو نخعی نے کہا کہ امام حماد سے۔'' ❹

امام نخعی کو علم غیب تھوڑا ہی تھا کہ میری وفات کے بعد حماد مرجی ہوجائیں گے۔ کوفہ کے باہر بھی حماد کے اس طریق کار کی سخت مذمت کی گئی، حتی کہ امام دارالہجرہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

"كان الناس عندنا هم أهل العراق حتى وثب منهم إنسان يقال له حماد، فاعترض هذا الدين فقال فيه برأيه." ❺

یعنی عراق کے لوگ اچھے تھے حتی کہ ان میں حماد نامی ایک شخص نمودار ہوئے جنھوں نے دین میں نئی بات پیدا کی

❶ طبقات ابن سعد (٦/ ٢٣٢)　❷ طبقات ابن سعد.　❸ ميزان (١/ ٢٧٩)
❹ مقدمه انوار (١/ ٤٢)　❺ تهذيب التهذيب (٣/ ١٨)

اور رائے و قیاس کا استعمال کیا۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ بصرہ کے امام وقت ایوب سختیانی اور ان کے ساتھ دوسرے اہل علم نے حماد کا پوری طرح بائیکاٹ کر دیا تھا اور ان سے ملنا بھی گوارانہیں کیا۔ اندلس کے امام وقت امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''حماد پر مرجی المذہب ہونے کے سبب عیب لگا، انھیں سے سیکھ کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی مرجی بن گئے۔''[1]

یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ وفات نخعی کے کتنے دنوں بعد حماد نے مذہب نخعی چھوڑ کر مرجی مذہب اور اہل الرائے و القیاس کا مسلک اختیار کیا مگر یہ طے شدہ بات ہے کہ موصوف وفات نخعی کے بعد کچھ دنوں تک ان کے طریق پر قائم رہے تھے۔ نیز قابل وثوق ذرائع سے تبدیلی مذہب کے اسباب نہیں معلوم ہوسکے، لیکن مصنف انوار اور ان کے استاذ کوثری و مقلدین کوثری کی ایک مستدل روایت سے تبدیلی مذہب کے سبب پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

مذہب نخعی چھوڑ کر حماد کے مرجی بننے کا سبب:

مصنف انوار کے استاذ کوثری ناقل ہیں:

”قال العقيلي في الضعفاء: حدثنا أحمد بن محمود الهروي قال: حدثنا محمد بن المغيرة البلخي قال: حدثنا إسماعيل بن إبراهيم قال: حدثنا محمد بن سليمان الأصفهاني قال: لما مات إبراهيم، اجتمع خمسة من أهل الكوفة، فيهم عمر بن قيس الماصر، وأبو حنيفة، فجمعوا أربعين ألف درهم، وجاؤا إلى الحكم بن عتيبة، فقالوا: إنا قد جمعنا أربعين ألف درهم، نأتيك بها، وتكون رئيسنا في الإرجاء فأبى عليهم الحكم، فأتوا حماد بن أبي سليمان فقالوا له، فأجابهم، وأخذ الأربعين الف درهم.“[2]

یعنی ابراہیم نخعی کے بعد کوفہ کے پانچ اشخاص جمع ہوئے، ان پانچوں میں ایک عمر بن قیس ماصر اور دوسرے امام ابوحنیفہ بھی تھے۔ ان حضرات نے مل کر چالیس ہزار درہم فراہم کیے اور حکم بن عتیبہ (شاگرد نخعی و شعبی) کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ہم نے چالیس ہزار درہم فراہم کیے ہیں، یہ درہم ہم آپ کو اس شرط پر دینا چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے مرجی مذہب و جماعت کے سرپرست وصدر بن جایئے! حکم بن عتیبہ نے ان پانچوں حضرات کی یہ مشروط پیش کش ٹھکرا دی اور ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا، وہاں سے یہ لوگ حماد کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی درخواست کی تو انھوں نے قبول کر لیا اور چالیس ہزار درہم کی رقم لے کر مرجی مذہب کے مربی وسرپرست بن گئے۔

ظاہر ہے کہ مصنف انوار اور کوثری نے اپنے خالص دینی نقطۂ نظر سے یہ روایت معتبر و صحیح قرار دے کر ہی معرض استدلال میں پیش کی ہے، جس کے الفاظ ”إنا قد جمعنا أربعين ألف درهم نأتيك بها، وتكون رئيسنا في

[1] جامع بيان العلم (۲/ ۱۵۳)

[2] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ۷) و تانيب الخطيب (ص: ۲۰) و مقدمه انوار (۱/ ۴۲)

الإرجاء“ (یعنی ہم آپ کو چالیس ہزار دیں گے، اس صلے میں کہ آپ ہمارے مرجی مذہب کے سرپرست بن جایئے) سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بعوض چالیس ہزار درہم حماد کو مرجی مذہب کا سرپرست بنانے میں کامیابی حاصل کی اور اس سے یہ بھی صاف طور پر ظاہر ہے کہ چالیس ہزار درہم دے کر حماد کو سرپرست مرجیہ بنانے والے خود بھی مرجی تھے، مگر اس روایت کو اپنے خالص دینی و علمی نقطۂ نظر سے معتبر کہہ کر حجت بنانے والے مصنف انوار اور کوثری نے اس کے اصل مضمون کو بدل کر کہا کہ امام صاحب اور ان کے ساتھیوں نے یہ رقم اہل علم کے تکفل کے لیے دی تھی۔[1]

مصنف انوار اور کوثری کی دیانت داری کی بڑی مثالوں میں سے ایک یہ بھی ہے، اس روایت میں چالیس ہزار درہم لے کر خدمت حماد میں جانے والے پانچ اشخاص میں سے صرف دو کے نام لیے گئے ہیں، یعنی امام صاحب اور عمر بن قیس ماصر اور یہ معلوم ہے کہ عمر بن قیس ماصر اور ان کے باپ قیس ماصر مرجی المذہب تھے، حتی کہ امام اوزاعی نے کہا:

”أول من تكلم في الإرجاء رجل من أهل الكوفة يقال له قيس الماصر.“[2]

یعنی مرجی مذہب کے بانی یہی قیس ماصر تھے۔

گویا عمر بن قیس ماصر موروثی مرجی تھے، البتہ مرجی ہونے کے باوجود نقل روایت میں ثقہ تھے۔[3] اہل علم جانتے ہیں کہ ثقہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ موصوف کا مذہب ارجاء بھی محمود ہے، کتنے خارجی و دیگر بدعتی مبغوض المذہب ہونے کے باوجود ثقہ ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ اگرچہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حماد مذہب نخعی چھوڑ کر مرجی بن گئے تھے مگر امام عقیلی کی نقل کردہ زیر بحث روایت یعنی کہ حماد چالیس ہزار درہم لے کر مرجی ہوگئے، سنداً ضعیف ہے، کیونکہ امام عقیلی (ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسی متوفی ۳۲۲ھ) نے اسے مؤرخ ہرات احمد بن محمد بن یاسین حداد ہروی (متوفی ۳۳۴ھ) سے نقل کیا ہے اور یہ مؤرخ ہرات احمد بن محمد بن یاسین ہروی علم و فضل میں شہرت رکھنے کے باوجود بقول امام دارقطنی کذاب ہے اور دوسرے اہل علم نے بھی اسے غیر ثقہ و ساقط الاعتبار کہا ہے۔[4]

نیز اس کی سند کے دو راوی محمد بن مغیرہ بلخی اور اسماعیل بن ابراہیم متعین و معروف نہیں اور محمد بن سلیمان الاصبہانی (متوفی ۱۸۱ھ) صدوق ہونے کے باوجود بقول ابو حاتم ”لا يحتج به“ اور بقول نسائی ”ضعیف“ اور بقول ابن عدی ”مضطرب الحديث“ تھے۔[5] دریں صورت اس روایت کو معتبر و صحیح قرار دے کر نقل کرنا کون سی دیانت داری ہے؟

چونکہ مصنف انوار اور کوثری نے اس روایت کو تحریف کر کے اور صحیح و معتبر قرار دے کر زیب قرطاس کیا ہے، اس لیے دونوں حضرات کی تحریف اور علمی دیانت داری واضح کرنے کے لیے ہم نے اس پر یہ مختصر سی علمی بحث کر دی ہے ورنہ ہمیں اس سے دلچسپی نہیں تھی۔ بہرحال اسے چونکہ مصنف انوار نے حجت بنایا ہے اس لیے یہ ان کے خلاف حجت ہے۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۴۲) و تانيب الخطيب (ص: ۲۰)
[2] تهذيب التهذيب (۷/ ۴۶۰)
[3] تهذيب التهذيب (۷/ ۴۸۹، ب ۴۹۰) و طبقات ابن سعد (۶/ ۲۳۶) و كتاب الجرح والتعديل (۳/ ۱۲۹، قسم دوم) و انساب للسمعاني (۲/ ۵۰۲)
[4] ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ (۳/ ۹۳) و لسان الميزان (۱/ ۲۹۱)
[5] التنكيل (۱/ ۱۸۸) و تهذيب التهذيب (۲/ ۲۰۱)

مصنف انوار کی مستدل روایت سے امام صاحب کے مرجی ہونے کا ثبوت:

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ مصنف انوار اور کوثری کی مستدل مذکورہ بالا زیر بحث روایت ساقط الاعتبار و مکذوبہ ہے، جسے ان دونوں حضرات نے اپنے خالص علمی و دینی نقطۂ نظر سے معتدل شاہ راہ پر چلتے ہوئے صحیح ومعتبر قرار دے کر بطور دلیل و حجت نقل کر رکھا ہے، مگر ان حضرات کی مستدل روایت میں نہایت واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ امام ابوحنیفہ بذات خود مرجی المذہب تھے اور انھوں نے اپنے ہم مذہب مرجیہ کے تعاون سے چالیس ہزار درہم جمع کر کے اپنے استاذ حماد کو اس مقصد سے دیے کہ وہ مرجی مذہب اور مرجی فرقہ کے صدر و سرپرست بن جائیں، چنانچہ حماد یہ پیش کش قبول کر کے مرجی مذہب وفرقہ کے صدر اور سرپرست بن گئے، جیسا کہ اس روایت میں امام صاحب اور ان کے ساتھیوں کا یہ قول منقول ہے:

"إنا قد جمعنا أربعين ألف درهم نأتيك بها وتكون رئيسنا في الإرجاء."

یعنی ہم چالیس ہزار درہم جمع کیے ہوئے ہیں اور آپ کو اس شرط پر دیں گے کہ ہمارے مرجی مذہب ومرجی فرقہ کے صدر و سرپرست بن جائیں۔"

لیکن مصنف انوار نے اپنی مستدل روایت کے اس اہم جملہ کو بالکل حذف و ساقط کر دیا اور اس کی طرف کسی طرح کا اشارہ بھی نہیں کیا۔ مصنف انوار کی یہ کارستانی علمی نقطۂ نظر سے کیا معنی رکھتی ہے؟ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے اس جملہ کے اندر معنوی تحریف کر کے کہا کہ ارجاء سے مراد وہ مذہب حق ہے جس کو مخالفینِ احناف ارجاء کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔[1]

مگر سوال یہ ہے کہ یہ الفاظ تو خود امام صاحب اور ان کے ساتھیوں کی طرف منسوب کر کے نقل کیے گئے ہیں، یعنی کہ کوثری اور مصنف انوار کی مستدل روایت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے خود اپنے آپ کو مرجی المذہب اور مرجی فرقے کا ایک فرد قرار دیا ہے، پھر یہ معنوی تحریف کیا معنی رکھتی ہے؟

مذکورہ بالا تفصیل سے واقفیت رکھنے والے اہل نظر پر یہ ثابت شدہ حقیقت کسی طرح بھی مخفی نہیں رہ سکتی کہ حماد وفات نخعی کے کچھ دنوں بعد مسلکِ نخعی و مذہبِ سلف سے منحرف ہو کر اس مرجی مذہب کے پیروکار اور پابند ہو گئے، جس کو امام نخعی اور سلف مبغوض و مذموم قرار دے کر اپنے تلامذہ ومتوسلین کو ہدایت اور وصیت کرتے رہتے تھے کہ اس مذہب اور اس کے معتقدین سے قطع تعلق و پرہیز رکھنا اور عام تلامذۂ نخعی نے ان کی اس ہدایت و وصیت پر عمل بھی کیا۔ اس سلسلے میں حماد کے معاصر اور غیر معاصر اہل علم کے واضح اور صریح اقوال و بیانات اتنی کثرت کے ساتھ باسانید صحیحہ مروی ومنقول ہیں کہ بڑے بڑے منکرین حقائق بے پناہ جذبہ انکارِ حقائق رکھنے کے باوجود یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے کہ حماد کے مرجی المذہب ہونے کی حقیقت سے ایک دم اور ایک قلم سخن سازی کے بغیر انکار کر دینا اور اس حقیقت ثابتہ پر پردہ ڈال دینا آسان کام نہیں ہے۔ اس لیے انھوں نے ضروری سمجھا کہ کسی سخن سازی، تاویل وتوجیہ اور تدقیق کے ذریعہ حماد اور ان کے ہم مسلک حضرات کے مرجی ہونے کا کوئی ایسا معنی و مطلب بیان کریں جس کے سہارے ایک طرف یہ بات بنائی جا سکے کہ ان کے مرجی ہونے کے سلسلہ میں وارد شدہ روایات صحیحہ سے ہم کو انکار نہیں اور دوسری طرف یہ کہا جا سکے کہ ان حضرات کے مرجی مذہب سے مراد وہ مرجی مذہب نہیں

[1] تانيب الخطيب.

ہے جس کو امام نخعی اور دیگر اسلاف نے مذموم ومبغوض و بدعت قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بہر قیمت رد ومسخ حقائق کا بے پناہ جذبہ و ذوق رکھنے والے مصنف انوار اور ان کے ممدوح استاذ کوثری نے اس کام کو کرنا بہت ضروری سمجھا ہوگا، چنانچہ انھوں نے یہ کام کیا بھی ہے، جس کی حقیقت آئندہ صفحات میں واضح کی جائے گی۔

اصحاب الکلام سے امام نخعی کی بیزاری:

یہ بات گزر چکی ہے کہ کوفہ میں اصحاب المقالات یعنی اہل الکلام کے ظہور پذیر ہونے سے امام نخعی غمگین و متأسف تھے اور ان سے موصوف امام نخعی نے اظہار بیزاری کرتے ہوئے کہا تھا:

"أوه! دققوا قولا، واخترعوا دينا من قبل أنفسهم، ليس من كتاب الله، ولا من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: هذا هو الحق، وما خالفه باطل، لقد تركوا دين محمد صلى الله عليه وسلم فإياك وإياهم."[1]

یعنی افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تدقیق سے کام لے کر خود ساختہ مذہب ایجاد کر رکھا ہے، جس کا کتاب وسنت سے کوئی لگاؤ اور تعلق نہیں ہے، یہ لوگ حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دیے ہوئے ہیں اور دینِ محمدی کو چھوڑ بیٹھے ہیں، ان سے تم لوگ بچ کر رہو، ان کے فتنہ میں پڑنے سے تم ہوشیار رہو۔"

اس میں شک نہیں کہ مرجی المذہب لوگ بھی اسلاف کے یہاں اصحاب المقالات، اہل الکلام اور اہل الاہواء میں شمار کیے جاتے ہیں، جن کا وصف خاص اسلاف نے خصام و جدال و تدقیق و اختراعِ بدعات اور ابطال حق و احقاق باطل و رائے پرستی بتلایا ہے۔ امام نخعی نے اس طریق کار کی قباحت وخرابی ظاہر کرتے ہوئے قرآنی آیت ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ کی تفسیر میں فرمایا:

"أغرى بينهم في الخصومات والجدال في الدين."[2]

یعنی اللہ نے ان کے درمیان دینی امور میں جدال و خصام کے ذریعہ بغض وعداوت پیدا کر دیا۔

امام نخعی خصام و جدال سے بذات خود اس قدر پرہیز کرتے تھے کہ بقول امام حسن بن عمرو فقیمی تیمی کوفی (متوفی ۱۴۲ھ) موصوف امام نخعی نے فرمایا:

"ما خاصمت رجلاً قط."[3] یعنی میں نے کسی بھی شخص سے کبھی کوئی خصام نہیں کیا۔

مصنف انوار کی ممدوح ومعتبر قرار دی ہوئی کتابوں میں مندرج اس مضمون کی بہت ساری روایات دیکھ کر ہم کو قدرے تسکین وتسلی سی ہونے لگتی ہے کہ امام صاحب اپنی ابتدائی زندگی میں اگرچہ اہل کلام و اصحاب المقالات کے طور وطریق اور مسلک و مذہب سے وابستہ تھے مگر موصوف ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں، جبکہ بقول صحیح بائیس سال اور بدعویٰ مصنف انوار تیئس سال اور بقول احناف اکتالیس سال کے تھے، تو مختلف اسباب کے تحت اہل کلام و متکلمین کے طور وطریق اور مذہب ومشرب سے

---

[1] حلية الأولياء (٤/ ٢٢٣)　[2] حلية الأولياء (٤/ ٢٢٣) و عام كتب تفسير.

[3] طبقات ابن سعد (٦/ ٢٧٣) فسوی (٢/ ٦٠٤) و حلية الأولياء (٤/ ٢٢٢)

نکل کر علوم فقہ و حدیث پڑھنے اور مسلک سلف سے وابستہ ہونے کے لیے۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں درسگاہِ حماد میں داخل ہوگئے، لیکن پھر یہ دیکھ کر شدید افسوس و غم ہوتا ہے کہ مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کی دلیل و حجت بنائی ہوئی روایات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ امام نخعی کے علمی و فقہی جانشین حماد کو امام صاحب نے اپنے مزید چار رفقاء کی مدد و معاونت سے چالیس ہزار درہم دے کر مذہب نخعی سے ہٹا کر اس مرجی مذہب کا سرپرست و مربی بنا لیا جس مذہب سے اور اس کے معتقدین سے امام نخعی اور دوسرے اسلاف سخت بیزار و ناراض تھے، کیونکہ مرجی مذہب بھی اہل کلام ہی کے مذاہب میں سے ایک مذہب ہے اور اس مذہب کے ماننے والے مرجیہ بھی اہل الکلام و اصحاب المقالات میں سے ہیں۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کی دلیل و حجت بنائی ہوئی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ درسگاہِ حماد میں ایک زمانہ تک پڑھتے رہنے کے بعد تحصیل علم کے زمانہ ہی میں امام صاحب رحمہ اللہ ''تدقیق'' کے راستہ پر گامزن ہوگئے، حالانکہ مصنف انوار کی معتبر و ممدوح کتابوں میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب طریقِ اہل کلام سے متنفر و بیزار ہو کر درسگاہِ حماد میں فقہ و حدیث پڑھنے اور مسلکِ سلف سے وابستگی اختیار کرنے کے لیے داخل ہوئے تھے۔ جب مصنف انوار کی معتبر و ممدوح قرار دی ہوئی کتابوں میں ایک طرف بہت ساری روایات اس مضمون کی مندرج ہیں کہ علم کلام اور طریق اہل کلام سے کبیدہ خاطر و بیزار ہو کر امام صاحب۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں درسگاہِ حماد میں داخل ہوئے تھے تو دوسری طرف انھیں کتابوں میں منقول اور مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس مضمون کی روایت کہ ''درسگاہِ حماد میں ایک عرصہ تک تعلیم پانے کے بعد تحصیل علم کے زمانہ ہی میں امام صاحب ''تدقیق'' کے راستے پر گامزن ہوگئے۔'' کا معنی و مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ ان کتابوں میں یہ بتلانے اور ظاہر و باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ امام صاحب اگرچہ ایک زمانہ تک علم کلام و مذہب اہل کلام سے وابستہ رہنے کے بعد اس سے وقتی طور پر غیر مطمئن ہو کر درسگاہِ حماد میں داخل ہو کر علوم فقہ و حدیث پڑھنے لگے تھے، مگر درسگاہِ حماد میں ایک عرصہ تک پڑھتے رہنے کے بعد دوبارہ پھر موصوف امام صاحب طریق اہل کلام پر گامزن ہو کر اصحاب المقالات و اہل کلام کی طرح ''تدقیق'' سے کام لینے لگے!

مصنف انوار رقم طراز ہیں:

> ''امام شعبہ امام صاحب کو حسن الفہم اور جید الحفظ فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان پر تشنیع کی ہے، واللہ وہ خدا کے یہاں اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے الخ۔''[1]

مصنف انوار نے اپنی نقل کردہ مذکورہ بالا روایت خیرات الحسان (ص: ۳۴) سے نقل کی ہے اور مقام مذکور پر یہ روایت حذف سند کے ساتھ منقول ہے، جیسا کہ اس کتاب میں درج شدہ عام روایات کے ساتھ کیا گیا ہے، کیونکہ اس کتاب کے مصنف نے تصریح کر رکھی ہے کہ میری یہ کتاب علامہ محمد صالح دمشقی شافعی کی کتاب "عقود الجمان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان" کی تلخیص ہے۔[2]

اور الخیرات الحسان کی اصل کا یہ حال ہے کہ اس عقود الجمان میں درج کردہ بیشتر روایات کی اسانید کو حذف کر دیا گیا

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۱۰۰) بحواله خيرات الحسان (۱/ ۳٤ و ۱۱۸)
[2] الخيرات الحسان (ص: ۲)

ہے، البتہ اصل ماخذ کا عام طور سے حوالہ دے دیا گیا ہے، عقود الجمان میں روایت مذکورہ (ص:۲۰۲) بحوالہ اخبار ابی حنیفہ للصیمری پر منقول ہے اور اصل روایت کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت کئی سطروں پر مشتمل ہے جسے الخیرات الحسان میں تلخیص کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اخبار ابی حنیفہ للصیمری میں روایت مذکورہ اس طرح منقول ہے کہ ''امام شعبی نے کہا کہ میں نے حماد بن ابی سلیمان کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہ ہمارے پاس سنجیدگی، وقار اور تقویٰ شعاری کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور ہم انھیں علمی غذا فراہم کرتے تھے:

''حتی دقق السؤال فخفت علیه من ذلك... الخ.'' [1]

یعنی کہ ابوحنیفہ کچھ دنوں تک ہم سے پڑھتے رہنے کے بعد سوالات کرنے میں ''تدقیق'' سے کام لینے لگے جس سے مجھ کو ان کے لیے خطرہ وخوف محسوس ہونے لگا۔

روایت مذکورہ طویل ہے، جس کو ہم آگے چل کر زیر بحث لائیں گے۔ یہاں صرف یہ دکھلانا ہے کہ مصنف انوار کی مستدل روایت میں امام صاحب کے استاذِ خاص حماد کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ ہماری درسگاہ میں امام ابوحنیفہ ایک عرصہ تک سنجیدگی، وقار اور تقویٰ شعاری کے ساتھ تحصیلِ علم کے لیے بیٹھتے رہے اور انھیں ہم پڑھاتے رہے، مگر بعد میں موصوف امام ابوحنیفہ اپنے اس طریق کے خلاف طریقِ تدقیق پر گامزن ہوگئے، جس کے سبب مجھے ان کے حق میں خوف وخطر محسوس ہونے لگا۔ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ امام نخعی نے ''تدقیق'' کو اصحاب المقالات اور اہل کلام کا وصف خاص بتلایا ہے اور تدقیق و اہل تدقیق کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی ہے۔ شعبہ کی طرف منسوب مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی زیر بحث روایت میں بتلایا گیا ہے کہ امام نخعی ہی کی طرح حماد بھی تدقیق کو خوفناک اور خطرناک چیز سمجھتے تھے اور اسے سنجیدگی، وقار اور تقویٰ شعاری کے منافی ایک مذموم شے جانتے تھے۔ تدقیق کے بارے میں حماد کا یہ موقف ونظریہ ظاہر ہے کہ صرف اس زمانے تک رہا تھا جب تک کہ موصوف اپنے علمی وفقہی مورث و استاذ امام نخعی کے اس مسلکِ سلف پر قائم تھے جو اصحاب المقالات و اہل کلام اور ان کے مذاہب وطریقِ کار کو مبغوض و ناپسندیدہ قرار دیتا ہے، مگر بعد میں جب یہی حماد مسلکِ نخعی چھوڑ کر خود مرجی مذہب اور مسلکِ رائے و قیاس کے پیروکار و پابند ہوگئے تو اپنے جلیل القدر استاذ امام شعبی کے بقول اصحاب الرائے والقیاس والارجاء کے طور وطریق پر گامزن ہوکر مسجد میں اتنے شور وغل غپاڑہ کے ساتھ زیر بحث مسائل پر مخاصمہ و مناظرہ اور مباحثہ کرنے لگے کہ امام عامر شعبی حماد اور اصحاب حماد کو صعافقہ، بنو استہا، الآ رائیوں اور اصحاب الرائے وغیرہ کہہ کر مطعون کرنے لگے اور یہ بھی فرمانے لگے کہ اپنے طرزِ عمل سے ان صعافقہ نے خانۂ خدا کو کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض بنا دیا ہے۔ حماد سے مروی زیرِ نظر روایت اگرچہ باعتبار سند ساقط و غیر معتبر ہے، کیونکہ اس کی سند میں ابن المغلس کذاب ہے، مگر یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مذہب الرائے والارجاء اختیار کرنے سے پہلے جب حماد اپنے استاذ اور علمی وفقہی مورث امام نخعی کے مسلک پر قائم تھے تو موصوف مذہب نخعی کے اصول کی پابندی کرتے ہوئے اصحاب المقالات و اہل کلام کی تدقیق کو مذموم ومبغوض قرار دیا کرتے ہوں گے۔

---

[1] اخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۹)

اس بات کا ذکر آ چکا ہے کہ مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کے ممدوح و معتمد علیہ اسماعیل بن حماد بن امام صاحب یعنی امام صاحب کے پوتے تک پہنچنے والی صحیح سند سے مروی ہے کہ اسماعیل موصوف نے کہا کہ امام صاحب اور ان کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ خلق قرآن کے معتقد تھے۔ امام صاحب کے ان صاحبزادے کو مصنف انوار نے چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دے رکھا ہے اور یہ معلوم ہے کہ عقیدہ خلق قرآن اصحاب المقالات و اہل الکلام کے ایک خاص طبقہ کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ سے عام اسلاف حتی کہ امام صاحب کے استاذ خاص حماد بھی مرجی المذہب اور اصحاب المقالات کا ایک فرد ہونے کے باوجود سخت بیزار و برہم تھے، یہاں تک کہ آنے والی تفصیل کے مطابق موصوف حماد نے بعض معتقدین خلق قرآن کے خلاف حکومت کے پاس شکایت کی اور ان کے خلاف حکومت سے تادیبی کارروائی کی درخواست کی۔ اسماعیل کے بیان مذکور کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب عقیدۂ خلق قرآن کے معاملہ میں اہل الکلام کے مذہب پر عامل تھے۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اسماعیل موصوف بذات خود غیر ثقہ تھے، اس لیے امام صاحب کی طرف انھوں نے جو عقیدہ خلقِ قرآن کی نسبت کر رکھی ہے وہ ساقط الاعتبار ہے، لیکن اس معاملہ میں امام صاحب کے موقف و مذہب سے متعلق تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں آئے گی۔ نیز اس بات کی تفصیل بھی آئندہ صفحات میں آئے گی کہ مصنف انوار کے ہم مزاج لوگوں خصوصاً کوثری نے یہ بلند بانگ دعویٰ کر رکھا ہے کہ وفات حماد کے بعد حماد کے مسند نشین ہونے اور چہل رکنی مجلس تدوین کی تشکیل کر کے تدوین فقہ حنفی میں مشغول ہونے کے بعد بھی امام صاحب اور ان کے خصوصی تلامذہ علم کلام سے اشتغال رکھتے تھے۔

مصنف انوار نے نخعی رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا فضائل کے ساتھ یہ بھی تحریر کیا ہے:

''اور شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) نے بھی حجۃ اللہ میں لمبی بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کے استاذ الاستاذ حضرت ابراہیم نخعی نے اپنے مذہب کی بنیاد حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے مسائل و فتاویٰ پر قائم کی، ابراہیم تمام علمائے کوفہ کے علوم کے مخزن تھے، ابن المسیب اور ابراہیم کے فقہ کے اکثر مسائل اصل میں سلف یعنی صحابہ سے مروی ہیں، ابراہیم کے فضل و کمال اور تفقہ و جلالتِ قدر پر تمام فقہائے کوفہ متفق ہو گئے تھے اور سب نے ان کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔ ابراہیم نے وہی مسائل جمع کیے تھے جن کو مشہور احادیث اور قوی دلائل کی کسوٹی پر کس لیا تھا۔''[1] پھر آگے چل کر شاہ صاحب نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ ''ان مسائل کو ابراہیم سے امام صاحب نے اخذ کیا۔'' الخ[2]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے مذکورہ بات کو شاہ ولی اللہ کی لمبی بحث کا خلاصہ قرار دے کر امام نخعی اور امام ابوحنیفہ کی علمی اور فقہی فضیلت ظاہر کرنے نیز یہ ثابت کرنے کے لیے لکھ چھوڑا ہے کہ امام ابوحنیفہ مذہب نخعی کے پیرو تھے اور انھوں نے امام نخعی سے مذہب نخعی کو حاصل کیا تھا اس جگہ مصنف انوار نے شاہ صاحب کی عبارت کی تلخیص کرنے اور اسے حجت بنانے میں جو کارستانی دکھائی ہے اس کی وضاحت آگے چل کر دی جائے گی، مگر فی الوقت یہ عرض ہے کہ مصنف انوار نے شاہ صاحب کی جس عبارت کی تلخیص اوپر پیش کی ہے، اس میں یہ صراحت ہے:

"أصل مذهبه فتاویٰ ابن مسعود، و قضايا علي و فتادة، و قضايا شريح وغيره من قضاة الكوفة..." الخ

---

[1] حجة الله (ص: ١٤٩)　[2] مقدمه انوار (١/ ٦٩)

یعنی امام نخعی کے مذہب کی اصل حضرت علی، ابن مسعود اور قاضی شریح وغیرہ کے مسائل وفتاویٰ ہیں۔

مصنف انوار کے طریق تلخیص کے مطابق شاہ صاحب کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امام نخعی نے اپنے مذہب کی بنیاد جن حضرات کے مسائل وفتاویٰ پر رکھی تھی ان میں قاضی شریح بھی ایک تھے مگر مصنف انوار نے اپنے بیان میں قاضی شریح کا نام نہیں آنے دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ موصوف نے قاضی شریح اور امام صاحب کا ایک عجیب انداز میں موازنہ کیا ہے، حتی کہ امام نخعی، علقمہ، حماد اور امام صاحب کا تقابل بھی عجیب طرح سے کیا ہے، جو قابل ملاحظہ ہے۔

امام صاحب اور امام صاحب کے علمی وفقہی مورثین کے درمیان مصنف انوار کا موازنہ:

مصنف انوار فرماتے ہیں:

''قاضی شریح کو خود حضرت علی نے "أقضی العرب" کا خطاب مرحمت فرمایا، یہ بات اور ہے کہ آگے چل کر امام اعظم کے تفقہ کے سامنے ان کے تفقہ کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا، اور ایسا ہوتا بھی چاہیے تھا کیونکہ قاضی شریح کی توثیق وتوصیف اگر حضرت علی نے فرمائی تھی تو امام صاحب کے تفقہ یا علمی و دینی بصیرت کی شہادت بطور بشارت وپیش گوئی سید الانبیاء رحمت دو عالم ﷺ نے دی تھی۔''[1]

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ ایک طرف مصنف انوار کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ قاضی شریح امام ابوحنیفہ کے علمی وفقہی مورثین میں سے تھے اور دوسری طرف امام ابوحنیفہ کے تفقہ کے سامنے قاضی شریح کی علمی وفقہی حیثیت وہ تھی جو مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں ظاہر کی ہے۔ معلوم نہیں کیوں مصنف انوار نے اس جگہ قاضی شریح اور امام ابوحنیفہ کا موازنہ کرنے کے لیے قاضی شریح کی بابت قول علی اور امام صاحب کی بابت نبی ﷺ کی طرف منسوب پیشگوئی کے ذکر ہی پر اکتفا کیا ہے، جب کہ مصنف انوار کے ہم مزاج وہم مشرب اسلاف نے حضرت علی کی طرف بھی یہ منسوب کر رکھا ہے کہ انھوں نے امام صاحب کے تفقہ اور دینی وعلمی بصیرت کی شہادت بطور بشارت دی ہے، چنانچہ مصنف انوار کے ہم مشرب اسلاف نے سید الانبیاء پر ہزاروں افترا پردازیوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی افترا پردازی کرتے ہوئے کہا:

"عن عبدالله بن معقل قال: سمعت أمير المؤمنين علي بن أبي طالب يقول: ألا أنبئكم برجل من كوفة من بلدتكم هذه يكنى بأبي حنيفة، قد ملئ قلبه علما و حلما، وسيهلك به قوم من آخر الزمان، الغالب عليهم التنابز، يقال لهم البنانية، كما هلكت الرافضه بأبي بكر و عمر رضي الله عنهما."[2]

یعنی عبداللہ بن معقل صحابی نے کہا کہ میں نے حضرت علی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوفہ میں ابوحنیفہ نامی ایک شخص ہوں گے، جن کا قلب علم وحکمت سے پر ہوگا اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والی ایک قوم آخری زمانے میں اسی طرح ہلاک ہوگی جس طرح شان ابی بکر وعمر میں گستاخی کر کے روافض ہلاک ہوئے، اس قوم کو بنانیہ کہا جائے گا۔''

صرف یہی نہیں بلکہ مصنف انوار کے ہم مزاج وہم مسلک اسلاف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بھی افترا پردازی کی:

---

[1] مقدمه انوار (١/ ٤٣و ٤٤)　[2] جامع مسانيد الإمام الأعظم (١/ ١٧) و موفق (١/ ١٨ وغيره)

""""عن ابن عباس أنه قال: إن الرأي الحسن أن يفتي صاحبه، وأنه سيكون من بعدنا رأي حنيف، يجري الأحكام ما بقي الإسلام، وأنه كرأينا وأحكامنا، يقوم به رجل يقال له النعمان بن ثابت، ويكنى أبا حنيفة، وهو من أهل الكوفة جهبد في الإسلام والفقه، يصرف الأحكام والفقه على وجهها حنيفى الدين والرأي الحسن."[1]

یعنی ابن عباس نے کہا کہ ''رائے حسن'' والے کو فتویٰ دینا چاہیے اور عنقریب ہمارے بعد رائے حسن و رائے حنیف رکھنے والے نعمان ابوحنیفہ نامی ایک کوفی فقیہ پیدا ہونے والے ہیں جن کی رائے و احکام بالکل ہماری رائے واحکام کی طرح ہوں گے، ان کے یہ احکام اسلام کے قائم رہنے کے زمانہ تک قائم رہیں گے۔''

نیز مصنف انوار نے جن امام نخعی کے بارے میں کہا کہ انھیں سے امام صاحب نے مسائل حاصل کیے اور یہ کہ امام صاحب مذہب نخعی کے پیرو تھے، ان پر بھی افترا پردازی کرتے ہوئے مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے کہا:

"عن الهزهاز قال: شهدت حماداً، وجاء ه أبو حنيفة فقال له حماد يا أبا حنيفة أنت النعمان الذي ذكر لنا إبراهيم قال: سقى الله زمانا يكون فيه رجل، يقال له النعمان يكنى بأبي حنيفة يحييٰ أحكام الله ورسوله، وتجري بعده أبداً ما بقي الإسلام، ولا يهلك من اتخذها، وعمل بها، فإن أنت لقيته فاقرأه مني السلام"[2]

یعنی ہر باز نے کہا کہ میری موجودگی میں حماد کے پاس امام ابوحنیفہ آئے، ان سے حماد نے کہا کہ آپ وہی نعمان ہیں جن کا ذکر امام نخعی نے ہم سے کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ زمانہ رحمت خداوندی کی بارش کا زمانہ ہوگا جس میں امام ابوحنیفہ ہوں گے، وہ اللہ و رسول کے احکام کو زندہ کر دیں گے اور ان کے بعد یہ احکام تا آخر جاری رہیں گے، جو شخص بھی احکام ابی حنیفہ پر عمل پیرا ہوگا وہ ہلاک نہ ہوگا، اگر ان نعمان سے تمہاری ملاقات ہو تو تم انھیں میری طرف سے سلام کہنا۔''

اس قسم کے بہت سارے دوسرے اکاذیب بھی مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے گھڑ رکھے ہیں جن میں سے کچھ اکاذیب کو مصنف انوار نے بھی دلیل و حجت بنا کر صحیح ومعتبر قرار دے رکھا ہے اور کچھ اکاذیب کے ذکر سے نہ جانے کن مصالح کے پیش نظر اعراض کر رکھا ہے۔ آخر الذکر مکذوبہ روایت جو امام نخعی کی طرف منسوب کی گئی ہے، اسے دلیل و حجت بنا کر صحیح و معتبر قرار دینے سے مصنف انوار کے انحراف و اعراض کا ایک سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس روایت کا ایک مفاد یہ بھی ہے کہ امام نخعی سے امام صاحب کی ملاقات نہیں ہوسکی تھی ورنہ انھیں حماد کے سامنے بطور پیش گوئی امام صاحب کے ظہور پذیر ہونے کی خبر دیتے ہوئے ان سے یہ کہنے کی ضرورت نہ پیش آتی کہ اگر تمہاری امام صاحب سے ملاقات ہوجائے تو انھیں میری طرف سے سلام کہنا۔ چونکہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب امام نخعی سے مذہب نخعی کا علم حاصل کر کے مذہب نخعی کے پیرو بنے اور امام نخعی کی طرف منسوب مذکورہ روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام نخعی سے امام صاحب کی ملاقات تک نہیں ہوئی، اس لیے مصنف

---

[1] جامع مسانيد أبي حنيفة (١/ ١٩) و موفق (١/ ١٩ وغيره)

[2] جامع المسانيد (١/ ١٧) وموفق (١/ ١٨، ١٩ وغيره)

انوار نے اس کے ذکر کرنے تک سے اعتراض کیا، اسے دلیل و حجت بنانا درکنار لیکن سوال یہ ہے کہ اپنے ہم مزاج اسلاف کے ایجاد کردہ بعض اکاذیب کے ذکر تک سے اعراض کرنا، جبکہ وہ مصنف انوار کے نفس کو ناپسند ہوں، مگر اسی طرح کے دوسرے لوگوں کی ایجاد کردہ باتوں کو صحیح و معتبر کہہ کر دلیل و حجت بنا لینا جب کہ وہ مصنف انوار کے نفس کو پسند ہوں، کیا معنی رکھتا ہے؟

مذکورہ بالا روایات اور ان جیسی دوسری روایات کا مکذوبہ ہونا ان کی اسانید سے خود بخود ظاہر ہے، جسے ہر صاحب علم بآسانی معلوم کر سکتا ہے۔ یہاں یہ کہنا ہے کہ جو امام نخعی بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب کے علمی وفقہی مورثین میں سے ہیں، ان ابراہیم کے اساتذہ میں سے مصنف انوار ہی کی تحقیق کے مطابق امام قاضی شریح بھی ہیں، جن کی شان میں مصنف انوار نے مذکورہ بالاقسم کی ہرزہ سرائی کر رکھی ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ مصنف انوار نے درج ذیل باتیں بھی لکھ چھوڑی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

۱۔ ''محدث عثمان المدنی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اپنے استاذ حماد سے زیادہ فقیہ تھے بلکہ ابراہیم، علقمہ اور اسود سے بھی زیادہ أفقہ تھے۔''❶

۲۔ محدث جریر کا بیان ہے کہ حضرت مغیرہ مجھے تاکید کیا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی مجلسوں میں بیٹھا کرو، اگر ابراہیم نخعی امام صاحب کے استاذ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی ان کی مجلس میں بیٹھتے۔''❷

۳۔ خطیب بغدادی نے محمد بن بشیر سے نقل کیا ہے کہ میں ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے پاس جایا کرتا تھا، پس جب ابوحنیفہ کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ سفیان کے پاس سے، وہ فرماتے کہ تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ اگر علقمہ اور اسود بھی موجود ہوتے تو ان کے محتاج ہوتے اور جب میں سفیان کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آئے؟ میں کہتا کہ ابوحنیفہ کے پاس سے، وہ فرماتے کہ ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو ساری دنیا کے فقہاء سے فقہ میں بڑھ کر ہے۔''❸

۴۔ ''اعمش نے کہا کہ ابوحنیفہ وہ مسائل جانتے ہیں کہ نہ حسن بصری جانتے ہیں، نہ ابن سیرین نہ قتادہ، نہ بتی نہ ان کے سوا کوئی اور۔''❹

۵۔ ابن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ اگر امام ابوحنیفہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے۔❺

۶۔ ''مقاتل نے کہا کہ میں نے تابعین اور اتبع تابعین کو دیکھا، مگر ان میں ابوحنیفہ جیسا نکتہ رس اور بصیرت والا شخص نہیں دیکھا۔''❻

۷۔ امام اہل بلخ حضرت مقاتل بن حیان فرماتے تھے کہ میں نے تابعین کا دور پایا لیکن ابوحنیفہ سے اجتہادی مسائل میں بالغ نظر، جس کا ظاہر، باطن سے مطابق و مشابہ ہو، کسی کو نہیں دیکھا۔ بعض کتب منزلہ سابقہ میں امت محمدیہ کے تین شخصوں کے اوصاف مذکور ہوئے ہیں، جو اپنے زمانہ کے سب لوگوں پر فقہ و علم میں فائق ہوئے، ابوحنیفہ، مقاتل بن سلیمان، وہب بن منبہ، بعض روایتوں میں وہب کی جگہ کعب احبار کا نام ہے، مقاتل اکثر امام صاحب کی تعریف کرتے اور فرماتے کہ امام ابوحنیفہ کے پندرہ منقبتیں وہ ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔''❼

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۷۲ و ۱/ ۱۰۶)
❷ مقدمہ انوار (۱/ ۷۲ و ۱/ ۱۰۹)
❸ مقدمہ انوار (۱/ ۱۰۹)
❹ مقدمہ انوار (۱/ ۷۲)
❺ مقدمہ انوار (۱/ ۷۰ و ۹۷)
❻ مقدمہ انوار (۱/ ۷۲)
❼ مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۲)

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیانات میں امام صاحب کو علم وفضل میں تمام تابعین خصوصاً موصوف کے جلیل القدر اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ مثلاً حماد، نخعی، علقمہ، اسود، حسن بصری، ابن سیرین، قتادہ، قاضی شریح، بتی (یعنی عثمان بن مسلم بن جرموز بصری بتی جو امام صاحب کے استاذ اور شعبہ وثوری کے استاذ ہیں) وغیرہ سے بہت زیادہ اُفقہ و فائق بتلایا ہے، بلکہ موصوف کا یہ بیان کہ ''امام ابوحنیفہ کی پندرہ منقبتیں وہ ہیں جن میں ان کا کوئی ہم عصر شریک نہیں'' اس امر کو مستلزم ہے کہ امام صاحب پندرہ ایسے اوصاف جمیلہ سے آراستہ تھے جن سے نعوذ باللہ وہ صحابہ بھی محروم تھے جنھیں مصنف انوار امام صاحب کے معاصر بلکہ اساتذۂ حدیث کہتے ہیں۔ مصنف انوار نے جن حضرات کو امام صاحب کا علمی وفقہی مورث و پیشوا قرار دیا ہے، یعنی حماد، ابراہیم، علقمہ اور قاضی شریح وغیرہ ان کے بالمقابل امام صاحب کو بہت زیادہ افقہ و فائق قرار دینے کے لیے مذکورہ بالاقسم کے اکاذیب کو خالص علمی و دینی خدمت کے نام پر صحیح ومعتبر کہہ کر نقل کرنے کا آخر کیا معنی ہے؟

خصوصاً جبکہ مصنف انوار نے صاحب مشکوۃ کے اس طرز عمل پر اعتراض کر رکھا ہے کہ انھوں نے امام مالک کا ذکر اپنی کتاب اکمال میں امام صاحب سے پہلے کیوں کر دیا ہے، جب کہ امام صاحب امام مالک کے استاذ اور عمر میں امام مالک سے بڑے ہیں، حالانکہ استاذ کا مرتبہ شاگرد سے بڑا ہوتا ہے؟ صاحب مشکوۃ پر مصنف انوار کی اس بے معنی برہمی کی حقیقت آگے چل کر واضح کی جائے گی۔

اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ جس ابراہیم نخعی کو امام صاحب کا استاذ اور استاذ الاساتذہ قرار دے کر مصنف انوار نے یہ دعویٰ کیا کہ انھیں سے امام صاحب نے اپنا فقہی مذہب وعلم فقہ حاصل کیا اور یہ امام صاحب کے علمی وفقہی مورثین و مؤسسین میں سے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ موصوف امام نخعی کے بہت سارے علمی وفقہی فضائل بیان کیے ہیں، انھیں اور ان کے اساتذہ کو مصنف انوار نے علم وفقہ میں ان اکاذیب کو دلیل بنا کر کیونکر بہت کمتر قرار دیا جو درحقیقت کذابین کے اس گروہ کے ایجاد کردہ ہیں جس کی بابت مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ وہ سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے جھوٹ کو کار خیر وثواب سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتا ہے اور اس مقصد میں حصول کامیابی کے لیے وہ دن ورات کو ایک کیے رہتا ہے؟ [1]

چنانچہ انوار الباری کے مذکورہ بالا اقتباسات میں سے عثمان المدنی کی طرف منسوب کردہ روایت کو مصنف انوار نے بحوالہ موفق (۲/ ۳۷) نقل کیا ہے۔ [2]

اور موفق کے مقام مذکور پر یہ روایت درج ذیل سند کے ساتھ منقول ہے:

''وبه قال: أخبرنا القاسم بن عباد، حدثني من سمع أبا يحيىٰ الحماني قال: قال عثمان المدني ... الخ.''

اور ہر صاحب علم موفق کی کتاب کو دیکھ کر بآسانی یہ معلوم کر سکتا ہے کہ اس سند میں مذکور قول ''وبه قال: أخبرنا القاسم'' میں لفظ قال کی ضمیر کا مرجع ابو محمد البخاری الحارثی عبداللہ بن محمد بن یعقوب الکلاباذی السبذمونی المعروف بالاستاذ (مولود ۲۵۸ھ ومتوفی ۳۴۵ھ) ہے۔ [3]

---

[1] مقدمه انوار (١/ ١٢٣، ١٢٤)
[2] مقدمه انوار (١/ ١٠٦)
[3] موفق (٢/ ٣٢)

اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ حارثی مذکور کذاب اور وضاع ہے اور اس کذاب نے اس مکذوبہ روایت کے لیے اپنی گھڑی ہوئی سند میں جس شخص کو اپنا استاذ ظاہر کیا ہے، یعنی قاسم بن عباد، اس کا حال معلوم نہیں اور اس مجہول الحال شخص نے بھی ایک مجہول ہی سے یہ روایت نقل کی ہے، چنانچہ اس نے کہا: ”حدثني من سمع أبا یحییٰ الحماني الخ“ ظاہر ہے کہ ”من سمع“ مجہول راوی ہے اور مجہول کی روایت کو مصنف انوار، کوثری اور امام ابوحنیفہ نیز تمام اہل علم ساقط الاعتبار مانتے ہیں۔ (کما مر)

معلوم ہوا کہ عثمان المدنی کی طرف اس روایت کو مکذوب طور پر منسوب کر دیا گیا ہے، مزید برآں یہ کہ جس عثمان المدنی کی طرف یہ روایت منسوب ہے وہ متعین نہیں، امام ابوحنیفہ کے معاصرین میں اس نام کے کئی اشخاص مجروح ہیں، مثلاً: عثمان بن عبدالرحمٰن بن عمر الزہری الوقاصی المدنی کذاب و متروک ہے۔[1] دریں صورت روایت مذکورہ کو صحیح و معتبر قرار دینا اور اسے دلیل و حجت بنا لینا کون سی دیانت داری ہے؟ خصوصاً اس صورت میں کہ اس مکذوبہ روایت سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کے علمی و فقہی مورثین علم و فقہ میں امام صاحب سے کمتر تھے!

مصنف انوار نے محدث جریر کی طرف منسوب جو قول نقل کر رکھا ہے، یعنی کہ مغیرہ مجھے تاکید کیا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی مجلسوں میں بیٹھا کرو۔ وہ مناقب ابی حنیفہ للموفق میں درج ذیل سند سے منقول ہے:

”وبه قال: حدثنا إبراهيم بن علي بن الحسن أبنأ أحمد بن حبان عن یحییٰ بن أکثم عن جریر ... الخ.“[2]

اس سند میں ”وبه قال: حدثنا إبراهيم“ میں لفظ قال کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے اور اس کی فٹ کردہ سند میں ابراہیم و احمد غیر معروف ہیں اور یہ روایت اخبار ابی حنیفہ للصیمری (ص: ۷۱) میں احمد بن محمد بن المغلس کذاب سے مروی ہے۔ حاصل یہ کہ روایت مذکورہ بھی مکذوبہ ہے۔ ان دونوں روایتوں میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب اپنے مورثین سے علم سے فائق و افضل ہیں اور ان کے بعد مصنف انوار کی نقل کردہ روایت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ خود امام صاحب نے امام سفیان کو امام صاحب کے مورثین علم علقمہ و اسود سے فائق بتلایا اور امام صاحب کو امام ثوری نے پوری دنیا کے فقہاء سے بڑھ کر بتلایا مگر اس کی سند میں جندل بن والق کوفی (متوفی ۲۲۶ھ) ہیں۔[3] انھیں امام مسلم نے متروک اور امام بزار نے ”لیس بالقوی“ کہا۔[4] حاصل یہ کہ روایت مذکورہ بھی ساقط الاعتبار ہے۔

مذکورہ بالا تینوں مکذوبہ روایات کے بعد اعمش کی طرف منسوب جو روایت انوار الباری سے نقل کی گئی ہے، اسے مصنف انوار نے بحوالہ الخیرات الحسان نقل کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ الخیرات الحسان میں منقول روایات بلا سند نقل کی گئی ہیں۔ پھر مصنف انوار کو روایت مذکورہ کا صحیح و معتبر ہونا کیسے معلوم ہوگیا کہ انھوں نے اسے بطور حجت صحیح کہہ کر نقل کر دیا ہے؟

امام اعمش سے مرفوعاً مروی ہے کہ ”نبطی لوگ دین کے لیے آفت ہیں، ان سے دور رہو۔“[5] بعض روایات کے مطابق امام صاحب بھی نبطی ہیں۔ (کما سیأتی) کیا امام اعمش کی طرف منسوب اس حدیث کو حجت بنا کر امام صاحب پر منطبق

[1] تهذيب التهذيب (۷/ ۱۳۳، ۱۳٤) و ميزان الاعتدال.
[2] موفق (۲/ ۳٤)
[3] تاريخ بغداد للخطيب (۱۳/ ۳٤٤)
[4] تهذيب التهذيب (۲/ ۱۲۰) و ميزان الاعتدال.
[5] لسان الميزان (٤/ ۳٦۹ ترجمه عمرو بن عبدالغفار)

کرنا مصنف انوار جائز قرار دیتے ہیں؟ اگر نہیں تو دوسرے اکاذیب کو انھوں نے کیوں صحیح قرار دے کر حجت بنا لیا ہے؟

مندرجہ بالا چاروں مکذوبہ روایات کے ساتھ امام ابن مبارک کی طرف منسوب جو روایت مصنف انوار نے نقل کر رکھی ہے، یعنی کہ امام صاحب تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے، یہ روایت موفق نے درج ذیل سند سے نقل کر رکھی ہے:

"وبه قال: حدثنا محمد بن علي بن سهل سمعت عمرو بن صالح سمعت ابن المبارك الخ."[1]

اس میں "قال: حدثنا محمد" کے لفظ قال کا فاعل حارثی کذاب ہے اور عمرو بن صالح اور محمد بن علی بن سہل مجہول ہیں، یعنی کہ روایت مذکورہ بھی مکذوبہ ہے۔ نیز اس سے امام صاحب کے تابعی ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ (کما مر)

امام اہل بلخ مقاتل بن حیان کی طرف منسوب جو روایت مصنف انوار نے نقل کر رکھی ہے وہ بھی حارثی کذاب کی وضع کردہ ہے۔[2] مقاتل موصوف نبطی ہیں۔[3] اور نبطی کے متعلق اوپر ایک موضوع حدیث نقل کی گئی ہے، کیا اسے حجت بنا کر مقاتل موصوف کو آفت دین قرار دینا درست ہے؟ اگر نہیں تو مصنف انوار نے بہت سارے اکاذیب کو کیوں صحیح کہہ کر حجت بنا لیا ہے؟

مقاتل مذکور کی طرف منسوب روایت میں جو یہ منقول ہے کہ کتب سابقہ میں امام صاحب، مقاتل بن سلیمان اور وہب یا کعب احبار کا ذکر موجود ہے، تو مقاتل بن سلیمان کو مصنف انوار نے ایک طرف اگرچہ ''حضرت مقاتل بن سلیمان علم تفسیر کے مشہور امام'' کہا۔[4]

مگر دوسری جگہ کہا:

''امام صاحب نے فرمایا: خدا جہم بن صفوان اور مقاتل بن سلیمان کو ہلاک کرے، ایک نے نفی میں افراط کی، دوسرا تشبیہ میں حد سے بڑھ گیا۔''[5]

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ بدعویٔ مصنف انوار جس مقاتل کو امام صاحب نے اتنے سخت الفاظ میں مطعون کیا، اس کی مدح میں وارد شدہ مذکورہ بالا روایت کو بھی موصوف نے حجت بنا لیا، اس سے مصنف انوار کی دیانت داری کا بخوبی پتہ چلتا ہے، مقاتل بن سلیمان کو اہل علم نے کذاب اور گمراہ قرار دیا ہے۔[6]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ ایک طرف مصنف انوار نے ان مکذوبہ روایات کو دلیل بنا رکھا ہے جن میں امام صاحب کو امام صاحب کے علمی وفقہی مورثین سے فائق وافضل کہا گیا ہے مگر دوسری طرف امام صاحب سے یہ بھی مروی ہے:

"عن أبي يوسف قيل لأبي حنيفة أيهما أفضل علقمة والأسود؟ فقال: والله ما قدري أن أذكرهما الا بالدعاء والاستغفار إجلالاً لهما فكيف أفضل بينهما؟"[7]

یعنی امام صاحب سے پوچھا گیا کہ علقمہ واسود میں سے کون افضل ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ دونوں کی عظمت شان کے سامنے میری مجال نہیں کہ ان میں سے کسی کو افضل کہوں۔

---

❶ موفق (٢/ ٥١) ❷ موفق (٢/ ٥٨، ٥٩) ❸ تهذيب التهذيب.

❹ مقدمه انوار (١/ ١٢٢) ❺ مقدمه انوار (١/ ١٢٨) ❻ تهذيب التهذيب و ميزان الاعتدال.

❼ عقود الجمان (ص: ٢٢٨) و أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٤)

جس سند کے ساتھ مذکورہ بالا روایت مروی ہے اسی سند سے مروی متعدد روایات کو مصنف انوار نے حجت بنا رکھا ہے، پھر نہ جانے کیوں موصوف نے اسے حجت نہیں بنایا، حالانکہ وہ اسے حجت بنا کر کہہ سکتے تھے کہ چونکہ امام صاحب اپنے مورثین علم کے بارے میں تفضیل کی ہمت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے امام صاحب کی تقلید کا دم بھرنے والوں کو بھی ان مکذوبہ روایات کو حجت و دلیل بنانے سے احتراز کرنا چاہیے جن میں امام صاحب کو ان کے مورثین علم و فقہ سے افضل کہا گیا ہے، ویسے یہ روایت بھی مکذوبہ ہی ہے، کیونکہ اس کی سند میں احمد بن محمد بن مغلس کذاب ہے، مگر اسے حجت بنانے سے مصنف انوار نے اس کے مکذوبہ ہونے کے سبب اعراض نہیں کیا بلکہ اس کا کچھ اور ہی سبب ہوگا، کیونکہ موصوف نے ابن مغلس کی سند سے مروی بہت سارے اکاذیب کو صحیح کہہ کر حجت بنا رکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبالغہ آمیز مدح سے بھی منع کیا اور مبالغہ آمیز مدح سرائی کو یہود و نصاریٰ کی خصلت قرار دیا مگر مصنف انوار نے خانہ ساز اکاذیب کو دینی و تحقیقی خدمت کے نام پر صحیح و معتبر باتیں قرار دے کر امام صاحب کی مدح میں یہ دعویٰ کر دیا کہ موصوف اپنے اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ بلکہ تمام ہی تابعین اور پوری دنیا سے زیادہ علم و فضل رکھتے تھے۔ لطف یہ کہ مصنف انوار نے ایک عنوان ہی یہ قائم کر رکھا ہے کہ ''امام صاحب کی مدح افضل الاعمال ہے'' پھر اس کے تحت موصوف نے شقیق بلخی کی طرف منسوب ایک طویل افسانہ کو نقل کیا جس کا ایک جملہ یہ ہے کہ شقیق نے کہا کہ: ''افسوس کہ تم لوگ امام ابوحنیفہ کے ذکر کو اور ان کے مناقب کو افضل الاعمال نہیں سمجھتے!''[1]

اور یحییٰ بن آدم کی طرف منسوب یہ قول نقل کیا کہ ''امام شعبہ امام صاحب کی تعریف و توصیف میں بہت اطناب کرتے۔''

شیخ یاسین زیات کی طرف منسوب یہ بات نقل کی کہ ''موصوف امام صاحب کی تعریف حد سے زیادہ کرتے۔''[2]

چونکہ مصنف انوار کا دین و ایمان یہ ہے کہ مکذوبہ و خانہ ساز افسانوں کو دلیل بنا کر امام صاحب کی ایسی مبالغہ آمیز مدح سرائی افضل الاعمال ہے جس سے لازم آئے کہ امام صاحب اپنے مورثین علم علقمہ، اسود، نخعی، ابن سیرین، حسن بصری اور قتادہ سے کہیں زیادہ علم و فضل رکھتے تھے، اس لیے وہ اس طرح کے اکاذیب کی ترویج و اشاعت میں تن من دھن کے ساتھ کمر بستہ ہیں، مگر دوسری طرف موصوف یہ بھی فرماتے ہیں:

> ''یہی امام جلیل امام ابراہیم نخعی تھے، جن سے حدیث و فقہ حماد نے حاصل کیا اور ان کے جانشین ہوئے اور امام اعظم ان حماد سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کر کے ان کے جانشین ہوئے۔''[3]

حالانکہ ناظرین کرام کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وفات نخعی کے بعد حماد مذہب نخعی سے منحرف اور برگشتہ ہو گئے تھے۔

حماد امام نخعی کے معنوی جانشین نہیں تھے:

اس حدیث نبوی کا ذکر آ چکا ہے کہ بنو اسرائیل میں کچھ لونڈی زادے دینی امور میں قیاس و رائے سے کام لے کر اپنی اور دوسروں کی تباہی کا باعث بنے۔ نیز حدیث نبوی میں ہے کہ گزشتہ امم میں بہتر فرقے ہوئے تو اس امت میں تہتر فرقے

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۷۷، ۷۸)
[2] ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/ ۷۷، ۷۸ و ۶۳، ۷۳ و ۷۰، ۱۰۶ وغیرہ)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۴۱)

ہوں گے، جن میں سے بہتر فرقے بدعتی مذاہب ایجاد کے ان مبتدعانہ مذاہب کی پیروی کریں گے اور کچھ لوگ دین میں قیاس ورائے سے کام لے کر اپنی اور دوسروں کی گمراہی و ہلاکت کا سبب بنیں گے، اس کے ساتھ یہ تفصیل بھی گزر چکی ہے کہ ابراہیم نخعی و شعبی تمام بدعتی مذاہب و بدعتی فرقوں خصوصاً اہل الرائے والارجاء سے سخت بیزار و نالاں تھے، مگر ان کے شاگرد حماد بن ابی سلیمان اپنے ان اساتذہ و اسلاف کے طریق سے منحرف ہو کر مذہب رائے وارجاء کے پیرو ہوگئے، حماد کے اس اقدام سے پہلے ہی امام نخعی انتقال کر گئے تھے مگر امام شعبی زندہ تھے اور انھوں نے عام تلامذہ نخعی کی طرح حماد کے اس طرز عمل سے اظہار بیزاری کیا تھا۔ امام شعبی نے حماد اور ان کے ہم مذہب اصحاب کو الآ رائیوں، صعافقہ اور بنواستہا جیسے الفاظ کے ساتھ مطعون کیا تھا۔ دریں صورت ہر صاحب عقل بآسانی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ بعنوان ''شیخ حماد'' مصنف انوار کا ایک سطر پر مشتمل مندرجہ ذیل دعویٰ لغو ولا یعنی ہے کہ ''یہی امام جلیل ابراہیم نخعی تھے جن سے حدیث و فقہ حماد نے حاصل کیا اور ان کے جانشین ہوئے۔''[1]

مصنف انوار کا یہ دعویٰ لغو ولا یعنی اس لیے ہے کہ حماد وفات نخعی کے بعد مذہب نخعی چھوڑ کر ایسے مذہب کے پیرو ہو گئے تھے جسے امام نخعی بیحد مکروہ و ناپسندیدہ سمجھتے تھے، لہٰذا حماد امام نخعی کے حقیقی و معنوی جانشین نہیں تھے۔

حماد سے امام صاحب کا تلمذ:

ایک عنوان کے تحت مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا ایک سطری مضمون کے بعد دوسرا عنوان ''امام اعظم'' قائم کیا اور اس کے تحت فرمایا:

''امام اعظم رضی اللہ عنہ ان حماد سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کر کے ان کے جانشین ہوئے۔''[2]

اس میں شک نہیں کہ صدیوں سے ایک طبقہ یہ شور وشغب مچاتا چلا آ رہا ہے کہ امام صاحب ایک طویل عرصہ تک حماد سے فقہ و حدیث پڑھتے رہے تھے اور وفاتِ حماد کے بعد حماد کے جانشین بنے تھے، اس طرح کا شور وغل مچانے والوں میں مصنف انوار اور کوثری بھی ہیں، کوثری نے کہا:

"بل الصواب أنه اتصل به في عهد النخعي فلازمه إلى وفاته سنة ١٢٠ھ."[3]

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحب التزام کے ساتھ امام نخعی کے زمانہ سے لے کر وفات حماد تک حماد سے پڑھتے رہے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب ۹۵ھ یا ۹۶ھ) سے بھی قبل درسگاہِ حماد میں داخل ہو کر ۱۲۰ھ تک یعنی چوبیس پچیس سال سے بھی زیادہ حماد سے پڑھتے رہے تھے۔ تعجب ہے کہ ترویج اکاذیب میں کوثری کے نقشِ قدم پر چلنے والے مصنف انوار نے کوثری کی طرح یہ دعویٰ کیوں نہیں کیا کہ امام صاحب نے درسگاہ حماد میں پچیس سال سے بھی زیادہ حدیث و فقہ پڑھی۔ مصنف انوار نے دس یا اٹھارہ سال کے دعویٰ پر ہی اکتفا کیوں کیا ہے؟

البتہ ترویجِ اکاذیب کرنے والوں کے برخلاف سنجیدگی سے اظہارِ حقیقت کرنے والے امام عبداللہ بن المبارک

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ٤١)　[2] مقدمہ انوار (١/ ٤١)

[3] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ١١)

سے بسند صحیح منقول ہے:

”وقال عبد الرحمن: أنا أحمد بن منصور المروزي قال: سمعت سلمة بن سليمان قال: قال ابن المبارك: إن أصحابي يلومونني في الرواية عن أبي حنيفة، وذاك أنه أخذ كتاب محمد بن جابر اليمامي عن حماد بن أبي سليمان فروى عن حماد ولم يسمعه منه.“ ❶

امام ابن المبارک نے فرمایا کہ میرے اصحاب مجھے امام ابوحنیفہ سے روایت کرنے پر ملامت کرتے ہیں، وہ اس لیے کہ امام ابوحنیفہ نے محمد بن جابر یمامی کے یہاں رکھی ہوئی حماد کی کتابیں حاصل کر لیں، پھر موصوف امام ابوحنیفہ حماد سے ان کتابوں کی روایت کرنے لگے، حالانکہ انھوں نے یہ کتابیں حماد سے سنی نہیں تھیں۔“

واضح رہے کہ مذکورہ بالا روایت کی سند نہایت مستحکم اور صحیح ہے۔ اس کے بیان کنندہ امام عبداللہ بن المبارک بدعوائے مصنف انوار امام صاحب کی چہل رکنی مجلس تدوین فقہ کے رکن رکین ہیں، جنھوں نے امام صاحب سے تعلیم وتربیت پا کر امام صاحب کی چہل رکنی مجلس کے ممبر کی حیثیت سے امام صاحب کی سرپرستی میں تیس سال تک مجلس مذکور کے چہل ارکان کے ساتھ مل کر فقہ حنفی کی تدوین وترتیب کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ ❷

یہی نہیں بلکہ بدعوائے مصنف انوار امام ابن المبارک نے امام صاحب کے بہت سارے حیرت انگیز فضائل ومناقب بیان کیے، جن میں سے ایک کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ امام صاحب زمانہ تابعین میں ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے۔ ❸ امام ابن مبارک کی طرف مصنف انوار کی منسوب کردہ ان باتوں کی حقیقت ہم آئندہ صفحات میں واضح کریں گے، یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ موصوف مصنف انوار نے جس امام ابن المبارک کو امام صاحب کی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دے رکھا ہے، ان کا یہ ارشاد ہے کہ محمد بن جابر کے یہاں رکھی ہوئی حماد کی کتابوں کو حاصل کر کے امام صاحب حماد سے ان کتابوں کو سنے بغیر روایت کرنے لگے۔ امام ابن المبارک کے اس بیان کو ابن المبارک سے نقل کرنے والے امام سلمہ بن سلیمان ابو سلیمان مودب مروزی (متوفی ۲۰۳ھ یا ۲۰۴ھ) ہیں جو امام ابن المبارک کے وراق اور خصوصی شاگرد اور ثقہ محدث تھے امام ابوحاتم نے ان کے بارے میں کہا:

”كان من أجلة أصحاب ابن المبارك.“ یعنی موصوف امام سلمہ امام ابن المبارک کے جلیل القدر اصحاب میں سے تھے۔

امام ابو رجاء محمد بن حمدویہ نے تاریخ مرو میں کہا:

”كان و راقا لابن المبارك وهو من ثقات أصحابه مات سنة ٢٠٤هـ.“

یعنی موصوف سلمہ امام ابن المبارک کے وراق اور ثقہ اصحاب میں سے تھے۔

امام احمد بن منصور مروزی نے کہا:

”حدثنا بنحو من عشرة آلاف حديث من حفظه، وقال: هل يمكن أحداً منكم أن يقول: غلطت في شيء؟“

---

❶ كتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (١، ٤/ ٤٥٠) ❷ مقدمه انوار (١/ ١٧٢)

❸ مقدمه انوار (١/ ٦٠ تا ٦٢ و ٩٥، ٩٦)

''موصوف سلمہ نے تقریباً دس ہزار حدیثیں ہمارے سامنے اپنے حفظ سے بیان کر کے کہا کہ کیا ان میں سے کسی میں کوئی شخص کسی طرح کی غلطی نکال سکتا ہے؟''

موصوف سلمہ کو امام نسائی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، صحیحین میں ان کی احادیث منقول ہیں۔[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف متفق علیہ طور پر ثقہ ہیں، ایسے ثقہ امام سے روایت مذکورہ کے راوی امام احمد بن منصور بن راشد ابو صالح حنظلی مروزی (متوفی ۲۵۷ھ یا ۲۵۸ھ) ہیں جن کو تقریب التہذیب میں صدوق کہا گیا ہے۔[2]

موصوف امام احمد بن منصور مروزی سے اس روایت کے ناقل امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کتاب الجرح والتعدیل کے مرتب ہیں جن کی امامت وثقاہت مسلّم ومعروف ہے۔

یہاں مصنف انوار اور ان جیسے لوگوں سے یہ سوال ہے کہ آپ لوگوں نے امام صاحب کے اتنے جلیل القدر شاگرد اور چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن امام ابن المبارک کی منقولہ بالا بات کو کیوں دلیل و حجت بنا کر یہ نہیں کہا کہ امام صاحب نے کتب حماد کو حماد سے سن کر نہیں پڑھا تھا، بلکہ محمد بن جابر یمامی کے یہاں حماد کی رکھی ہوئی کتابوں کو حاصل کر کے امام صاحب علومِ حماد سے مستفید ہو سکے تھے؟

امام ابن المبارک کے اس بیان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صرف ابن المبارک ہی کو نہیں بلکہ ان کے تمام اصحاب کو یہ بات معلوم تھی کہ حماد سے سن کر پڑھے بغیر کتب حماد کو امام صاحب نے یمامی کے یہاں سے حاصل کیا تھا۔ بنا بریں اصحاب ابن المبارک امام صاحب سے روایت کرنے پر امام ابن المبارک کو ملامت کیا کرتے تھے، کیونکہ ان کی نظر میں امام صاحب اپنے اس طرز عمل کے سبب قابل ترک تھے، بالآخر امام ابن المبارک نے اپنے اصحاب کی ملامت کی معقولیت کا احساس کرتے ہوئے نیز دوسرے اسباب کی وجہ سے (جن کی تفصیل آگے آئے گی) امام صاحب کو متروک قرار دے دیا، مذکورہ بالا روایت صحیحہ کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

"عن محمد بن جابر قال: جاءني أبو حنيفة يسألني كتاباً من كتب حماد فلم أعطه فدس إلي ابنه فدفعت إليه كتبي فعفها إلى أبيه فرواها أبو حنيفة من كتبي عن حماد."[3]

یعنی محمد بن جابر یمامی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ میرے پاس حماد کی ایک کتاب مانگنے آئے، میں نے نہیں دی، پھر انھوں نے حکمت عملی کے ساتھ میرے پاس اپنے بیٹے کو بھیجا جسے میں نے اپنے پاس کی تمام کتبِ حماد دے دیں، اس نے یہ کتابیں اپنے باپ کو دیں، پھر امام ابوحنیفہ ان کتابوں کی روایت حماد سے کرنے لگے۔''

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اس روایت میں اس امر کی تفصیل بھی ہے کہ امام صاحب یمامی سے کتب حماد کیسے حاصل کر سکے تھے، لیکن اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہوئے کوثری نے کہا کہ اس کی سند میں ابراہیم بن سعید جوہری اور محمد بن حمید رازی مجروح ہیں۔[4] مگر صاحب التنکیل نے بتلایا کہ ابراہیم موصوف ثقہ ہیں، ان کی تجریح میں کوثری حق بجانب

---

[1] تهذيب التهذيب (٤/ ١٤٥) و الجمع بين رجال الصحيحين.

[2] نیز ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب (١/ ٨٢، ٨٣) وكاشف للذهبي رحمه الله.

[3] تانيب (ص: ١١٥) والتنكيل (١/ ٤٣٣، بحواله عقيلى)

[4] تانيب (ص: ١١٥)

نہیں، البتہ محمد بن حمید رازی غیر معتمد ہیں۔❶

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے کہا:

''بعض لوگوں نے کہا کہ اسد بن عمرو ضعیف ہیں، لیکن امام احمد کا ان سے روایت کرنا ان کی توثیق کے لیے کافی ہے۔''❷

حالانکہ بعض اماموں نے اسد کو کذاب کہا ہے۔ (كما سيأتي) جب اسد سے امام احمد کی روایت مصنف انوار کے نزدیک توثیق ہے تو محمد بن حمید رازی سے بھی امام احمد اور دوسرے جلیل القدر اماموں نے روایت کی ہے اور امام احمد، ابن معین، نیز بعض دوسرے اماموں نے بھی انھیں ثقہ اور بعض نے مجروح کہا۔❸

اس اعتبار سے مصنف انوار کے یہاں روایت مذکورہ کو معتبر ہونا چاہیے، ہمارے نزدیک چونکہ اس روایت کی اصل امام ابن المبارک سے مروی روایت میں موجود ہے، اس لیے اسے ساقط الاعتبار نہیں قرار دے سکتے، خصوصاً اس صورت میں کہ محمد بن جابر یمامی تک پہنچنے والی ایک صحیح سند سے امام ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح میں منقول ہے:

"أخبرنا إبراهيم بن يعقوب الجوزجاني حدثني إسحاق بن راهويه قال: سمعت جريراً يقول: قال محمد بن جابر اليمامي: سرق أبو حنيفة كتب حماد مني."❹

''یعنی محمد بن جابر یمامی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے میرے یہاں سے کتب حماد کو سرقہ کر کے حاصل کر لیا۔''

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے اس روایت پر یہ کلام کیا ہے کہ محمد بن جابر یمامی ضعیف و غیر معتبر ہیں۔❺ حالانکہ امام ابن المبارک اور ان کے اصحاب سے بسند صحیح منقول مذکورہ بالا روایت کے ہوتے ہوئے اگر یمامی کے بیان کو غلط بھی مان لیا جائے، جیسا کہ کوثری چاہتے ہیں، تو بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر ثابت شدہ ہے کہ امام صاحب یمامی کے پاس رکھی ہوئی کتب حماد کو حاصل کر کے ان کی روایت کرنے لگے تھے، یمامی کے بیان مذکور کو زیادہ سے زیادہ اس اعتبار سے غلط کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے پاس رکھی ہوئی کتب حماد کے حصول کے لیے امام صاحب کے اختیار کردہ طریق کو ''سرقہ'' کے قبیح لفظ سے تعبیر کیا، جس کو امام ابن المبارک نے ''اخذ'' جیسے لطیف لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے، ورنہ ہر صاحب نظر بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ امام ابن المبارک اور ان کے اصحاب کے بیان اور یمامی کے بیان میں کوئی معنوی اور حقیقی فرق نہیں ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے اور یمامی مذکور فی نفسہٖ صدوق بھی ہیں، جیسا کہ امام ابوحاتم، ابوزرعہ، ابن عدی، ذہلی، ابن المبارک اور دارقطنی وغیرہم نے تصریح کی ہے۔❻

البتہ موصوف آخری عمر میں اختلاط اور کثرت وہم کے شکار ہو کر بعض محدثین کے نزدیک ساقط الاعتبار قرار پائے اور اکثر کے نزدیک متابع ملنے کی صورت میں قابل اعتبار بتلائے گئے، تفصیل کے لیے کتب رجال تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال، کتاب الجرح والتعدیل وغیرہ ملاحظہ ہو۔ تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اعدل الاقوال لکھنے کا التزام کیا ہے، وہ یمامی موصوف کی بابت فرماتے ہیں:

---

❶ التنكيل (١/ ٤٣٤)　　❷ مقدمه انوار (١/ ١٩٢)

❸ ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب، و ميزان الاعتدال، و تاريخ خطيب ترجمة محمد بن حميد رازى.

❹ كتاب الجرح (٤/ ٤٥٠) و تانيب (ص: ١١٥) و التنكيل (١/ ٤٣٢)　　❺ تانيب (ص: ١١٦)

❻ تهذيب التهذيب و كتاب الجرح والتعديل، ترجمة يمامى.

"صدوق، ذهبت كتبه فساء حفظه، وخلط كثيراً، وعمي فصار يلقن ورجحه أبو حاتم على ابن لهيعة، من السابعة مات بعد السبعين."

یعنی موصوف صدوق ہیں، مگر ان کی کتابیں گم ہوگئیں، اس لیے کتابوں کا مطالعہ چھوٹ گیا، جس سے حافظہ پر خراب اثر پڑا، اس لیے بہت سی روایات کی نقل میں تخلیط واقع ہوگئی، نیز موصوف آخر میں اندھے بھی ہوگئے، امام ابوحاتم نے انھیں ابن لہیعہ پر ترجیح دی ہے، ان کا انتقال ۱۷۰ھ کے بعد ہوا۔

حاصل یہ کہ موصوف فی نفسہٖ صدوق تھے مگر آخر میں سوءِ حفظ اور اختلاط و کثرت وہم کا شکار ہوگئے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ اس طرح کے راوی کی جس بات کے بارے میں کسی دوسرے ذریعہ وقرینہ سے معلوم ہوجائے کہ اس میں وہم وغلطی کا وقوع نہیں ہوا ہے وہ معتبر وصحیح ہے، اور ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ یمامی موصوف کی کہی ہوئی یہ بات معنوی طور پر امام ابن المبارک اور ان کے اصحاب نے بھی کہی ہے، اس لیے یمامی موصوف کی اس بات کو ساقط الاعتبار قرار دینا صحیح نہیں۔ پھر یمامی موصوف کی طرف سے وہم وتخلیط کے وقوع کا اصل خدشہ وخطرہ روایت حدیث میں ہے، امام صاحب سے متعلق زیر نظر بات کا تعلق حدیث سے نہیں ہے کہ اس میں وہم وتخلیط کے وقوع کا خطرہ محسوس کیا جائے، خصوصاً جب کہ ان کی یہ بات معنوی طور پر امام ابن المبارک نے بھی بیان کی ہے۔ نیز یمامی سے یہ بات امام جریر بن عبدالحمید بن قرط الضبی الرازی (مولود ۱۱۰ھ و متوفی ۱۸۸ھ) نے نقل کی ہے، جن کے بارے میں امام محمد بن عمرو زنیج طیالسی (متوفی ۲۴۰ھ یا ۲۴۱ھ) نے کہا:

"سمعت جريرا قال: رأيت ابن أبي نجيح وجابرا الجعفي وابن جريج فلم أكتب عن واحد منهم، فقيل له: ضيعت! فقال: لا، أما جابر فكان يؤمن بالرجعة، وأما ابن أبي نجيح فكان يرى القدر، وأما ابن جريج فكان يرى المتعة."[1]

یعنی میں نے جریر سے یہ سنا کہ میں نے اگرچہ جابر، ابن ابی نجیح اور ابن جریج کو دیکھا مگر ان میں سے کسی کے علم کو نہیں لکھا، ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے اس طرز عمل سے اچھا خاصا موقع ضائع کر دیا، موصوف نے کہا نہیں، جابر رجعتِ علی کا معتقد تھا، ابن ابی نجیح قدری تھا، ابن جریج نکاح متعہ کے قائل تھے۔

امام جریر کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نقل روایت میں بہت محتاط تھے، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان کا نقل کردہ مذکورہ بالا قولِ یمامی یمامی کے اختلاط سے پہلے سنا ہوا ہے۔

اس روایت صحیحہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحب نے یمامی کے یہاں سے کتب حماد کو وفات حماد کے بعد حاصل کیا تھا، کیونکہ اگر موصوف حیات حماد ہی میں کتب حماد حاصل کرنا چاہتے تو بڑی آسانی کے ساتھ حماد سے رابطہ قائم کر کے براہ راست حاصل کر لیتے، یمامی کے یہاں جانے کی ضرورت نہ ہوتی، یہ بات (یعنی کہ امام صاحب نے حماد سے کتب حماد نہیں پڑھیں) اس امر کے منافی نہیں ہے کہ امام صاحب طویل مدت تک حماد سے رائے وقیاس اور ارجاء کے مسائل کی تعلیم حاصل کرنے اور سیاسی امور پر بحث وتمحیص کے لیے حماد کے پاس آمد ورفعت اور مجالست رکھتے ہوں، اور یہ بھی بعید نہیں کہ قیاسی و

---

[1] تهذيب التهذيب (۲/ ۷۵)

سیاسی اور ارجائی مسائل پر درس دیتے وقت حماد کبھی کبھی بعض بعض احادیث و آثار و اقوالِ سلف بھی بطور استدلال نقل کر دیتے ہوں، جنھیں امام صاحب حماد کی زبان سے سن کر یاد کر لیا کرتے ہوں، جیسا کہ فقہی اور سیاسی موضوع پر درس دینے اور تقریر کرنے والوں کی مجلسوں میں دیکھا جاتا ہے۔

حماد سے امام صاحب کی روایت کردہ مرویات کی تعداد:

اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ جن کتابوں میں امام صاحب کی طرف منسوب مرویات کو اہتمام بلیغ کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، ان میں حماد سے امام صاحب کی نقل کردہ جملہ مرویات کی تعداد سات سو کے لگ بھگ دکھلائی گئی ہے اور ظاہر یہ کیا گیا ہے کہ چھ سو سے زیادہ مرویات کو امام صاحب نے حماد سے عنعنہ کے ساتھ اور اسی سے بھی کم کو تحدیث کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ حماد سے سنی ہوئی اور غیر سنی ہوئی روایات کو نقل کرنے میں امام صاحب نے یہ فرق ملحوظ رکھا ہے کہ انھوں نے حماد کی زبانی قیاسی و سیاسی و ارجائی مسائل پر بحث و درس کے دوران جن روایات کو سنا تھا، انھیں صیغۂ تحدیث کے ساتھ روایت کیا اور جن کو یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کے ذریعہ حماد سے سنے بغیر روایت کیا، انھیں عنعنہ کے ساتھ بیان کیا۔

یہ بات اس صورت میں ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب ان مرویات کو فی الواقع امام صاحب کی روایت کردہ فرض کر لیا جائے ورنہ درحقیقت ان مرویات کا بیشتر حصہ امام صاحب کی طرف غلط طور پر منسوب کر دیا گیا ہے، یعنی کہ حماد سے صیغۂ تحدیث کے ساتھ امام صاحب کی مرویات کی تعداد بہت ہی کم ہیں، جنھیں انھوں نے غالبًا حماد سے فقہی و سیاسی بحثوں کے درمیان سن لیا تھا۔

حماد کا طریق درس:

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وفات نخعی کے بعد ایک زمانہ تک حماد مذہب نخعی یعنی مسلک سلف پر تھے، پھر مذہب الرائے والارجاء کے پیرو ہوگئے، ظاہر ہے کہ تبدیلی مذہب کے ساتھ موصوف نے اہل الرائے والارجاء کا طریق درس بھی اختیار کر لیا تھا، یعنی طریق محدثین پر درس حدیث کے بجائے طریق اہل الرائے پر فقہ اہل الرائے کی تعلیم دینے لگے، موصوف کے اسی طریق کار پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے موصوف کے استاذ امام عامر شعبی رحمہ اللہ موصوف کو اور ان کے اصحاب کو اصحاب الرائے، الآ رائیوں، صعافقہ، بنو استہا وغیرہ کے نام سے موسوم کر کے فرماتے کہ قیاسی مسائل کے درس و تدریس کے سلسلے میں شور وشغب کا مشغلہ ومعمول اختیار کر کے ان لوگوں نے مسجد کو کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض بنا دیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور دوسرے اہل علم نے بھی حماد کی اس روش پر اظہار بیزاری کیا تھا۔ لہٰذا حماد کی بابت بعض روایات میں کثیر الحدیث والروایہ ہونے کی جو بات کہی گئی ہے اسے صحیح فرض کرنے کی صورت میں اس زمانہ سے متعلق ماننا چاہیے جب حماد مذہبِ نخعی پر قائم تھے۔

امام حماد بن سلمہ نے کہا:

"كنت أسأل حماد بن أبي سليمان عن المسندات، وكانوا يسألونه عن رأيه فكنت إذا

جئت قال: لا جاء الله بك.“[1]

یعنی درسگاہ حماد میں لوگ ان کی رائے معلوم کرتے تھے اور میں جب آتا تو احادیث دریافت کرتا، اس لیے حماد مجھے دیکھتے ہی کہتے کہ اللہ تمہیں میرے پاس نہ لائے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حماد درس حدیث نہیں بلکہ درسِ فقہ اہل الرائے دیتے تھے اور دوران درس میں علم حدیث سے متعلق موصوف کو کسی قسم کا سوال کیا جانا پسند نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ حماد کے اندر یہ بات مذہب رائے وارجاء اختیار کرنے کے بعد پیدا ہوئی تھی، فقہ اہل الرائے سے شدت اشتغال اور حدیث سے عدم اعتناء عام اہل الرائے فقیہوں کا وصف خاص ہے۔ حماد کے اس طریق کو اس زمانے کے اہل علم طبقہ نے بہت ناپسند کیا تھا، حتی کہ اس زمانہ میں موصوف اتفاق سے بصرہ گئے تو بقول امام حماد بن زید یہ ہوا کہ:

”فجعل فتيان البصرة يسخرون به، قال له رجل: ما تقول في رجل وطي دجاجة ميتة فخرج من بطنها بيضة، وقال له آخر: ما تقول في رجل طلق امرأته مثل سكرجة.“[2]

”بصرہ کے نوجوان لوگ حماد کا مذاق اڑانے لگے، کوئی کہتا کہ آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک مردار مرغی روند ڈالی جس کے پیٹ سے انڈا نکل آیا، نیز آپ اس آدمی کی بابت کیا فتویٰ دیتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو سکرجہ بھر طلاق دے ڈالی؟“

بصرہ کے نوجوانوں نے موصوف کے ساتھ یہ کیا اور مشائخ موصوف سے ملنے تک نہیں آئے۔[3]

”حدثنا سليمان بن حرب قال: قدم حماد بن أبي سليمان فلم يأته أيوب السجستاني، و قلما كان يقدم عالم إلا أتاه أيوب، قال: فلم نأته لأن أيوب لم يأته، قال: وأتاه الصلت بن دينار، فقال له: من أنت؟ قال: صلت، فسأله عن البنذ فقال له أيوب: أرأيت إتيانك حمادا وكلامه، قال: ولامه ونحو هذا.“

اختلاطِ حماد:

فقہ اہل الرائے سے شدت اشتغال اور حدیث سے عدم اعتناء کے نتیجہ میں موصوف حماد علم حدیث میں بتدریج بہت کمزور ہو گئے حتی کہ امام ابوحاتم نے فرمایا:

”صدوق لا يحتج به، مستقيم في الفقه، فإذا جاء الأثر شوش.“[4]

یعنی حماد فی نفسہٖ صدوق تو ہیں مگر حدیث میں حجت نہیں فقہ میں (یعنی فقہ اہل الرائے میں) ٹھیک ہیں، لیکن حدیث میں ٹھیک نہیں۔

یہ بات دوسرے اہل علم نے بھی کہی ہے، علم حدیث سے عدم اعتناء کے ساتھ اور بھی کچھ اسباب ہوئے جن کی وجہ سے حماد آخری عمر میں تخلیط یعنی خرابی دماغ کے شکار ہو گئے، ان اسباب میں سے ایک بات یہ تھی کہ موصوف کو مرگی کا دورہ اور

[1] ميزان الاعتدال: ١/ ٢٤٧) [2] ميزان الاعتدال (١/ ٢٤٧)
[3] طبقات ابن سعد (٦/ ٣٣٣) [4] ميزان الاعتدال (١/ ٢٤٧) و تهذيب التهذيب (٣/ ١٦، ١٧)

آسیب آنے لگا تھا۔[1]

ان کے بدلے ہوئے حالات کے تحت ماہرین فن اور ائمہ جرح و تعدیل کو یہ فیصلہ کرنا پڑا:

"لا يقبل من حديث حماد الا ما رواه عنه القدماء شعبة و سفيان الثوري والدستوائي، ومن عدا هؤلاء رووا عنه بعد الاختلاط."[2]

''حماد سے قدیم ایام میں سماع حدیث کرنے والے شعبہ وسفیان ثوری و ہشام دستوائی کی روایت قابل قبول ہے، ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے چونکہ اختلاط کے بعد سماع کیا ہے اس لیے ان کی روایت مقبول نہیں۔''

مذکورہ بالا بات امام ہیثمی کی نقل کردہ ہے، امام احمد نے بھی یہی بات کہی ہے، اس تحقیق کی روشنی میں کسی صاحب عقل پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ حماد سے امام ابوحنیفہ نے بھی اختلاط کے بعد ہی سماع کیا ہے کیونکہ اوپر کی عبارت میں بتلایا گیا ہے کہ تین حضرات کے علاوہ دوسروں نے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے۔ جواہر المضیہ (۱/ ۲۲۶) میں حماد کو حنفی المذہب قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ موصوف پر جنون اور دیوانگی کا دورہ آیا کرتا تھا، اس سے موصوف کو ہوش آتا تو وضو کرتے تھے۔

مدحِ کوفہ میں حماد کی مبالغہ آرائی اور اس پر نظر:

اس بات کا تذکرہ آچکا ہے کہ مسجد میں تعلیم و تدریس کے نام پر حماد اور اصحاب حماد کی پرشور، نامناسب اور ناروا باتوں سے امام عامر شعبی سخت متنفر ومتوحش تھے، حماد کی ان باتوں میں سے ایک کا ذکر مصنف انوار نے اس طرح کیا:

''تہذیب التہذیب میں ہے کہ جب حماد فقیہ عراق حج سے واپس آئے تو فرمایا اے اہل کوفہ! میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ کوفہ کے کم سن لڑکے عطا، طاؤس اور مجاہد محدثینِ مکہ سے اُفقہ ہیں!''[3]

''ابن عدی نے کامل میں بطریق ابن معین نقل کیا ہے کہ شیخ حماد نے فرمایا میں قتادہ، طاؤس اور مجاہد سے ملا ہوں، تمہارے بچے ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں بلکہ بچوں کے بچے بھی، اور یہ حماد نے کسی شیخی اور بڑائی سے نہیں کہی تھی بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر اس وجہ سے کہا کہ اس زمانے کے بعض اہل حدیث جنھیں فقہ سے مناسبت نہیں تھی، فقہاء پر بیجا تنقیدیں کیا کرتے تھے، مسجد کوفہ میں بیٹھ کر غلط فتویٰ دیتے اور ساتھ ہی ساتھ بطور تعلّی یہ بھی کہتے کہ شاید یہاں کے کچھ بچے کچھ مسائل میں ہماری مخالفت کریں۔''[4]

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا بات اور اس سے ملتی ہوئی جتنی باتیں بھی حماد اور اصحاب حماد اور ان کے طریق پر چلنے والے لوگوں نے کہی ہیں، ان کی حقیقت حماد کے جلیل القدر استاذ امام شعبی کے ان فرامین سے ظاہر ہے جن کا تذکرہ آچکا ہے کہ ان اصحاب الرائے و صعافقہ اور بنواستہا لوگوں نے اپنی لغوطرازیوں سے مسجد کو کوڑا خانہ سے بدتر بنا دیا ہے، لیکن محدثین مذکورین کے بارے میں حماد کی مندرجہ بالا بات کا اصل سبب یہ ہے کہ بتصریح کتب رجال حماد پر صرع یعنی مرگی کا دورہ آیا کرتا تھا اور وہ آسیب زدہ بھی تھے، حافظ ذہبی ناقل ہیں:

---

[1] ميزان الاعتدال (۱/ ۲٤۷)　[2] مجمع الزوائد (۱/ ۱۱۹) و تعليقات علل المتناهة لابن الجوزي.

[3] مقدمه انوار (۱/ ۳۵)　[4] مقدمه انوار (۱/ ٤۲)

"كان حماد يصرع فإذا أفاق توضأ ... وكان حماد يصيبه المس." ❶

''حماد پر دورۂ مرگی آتا تھا، دورہ کے بعد جب انھیں ہوش آتا تو وہ وضو کرتے تھے، اس طرح موصوف کو آسیب بھی لگا کرتا تھا۔''

نیز موصوف حماد تخلیط یعنی خرابئ دماغ کے بھی شکار ہوگئے تھے۔ (عام کتب رجال) یہ معلوم ہے کہ مرگی و آسیب لگنے کی حالت میں بھی آدمی پر دیوانگی و جنون کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، بنا بریں موصوف کی زبان سے غیر ارادی طور پر اس طرح کی بات نکل گئی ورنہ ظاہر ہے کہ کوئی معمولی عقل والا انسان بھی ہوش و حواس کے عالم میں اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتا۔ حالت دیوانگی میں موصوف کی زبان سے نکلی ہوئی غلط باتوں سے بعض لوگوں کو موصوف پر کذب بیانی کا بھی شبہ ہوتا تھا، چنانچہ حبیب بن ابی حبیب نے حماد سے ایک بار کہا:

"والله إنك تكذب على إبراهيم أو إن إبراهيم ليخطئ." ❷

یعنی آپ یا تو ابراہیم پر جھوٹ بولتے ہیں یا ابراہیم غلطی کرتے تھے۔

امام اعمش نے کہا:

"حدثنا حماد وما كنا نصدقه." ❸ یعنی ہم حماد کو سچا نہیں سمجھتے تھے۔

حالانکہ حماد فی نفسہٖ صدوق تھے، صرف اختلاط و آسیب و مرگی کے باعث حالتِ مدہوشی میں غیر ارادی طور پر ان کے منہ سے غلط باتیں نکل جاتی تھیں اور یہ بات انھیں بتصریح اہل علم عمر کے آخری زمانے میں لاحق ہوئی تھی، امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

"مقارب، ما روى عنه القدماء سفيان وشعبه... الخ." ❹

یعنی حماد کے اختلاط سے پہلے جن لوگوں نے حماد سے روایت کی ہے، یعنی سفیان ثوری و شعبہ و ہشام دستوائی وہ ٹھیک ہے۔

مطلب یہ کہ ان تینوں کے علاوہ دوسروں کی روایت ٹھیک نہیں ہے۔ امام ابن سعد نے فرمایا:

"قالوا: كان حماد ضعيفا في الحديث، واختلط في آخر أمره، وكان مرجيا وكان كثير الحديث... إلى أن قال: قال عثمان البتي: كان حماد إذا قال برأي أصاب، وإذا قال عن غير إبراهيم اخطأ." ❺

یعنی اہل علم نے کہا کہ حماد ضعیف الحدیث تھے، آخری عمر میں اختلاط کے شکار ہوگئے تھے اور مرجی المذہب بھی تھے، عثمان بتی نے ان کی بابت کہا کہ فقہ اہل الرائے کو حماد ٹھیک سے بیان کرتے ہیں مگر ابراہیم کے علاوہ جب کسی اور سے روایت کرتے ہیں تو غلطی کرتے ہیں۔''

امام ابوحاتم نے کہا:

---

❶ ميزان الاعتدال (١/ ٢٧٩) ❷ تهذيب التهذيب (١/ ١٧) و ميزان الاعتدال.

❸ فسوى (٢/ ٧٩٢) و ميزان الاعتدال (١/ ٢٧٩) ❹ تهذيب التهذيب (٣/ ١٦)

❺ طبقات ابن سعد (٦/ ٣٣٣) و تهذيب التهذيب (٣/ ١٧)

”هو صدوق لا يحتج بحديثه، وهو مستقيم في الفقه فإذا جآء الآثار شوش.“ [1]

یعنی حماد فی نفسہٖ صدوق ہیں مگر ان کی بیان کردہ حدیث نا قابل حجت ہے، فقہ (مراد فقہ اہل الرائے) میں وہ ٹھیک ہیں، مگر حدیث میں ٹھیک نہیں ہیں۔

امام ذہلی نے کہا:

”كثير الخطأ والوهم.“ [2] یعنی موصوف کثیر الخطا والوہم تھے۔

امام شعبہ نے موصوف کو صدوق اللسان کہا اور ان سے روایت بھی کی مگر آخری زمانے کے اختلاط وآسیب زدگی کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا کہ ”كان لا يحفظ“ [3] حماد نے خود امام شعبی کے سامنے اپنے مبتلائے نسیان ہونے وخرابئ حفظ لاحق ہونے کا اعتراف کیا تھا۔ [4]

مجمع الزوائد کی یہ تصریح گزر چکی ہے کہ سفیان، شعبہ اور دستوائی کے علاوہ حماد سے کسی کی روایت قابل قبول نہیں کیونکہ یہ اختلاط کے بعد ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات مستخرج ہوتی ہے کہ روایت حدیث میں حماد پر ضعیف ہونے کا حکم ان کی آخری عمر کے حالات کے لحاظ سے لگایا گیا ہے، لہٰذا اختلاط سے پہلے ان سے جن لوگوں کا روایت کرنا معلوم ہو، انھوں نے حماد سے جو روایتیں نقل کی ہیں وہ معتبر ہیں، اور اختلاط کے پہلے موصوف سے جن لوگوں کا روایت کرنا معلوم ومعروف نہیں ان کی روایت کردہ احادیث معتبر نہیں۔ موصوف حماد کے اختلاط کے پہلے موصوف سے امام ابوحنیفہ کا روایتِ حدیث کرنا نہ صرف یہ کہ غیر معروف وغیر معلوم ہے بلکہ امام ابن المبارک واصحاب ابن المبارک و یمامی کا بیان ہے کہ حماد سے کتب حماد سنے بغیر یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کے ذریعہ امام صاحب حماد سے روایت کرتے تھے۔ اگرچہ ہم یہ کہہ آئے ہیں کہ امام صاحب کی یہ بات اس امر کے منافی نہیں کہ انھوں نے حماد سے فقہ اہل الرائے اور سیاسی مسائل کی تعلیم حاصل کی ہو اور فقہ اہل الرائے و سیاسی مسائل کی تعلیم کے دوران حماد کی بعض بعض جگہ بیان کردہ بعض احادیث وآثار بھی امام صاحب نے سن لیے ہوں، مگر یہ بات بہر حال کسی معتبر دلیل سے ثابت نہیں کہ امام صاحب نے حماد سے فقہ اہل الرائے اور سیاسی مسائل کی تعلیم حماد کے اختلاط سے پہلے حاصل کی اور اگر بالفرض موصوف نے اختلاط سے پہلے بھی حاصل کی ہو تو اس کی تمیز ممکن نہیں کہ کون کون سی باتیں قبل اختلاط حاصل کیں اور کون کون سی بعد از اختلاط؟، لہٰذا اصولی طور پر حماد سے امام صاحب کی نقل کردہ احادیث کے ساتھ حماد کی بیان کردہ وہ فقہی وسیاسی آرا بھی باعتبار سند غیر معتبر ہیں جو امام صاحب نے حماد سے نقل کر رکھی ہیں، اور کوثری و اراکین تحریک کوثری کا یہ پروپیگنڈہ کہ امام صاحب خدمت حماد میں زمانہ ابراہیم نخعی سے بالالتزام رہنے لگے تھے اور مرتے وقت تک ان کے ساتھ رہے، بلا شک وشبہ اس جھوٹے گروہ کے ایجاد کردہ اکاذیب سے ہے، جو بقول مصنف انوار سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے کار ثواب سمجھ کر جھوٹ کو مسلمانوں میں پھیلاتا ہے۔ اسی طرح وہ بات بھی معتبر نہیں کہ امام صاحب حماد سے اٹھارہ یا پندرہ یا دس سال فقہ پڑھتے رہے تھے اور بالفرض یہ صحیح بھی ہو تو یہ تعیین کے ساتھ معلوم نہیں کہ حماد کا زمانہ

---

[1] كتاب الجرح والتعديل، ترجمة حماد و تهذيب التهذيب و ميزان الاعتدال.

[2] تهذيب التهذيب وغيره.

[3] تهذيب التهذيب.

[4] تقدمة الجرح لابن أبي حاتم (ص: ١٦٥)

اختلاط کب سے شروع ہوا اور وہ کب آسیب زدہ اور مرگی کے مریض ہوئے اور نہ اس کی تعیین وتمیز ہوسکتی ہے کہ حماد سے امام صاحب کی سنی ہوئی فقہی و قیاسی باتیں اور احادیث و آثار میں سے کون کون سی قبل اختلاط ہیں اور کون کون بعد از اختلاط، دریں صورت حماد سے امام صاحب کی نقل کردہ فقہی آراء اور اقوال و مسائل نیز احادیث کا حال اللہ ہی کو بخوبی معلوم ہے، البتہ از روئے اصولِ اہل علم وہ غیر معتبر ہیں۔

حماد کی زیرِ بحث بات کو (یعنی کہ کوفہ کے بچوں کے بچے بھی امام طاؤس وقتادہ ومجاہد وغیرہ سے زیادہ فقیہ ہیں) خود امام ابوحنیفہ نے بھی نا قابل التفات سمجھا اور یہ چیز مصنف انوار ہی کے دعاوی سے ثابت ہے، وہ اس طرح کہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بدعوئ مصنف انوار امام صاحب درسگاہ حماد میں ۱۰۲ھ سے لے کر ۱۲۰ھ یعنی وفات حماد تک بالالتزام حماد سے پڑھتے رہے تھے، اس کے بعد وہ بصرہ و مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ گئے اور قتادہ وغیرہ سے تحصیل علم کیا۔ مصنف انوار فرماتے ہیں:

> ''کوفہ کے بعد امام صاحب نے بصرہ کا رخ کیا اور قتادہ سے حدیث حاصل کی، بصرہ کے بعد امام صاحب نے تکمیل علم حدیث کے لیے مکہ معظّمہ کے شیوخِ حدیث سے استفادہ کیا، مکہ معظّمہ کے بعد امام صاحب نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا...الخ۔''[1]

حماد کی اس بات کو غالبًا امام صاحب نے اختلاط و آسیب اور مرگی کا اثر سمجھ کر نا قابل التفات قرار دیا۔

امام صاحب کی تعظیمِ امام مالک رحمہ اللہ:

چنانچہ امام صاحب اپنے استاذ الاساتذہ امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس کی تعظیم وتوقیر کے پیش نظر نہایت ادب و احترام کے ساتھ باتمیز بچوں کی طرح امام مالک کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ (کما تقدم)

اور موصوف امام ابوحنیفہ امام مالک کے علوم کے اس قدر شائق و دلدادہ تھے کہ بعض مجبوریوں کے باعث براہ راست امام مالک سے علوم مالک حاصل نہیں کر سکے تو موصوف نے ان کے بعض تلامذہ، مثلاً ابراہیم بن طہمان سے علوم مالک حاصل کیے۔ (کما تقدم)

امام صاحب کی تعظیمِ امام ربیعہ رحمہ اللہ:

اسی طرح امام صاحب ایک دوسرے حجازی امام ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن مدنی کی درسگاہ میں بیٹھ کر ان کی درسی باتیں بخوبی سمجھنے کے لیے پوری قوت وکوشش صرف کرتے۔ (کما تقدم)

امام صاحب رحمہ اللہ کی تعظیم امام عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ:

یہ بات گزر چکی ہے کہ امام صاحب نے اپنے حجازی استاذ امام عطاء کے بارے میں فرمایا کہ میں نے ان سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا اور اپنے کوفی استاذ جابر جعفی کے بارے میں فرمایا کہ ان سے بڑا کذاب میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

امام وکیع سے مروی ہے:

> ''مجھ سے امام صاحب نے کہا کہ مکہ مکرمہ میں مجھ سے مناسک حج کے پانچ ابواب میں غلطی سرزد ہوگئی، جس کی

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۴۵، ۴۶)

اصلاح امام عطاء کے صحبت یافتہ ایک حجام کے ذریعہ ہوئی:

۱۔ میں نے حجام سے بال منڈوانے کی اجرت پوچھی، اس نے کہا کہ حج کے موقع پر اس کی اجرت طے نہیں کی جاتی۔

۲۔ میں بال منڈوانے کے لیے حجام کے سامنے جب بیٹھا تو قبلہ رو ہوکر نہیں بیٹھا حجام نے کہا کہ قبلہ رو ہوکر بیٹھو۔

۳۔ میں نے حجام کے سامنے پہلے سر کی بائیں جانب مونڈنے کے لیے پیش کی، اس نے کہا داہنی طرف سے سر سامنے کرو۔

۴۔ حجام بال مونڈ رہا تھا تو میں خاموش تھا، حجام نے کہا کہ تکبیر پڑھتے رہو، میں نے اس کی تعمیل کی۔

۵۔ میں اس کام سے فارغ ہوکر اپنے ڈیرہ جانے لگا تو حجام نے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھو تب ڈیرہ جاؤ۔

امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ اس حجام کے پاس ضرور علم دین ہے، چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ یہ علمی و دینی باتیں تم کو کیسے معلوم ہوئیں جن کا تم نے اس طرح حکم دیا؟ حجام نے کہا امام عطاء بن ابی رباح سے۔"[1]

یہ روایت امام بخاری نے بھی بسند صحیح نقل کی ہے جس میں امام عطا کا ذکر نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے ایک حجازی حجام سے یہ باتیں سیکھیں۔ مصنف انوار نے مذکورہ بالا بات کو نہ جانے کیوں دلیل نہیں بنایا جس سے امام صاحب کے جلیل القدر استاذ امام عطاء کی عظمت شان اور بھی نمایاں ہوجاتی، اگر مصنف انوار اس روایت کی سند پر حسب عادت رد وقدح کریں تو ناظرین کرام ان کی دیانت داری کی داد دیں کہ مدح امام صاحب میں وارد شدہ اکاذیب کو صحیح کہہ کر بکثرت دلیل بنانے والے مصنف انوار امام بخاری کی نقل کردہ روایت صحیحہ کی کیونکر تضعیف کرتے ہیں؟ حاصل یہ کہ امام صاحب حجازی حجام کی علمی عظمت کے بہت قائل تھے، بقول موفق امام صاحب نے امام عطا کو تمام علوم کا سب سے زیادہ جامع کہا۔ (كما سيأتي)

امام صاحب کی مدح امام زید بن علی:

خاندان نبوت کے مشہور ومعروف حجازی امام زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (متوفی ۱۲۲ھ) کے بارے میں امام صاحب کا یہ قول مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے نقل کیا ہے:

"ما رأيت أحضر جواباً من زيد بن علي، قلت له أ قدر الله المعاصي؟ قال: أيعصى قهراً؟ فألقمني حجراً."[2]

یعنی میں نے زید سے زیادہ حاضر جواب کسی کو نہیں دیکھا، میں نے ان سے کہا کہ کیا اللہ نے معاصی کو مقدر کر رکھا ہے تو موصوف نے فوراً یہ جواب دے کر مجھ کو خاموش کر دیا کہ اللہ کو مغلوب کر کے معصیت کی جاسکتی ہے؟

یہ بھی مروی ہے کہ امام صاحب نے امام زید سے دو سال تعلیم حاصل کی اور ان کی بابت فرمایا:

"شاهدت زيد بن على كما شاهدت أهله، فما رأيت في زمانه أفقه منه ولا أعلم ولا أسرع جوابا ولا أبين قولاً."[3]

[1] وفيات الأعيان لابن خلكان (٣/ ٢٦٢، ٢٦٣) و مثير العزم الساكن لابن الجوزي، و تلخيص الحبير وغيره.

[2] جامع المسانيد (١/ ١٢٢) و عام كتب مناقب.

[3] حياة أبي حنيفة لأبي زهرة بحواله الروض النضير (ص: ٦٨) و الأعلام للزركلي، جلد سوم، طبع سوم بحواله كتاب المقاتلين و طبقات الكوفيين.

یعنی میں نے امام زید اور ان کے خاندان کو دیکھا، میں نے زمانہ زید میں زید سے زیادہ حاضر جواب، فقیہ و عالم اور واضح بات کرنے والا کوئی نہیں پایا۔

نہ جانے کیوں مصنف انوار نے مذکورہ بالا باتوں کو دلیل و حجت نہیں بنایا؟ امام صاحب نے موصوف زید کے ساتھ اس قدر عقیدت کا اظہار کیا، اس کے ساتھ یہ بھی مروی ہے:

''امام زید نے امام صاحب کو بنی امیہ کے خلاف جنگ میں شرکت کی دعوت دی، امام صاحب نے قاصد کے ذریعہ اس کا جواب یہ دیا کہ مجھے اگر یہ علم نہ ہوتا کہ لوگ آپ کا ساتھ اسی طرح چھوڑ دیں گے جس طرح آپ کے باپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا تو میں آپ کا ساتھ دیتا اور جہاد میں شریک ہوتا، کیونکہ آپ امام برحق ہیں، البتہ میں مالی معاونت کروں گا، پھر قاصد سے موصوف نے کہا کہ میرا یہ عذر امام زید کے سامنے تفصیل سے بیان کر دینا اور اس کے ساتھ موصوف نے دس ہزار درہم بھجوائے۔''

ایک روایت میں ہے کہ امام صاحب نے عذر بیماری کیا تھا، ایک روایت میں ہے کہ امام صاحب نے کہا کہ امام زید کے ساتھ بنو امیہ کے خلاف جنگ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ غزوۂ بدر تھا، مگر میرے لیے مشکل یہ ہے کہ لوگوں کی امانتیں میرے پاس رکھی ہیں، کہیں میں قتل ہوگیا تو یہ امانتیں ضائع ہو جائیں گی، میں نے ان امانتوں کو ابن ابی لیلیٰ کے حوالہ کرنا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئے، بنا بریں میں شریک جہاد نہیں ہوسکتا، البتہ امام زید جب مقتول ہوگئے تو امام صاحب ان کو یاد کر کے رویا کرتے تھے۔[1]

اس سے بھی امام زید کے ساتھ امام صاحب کی عقیدت مندی ظاہر ہوتی ہے، اس میں روافض کے لیے بھی خوب مواد فراہم کیا گیا ہے۔ امام زید ایک حجازی فرد تھے، جن کے بارے میں امام صاحب سے یہ باتیں منقول ہیں، بشرط صحت امام زید بن علی کی بابت امام صاحب کی یہ بات کہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ و عالم و حاضر جواب کسی کو نہیں دیکھا زمانۂ زید کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ خود روایت کے اندر تصریح ہے اور موصوف زید کی وفات (۱۲۲ھ یا ۱۲۱ھ) کے بعد کے زمانہ میں ہوئی، امام صاحب کے نزدیک سب سے زیادہ فقیہ و عالم موصوف امام زید کے بھتیجے امام جعفر بن محمد بن علی صادق (متوفی ۱۴۸ھ) تھے، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

امام صاحب کی مدح امام جعفر صادق:

امام صاحب نے امام زید کے بھتیجے امام جعفر صادق کے بارے میں فرمایا:

"ما رأيت أفقه منه."[2] یعنی امام جعفر صادق سے بڑا فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔

مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب جامع مسانید ابی حنیفہ میں ہے:

"قال أبو حنيفة: جعفر بن محمد أفقه من رأيت، ولقد بعث إلي أبو جعفر المنصور أن الناس قد فتنوا بجعفر بن محمد فهيء له مسائل شدادا، فلخصت أربعين مسئلة، وبعثت

[1] موفق (۱/ ۲۹۰، ۲۹۱) و عام کتب مناقب.　　[2] تذكرة الحفاظ (۱/ ۱۷۵)

بها إلى المنصور بالحيرة، ثم أبرد إلي فوافيته على سريره، وجعفر بن محمد عن يمينه فتداخلني من جعفر هيبة لم أجدها من المنصور، فأجلسني ثم التفت إلى أبي حنيفة قائلا سله يا أبا حنيفة ما بدا لك، فجعلت أسأله، ويجيب الإجابة الحسنة، ويفهم حتى أجاب أربعين مسئلة فرأيته أعلم الناس باختلاف الفقهاء، فلذلك أحكم أنه أفقه من رأيت."[1]

یعنی میں نے سب سے زیادہ فقیہ امام جعفر بن محمد صادق کو دیکھا، میرے پاس خلیفہ منصور نے یہ خبر بھجوائی کہ عراق لوگ امام صادق کی علمی عظمت پر فریفتہ ہوتے چلے جا رہے ہیں، آپ انھیں لا جواب کرنے اور علمی شکست دینے کے لیے مشکل مسائل مہیا کریں، چنانچہ میں نے چالیس مسائل مرتب کر کے منصور کے پاس بھیج دیے، پھر منصور نے مجھے اپنے دربار میں بلایا، میں گیا تو اس وقت امام صادق منصور کی بغل میں تخت پر بیٹھے تھے، دیکھتے ہی مجھ پر موصوف کا اتنا رعب طاری ہوا کہ خلیفہ منصور کا رعب بھی اتنا نہیں طاری ہوتا تھا، مجھے منصور نے حکم دیا کہ امام صادق سے جو چاہو پوچھو، میں ان چالیس مسائل کو ایک ایک کر کے پوچھتا رہا اور موصوف نہایت اچھے اور مسکت و خاموش کن جواب دیتے رہے، میں نے دیکھا کہ وہ علماء کے اختلافی اقوال کا بخوبی علم رکھتے ہیں، بنا بریں میرا فیصلہ ہے کہ موصوف سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔"[2]

مصنف انوار کے ممدوح موفق رافضی ومعتزلی نے اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

قال أبو حنيفة، حين سئل من أفقه من رأيت؟ قال: ما رأيت أفقه من حماد، وفي رواية أخرى: ما رأيت أفقه من جعفر بن محمد، و تاويله إن شاء الله في أئمة أهل البيت، وكلامه في حماد يحمل على الإطلاق."[3]

یعنی امام صاحب سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ سب سے أفقہ میں نے حماد کو پایا اور دوسری روایت یہ ہے کہ سب سے أفقہ امام صادق کو پایا، اس کی تاویل یہ ہے کہ اہل بیت نبوی میں سب سے زیادہ فقیہ امام صاحب نے امام صادق کو کہا اور حماد کو مطلقاً سب سے زیادہ فقیہ کہا۔"

ہم کہتے ہیں کہ حماد کے بارے میں یہ بات امام صاحب سے بسند صحیح ثابت نہیں اور مذکورہ بالا روایت کے مطابق امام صادق کے بارے میں امام صاحب نے یہ بات حماد کی وفات کے کئی سالوں کے بعد خلیفہ منصور کے دور خلافت میں کہی ہے، آخر موفق رافضی نے دونوں روایتوں میں یہ کہہ کر کیوں نہیں تطبیق دی کہ امام جعفر صادق کو دیکھنے سے پہلے حماد کے بارے میں امام صاحب کا یہ خیال تھا مگر بعد میں امام صادق کو دیکھ کر وہ حماد کو بھول گئے اور انھیں معلوم ہوگیا کہ امام صادق حماد سے کہیں زیادہ افقہ ہیں۔ موفق امام زید کی بابت امام صاحب کے قول کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

موفق کی ذکر کردہ ایک طویل روایت کا خلاصہ یہ ہے:

"امام جعفر صادق ایک بار کوفہ آئے، اُن کی خدمت میں امام صاحب اور ان کے اصحاب نہایت تعظیم و توقیر کے

---

[1] جامع المسانيد (١/ ٢٢٢، ٢٢٣) و عام كتب مناقب.　[2] نیز ملاحظہ ہو: موفق (١/ ١٧٣)

[3] موفق (١/ ٥٣) و كردري (١/ ٨٨)

انداز میں حاضر ہوئے، امام صادق نے پوچھا تو لوگوں نے امام صاحب کا یہ تعارف کرایا کہ موصوف بے نظیر فقیہ و دیندار وعفیف آدمی ہیں، امام صادق نے فرمایا کہ ان کا نام تو میں نے سنا ہے مگر اس سے پہلے انھیں دیکھا نہیں تھا، پھر انھوں نے امام صاحب کو خطاب کر کے کہا کہ جو کچھ معلوم کرنا ہو کر لو، امام صاحب نے جملہ سوالات میں سے ایک چیز یہ پوچھی کہ امر بالمعروف سے کیا مراد ہے؟ امام صادق نے کہا: کہ تم اس کا کیا مطلب سمجھتے ہو؟ امام صاحب نے کہا کہ اللہ کی اطاعت کا حکم کرنا اور معصیت سے روکنا، امام صادق نے کہا جی نہیں، معروف سے مراد حضرت علی بن ابی طالب ہیں، کیا تم کو میری اس بات پر کوئی اعتراض ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ کسی کو اس پر اعتراض کی کیا مجال ہوسکتی ہے؟ امام صاحب نے پوچھا کہ ﴿لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ کی آیت میں نعیم کا کیا مطلب ہے، میں تو اس کا مطلب کھانے پینے میں امن اور صحت و عافیت سمجھتا ہوں، امام صادق نے فرمایا کہ یہ غلط ہے، نعیم سے مراد ہم اہل بیت ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ آپ کا ارشاد حکمت محکمہ اور قول مقبول ہے۔"[1]

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب امام صادق کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، نہ جانے کیوں مصنف انوار نے اس روایت کو صحیح ومعتبر کہہ کر دلیل نہیں بنایا؟ اس میں موفق کے رافضی مذہب کے لیے بھی کافی مواد موجود ہے۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے:

"امام صاحب مسجد میں فتویٰ دے رہے تھے، ان کی مجلس کے پاس امام جعفر صادق آ کر کھڑے ہوگئے، امام صاحب فوراً ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ "اے ابن رسول! میں آپ کے سامنے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔"[2]

کتاب المصائد والمطارد سے امام ابن خلکان ناقل ہیں:

"امام جعفر نے امام صاحب سے پوچھا کہ محرم اگر ہرن کے رباعی دانت توڑ دے تو کیا کفارہ دینا ہوگا؟ اس پر امام صاحب نے عرض کیا کہ اے ابن رسول! مجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے۔ امام جعفر نے کہا کہ تم اپنے تئیں بہت چالاک اور عقلمند بنتے ہو مگر اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہرن کے رباعی دانت ہوتے ہی نہیں ہیں!"[3]

معلوم نہیں کیوں مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں نے اس روایت کو دلیل بنا کر کے نہیں کہا کہ امام صاحب اہل بیت اماموں کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کے سامنے اظہار فقاہت نہیں کر پاتے تھے، بلکہ ان کے سوالات کے جواب سے عاجز و لاچار اور ساکت رہا کرتے تھے۔ حافظ ابو نعیم نے دو مختلف سندوں سے اور امام علی بن عبدالعزیز بغوی نے تیسری سند سے ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ ہے:

"امام عبداللہ بن شبرمہ اور عمرو بن جمیع نے کہا کہ ہم امام ابو حنیفہ کے ساتھ امام جعفر کے پاس گئے، اس وقت تک امام جعفر امام صاحب سے متعارف نہیں تھے، ان لوگوں نے تعارف کرایا تو انھوں نے سمجھا کہ یہی ابو حنیفہ ہیں جو

---

[1] موفق (١/ ١٣٤ تا ١٣٦) و عام کتب مناقب.

[2] ملخص از اخبار أبي حنيفه للصيمری (ص: ٨١) و عام کتب مناقب.

[3] وفيات الأعيان بحواله كتاب المصائد والمطارد، ترجمه جعفر)

قیاس و رائے میں شہرت رکھتے ہیں، امام جعفر نے امام صاحب سے کہا تم نے کبھی اپنے سر کا بھی قیاس کیا ہے؟ امام صاحب بولے کہ یہ کیسے کرسکتا ہوں! امام جعفر نے فرمایا کہ "ما أراك تحسن شيئاً"میرا خیال ہے کہ تم کوئی بھی کام ٹھیک سے کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، میری ایک بات سنو! میرے باپ نے میرے دادا یعنی امام علی بن حسین بن علی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ "أول من قاس إبليس"سب سے پہلا قیاس کرنے والا ابلیس پیدا ہوا جس نے حکم خداوندی سے سرتابی کرتے ہوئے آدم کو سجدہ نہیں کیا اور یہ قیاسی دلیل بیان کی کہ میں آدم سے افضل ہوں، لہٰذا جو شخص دین میں قیاس آرائی سے کام لے گا وہ بروز قیامت ابلیس کے ساتھ ہوگا۔ ذرا ابوحنیفہ یہ تو بتلاؤ کہ قتل و زنا میں سے کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ امام صاحب نے کہا قتل! امام جعفر نے فرمایا، پھر قتل میں دو ہی شاہدوں کی شہادت مقبول ہوتی ہے اور زنا میں چار کی، اگر دینی امور قیاس پر قائم ہوتے تو ایسا نہیں ہوتا۔ اچھا یہ بتلاؤ کہ نماز اور روزے میں سے کون سی عبادت زیادہ عظمت رکھتی ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ نماز! امام جعفر نے فرمایا: پھر حائضہ عورت کیوں نماز کی قضا نہیں کرتی مگر روزے کی کرتی ہے؟ دریں صورت دین میں قیاس آرائی تمہارے لیے کیونکر جائز ہوئی؟، خدا سے خوف کھاؤ اور دین میں قیاس آرائی ترک کردو؟"[1]

قیامت کے روز اللہ کے سامنے ہمارا تمھارا حساب ہوگا، جب ہم کہیں گے اللہ و رسول کی باتوں کے بالمقابل ابوحنیفہ اوران کے اصحاب رائے وقیاس سے کام لیتے تھے۔[2] مجموعی اعتبار سے مذکورہ بالا روایت کی سند امام جعفر تک صحیح ہے، اس کی کم از کم تین سندیں ہیں جو ایک دوسرے کی متابعت کرتی ہیں، البتہ جعفر نے اپنے اس بیان میں جو حدیث مرفوع بیان کی ہے وہ مرسل ہے، کیونکہ اس میں موصوف نے کہا ہے کہ "حدثني أبي عن جدي"یعنی میرے باپ نے میرے دادا سے یہ حدیث نبوی بیان کی ہے اور موصوف کے دادا یعنی علی بن حسین بن علی بن ابی طالب زین العابدین کا لقاء نبی ﷺ سے نہیں ہے مگر حدیث مرسل مصنف انوار کے مذہب میں حجت اور صحیح ہے۔

اس روایت سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پورے عالم اسلام میں یہ چیز مشہور تھی کہ امام صاحب امور دین میں استعمال قیاس کرتے ہیں۔ دوسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحب نے اپنی بابت دینی امور میں استعمال قیاس کے الزام کی تردید امام جعفر کے سامنے نہیں کی بلکہ امام جعفر کی قیاس شکن باتوں کو سن کر لا جواب وساکت رہے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ واقعہ کس زمانہ میں پیش آیا اور امام صاحب پر نصیحت جعفر کا کیا اثر پڑا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی آخری عمر میں واضح طور پر فرمایا تھا کہ "إن عامة ما أحدثكم به خطأ"میری بیان کردہ تمام علمی باتیں غلط ہیں، اسی لیے امام صاحب نے اپنی علمی باتوں کو لکھنے سے بھی منع کر دیا تھا، اس موضوع پر مفصل بحث آگے آئے گی۔ روایت مذکورہ سے اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے امام جعفر کے سامنے امور دین میں اپنے قیاس کرنے کی نفی نہیں کی مگر مصنف انوار کے ہم مزاج بعض لوگوں نے روایت مذکورہ کے جواب میں ایک روایت وضع کر کے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ امام صاحب نے امام جعفر کے باپ امام باقر محمد بن علی بن حسین کے سامنے اپنے اوپر لگائے گئے اس الزام کی اتنے مدلل طور پر تردید کی کہ وہ

[1] حلية الأولياء (٣/ ١٩٦، ١٩٧) و إعلام الموقعين (١/ ٩٣)

[2] إعلام الموقعين والإحكام لابن حزم (٣٤/٨) أخبار القضاة لوكيع (٣/ ٧٧، ٧٨)

اس بات کے قائل ہو گئے کہ امام صاحب پر یہ الزام غلط ہے، یہ خانہ ساز افسانوی روایت ناظرین کرام بھی ملاحظہ فرمائیں:

''امام ابن المبارک نے کہا کہ امام صاحب کی ملاقات سفر حج کے موقع پر امام باقر محمد بن علی سے ہوئی، امام باقر نے فرمایا کہ آپ میرے نانا کے دین اور حدیثوں کو اپنے قیاس سے بدل دیا کرتے ہیں۔ امام صاحب نے انکار کیا تو موصوف نے پھر یہی بات زور دے کر اور قسم کھا کر دہرائی، امام صاحب نے عرض کیا کہ ذرا آپ اچھی طرح بیٹھ جایئے، میرے نزدیک دور نبوی میں آپ کے نانا (رسول اللہ ﷺ) کی جو تعظیم وتوقیر صحابہ کرتے تھے، اس زمانہ میں اسی طرح کی تعظیم وتوقیر آپ کی ہونی چاہیے، مجھے آپ تین باتیں بتلایئے:

(۱) عورت زیادہ کمزور ہے یا مرد (۲) نماز زیادہ افضل ہے یا روزہ (۳) پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ امام باقر نے فرمایا عورت زیادہ کمزور ہے، نماز زیادہ افضل ہے، پیشاب زیادہ نجس ہے۔ امام صاحب نے عرض کیا کہ اس صورت میں قیاس کہتا ہے کہ عورت کو میراث میں مرد سے زیادہ حصہ ملنا چاہیے۔ حیض سے فراغت کے بعد نماز کی قضا روزہ کے مقابلہ میں زیادہ ضروری ہونی چاہیے اور خروج منی کے مقابلہ میں پیشاب کرنے سے غسل واجب ہونا چاہیے مگر میں احکام شرعیہ کی پیروی میں قیاس کو رد کرتا ہوں، پھر مجھ پر استعمال قیاس کا الزام کیونکر صحیح ہے؟ یہ سن کر امام باقر نے امام صاحب کی تعظیم وتوقیر کرنے کے ساتھ امام صاحب کو بوسہ دیا اور ان سے معانقہ کیا اور ان سے بہت خوش ہوئے۔''[1]

یہ روایت مناقب موفق وغیرہ میں بلا ذکر سند منقول ہے اور بے سند روایت بالاتفاق ساقط الاعتبار ہے، تین مسائل میں ترک قیاس سے تمام امور میں ترک قیاس نہیں لازم آتا، تعجب ہے کہ جو امام ابوحنیفہ امام جعفر کے سامنے اپنے اوپر لگائے گئے الزام استعمال قیاس کی تردید نہیں کر سکے وہ والد امام جعفر کے سامنے اس طرح کی لب کشائی کی ہمت کیسے کر سکے؟ جبکہ وفات امام باقر کے وقت یعنی ۱۱۴ھ یا ۱۱۵ھ میں امام صاحب درسگاہ حماد میں زیر تعلیم تھے۔ ظاہر ہے کہ ۱۱۴ھ سے پہلے ہی امام باقر کے ساتھ امام صاحب کے اس مکالمہ کے وقوع پذیر ہونے کا تصور ہو سکتا ہے۔ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب ۱۲۰ھ تک درسگاہ حماد میں زیرِ تعلیم رہے اور اس کے بعد دوسری درسگاہوں میں پڑھنے لگے۔

امام صاحب کے اہل الرائے ہونے کی نفی کرنے والی ایک روایت پر بحث:

اصل معاملہ یہ ہے کہ مناقب ابی حنیفہ کی افسانوی داستانوں کے واضعین کو امور دین میں استعمال قیاس کی قباحت وشناعت کا کسی طرح احساس ہو گیا، بنابریں انھوں نے مذکورہ بالا داستان وضع کی، اسی احساس کے تحت حارثی نے بھی یہ وضعی روایت بیان کی:

''قال عبد العزيز بن أبي رواد: أصحاب الرأي أعداء السنن، وهم الحرورية، وأهل الأهواء، وزاد في رواية ياسين الزيات: فأما أبو حنيفة وأصحابه فإنهم قاسوا على السنة.''[2]

''بقول عبدالعزیز بن ابی رواد اصحاب الرائے دشمنان سنت ہیں اور وہ خوارج وہوا پرست لوگ ہیں، یاسین زیات

---

[1] موفق (١/ ١٦٧، ١٦٨) وعام كتب مناقب.
[2] موفق (٢/ ٨٦) وعام كتب مناقب.

کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ امام صاحب اور ان کے اصحاب اصحاب الرائے نہیں ہیں کیونکہ انھوں نے سنت کی روشنی میں قیاس کیا ہے۔''

ان روایتوں کے ذریعہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اصحاب الرائے مذموم ضرور ہیں مگر امام صاحب اور ان کے اصحاب اصحاب الرائے ہیں ہی نہیں بلکہ اصحاب الرائے خوارج واہل بدعت ہیں امام صاحب اور ان کے اصحاب کے اصحاب الرائے ہونے کی نفی یاسین بن معاذ زیات والی روایت میں کی گئی ہے۔عبدالعزیز والی میں نہیں،عبدالعزیز والی روایت معنوی طور پر اس اعتبار سے صحیح ہے کہ خوارج واہل الاہواء اصحاب الرائے ہی کے فرقوں میں سے ہیں، اگرچہ اس روایت کے لیے حارثی کی فٹ کردہ سند موضوع ہے۔عبدالعزیز موصوف بقول راجح فی نفسہ صدوق ہونے کے باوجود بتصریح اہل علم مرجی المذہب تھے اور بقول جوزجانی غالی مرجی تھے۔[1]

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

"لم يصل عليه الثوري لأنه كان يرى الإرجاء، وكان ممن غلب عليه التقشف حتى كان لا يدري ما يحدث به، روى عن نافع أشياء ولا يشك من الحديث صناعته إذا سمعها إنها موضوعة، كان يحدث بها توهما لا تعمدا، ومن حدث على الحسبان، وروى على التوهم حتى كثر ذلك منه سقط الاحتجاج به، وإن كان فاضلا في نفسه، و كيف يكون التقي في نفسه من كان شديد الصلابة في الإرجاء، كثير البغض لمن انتحل السنن ، ثنا عبد الملك بن محمد أبو نعيم ثنا عمر بن شبه أبو زيد ثنا أبو عاصم قال: جاء عكرمة بن عمار إلى عبد العزيز بن أبي رواد فدق عليه الباب، وقال: أين الضال؟ قال خويل: قلت لعبد العزيز: الإيمان قول وعمل يزيد وينقص، قال: الإيمان واحد، ولكن يتفاضل أصحاب الجنة، قلت أصحابنا يقولون: الإيمان يزيد وينقص، قال: ومن أصحابك؟ قال: أيوب ويونس، ابن عون، فقال: لا أكثر الله في المسلمين ضربهم ."[2]

''عبدالعزیز کے مرجی ہونے کی وجہ سے امام سفیان ثوری نے موصوف کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، اس شخص پر تقشّف کا غلبہ اس قدر ہو گیا تھا کہ یہی نہیں جان پاتا تھا کہ وہ کس قسم کی باتیں بیان کرتا ہے؟ امام نافع سے کتنی باتیں اس نے اس طرح نقل کیں کہ ماہرفن ان کے موضوع ہونے میں شک نہیں کرے گا،مگر یہ بات موصوف سے عمداً نہیں بلکہ توہمًا سرزد ہوتی تھی، اورغلبہ توہم ونسیان کی بنا پر جس سے اس طرح کی چیز بکثرت صادر ہو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اگرچہ فی نفسہ صاحب فضیلت ہولیکن وہ شخص فی نفسہ متقی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے جو کٹرقسم کا متشدد مرجی اور اہلسنت سے بغض رکھنے والا ہو، ابوعاصم نے کہا کہ عکرمہ بن عمار نے اس کا دروازہ کھٹکھٹا کر کہا یہ گمراہ یعنی متشدد مرجی کہاں ہے؟ خویل نے عبدالعزیز سے کہا کہ ایمان قول وعمل ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے، اس شخص

---

[1] تهذيب التهذيب (٦/ ٣٣٨، ٣٣٩)

[2] كتاب المجروحين لابن حبان (٢/ ١٣١) وميزان الاعتدال (٢/ ١٢٣ وغيره)

نے کہا کہ نہیں، میں نے کہا کہ ہمارے اصحاب ایوب سختیانی و یونس وابن عون تو یہی کہتے ہیں کہ ایمان قول وعمل ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے، اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا نہ کرے۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عبدالعزیز فی نفسہ اگرچہ صدوق اور تقوی شعاری میں شہرت رکھتے تھے مگر غلبۂ تقشّف کے سبب اس قدر کثیر الاوہام والغلط ہو گئے تھے کہ امام ابن حبان کے نزدیک ساقط الاعتبار تھے۔ علاوہ ازیں موصوف بہت ہی غالی مرجی تھے کہ امام ایوب سختیانی و یونس وابن عون جیسے ائمہ سنت سے بھی نفرت رکھتے تھے۔

دریں صورت یہ مستبعد نہیں کہ انھوں نے اپنا ہم مسلک ہونے کی بنا پر امام صاحب اور خود کو زمرۂ اصحاب الرائے سے خارج ثابت کرنے کے لیے یہ بات کہی ہو، ان سے مدح امام صاحب میں متعدد روایات کتب مناقب ابی حنیفہ میں منقول ہیں مگر عموماً ان کی طرف ان روایات کی نسبت صحیح نہیں۔ زیر بحث روایت کی نسبت بھی موصوف کی طرف موفق کی ذکر کردہ سند کے مطابق صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے اور حارثی کذاب کے مابین مذکور سند کے بعض رواۃ معروف ومتعین نہیں ہیں اور حارثی بذات خود بھی کذاب ہے۔

یاسین زیات کا تعارف:

یاسین بن معاذ زیات متروک اور موضوعات ہے۔❶ یاسین پر اس جرح شدید کے باوجود موفق نے کہا: ''كان من فقهاء أصحاب الحديث''❷ یعنی موصوف اہل حدیث فقہاء میں سے تھا۔ حالانکہ جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ (۲/ ۲۱۰) میں ہے کہ ''عن ابن معين كان يفتي برأي أبي حنيفة'' یعنی بقول ابن معین یہ شخص حنفی المذہب تھا۔ امام ابوداود نے فرمایا: كان يذهب إلى الإرجاء.❸ یعنی یہ شخص مرجی المذہب تھا مگر موفق نے بات الٹ دی اور اس پر وارد شدہ جرح کے ذکر سے اعراض کیا۔ مصنف انوار کے ہم مزاج لوگوں کا حال ہی یہی ہے، یاسین سے مروی مناقب ابی حنیفہ کی متعدد داستانیں اپنے اسلاف کی پیروی میں مصنف انوار بھی صحیح قرار دے کر حجت بنائے ہوئے ہیں۔❹

یاسین سے روایت مذکورہ کا ناقل حماد بن قیراط نیساپوری کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ابن حبان نے اس کی بابت کہا: ''لا تجوز الرواية عنه يجيء بالطامات'' اور ابن عدی نے کہا: ''عامة ما يرويه فيه نظر'' اس جرح شدید کے بالمقابل ابوزرعہ نے موصوف کو صدوق کہا۔❺ اور صدوق ہونا ساقط الاعتبار ہونے کے منافی نہیں ہے۔ الحاصل روایت مذکورہ مکذوبہ ہے۔

مناقب موفق کے جس صفحہ پر یہ روایت مذکور ہے اسی پر اس کی تردید کرنے والی بعض روایات بھی منقول ہیں، مثلاً امام سفیان بن عیینہ کا قول ہے:

> ''میرا گزر مسجد کی طرف ہوا جس میں امام صاحب اپنے اصحاب کے ساتھ شوروغل کر رہے تھے، میں نے امام صاحب سے کہا کہ مسجد میں شوروغل نہیں ہونا چاہیے، امام صاحب نے کہا ضرور ہونا چاہیے، اس کے بغیر علم فقہ حاصل ہی نہیں ہوسکتا۔''❻

---

❶ لسان الميزان (٦/ ٢٣٨، ٢٣٩) وميزان الاعتدال (٢/ ٥٧٠، ٥٧١) ❷ موفق (٢/ ٨٦)
❸ لسان الميزان (٦/ ٢٣٩) ❹ مقدمه انوار (١/ ٧٠ و ٧٨ و ١٠٦) ❺ لسان الميزان (٢/ ٣٥٢)
❻ موفق (٢/ ٨٦) وجامع بيان العلم.

معلوم ہوا کہ امام صاحب حصول فقہ کے لیے مسجد میں شوروغل کو ضروری سمجھتے تھے، حالانکہ احادیث نبویہ میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ امام ابن عیینہ نے بھی امام صاحب کو اشارۃً انھیں احادیث کی طرف توجہ لائی تھی مگر امام صاحب نے یہ کہہ کر ان احادیث کو نظر انداز کر دیا کہ مسجد میں شوروغل کے بغیر فقہ آ ہی نہیں سکتی۔ امام صاحب کا یہ طرز عمل نصوص کے مقابلہ میں استعمال قیاس نہیں ہے تو کیا ہے؟ جو فقہ احادیث نبویہ کے خلاف عمل کیے بغیر حاصل ہی نہ ہو سکے وہ کون سی فقہ ہے؟ واضح رہے کہ امام سفیان بن عیینہ والی مذکورہ بالا روایت جامع بیان العلم میں بسند صحیح مروی ہے۔

حدیث کے خلاف مرغ کو امام صاحب کی گالی:

مناقب موفق کے جس صفحہ پر یہ روایات مندرج ہیں اسی پر درج ذیل روایت بھی منقول ہے:

"عن بلال بن أبي بلال الفزاري قال: كان أبوحنيفة يسهر مع جماعة من أصحابه عند حماد في الفقه، وكان لحماد ديك يصيح من أول الليل، فكانت العلامة بين حماد وبين أصحابه أن يصيح الديك، فكان إذا صاح قام حماد فيقول أبو حنيفة: مالك من ديك قبحك الله قطعت حديثنا إن شرا لديكة ما صاح أول الليل." [1]

"حماد کے پاس فقہ پڑھنے کے لیے امام صاحب اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ رات جاگا کرتے تھے، حماد کے پاس ایک مرغ تھا جو اول شب ہی میں بانگ دینے لگتا تھا اور مرغ کی بانگ ہی حماد اور ان کے تلامذہ کے مابین جدائی کی علامت ہوتی تھی، چنانچہ مرغ کے بولتے ہی حماد درس ختم کر کے اٹھ کھڑے ہوتے تھے، امام صاحب مرغ کو گالی دیتے ہوئے کہتے کہ اللہ تمھارا برے کرے تم نے ہمارا سلسلۂ گفتگو منقطع کر دیا، سب سے زیادہ بدترین مرغ وہ ہے جو اول شب میں بانگ دے۔"

باسانید صحیحہ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نبوی مروی ہے:

"لا تسبوا الديك فإنه يوقظ للصلوة." [2] "مرغ کو گالی مت دو کیونکہ وہ نماز کے لیے بیدار کرتا ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نبوی مروی ہے:

"إذا سمعتم صياح الديكة فسلوا الله من فضله فإنها رأت ملكا." [3]

"تم مرغ کی بانگ سنو تو اللہ سے دعائے خیر کرو کیونکہ وہ فرشتۂ رحمت کو دیکھ کر بانگ دیتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ امام صاحب کی طرف اوپر جو بات کذابین نے منسوب کی ہے اس سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کا عمل فرمان نبوی کے خلاف تھا، اگر یہ کہیے کہ امام صاحب ان احادیث نبویہ سے ناواقف تھے تو یہ بات مصنف انوار کے دعاوی کے خلاف ہے۔ اگر امام صاحب ان احادیث سے واقف تھے تو یہ بتلایا جائے کہ کس وجہ سے انھوں نے ان کے خلاف عمل کیا؟

دراصل یہ روایت بھی خانہ ساز ہے، اس کا واضع یا تو حارثی کذاب ہے یا اس کے اوپر کا کوئی راوی، اس روایت کے لیے حارثی کی فٹ کردہ سند کا بنیادی ومرکزی راوی بلال بن ابی بلال فزاری دراصل بلال بن مرداس ابی موسیٰ فزاری مصیصی

[1] موفق (٢/ ٨٦) [2] أبوداود ونسائي وغيره. [3] صحيح بخاری ومسلم و أبوداود وترمذي وغيره.

ہیں، ان کو ابن قطان نے مجہول اورازدی نے "لایصح حدیثه" کہا مگر بعض نے الثقات میں ذکر کیا، بقول راجح ابن حجر کے نزدیک موصوف مقبول ہیں یعنی کہ متابع کی صورت میں ان کی روایت معتبر ہے ورنہ نہیں۔[1]

لیکن ان سے روایت مذکورہ کا ناقل حکم بن ظہیر فزاری (متوفی ۱۸۰ھ) وضاع اور کذاب ومتروک ہے۔[2] اس متروک وکذاب شخص اورحارثی کذاب کے مابین کے رواۃ غیر معروف ہیں۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ مناقب ابی حنیفہ کی داستان مرتب کرنے والوں نے عجیب عجیب گل کھلائے ہیں۔ ایک طرف ان لوگوں نے یہ کہا کہ امام صاحب حضرت ابوبکر کو تمام صحابہ میں افضل وأفقہ اورع مانتے تھے۔[3] دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب حضرت ابوبکر صدیق کے بجائے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو خیر الناس کہا کرتے تھے۔[4]

امام صاحب کی مدحِ ابراہیم طالبی:

خاندان نبوت کے حجازی امام ابراہیم بن عبداللہ بن حسن طالبی سے حسن عقیدت رکھنے اور حکومت کے خلاف ان کی تحریک بغاوت میں سرگرم حصہ لینے کے سبب امام صاحب کو خلیفہ منصور نے ہلاک کیا تھا، مصنف انوار کے ہم مزاج لوگوں کی تصنیف کردہ کتابوں میں مذکور ہے:

> "ایک عورت نے آکر امام صاحب سے کہا کہ میرا بیٹا ابراہیم طالبی کی تحریک میں شریک ہوکر جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور میں اسے روکتی ہوں وہ مانتا نہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ اسے اس کارخیر سے مت روکو۔"[5] ایک آدمی سے امام صاحب نے کہا کہ امام ابراہیم طالبی کے ساتھ شریک جہاد ہونا پچاسوں حج کرنے سے افضل ہے۔"[6]

حکومتِ وقت کے خلاف خروج کرنے والے امام محمد بن عبداللہ بن حسن المعروف بذو النفس ذکیہ کے مقتول ہوجانے پر بھی امام صاحب انھیں یادکر کے روتے تھے۔[7] اورجب امام صاحب اسلافِ مصنف انوار کے دعوی کے مطابق امام ابراہیم طالبی کے ساتھ خروج کو پچاسوں حج سے افضل سمجھتے تھے تولازمی طور پر امام ذوالنفس ذکیہ کی تحریک سے بھی یہی عقیدت رکھتے ہوں گے کیونکہ دونوں حضرات کی تحریک ایک ہی چیز تھی، چنانچہ بالصراحت مروی ہے کہ امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد فزاری سے امام صاحب نے فرمایا کہ کفار کے خلاف جہاد کے مقابلہ میں امام ابراہیم طالبی کے ساتھ خروج کرنا زیادہ بہتر ہے۔ابواسحاق فزاری کا ایک بھائی ابراہیم طالبی کے ساتھ مقتول ہوگیا تھا اورابواسحاق کفار کے خلاف غزوہ میں مصروف تھے، ابواسحاق وہاں سے واپس آکر امام صاحب سے ملے اور سلسلے میں ان سے بات چیت کی توامام صاحب نے فرمایا:

> "لو أنك قتلت مع أخيك كان خيرا لك من المكان الذي جئت منه، قلت: فما منعك أنت من ذلك؟ قال لولا ودائع كانت عندي وأشياء للناس ما استأنيت في ذلك."[8]

---

[1] تقريب التهذيب وتهذيب التهذيب وميزان الاعتدال.
[2] تهذيب التهذيب (۲/ ۴۲۸) و ميزان الاعتدال (۱/ ۲۳۶)
[3] موفق (۱/ ۹۲) وعام كتب مناقب.
[4] موفق (ص: ۱۰۶) وكردري (۱/۱۵۹)
[5] موفق (۲/ ۸۲) وعام كتب مناقب.
[6] موفق (۲/ ۸۳)
[7] موفق (۲/ ۸۴)
[8] خطيب (۱۳/ ۳۸۵)

''امام صاحب نے فرمایا کہ اگر تم بھی اپنے بھائی کے ساتھ ابراہیم طالبی کے ساتھ خروج میں قتل ہو جاتے تو کفار کے خلاف جو جہاد کرنے گئے تھے اس سے بہتر ہوتا! فزاری نے امام صاحب سے کہا کہ جب یہ بات ہے تو آپ خود اس کار خیر میں کیوں شریک ہو کر شہید نہیں ہوئے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس لوگوں کی امانتیں تھیں اور کچھ اور بھی مجبوریاں تھیں ورنہ میں میں ضرور شریک ہوا ہوتا۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام صاحب اپنے کوفی استاذ حماد کی زیر بحث بات کے باوجود بھی حجازی اماموں سے اس قدر عقیدت رکھتے تھے۔ مذکورہ بالا روایت کی سند صحیح ہے۔

اہل کوفہ حجازی اماموں کی نظر میں:

اس روایت کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے کہ امام عطاء بن ابی رباح کے پوچھنے پر امام صاحب نے کہا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں، امام عطاء نے یہ سن کر فرمایا کہ آپ اسی شہر کوفہ کے ہیں جنھوں نے دین میں انتشار وتفرقہ پیدا کر کے باہم بہت سے فرقے بنا لیے ہیں امام صاحب نے عرض کیا کہ ہاں۔[1]

یہ عجیب ماجرا ہے کہ ایک طرف اہل کوفہ خاندان نبوت کے حجازی اماموں کے سامنے غیر معمولی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے اور حکومتوں کے خلاف انھیں خروج وبغاوت پر کتاب وسنت اور اللہ ورسول کا واسطہ دے کر ابھارتے اور بہر طور ان کی مدد ومعاونت کا بظاہر بہت پختہ وعدہ وعہد کرتے مگر عین وقت پر نہ صرف یہ کہ کسی نہ کسی بہانے سے ان کا ساتھ چھوڑ کر مدد سے دست کشی اختیار کرتے تھے بلکہ اندر ہی اندر حکومت وقت سے مراسم وتعلقات بھی رکھتے تھے حتی کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ائمہ اہل بیت کے خلاف حکومتِ وقت کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔

اہل کوفہ کو اس منافقانہ حرکت پر موقع بہ موقع اپنے کیے کی سزا بھی ملتی رہتی تھی۔ ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ تعمیر کوفہ کے بعد ہی دار الخلافہ مدینہ منورہ کی جانب سے کوفہ پر مقرر کیے گئے، جلیل القدر حکام کے خلاف بھی اہل کوفہ ریشہ دوانیاں کرتے رہے تھے۔ خلافت عثمانی کے خلاف بغاوت کے اصل علم بردار اہل کوفہ ہی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ غدر وخیانت اور خروج ورفض کا رویہ اختیار کرنے والے اور ان کے قتل کی سازش مرتب کرنے والے اہل کوفہ ہی تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کو اپنی منافقانہ حرکت سے پریشان کرنے والے ہی تھے حتی کہ انھیں کی بدولت خاندان رسالت پر میدان کربلا میں بھاری آفت آئی۔ حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے پیش آمدہ اس واقعہ کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ مصنف انوار کی ممدوح کتابوں کے مطابق امام صاحب نے کہا تھا کہ مجھے معلوم ہے کہ جو لوگ بظاہر اس وقت حکومت کے خلاف بغاوت کے معاملہ میں آپ کے ساتھ ہیں وہ بالکل اسی طرح آپ کے ساتھ بھی کریں گے جس طرح آپ کے باپ کے ساتھ میدان کربلا اور دوسرے مواقع پر کر چکے ہیں۔ آخر امام صاحب بھی معقول اسباب کے تحت امام زید کا ساتھ نہیں دے سکے، حالانکہ وہ خروج زید کو غزوہ بدر میں شرکت کے مترادف قرار دیتے تھے اور وہ اور ان کے استاد حماد اس خروج کی بہر طور ہمت افزائی کرتے تھے۔ ابراہیم طالبی کے ساتھ خروج کو امام صاحب نے کفار کے خلاف جہاد سے زیادہ افضل قرار دیا تھا، ہم اس

[1] خطیب (١٣/ ٣٢١) وحلية الأولياء (٣/ ٣١٤)

موضوع پر تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے۔ اس جگہ صرف ایک روایت اور نقل کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں جو مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی مسانید ابی حنیفہ میں بھی موجود ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام باقر جملہ اہل عراق کو بشمول امام صاحب نا قابل وثوق ونالائق اعتماد سمجھتے تھے۔ امام صاحب ہی کی طرف یہ بیان منسوب ہے:

''میں امام ابوجعفر محمد بن علی باقر سے مدینہ میں ملنے گیا تو انھوں نے کہا کہ اے عراقی آدمی! تم میرے پاس ابو بیٹھو، ان کے منع کرنے کے باوجود میں نے ان کے پاس بیٹھ کر کہا کہ آپ حضرت ابوبکر وعمر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ہمارے ملک عراق میں لوگ کہتے ہیں کہ آپ ان سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ امام باقر نے فرمایا عراقی لوگ جھوٹ بولتے ہیں، امام صاحب نے عرض کیا کہ عراقیوں کو لکھ کر اصل حقیقت سے مطلع کر دیجیے، امام باقر نے فرمایا کہ میرے لکھنے سے عراقی لوگ میری بات نہیں مانیں گے، تم اپنا ہی معاملہ دیکھ لو کہ میں نے تم سے واضح طور پر کہا کہ میرے پاس مت بیٹھو مگر تم ہماری بات نہیں مانے اور بیٹھ ہی گئے، حالانکہ تم مجھ سے زیادہ تعلق رکھتے ہو پھر بھلا دوسرے عراقی میری بات کیونکر مان لیں گے؟''[1]

مصنف انوار نے اس روایت کو دلیل بنا کر نہ جانے کیوں یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ بقول امام صاحب کوفہ میں ایسے لوگ بکثرت موجود تھے جو حضرت امام باقر کی صراحت کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے پھرتے تھے کہ وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ اہل کوفہ کو امام باقر نے جھوٹا قرار دیا ہے اور یہ کہ ائمہ اہل بیت سے اظہار عقیدت کے باوجود کوفی لوگ ان اماموں کی بات نہیں مانتے تھے۔ بنابریں امام باقر انھیں نا قابل اعتماد قرار دیتے تھے۔ ہم اس جگہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ عام مورخین اور اہل علم نے اہل کوفہ کے بارے میں کیا کہا ہے؟ مصنف انوار نے ان حقائق سے آنکھیں بند کر کے اپنے عام ہم مزاج لوگوں کی طرح مدح کوفہ میں حماد کی زبان سے عالم دیوانگی میں نکلی ہوئی اس بات کو دلیل بنا لیا کہ کوفہ کے بچوں کے بچے بھی حجاز کے عظیم ترین اماموں سے زیادہ فقیہ ہیں۔ لطف کی بات یہ کہ حماد کی اس بات کے ناقل امام مغیرہ بن مقسم (متوفی ۱۳۶ھ) نے حماد کے اس قول کو نقل کر کے اس پر یہ تبصرہ کیا:

"فرأينا ذلك بغيا منه"[2] ''حماد کی یہ بات ہمارے نزدیک بے راہ روی اور شرارت ہے۔''

مصنف انوار کے ممدوح حافظ ابن عبدالبر نے حماد کے اس بیان پر تبصرہ کیا:

"فهذا حماد، وهو فقيه الكوفة بعد النخعي، القائم بفتواها، وهو معلم أبي حنيفة، وقعد مقعده بعده، يقول في عطاء وطاؤس ومجاهد، وهم عند الجميع أرضى منه، وأعلم، وفوقه في كل حال ما نرى، ولم ينسب واحد منهم إلى الإرجاء، وقد نسب إليه حماد، وعيب به، وعنه أخذه أبو حنيفة."[3]

''امام نخعی کے جانشین بننے والے اور کوفہ کے منصب افتا کو سنبھالنے والے حماد جو استاذ ابی حنیفہ ہیں، امام عطاء وطاوس ومجاہد جیسے لوگوں کے بارے میں ایسی بات کہہ بیٹھے جبکہ تمام ہی لوگوں کے نزدیک یہ حضرات

[1] موفق (۲/ ۱٦٥) وجامع المسانيد (۱/ ۲۰٤، ۲۰٥) وعام كتب مناقب.

[2] تهذيب التهذيب (۳/ ۱۷) وميزان الاعتدال (۱/ ۲٤۷) وجامع بيان العلم. [3] جامع البيان (۲/ ۱٥۳، ۱٥٤)

حماد سے کہیں زیادہ پسندیدہ وصاحب علم وفضل اور ہر چیز میں فائق ہیں، ان حضرات میں سے کوئی مرجی نہیں ہے مگر حماد مرجی بھی ہیں اورانھیں سے امام ابوحنیفہ نے مذہب ارجا سیکھا اور اس مذہب کے پیرو ہوئے، حالانکہ یہ معیوب چیز ہے۔''

مصنف انوار نے نہ جانے کیوں حماد کی اس بات پر مذکورہ بالا دونوں حضرات کے تبصرے نہیں نقل کیے، البتہ ان تبصروں کی جگہ پر حماد کے بیان کی تصویب وتائید اورحمایت کرتے ہوئے مصنف انوار نے بعض دوسری خود ساختہ باتیں لکھ ماریں، جیسا کہ ناظرین کرام ان کے ذکر کردہ اقتباس میں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

حماد کے بیان مذکور پر مندرجہ بالا تبصرہ کرنے والے مغیرہ نے بھی یہ بیان کیا ہے کہ حماد کو آسیب لگا کرتا تھا، ہمارے خیال میں حماد نے مذکورہ بالا قول اختلاط اورمرگی وآسیب زدگی کے اثر کے تحت کہا تھا، اس لیے وہ معذور ہیں لیکن حماد کے اس قول کو مدح کوفہ کی دلیل بنانے والے (جس سے اتنے عظیم المرتبت اماموں کا کوفہ کے بچوں کے بچوں سے بھی فقہ میں کمتر ہونا ثابت ہوتا ہے) یقیناً بے راہ رو اورغلط کار ہیں، خصوصاً جبکہ طاوس حماد کے استاذ بھی ہیں۔[1] اور یہ سبھی حضرات بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب کے استاذ ہیں، نیز قتادہ بصرہ کے اورطاؤس یمن کے محدثین ہیں، انھیں محدثین مکہ قرار دینے میں مصنف انوار نے اپنی معروف ومعتاد تحقیق پسندی سے کام لیا ہے۔

مصنف انوار کی ممدوح کتابوں میں حماد کی مدح سرائی:

حماد کی مدح میں مصنف انوار کی ذکر کردہ باتوں سے بھی زیادہ کتب مناقب ابی حنیفہ میں حماد کی مدح سرائی عجیب وغریب انداز میں کی گئی ہے۔ اوپر اس مکذوبہ روایت کا ذکر آچکا ہے کہ امام صاحب نے علی الاطلاق حماد کو سب سے أفقہ قرار دیا ہے، جیسا کہ ہم نے عرض کیا یہ روایت مکذوبہ ہے اورامام صاحب ہی سے مروی دوسری روایات کے معارض بھی مگر بایں ہمہ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حماد محض ایک فن فقہ میں امام صاحب کی نگاہ میں سب سے فائق تھے لیکن موفق معتزلی کے بیان کے مطابق امام صاحب نے اپنے حجازی استاذ امام عطا بن ابی رباح کے بارے میں فرمایا:

''وقد سئل أبوحنيفة عن أفقه من رأي فقال: ما رأيت أفقه من حماد، وما رأيت أجمع لجميع العلوم من عطاء بن أبي رباح، أكثر عنه أبوحنيفة الرواية.''[2]

یعنی پوچھنے پر امام صاحب نے بتلایا کہ فقہ میں حماد سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا مگر تمام علوم میں عطا سے زیادہ جامع کسی کو نہیں دیکھا۔

امام صادق سے امام صاحب بقول خویش بہت زیادہ مرعوب تھے اوراس بات کے معترف کہ خالص فقہی مسائل میں بھی انھوں نے مجھے لاجواب وساکت کر دیا مگر مصنف انوار کے معتمد علیہ موفق اوران جیسے لوگ ناقل ہیں:

''كان حماد يقول: ربما تركت رأي برأي أبي حنيفة فأقول بقوله.''[3]

---

[1] كتاب الآثار لمحمد باب الحج (ص: ٥٠) وجامع المسانيد (١/ ٥١٧)

[2] موفق (١/ ٨٨) [3] موفق (١/ ١١٤)

''حماد کہا کرتے تھے کہ میں بسااوقات امام ابوحنیفہ کے بتلائے ہوئے قیاسی مسائل کے مقابلہ میں اپنے قیاسی مذہب کوترک کر کے مذہب ابی حنیفہ کی پیروی کرتا ہوں۔''

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار نے کہا ہے کہ امام صاحب حماد، ابراہیم نخعی، علقمہ، اسود، ابن سیرین، قتادہ، حسن بصری، شریح اور تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ ہیں۔[1] نیز یہ کہ حماد امام صاحب سے چالیس ہزار روپے لے کر مرجی مذہب کے سرپرست اورصدر بنے تھے۔ (کما تقدم)

یہ عجیب ماجرا ہے کہ ایک طرف مصنف انوار اورکوثری کی مستدل روایت میں یہ صراحت ہے کہ حماد امام صاحب کی مالی معاونت کے اتنے ضرورت مند تھے کہ وہ امام نخعی کی وفات کے بعد امام صاحب اور ان کے بعض رفقاء سے چالیس ہزار روپے کے بدلے مذہب نخعی چھوڑ کر مرجی مذہب اوراہل الارجاء کا صدر و سرپرست بننے پر راضی ہو گئے مگر دوسری طرف ابو یوسف سے مروی ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ دس سال تک حماد نے میری اور میرے اہل وعیال کی مالی سرپرستی کی۔[2]

جب مصنف انوار کی ممدوح کتابوں میں مندرجہ اس روایت کے مطابق امام صاحب اوران کے اہل وعیال تک حماد کی کفالت میں دس سال زندگی گزارتے رہے تو بھلا موصوف نے امام صاحب اوران کے رفقاء سے چالیس ہزار درہم کے بدلے مرجی مذہب اور مرجیہ کا سرپرست بننا کیسے گوارہ کر لیا؟ وہ امام صاحب کے اس مالی تعاون کے بغیر یہ سرپرستی نہیں کر سکتے تھے؟ جبکہ حماد کا فیاضی وسخی اور مالدار ہونا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔[3] مگر یہ بات دلچسپ ہے کہ ایک طرف مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ امام صاحب ہمیشہ اتنے مال دار رہے کہ دوسروں کی مالی پرستی کرتے رہے حتی کہ حماد کو بھی مالی مدد دیتے تھے اور دوسری طرف موصوف کی ممدوح کتابوں میں یہ ہے کہ امام صاحب اپنے اہل وعیال کے ساتھ حماد کے زیر کفالت رہے۔

ناظرین کرام نے دیکھا کہ مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق امام صاحب اوران کے رفقاء سے چالیس ہزار درہم لے کر مرجی مذہب اور اہل الارجاء کا صدر وسرپرست بن جانے والے حماد کے بارے میں اسی طرح کی سند سے مروی روایت کے مطابق یہ کہا گیا ہے کہ وہ بقول خویش بسااوقات امام صاحب کے مقابلہ میں اپنے فتاوی ونظریات کوترک کر کے امام صاحب کے متبع بن جایا کرتے تھے، اورناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ اسی طرح کی اسانید سے یہ مروی ہے کہ حماد کو اپنی قوت استدلال سے اپنا مطیع ومتبع بنالینے والے امام صاحب حجاز کے اماموں کے سامنے لب کشائی بھی نہیں کر سکتے تھے، پھر بھی مصنف انوار کا یہی دعوی ہے کہ ائمہ حجاز کے بالمقابل کوفہ کے بچوں کے بچے بھی زیادہ فقیہ تھے۔ مصنف انوار کی دیانتداری، امانت شعاری، اعتدال پسندی اورتحقیقی ودینی خدمت کی حد ہی ہوگئی!!

متعدد روایات میں ہے کہ حجاز کیا کوفہ کی بعض عورتوں، دیہاتیوں اوردوسرے لوگوں کے معمولی قسم کے فقہی سوال کے جواب سے امام صاحب عاجز رہے، حالانکہ وہ اس زمانے میں اپنے حریفوں کو لاجواب کر دیا کرتے تھے۔ (كما سيأتي)

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۷۲)　　[2] موفق (۱/ ۲۵۹) وكردري (۱/ ۲۵٤، ۲۵۵) وعام كتب مناقب.

[3] تاريخ أصبهان للحافظ أبي نعيم (۱/ ۲۸۹، ۲۹۰) وتهذيب التهذيب.

مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی جامع مسانید ابی حنیفہ میں ہے:

"أبوحنيفة استقبل بهلول بن عمرو الصيرفي المعروف بالمجنون، وهو يأكل في السوق، فقال أبو حنيفة: تجالس مثل محمد بن جعفر الصادق وتأكل وأنت تمشي؟ فقال بهلول: حدثنا مالك بن أنس..."[1]

''امام صاحب کی ملاقات بہلول صیرفی سے اس حال میں ہوگئی کہ وہ بازار میں کھارہے تھے اور چلتے بھی تھے، امام صاحب نے ان سے کہا کہ آپ امام محمد بن جعفر صادق کی مصاحبت رکھتے ہیں پھر بھی چلتے ہوئے کھاتے ہیں؟ بہلول نے فوراً ایک حدیث امام مالک کی سند سے مرفوعا پڑھ سنائی تو امام صاحب لا جواب ہو گئے۔''

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حجازی امام جعفر صادق اور مالک بن انس کے فیض یافتہ آدمی نے امام صاحب کے اعتراض کا مدلل جواب دے کر امام صاحب کو ساکت و لاجواب کر دیا، جب امام صاحب حجازی امام مالک اورامام صادق کے فیض یافتہ آدمی کے سامنے لاجواب ہو گئے تو بھلا یہ باتیں کیونکر صحیح ہوسکتی ہیں کہ امام صاحب نے امام صادق کے والد محترم اوردوسرے حجازی اماموں کو اپنی باتوں سے خاموش ولاجواب کردیا، جب امام عطاء بن ابی رباح کے فیض یافتہ حجام کے سامنے امام صاحب کچھ بول نہیں سکے بلکہ اس کی متابعت کی تو مصنف کے ہم مزاج اسلاف نے بہت ساری مکذوبہ روایات کو گھڑ کر جو یہ ظاہر کیا ہے کہ امام صاحب کے سامنے امام صاحب کے جلیل القدر اساتذہ عاجز وساکت ہو جایا کرتے تھے کیا معنی رکھتا ہے؟

امام صاحب کے جلیل القدر اساتذہ کی شان میں مصنف انوار کے اسلاف کی گستاخیاں:

مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف داستاں سرائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ابراہیم صائغ نے کہا کہ میں امام عطاء بن ابی رباح کے پاس تھا، وہاں امام صاحب بھی تھے، امام عطاء سے آیت قرآنی ﴿وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ کی تفسیر پوچھی گئی تو انھوں نے کہا کہ حضرت ایوب کو ان کے ہلاک شدہ اہل وعیال واپس کر دیے گئے اور ان کا دوگنا بھی انھیں دیا گیا، امام صاحب نے اس پر اعتراض کیا تو امام عطاء دفع اعتراض نہیں کر سکے بلکہ امام صاحب ہی سے استفسار کرنے لگے، امام صاحب نے بتلایا کہ اہل وعیال کے ساتھ ان کی اولاد کے ثواب بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو دیے۔ امام عطاء نے کہا یہ بہتر جواب ہے۔''[2]

روایت مذکورہ کی سند میں احمد بن عطیہ المعروف بابن المغلس کذاب ہے اور اسی کذاب نے یہ روایت گھڑی ہے۔ اس طرح کی بہت ساری مکذوبہ روایات امام صاحب کے مقابلہ میں امام صاحب کے اساتذہ کے عاجز ہونے کے سلسلے میں وضع کی گئی ہیں، ہم نے صرف مثال کے طور پر ایک کا ذکر کر دیا، تفصیل باعث تطویل ہو گی، اس لیے نظر انداز کرتے ہیں۔ البتہ اہل مدینہ کے ساتھ امام صاحب کے ایک افسانوی مناظرہ کی مکذوبہ اور دلچسپ کہانی بیان کی جارہی ہے۔

---

[1] جامع مسانيد أبي حنيفة (٢/ ٣٠٥، باب: ٣٨)

[2] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٢٤) وعام كتب مناقب.

اہل مدینہ سے فاتحہ خلف الامام کی بابت امام صاحب کا فرضی مناظرہ:

موفق معتزلی نے یہ افسانہ بلا سند کی بیان کیا ہے اور دوسرے اصحاب مناقب نے بھی اس کو لکھ مارا ہے:

''مدینہ منورہ کے کچھ لوگ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے مناظرہ کرنے آئے اور امام صاحب پر طعن و تشنیع بھی۔ امام صاحب نے ان سے کہا کہ میں بیک وقت سب سے مناظرہ نہیں کر سکتا تم اپنے میں سے بڑے عالم کو منتخب کر لو اور اسی سے میں مناظرہ کروں، سب نے ایک طرف اشارہ کیا کہ یہی سب سے بڑے عالم ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ بتلاؤ کہ اس شخص کا مناظرہ تمھارا مناظرہ اور اس کی شکست و فتح تمھاری شکست و فتح مانی جائے گی یا نہیں؟ سب نے کہا مانی جائے گی۔ امام صاحب نے فرمایا کہ تمھارے خلاف ہماری حجت ثابت ہوگئی، لوگوں نے کہا وہ کیسے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اپنے مناظر کو منتخب کر کے تم نے اس کے مناظرہ اور ہار جیت کو اپنا مناظرہ اور ہار جیت قرار دیا اور ہم نماز میں اپنا امام بنا کر اس کی قراءت کو اپنی قراءت قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ ہماری قائم مقامی کرتا ہے۔ اہل مدینہ نے امام صاحب کی بات کو صحیح تسلیم کر کے اپنی شکست مان لی۔''[1]

یہ مکذوبہ روایت موفق نے بلا ذکر سند اور بلا بیان ماخذ نقل کی ہے اور عقود الجمان میں یہ روایت بحوالہ مناقب ابی حنیفہ للزرنجری نقل کی گئی ہے، چنانچہ اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا کہ ''وفیھا''[2] اور ''فیھا'' میں ''ہا'' کی ضمیر کا مرجع صفحہ (۲۷۵) پر بتلایا ہوا ہے، اصل الفاظ یہ ہیں کہ ''وروي الإمام أبو بكر بن محمد الزرنجري في مناقبه'' اور زرنجری یعنی بکر بن محمد بن علی بن فضل بن الحسن المعروف بہ شمس الائمہ، ان کو ابوحنیفہ صغیر بھی کہا جاتا ہے، موصوف ۴۲۷ھ میں پیدا اور ۵۱۲ھ میں فوت ہوئے، انھوں نے روایت مذکورہ کی سند بیان نہیں کی، ظاہر ہے کہ بے سند روایت مردود ہے، البتہ طبقات الحنفیہ میں صراحت کی گئی ہے کہ موصوف زرنجری بدوواسطہ حارثی سندمونی کذاب کے شاگرد ہیں۔[3] اور ظاہر ہے کہ اسی کذاب کے فراہم کردہ مواد وچربہ سے زرنجری نے مناقب ابی حنیفہ تصنیف کی ہے۔ یہ حکایت بذات خود اپنے مکذوب ہونے پر شاہد ہے، نماز جیسی خالص عبادت کو مناظرہ پر قیاس کرنا اور اس سلسلے میں شرعی دلائل سے بحث ونظر نہ کرنا نہ تو اہل مدینہ گوارہ کر سکتے تھے اور نہ امام صاحب اس موضوع پر مفصل بحث آگے آئے گی۔

امام صاحب کے بالمقابل حماد کی عاجزی:

موفق معتزلی ناقل ہیں:

''عن محمد بن جابر يقول: كنا نجالس حمادا، ويكلمه أبو حنيفة، فإذا خالفه ضيق عليه الكلام، وربما قال حماد: كيف أصنع وهذا قول إبراهيم... وهو قول ابن مسعود؟''[4]

''محمد بن جابر یمامی فرماتے ہیں کہ ہم حماد کے پاس بیٹھتے تھے تو انھیں امام ابوحنیفہ اپنی باتوں سے تنگ کر دیتے

---

[1] موفق (۱/ ۱۷۸) وعقود الجمان (ص: ۲۸۳، بحواله مناقب أبي حنيفة للزرنجري) [2] عقود الجمان (ص: ۲۸۳)
[3] فوائد البهية (ص: ٥٦) وجواهر المضية. [4] موفق (١/ ١٤) وعام كتب مناقب.

تھے، بسا اوقات حماد ابوحنیفہ کے سامنے عاجز و لاجواب ہو کر کہتے کہ میں آپ کی بات کیونکر مان لوں جبکہ امام ابراہیم اور ابن مسعود کی باتیں اس کے خلاف ہیں؟''

موفق کی نقل کردہ ان دونوں روایتوں سے مستخرج ہوتا ہے کہ حماد بسااوقات امام صاحب کے دلائل واعتراضات کی تاب نہ لا کر امام صاحب کے سامنے سپر انداز ہو جاتے تھے اور ان کی بات مان لیتے تھے مگر بسااوقات امام صاحب کے سامنے لاجواب وعاجز ہونے کے باوجود ان کی بات نہیں مانتے تھے، اور یہ وجہ بیان کردیتے تھے کہ امام صاحب کی بات امام نخعی اور ابن مسعود کے خلاف ہے لیکن معلوم نہیں کیوں حماد نے مرجی اور رائے وقیاس کا مذہب اختیار کرلیا جبکہ امام نخعی اور ابن مسعود اس کے سخت خلاف تھے۔ اس معاملہ میں نہ جانے کیوں موصوف امام صاحب ہی کے ہم مسلک تھے؟

واضح رہے کہ مذکورہ بات کو موفق نے محمد بن جابر یمامی کی طرف منسوب کر رکھا ہے جن سے بسند صحیح یہ مروی ہے کہ امام صاحب ان کے یہاں سے کتب حماد کو حاصل کر کے حماد سے پڑھے بغیر روایت کرتے تھے۔

موفق معتزلی نے یہ بھی نقل کیا:

”عن أبي حنيفة لزمت حمادًا لزومًا ما أعلم أن أحدا لزم أحدًا مثل ما لزمته، وكنت أكثر السؤال، فربما تبرم مني، ويقول: يا أبا حنيفة قد انتفخ جنبي وضاق صدري.“ [1]

''امام صاحب نے کہا کہ حماد کے ساتھ جس التزام کے ساتھ میں رہا ہوں کوئی کسی کے ساتھ نہ رہا ہے، میں ان سے بکثرت اس قدر سوال کرتا کہ وہ بسااوقات عاجز وپریشان ہو کر فرماتے کہ اے ابوحنیفہ میں تمھارے سوالات کی کثرت سے تنگ وپریشان ہو گیا ہوں۔''

موفق معتزلی اس بات کے بھی ناقل ہیں: ” حتى قال (حماد) لي يوما: أنزفتني يا أبا حنيفة “ [2]

''امام صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے ایک روز حماد نے کہا کہ تم نے میرا سارا علم حاصل کر کے مجھے علم سے خالی کر دیا۔''

ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ موفق ہی نے یہ نقل کر رکھا ہے کہ حماد کو اپنی باتوں سے لاجواب کر دینے والے اور انھیں اپنی باتوں کا پیرو بنا لینے والے امام صاحب نے انشراح صدر کے ساتھ اعتراف کیا کہ امام جعفر علم کے وہ بحر ناپیدا کنار ہیں کہ انھوں نے مجھے لاجواب کر دیا!

حماد سے امام صاحب نے فقہ اہل الرائے پڑھی یا حدیث؟

یہ بیان ہو چکا ہے کہ حماد کے مرجی وصاحب الرائے ہوجانے کے بعد ان کی درسگاہ میں فقہ اہل الرائے کی تعلیم ہوتی تھی اور حدیث کی تعلیم بند ہوگئی، بنابریں ان سے عام اہل علم نے خفا ہو کر ترک تعلق کر لیا اور ان پر ردو قدح بھی کرنے لگے، ادھر حدیث سے عدم اعتناء اور فقہ اہل الرائے سے شدت اشتغال کے باعث حماد علم حدیث میں کمزور بھی ہوتے گئے، دریں اثناء اختلاط یعنی خرابی دماغ اور دورۂ مرگی وآسیب کے بھی شکار ہو گئے، اس کی وجہ سے اہل علم نے فیصلہ کر لیا کہ پرانے زمانہ میں حماد کی دی ہوئی تعلیم اور بیان کردہ حدیث معتبر ہے اور بعد کی معتبر نہیں، یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ بتصریح اہل علم امام صاحب

[1] موفق (١/ ٥٨) وعام كتب مناقب.　[2] موفق (١/ ٦٥) وعام كتاب مناقب.

بھی حماد کے انھیں تلامذہ میں سے ہیں جنھوں نے حماد سے اختلاط کے بعد تعلیم حاصل کی جب کہ حماد قابل وثوق ولائق اعتماد نہیں رہ گئے تھے اوراس زمانے میں موصوف صرف فقہ اہل الرائے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہر صحیح المزاج اعتدال پسند اورحق پرست صاحب نظر اصل معاملہ کی تہ تک بڑی آسانی کے ساتھ پہنچ سکتا ہے کہ اہل الرائے خصوصاً مصنف انوار کے اس دعوی کو صحیح فرض کر لینے کی صورت میں کہ امام صاحب نے طویل زمانہ تک درسگاہ حماد میں تعلیم حاصل کی۔ اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حماد کے اختلاط کے بعد ہی امام صاحب نے درسگاہِ حماد میں پڑھا، اس حقیقت کو مصنف انوار کے استاذ کوثری وغیرہ نے محسوس کر کے یہ ثابت کرنے پر زور صرف کیا کہ امام صاحب وفات نخعی سے پہلے ہی درسگاہ حماد میں داخل ہو کر حماد سے پڑھنے لگے تھے اوروفات حماد تک ان سے پڑھتے ہی رہے۔ اپنے اس دعوی کے اثبات کے لیے ان لوگوں نے استعمال اکاذیب اور ردّ ومسخ حقائق سے اسی طرح کام لیا جس طرح کی بات مصنف انوار نے ایک گروہ کے بارے میں کہی ہے کہ سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید ثابت کر دکھانے کے لیے یہ گروہ کارثواب سمجھ کر جھوٹ کو مسلمانوں میں پھیلاتا تھا،مگر ان لوگوں کی بات صحیح فرض لینے کی صورت میں یہ حقیقت اپنی جگہ پر موجود ہے کہ چونکہ اس بات کی تمیز ناممکن ہے کہ حماد سے امام صاحب نے کتنے علوم قبل اختلاط حاصل کیے اور کتنے بعد اختلاط، اس لیے اہل علم کے اصول کے مطابق حماد سے حاصل کردہ امام صاحب کے علوم ساقط الاعتبار ہیں۔

جس طرح کی اسانید سے مروی بہت سی روایات کو مصنف انوار اوران کے ہم مزاج اہل قلم خصوصًا اراکین تحریک کوثری نے صحیح ومعتبر قرار دے کر دلیل وحجت بنا رکھا ہے اسی طرح کی اسانید سے مروی متعدد روایات سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب نے علم حدیث پڑھا ہی نہیں۔ ابو یوسف سے مروی ایک طویل روایت کا خلاصہ یہ ہے:

> ’’امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تحصیل علم کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ فقہ کے علاوہ جتنے علوم ہیں سب کے حاصل کرنے میں بڑی زحمتیں ہیں اورانجام کے اعتبار سے بے فائدہ بھی، نیز تمام علوم میں عیوب بھی ہیں حتی کہ نعوذ باللہ تفسیر وحدیث کا بھی یہی حال ہے، اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ فقہ کے علاوہ کسی بھی علم کو حاصل نہیں کروں گا حتی کہ علم حدیث کی بابت فرمایا ’’لا حاجة لي في هذا‘‘ مجھے علم حدیث حاصل کرنے کی کوئی بھی ضرورت نہیں، لہٰذا میں نے صرف علم فقہ حاصل کیا۔‘‘[1]

یہ روایت مناقب موفق مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۲۱ھ (۱/ ۵۷) میں حارثی سے ایک لفظ کی تحریف کے ساتھ منقول ہے، عام کتابوں میں ہے کہ ”لما أردت تعلم العلم جعلت العلوم كلها نصب عيني فرأيت فنافنا“مگر مناقب موفق میں ’’فرأيت‘‘ کی جگہ پر ’’ففرأت‘‘ کا لفظ چھپ گیا ہے، یہ طباعتی غلطی ہے، اس کی تصحیح ہوجانی چاہیے ورنہ اس کا مطلب ہو جائے گا کہ امام صاحب نے جب پڑھنے کا ارادہ کیا اوراس کے لیے کسی ایک فن کا انتخاب کرنا چاہا تو انھوں نے تمام ہی علوم کو ایک ایک کر کے پڑھ ڈالا، پھر فقہ کو اپنا مشغلہ بنایا، حالانکہ اوّلاً روایت کا سیاق وسباق اس کے خلاف ہے۔ ثانیاً:

---

[1] خطيب (۱۳/ ۳۳۱، ۳۳۲) وعقود الجمان (ص: ۱٦۳، ۱٦٤، بحواله خطيب وحارثی) وأخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٥، ٦) ومناقب أبي حنيفة لابن كاس النخعي ومناقب أبي حنيفة لابن مغلس وغيره.

دوسری کتابوں میں اس معنی کی منقول روایات سے اس کی تکذیب ہوتی ہے۔ ثالثاً یہی روایت دوسری کتب مناقب میں "فر أیت" کے لفظ ہی سے ہے، کچھ مستبعد نہیں کہ موفق کی عبارت میں یہ تحریف صرف مطبعی تصحیف نہ ہو بلکہ حسب عادت اس کے مصححین و ناشرین نے عمداً وقصداً کاروائی کرڈالی ہو مگر اسی ادارہ دائرۃ المعارف حیدر آباد سے مناقب موفق کی طباعت کے کئی سال بعد ۱۳۹۴ھ میں عقود الجمان شائع ہوئی۔ جس پر کوثری وافغانی کی تعلیق بھی ہے، اس میں ''فرأیت'' ہی کا لفظ برقرار رکھا گیا ہے، یعنی کہ اس میں تحریف نہیں کی جاسکی۔

واضح رہے کہ موفق اور صاحب عقود الجمان دونوں نے یہ روایت حارثی سے نقل کی ہے۔ اخبار ابی حنیفہ للصیمری میں یہ روایت مناقب ابی حنیفہ لمکرّم وابن المغلس سے اس لفظ کے ساتھ منقول ہے:

"لما أردت طلب العلم جعلت أتخير و أشاور"

یعنی جب میں نے تحصیل علم کا ارادہ کیا تو کسی ایک فن کو اختیار کرنے کے سلسلے میں غور کرتا رہا اور لوگوں سے مشورہ لیتا رہا، جس کے نتیجہ میں معلوم ہوا کہ فقہ کے علاوہ جملہ علوم میں بشمول حدیث (نعوذ باللہ) عیوب اور خرابیاں ہیں، اس لیے میں نے کسی علم کو سوائے فقہ کے نہیں حاصل کیا۔

اخبار ابی حنیفہ للصیمری بھی ۱۳۹۴ھ میں حیدر آباد سے شائع ہوئی، اس میں مندرجہ یہ روایت اس بات کی تعیین کردیتی ہے کہ نسخۂ موفق میں یہ حرف محرف ہوگیا ہے، یہی روایت خطیب نے مناقب ابی حنیفہ کے مصنف علی بن محمد المعروف ابن کاس نخعی کی سند سے بایں الفاظ نقل کی ہے:

"لما أردت طلب العلم جعلت أتخير العلوم، وأسأل عن عواقبها فقيل لي..."

''میں نے جب تحصیل علم کا ارادہ کیا تو قابل تعلیم فن کا انتخاب کرنے لگا اور ہر علم کا انجام معلوم کرنے لگا۔''

اس روایت سے بھی موفق کے نسخہ میں تحریف وتصحیف واقع ہونے کی نشان دہی ہوتی ہے، اس کے باوجود نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تحریک کوثری کے ایک رکن استاذ ابوزہرہ نے اسی محرف لفظ کو دلیل بنا کر اسی طرح کی سخن آرائی کی ہے جو اس تحریک سے وابستہ لوگوں کی عادت ہے۔[1]

یہ قوم پہلے اصل میں تحریف وترمیم کرتی ہے، پھر اسے اپنے مقاصد کے لیے دلیل وحجت بناتی ہے، استاذ ابوزہرہ نے روایت مذکورہ کو تاریخ بغداد، موفق، کردری بزازی اور خیرات الحسان سے نقل کرنے کا دعوی کیا ہے، حالانکہ موفق کے محرف لفظ کے علاوہ ان کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی "فقرأت" کا لفظ نہیں ہے بلکہ ان کتابوں سے نسخہ موفق کے اس لفظ کے محرف ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مختلف طرق والفاظ میں مروی یہ روایت مجموعی اعتبار سے معنوی طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام صاحب نے علم حدیث پڑھا ہی نہیں، نہ جانے کیوں مصنف انوار نے اس روایت کو دلیل وحجت نہیں بنایا جبکہ ان کے ہم مزاج اسلاف نے اسے حجت بنایا ہے۔ مصنف انوار کے اسلاف کی دلیل بنائی ہوئی ایک روایت کا حاصل ہے:

[1] حياة أبي حنيفة لأبي زهره مطبوعه ١٩٥٥ء (ص: ٢٠، ٢١)

''علم کلام سے متنفر ہو کر امام صاحب درسگاہِ حماد میں پڑھنے آئے، اس وقت وہ فقہ کا معمولی مسئلہ بھی نہ جانتے تھے، حماد نے ان سے پوچھا کہ میرے پاس کیوں آئے؟ امام صاحب نے کہا: "أطلب الفقه" فقہ پڑھنے! حماد نے کہا: "تعلم كل يوم ثلاث مسائل، ولا تزد عليها" روزانہ صرف تین فقہی مسئلے تم مجھ سے پڑھ اس سے زیادہ نہیں، چنانچہ امام صاحب نے ایسا ہی کیا۔''[1]

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب حماد سے روزانہ فقہ کے صرف تین مسائل پڑھتے تھے، یعنی کہ حدیث نہیں پڑھتے تھے۔ ایک اور روایت کا خلاصہ یہ ہے:

''امام صاحب نے فرمایا کہ علم کلام سے جب مجھے بد دلی ہوئی اس وقت میں فقہ سے آشنا نہیں تھا، حماد کے ہاں آیا تو ''فكنت أسمع مسائله فأحفظ قوله'' میں حماد کے بیان کردہ مسائل پڑھتا اور یاد کرتا تھا۔''[2]

اس روایت میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ امام صاحب محض حماد کے بیان کردہ ''مسائل و اقوال'' پڑھتے تھے اور اس سے پہلے والی روایت میں ذکر ہے کہ امام صاحب بقول خویش درسگاہ حماد میں فقہ پڑھنے گئے تھے اور حماد نے ان سے کہا تھا کہ روزانہ صرف تین فقہی مسائل مجھ سے پڑھو، یعنی کہ حماد سے امام صاحب کے حدیث پڑھنے کا ذکر ان روایات میں نہیں ہے، امام صاحب کے تقوی و تورع اور احتیاط پسندی کے سلسلہ میں موفق وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے:

''منصور بن عبدالحمید ابونصر باوردی نے کہا کہ میں نے امام صاحب سے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو امام صاحب مجھ پر خفا ہو کر فرمانے لگے کہ تم کو مجھ سے تفسیر پوچھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ کیونکہ میں اس بات کو معیوب سمجھتا ہوں کہ مجھ سے کوئی شخص تفسیر کے بارے میں استفسار کرے، یہ کہہ کر امام صاحب نے مجھ پر خفگی و درشتی کا اظہار کیا، مناقب صیمری میں ہے کہ " متى رأيتني جلست مفسرا؟ وكان هذا من حفظ لسانه۔ وورعه كان يتكلم في علم خصه الله به." [3] امام صاحب نے منصور سے کہا کہ تم نے مجھے کب تفسیر بیان کرتے دیکھا ہے کہ تفسیری مسئلہ مجھ سے پوچھنے پہنچ گئے؟ راوی نے کہا کہ یہ امام صاحب کی تقوی شعاری و احتیاط پسندی کی بنا پر تھا کہ صرف اسی فن سے متعلق بات کرتے تھے جس کے ساتھ اللہ نے انھیں ''تخصص'' بخشا تھا۔''

اس روایت میں صاف طور پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب کی تمام تر توجہ صرف ایک خصوصی علم کی طرف تھی اور وہ خصوصی علم سوائے فقہ کے اور کون سا ہے؟ جب تفسیر کے ساتھ امام صاحب کا حال یہ تھا تو حدیث کے ساتھ کیا ہوگا؟ ان ساری روایات سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ فقہ کے علاوہ دوسرے علوم، مثلاً: حدیث و تفسیر وغیرہ سے امام صاحب کا اشتغال نہیں تھا اور یہ ساری روایات مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کی دلیل بنائی ہوئی ان مکذوبہ روایات کے معارض ہیں جن میں علم حدیث وغیرہ کے ساتھ امام صاحب کے اشتغال کا زور و شور سے ذکر ہے۔ آخر ان روایات کو مصنف انوار کیوں حجت نہیں بناتے جن سے بسند صحیح مروی امام ابن المبارک اور ان کے اصحاب، نیز یمامی کے اس بیان کی پوری تائید ہوتی ہے کہ امام صاحب نے حماد سے حماد کی کتب حدیث نہیں پڑھی تھیں؟

---

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٦) وموفق (١/ ٦٢) وعام كتب مناقب.

[2] موفق (١/ ٥٥) وخطيب (١٣/ ٣٣٣) [3] موفق (١/ ٢٠٣)

ناظرین کرام کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جلیل القدر تابعی امام عامر شعبی حماد اوراصحاب حماد کے طریق تعلیم فقہ اوران کے مذہب سے بیزار تھے اورانھیں اصحاب الرای ،الآرائیوں ، صعافقہ اور بنواستہا وغیرہ کہہ کر مطعون کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ مسائل رائے وقیاس کی تعلیم وتدریس کے لیے مسجد میں درسگاہ قائم کر کے اس قدر شوروشغب اور ہنگامہ آرائی کرتے رہتے ہیں کہ مجھے مسجد کی بجائے اپنے گھر کا کوڑاخانہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ امام شعبی نے جس درسگاہِ حماد کا یہ وصف بیان کیا ہے بدعویٔ مصنف انواراسی میں امام صاحب دس یا اٹھارہ سال اور بدعوی کوثری پچیس سال سے بھی زیادہ مدت تک تعلیم وتربیت پا کر درجہ امامت پر فائز ہوئے، اور ۱۲۰ھ میں وفات حماد کے بعد درسگاہِ حماد کے جانشین بنے۔

روایت حدیث سے متعلق امام صاحب کا ایک اصول:

مذکورہ بالاتفصیل میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ ایک ناقابل انکار ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام صاحب یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کو حماد سے سنے بغیر روایت کرتے تھے، بنا بریں اصحاب ابن المبارک امام صاحب کو قابل ترک سمجھتے تھے، اصحاب ابن المبارک کی نظر میں امام صاحب کا یہ طرز عمل فی نفسہ موجب قدح تھا، اس کے ساتھ ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ کسی روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یمامی کے یہاں سے امام صاحب کی حاصل کردہ کتب حماد' حماد کے ہاتھ کی لکھی تھیں یا کسی دوسرے کی لکھی تھیں؟ بصورت دیگر دوسرے کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ان کتب حماد کی تصدیق وتوثیق حماد سے کرالی گئی تھی یانھیں؟ پھر بتصریح امام احمد بن حنبل وابوحاتم وابن حبان وعیسی بن اسحاق وغیرہم کتب یمامی میں الحاق واضافہ کر دیا گیا تھا۔[1]

ظاہر ہے کہ یمامی کے یہاں سے امام صاحب کی حاصل کردہ کتب حماد میں بھی اس طرح کے الحاق کا اندیشہ موجود ہے۔ دریں صورت ان کتابوں کی روایت اور بھی زیادہ موجب قدح ہے خصوصًا اس صورت میں کہ یمامی کو کوثری نے مطلقًا ساقط الاعتبار کہا ہے اور جس طریقہ پر امام صاحب یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کی روایت کرتے تھے وہ تمام ہی محدثین کے نزدیک موجب قدح ہے۔ اپنی عادت کے مطابق کوثری نے اس حقیقت ثابتہ (یعنی کہ امام صاحب کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کو حماد سے سنے بغیر روایت کرتے تھے) کی تکذیب کے لیے ایک بات یہ کہی ہے: "الرواية عن الخط مخالفة لمذهب أبي حنيفة."[2] یعنی الرواية عن الخط مذہب ابی حنیفہ کے خلاف ہے۔

"الرواية عن الخط" کا مطلب ہے ان احادیث کا روایت کرنا جن کو راوی نے استاذ سے سن کر اپنے پاس لکھ چھوڑا ہو مگر وہ احادیث اس راوی کے حافظہ میں محفوظ نہ ہوں بلکہ وہ صرف اپنی تحریر پر اعتماد کر کے ان کی روایت کر رہا ہو۔ بدعوی کوثری یہ صورتِ روایت امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں، کوثری کے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ جب امام صاحب کے نزدیک یہ صورتِ روایت جائز نہیں ہے تو ان کے نزدیک یمامی کے یہاں سے پائی جانے والی ان کتب حماد کی روایت بدرجہ اولی ناجائز ہو گی جن کو امام صاحب نے حماد سے سنا نہیں، نیز معلوم نہیں کہ حماد نے ان کتابوں کو خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا یا کسی اور نے، اگر کسی اور نے لکھا تھا تو حماد کو دکھا کر ان کی توثیق وتصدیق کرانے اور اجازتِ روایت حاصل کرنے کا بھی پتہ نہیں۔

---

[1] تهذيب التهذيب (٩/ ٨٩، ٩٠) وميزان الإعتدال وكتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم

[2] تانيب (ص: ١١٥)

غرض یہ کہ کوثری اس بات کے مدعی ہیں کہ امام صاحب اپنے اختیار کردہ مذکورہ بالا اصول ومذہب کے پابند تھے، اس لیے یہ ممکن نہیں کہ انھوں نے یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کو حماد سے سنے بغیر روایت کرڈالا ہو لیکن اہل نظر پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ کوثری اور اراکین تحریک کوثری کی اس طرح کی شعبدہ بازیوں سے امام ابن المبارک اور اصحاب ابن المبارک نیز محمد بن جابر یمامی کی بیان کردہ یہ حقیقت ثابتہ ہرگز نہیں بدل سکتی کہ امام صاحب یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کی روایت حماد سے سنے بغیر کرتے تھے کیونکہ اس حقیقت ثابتہ کی طرح یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام صاحب کے موقف ونظریات اور مذہب میں آئے دن تبدیلی ہوا کرتی تھی، موصوف امام صاحب آج اگر کسی موقف ونظریہ پر کاربند ہیں تو دوسرے دن اس موقف ونظریہ کے بالکل خلاف دوسرے موقف ونظریہ کے پابند نظر آتے ہیں۔

امام صاحب کے نظریات وموقف کی تغیر پذیری:

بسند صحیح امام صاحب کا یہ قول منقول ہے:

"فإني أرى الرأي اليوم فأترك و ارئ الرأي غدا و أتركه بعد غد." [1]

''میں آئے دن اپنے اختیار کردہ موقف ونظریات کو چھوڑ چھوڑ کر ان کے خلاف دوسرے موقف ونظریات اختیار کرتا رہتا ہوں۔''

امام حفص بن غیاث کو مصنف انوار نے چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دے رکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"كنت أجلس إلى أبي حنيفة فأسمعه يسأل عن مسألة في اليوم الواحد فيفتي فيها بخمسة أقاويل فلما رأيت ذلك تركته وأقبلت على الحديث." [2]

''میں امام صاحب کی مجلس میں جایا کرتا تھا، وہ ایک ہی دن میں ایک مسئلہ کے معاملہ میں پانچ قسم کے مختلف موقف اختیار کرتے تھے، یہ دیکھ کر میں نے ان کے یہاں جانا ترک کر دیا اور حدیث کی طرف متوجہ ہو گیا۔''

معلوم ہوا کہ امام صاحب کے اصول ونظریات ہمیشہ بدلتے رہتے تھے حتی کہ امام صاحب کے اس طرز عمل کو کوثری اور مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے امام صاحب کے فضائل ومحاسن میں شمار کیا ہے جس کی تفصیل عنقریب آئے گی، یہاں صرف چند روایات بطور نمونہ نقل کی جارہی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

"عن حفص بن عبد الرحمن قال: قال لي خارجة: كيف تركت أبا حنيفة، قال: فقلت يذكر أصحابه أنه يقول اليوم قولا، ثم يرجع عنه غدا، قال، وصفوه بالورع من قال، ثم رجع، دل على أنه متورع." [3]

''حفص بن عبدالرحمٰن بن عمر بن فروخ بلخی نیساپوری (متوفی ۱۹۹ھ) نے کہا کہ مجھ سے خارجہ نے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ امام صاحب آج ایک بات کہتے ہیں اور

---

[1] خطیب (١٣/ ٤٠٢) وحسن التقاضي (ص: ١٢)　[2] الفسوی (٢/ ٧٨٩) خطیب (١٣/ ٤٠٢)

[3] موفق (١/ ٢٠٠) ومناقب كردري (١/ ٢٢٤)

دوسرے دن اس سے رجوع کر کے دوسری بات کہتے ہیں یعنی روزانہ امام صاحب اپنا مذہب وموقف اورنظریہ واصول بدلتے رہتے ہیں خارجہ نے کہا کہ امام صاحب کا یہ طریق عمل ان کے متورع ومتقی ہونے کی دلیل ہے ان کے اصحاب نے ان کی یہ صفت بیان کر کے ان کے تقوی وتورع کا اظہار کیا ہے۔''

مذکورہ بالا روایت مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں موفق وکردری میں منقول ہے جن کے مندرجات کو مصنف انوار صحیح ومعتبر قرار دے کر نقل کرتے چلے جاتے ہیں، اس روایت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب کے عام اصحاب یعنی تلامذہ ومعتمدین یہ بیان کرتے رہتے تھے کہ امام صاحب آئے دن اپنے موقف ونظریات بدلتے رہتے ہیں اورامام صاحب کے اس وصف کو خارجہ نے تقوی وتورع قرار دیا ہے۔ موفق وکردری نے بھی امام صاحب کی فضیلت ومدح ظاہر کرنے کے لیے یہ روایت نقل کی ہے۔

موفق وکردری نے کہا کہ اصحابِ امام صاحب کے بیان کردہ مذکورہ بالا وصفِ امام صاحب کو اصحاب امام صاحب سے نقل کرنے والے حفص بن عبدالرحمٰن بلخی امام صاحب کی تجارت کے ساجھی دار تھے، وہ امام صاحب کے ساتھ تیس سال رہے اوراس طویل صحبت میں انھوں نے یہی دیکھا کہ امام صاحب کا ظاہر وباطن یکساں ہے۔[1] کردری نے کہا: ''والمسائل التي رجع فيها من القياس إلى الأثر كثيرة.''[2] یعنی امام صاحب کے نظریات میں بہت ساری تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

مذکورہ بالا بات کو قاضی ابوالقاسم بن کاس نخعی نے اس طرح نقل کیا ہے:

''عن عبد الله بن عون قال: كان أبوحنيفة صاحب ليل وعبادة، فقيل له: إنه يقول القول ثم يرجع عنه في غد، فقال ابن عون: هذا دليل على ورعه، لأنه يرجع من خطأ إلى صواب، ولو لا ذلك لنصر خطأه ودافع عنه.''[3]

''عبداللہ بن عون نے کہا کہ امام صاحب شب بیدار وتہجد گزار آدمی ہیں تو ان سے بعض لوگوں نے کہا کہ وہ آئے دن اپنے نظریات وموقف کو بدلتے رہتے ہیں، اس پر ابن عون نے کہا کہ امام صاحب کا یہ وصف ان کے تقوی کی دلیل ہے کیونکہ وہ غلطی سے صواب کی طرف رجوع کرلیا کرتے ہیں، اگر موصوف تقوی شعار نہ ہوتے تو غلطی پر قائم رہتے، اس کی تائید کرتے اوراس پر ہونے والے اعتراض کا جواب دیتے۔''

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اپنے اختیار کردہ مذہب وموقف پر ہمیشہ قائم نہیں رہتے تھے بلکہ اس کے خلاف دوسرے موقف ومذہب پر بھی کاربند ہوجایا کرتے تھے۔

حتی کہ مناقب صیمری میں ہے:

''أخبر نا عبد الله بن محمد البزاز قال: حدثنا مكرم ثنا ابن مغلس قال: حدثنا محمد ابن توبة حدثني حموية بن حاتم قال: سمعت توبة يقول: قال لي أبوحنيفة: لا تسألني عن أمر

[1] موفق (١/ ٢٠٠، ٢٠١) وكردري (١/ ٢٢٤) وعقود الجمان (ص: ٢٤٠، ٢٤١)
[2] كردرى (١/ ١٥٥)
[3] عقود الجمان (ص: ٢٠٢، ٢٠٤) و أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري (ص: ٧٢)

الدين وأنا ماش، ولا تسألني وأنا أحدث الناس، ولا تسألني وأنا قائم، ولا تسألني وأنا متكئ، فإن هذه الأماكن لا يجتمع فيها عقل الرجل، قال: فخرج يوما في حاجة، وتبعته فجعلت من حرصى أسئله، ومعي دفتر، وهو يمشي في الطريق فكلما خلوت علقت ما يقول، فلما كان يوم الغد، واجتمع إليه أصحابه، ساءلته عن تلك المسائل فغير الجواب، فأعلمته ذلك، فقال: ألم أنهك عن السوال وعن الشهادات في دين الله إلا في اجتماع العقول؟" [1]

''توبہ نے کہا کہ امام صاحب نے مجھے حکم دے رکھا تھا کہ تم مجھ سے چلنے، بات کرنے، کھڑے ہونے اور ٹیک لگائے رہنے کی حالت میں کوئی دینی مسئلہ مت پوچھنا کیونکہ اس طرح کے مواقع پر آدمی کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی، ایک دن امام صاحب کسی ضرورت سے باہر جا رہے تھے، میں ان کے پیچھے ہو گیا اور علمی حرص کی وجہ سے ان سے علمی مسائل پوچھنے لگا، میرے پاس ایک رجسٹر تھا میں اس میں چپکے سے امام صاحب کے جوابات نوٹ کرتا جاتا تھا، دوسرے دن جب ان کے پاس ان کے تلامذہ جمع ہوئے تو میں نے چلنے کی حالت میں کل کے پوچھے ہوئے مسائل پھر دریافت کیے امام صاحب نے ان مسائل کے جواب میں کل کے بالمقابل مختلف اور دوسری باتیں بتلائیں، میں نے انھیں کل والے تحریری جوابات دکھلائے تو موصوف فرمانے لگے کہ اسی لیے میں نے اس طرح کے مواقع پر علمی مسائل پوچھنے سے تم کو منع کر دیا تھا کیونکہ اس وقت عقل ٹھکانے نہیں رہتی، اس طرح کے مسائل اس وقت پوچھنے چاہیے جب آدمی کی عقل ٹھکانے رہے۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ روایت مذکورہ کو بھی مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے امام صاحب کی تقوی شعاری واحتیاط پسندی ظاہر کرنے کے لیے نقل کیا ہے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی دن میں امام صاحب کے علمی وفقہی مذاہب وموقف میں تبدیلی پیدا ہو جایا کرتی تھی اور اس قسم کی تبدیلیوں کا سبب اس روایت کے مطابق بتصریح امام صاحب یہ تھا کہ فقہی وعلمی مسائل بیان کرتے وقت موصوف کا ذہن کبھی غیر حاضر وپریشان اور منتشر رہتا تھا اور کبھی حاضر وپرسکون، یعنی کہ اس روایت میں فقہی وعلمی مسائل کے اندر آئے دن امام صاحب کے موقف ومذہب میں تبدیلی کا سبب اس سے مختلف بتلایا گیا ہے جو اس سے پہلے والی روایت میں بتلایا گیا ہے۔

امام ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری واسطی بزار (متوفی ۱۷۵ یا ۱۷۶ھ) نے کہا:

"اختلفت إلى أبي حنيفة حتى مهرت في كلامه، ثم خرجت حاجًّا، فلما قدمت أتيت مجلسه، فجعل أصحابه يسألوني عن مسائل كنت عرفتها، وخالفوني فيها، فقلت: سمعت من أبي حنيفة على ما قلت، فلما خرج سألته عنها، فإذا هو قد رجع عنها، فقال: رأيت هذا أحسن منه، قلت: كل دين يتحول عنه فلا حاجة لي فيه، فنفضت ثيابي ثم لم أعد إليه" [2]

میں امام صاحب کے پاس آمدورفت رکھتا تھا حتی کہ ان کے علم کا ماہر ہو گیا، پھر میں حج کرنے گیا تو ان کی مجلس

[1] مناقب صيمري (ص: ٣٠) وعام كتب مناقب.　[2] خطيب (١٣/ ٤٠١)

میں حاضر ہوا، اس وقت ان کے اصحاب مجھ سے ان مسائل کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگے جن کو میں نے امام صاحب سے سیکھا تھا، میں نے امام صاحب کو جس طرح ان مسائل کا جواب دیتے سنا تھا اس کو دہرا دیا، امام صاحب کے اصحاب نے بتلایا کہ امام صاحب نے ان مسائل کے جوابات ہم کو ان سے مختلف بتلائے ہیں جنھیں آپ امام صاحب کے بیان کردہ جوابات کہہ رہے ہیں، میں نے اس سلسلے میں امام صاحب سے پوچھا تو موصوف نے بتلایا کہ میں نے تمہیں بتلائے ہوئے مسائل سے رجوع کر لیا ہے کیونکہ یہ نئے مسائل پہلے والے سے زیادہ اچھے ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے امام صاحب کے اس مذہب کی ضرورت نہیں جس میں اس طرح کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، چنانچہ میں نے ہمیشہ کے لیے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس روایت سے بھی امام صاحب کے فقہی وعلمی موقف ومذہب میں آئے دن تبدیلی وتغیر کا ثبوت ملتا ہے اور اس روایت میں تبدیلی موقف کا سبب اس سبب سے مختلف ہے جو اس سے پہلے والی روایتوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔

امام صاحب کے فتاوی ونظریات امام صاحب کی اپنی نظر میں:

امام مزاحم بن زفر نے کہا:

”قلت لأبي حنيفة: هذا الذي تفتي والذي وضعت في كتابك هو الحق الذي لا شك فيه؟ فقال: و اللّٰه ما أدري، لعله الباطل الذي لا شك فيه.“[1]

''مزاحم نے امام صاحب سے کہا کہ اس وقت آپ جو فتاوی دے رہے ہیں وہ آپ کے ان فتاوی کے خلاف ہیں جن کو آپ نے اپنی کتابوں میں لکھوا رکھا ہے، اور کتابوں میں آپ کے لکھوائے ہوئے فتاوی ہی صحیح ہیں، اس پر امام صاحب نے جواب دیا کہ بخدا مجھے پتہ نہیں کہ ان میں سے صحیح کون سے فتاوی ہیں، ہوسکتا ہے کہ کتابوں میں میرے لکھوائے ہوئے فتاوی اس طرح باطل ہوں جن کے باطل ہونے میں شک کی کوئی گنجائش نہ ہو۔''

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اس روایت سے بھی آئے دن امام صاحب کے فقہی وعلمی موقف ومذہب میں تبدیلی وتغیر ہوتے رہنے کا ثبوت ملتا ہے، اور اس میں امام صاحب کے علمی وفقہی موقف میں آئے دن کی تبدیلی کا سبب ان اسباب سے مختلف بتلایا گیا ہے جن کا ذکر اس سے پہلے والی روایات میں ہے۔ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب آئے دن اپنے بیان کردہ مختلف ومتضاد علمی وفقہی مسائل وفتاوی کی بابت خود ہی یہ نہیں جانتے تھے کہ ان میں سے کون صحیح ہیں اور کون غیر صحیح؟

مذکورہ بالا بات کو امام صاحب کے ایک دوسرے شاگرد ابونعیم فضل بن دکین نے اس طرح بیان کیا ہے:

”سمعت أبا حنيفة يقول لأبي يوسف: لا ترو عني شيئا، فإني والله ما أدري مخطئ أنا أم مصيب؟“[2]

''میں نے امام صاحب کو ابو یوسف سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میری بیان کردہ کسی علمی وفقہی بات کی روایت ونقل مت کرو کیونکہ مجھے پتہ نہیں کہ میری بیان کردہ علمی وفقہی باتیں صحیح ہیں یا غلط!''

---

[1] المعرفة والتاريخ للفسوي (٢/ ٧٨٢) خطيب (١٣/ ٤٠٣)　[2] خطيب (١٣/ ٤٠٢) وتاريخ فضل بن دكين.

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کو اپنی بیان کردہ علمی وفقہی باتوں کے صحیح یا غیر صحیح ہونے میں شک رہا کرتا تھا مگر دوسری روایتوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کی یہ کیفیت کسی ایک زمانہ میں تھی پھر ان کی یہ کیفیت ہوگئی کہ انھوں نے فرمادیا:

"إن عامة ما أحدثكم به خطأ." ❶ ''میری بیان کردہ عام علمی باتیں غلط ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں امام صاحب کو اپنی بیان کردہ علمی باتوں کے غلط ہونے میں شک وتردد نہیں رہا کہا۔ تعجب ہے کہ مصنف انوار نے ان ساری روایات کو امام صاحب کی احتیاط پسندی وتقوی شعاری کے ثبوت میں کیوں صحیح کہہ کر نہیں نقل کیا؟!

امام صاحب کی طرف مصنف انوار کے منسوب کردہ علمی اصول کی تحقیق:

اس سے قطع نظر امام صاحب کی طرف منسوب جس موقف ومذہب کی بنیاد پر کوثری نے امام ابن المبارک، اصحاب ابن المبارک اور یمامی کے اس بیان کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے کہ امام صاحب یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کی روایت حماد سے سنے بغیر کیا کرتے تھے، اس موقف ومذہب کا انتساب ہی دراصل امام صاحب کی طرف صحیح نہیں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امام صاحب کی طرف اس موقف ونظریہ کا انتساب امام یحییٰ بن معین سے مروی ایک روایت میں کیا گیا ہے۔ یہ روایت مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے جن کا حاصل معنی ایک ہے مگر اہل علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ ابن معین وفات ابی حنیفہ کے کئی سال بعد پیدا ہوئے اور ان کی بیان کردہ اس روایت میں یہ مذکور نہیں کہ انھوں نے کس سے امام صاحب کی یہ بات سنی ہے، یعنی کہ اس کی سند میں امام صاحب اور ابن معین کے مابین انقطاع ہے، اس لیے یہ روایت معتبر نہیں، نیز اس میں دوسری علل بھی ہیں۔ (كما سيأتي)

مصنف انوار نے بھی اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا:

''کسی نے ان سے یعنی یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ کسی شخص کے پاس حدیث لکھی ہوئی ہے مگر اب وہ اس کے حافظہ میں محفوظ نہیں رہی، کیا اس تحریر پر بھروسہ کر کے اس کی روایت کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ امام ابوحنیفہ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ صرف وہی حدیث تم بیان کر سکتے ہو جس کو اچھی طرح پہچانتے ہو اور وہ تمھارے حافظہ میں بھی اول سے لے کر آخر تک محفوظ رہے ❷ یعنی درمیانی مدت میں کسی وقت اگر حافظہ سے نکل گئی اور ذہول ہو گیا تو اس کو روایت کرنے کا حق نہیں رہا روایت حدیث میں امام صاحب کا یہ خاص ورع وتشدد تھا جو دوسرے محدثین کے یہاں نہیں، پھر بھی امام یحییٰ بن معین امام صاحب ہی کے قول سے استناد کر رہے ہیں کیونکہ امام صاحب کے علم اور فضل وکمال سے غیر معمولی طور پر متأثر تھے۔'' ❸

''امام صاحب کی شرط روایت سب سے زیادہ سخت تھی کہ جس وقت سے حدیث سنی ہے وقت روایت تک کسی وقت بھی ذہن سے نہ نکلی ہو، اتنی کڑی شرط امام بخاری وغیرہ کے یہاں بھی نہیں تھی۔ ❹

❶ خطيب وسيأتي التفصيل. ❷ موفق (١/ ١٩٣) ❸ مقدمہ انوار (١/ ١١١) ❹ مقدمہ انوار (١/ ١١٨)

امام صاحب نے فرمایا کہ حدیث کی روایت کسی سے اسی وقت درست ہے کہ جس وقت سے سنی ہے روایت کے وقت تک برابر یاد ہو، امام صاحب کی یہ شرط دوسرے محدثین کے مقابلہ میں بہت سخت تھی، اس لیے نیز دوسری احتیاطوں کے باعث امام صاحب نے روایت کم کی۔"[1]

ہم بھی کہتے ہیں کہ امام صاحب کی طرف منسوب یہ بات یقیناً بہت سخت ہے مگر وہ خود اپنے اس سخت موقف پر قائم نہیں رہ سکے۔ (کما لا یخفی) نیز امام ابن معین سے مروی مذکورہ بالا بات کو مصنف انوار نے موفق (ص:۱۹۳) سے نقل کیا ہے اور موفق کے مقام مذکور پر یہ روایت جعابی (ابوبکر محمد بن عمر سبرہ) سے منقول ہے جو مجروح ہے (کمامر) پھر اسے صحیح قرار دے کر مصنف انوار کا نقل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ نیز اس روایت کو خطیب نے الکفایہ في علم الروایة میں بھی نقل کیا ہے جس کی سند میں ابوبکر محمد بن حمید بن سہل مخرمی نامی راوی کو امام برقانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔[2] جعابی ومخرمی نے یہ روایت علی بن حسین بن حیان بن عمار بن واقد ابوالحسن مروزی (متوفی ۳۰۵ھ) سے نقل کی جو بذات خود ثقہ ہیں۔[3] مگر موصوف نے یہ روایت اپنے باپ حسین بن حیان سے نقل کی ہے اپنے باپ سے موصوف "وجادۃ" (تحریر وخط اور کتاب سے سماع کے بغیر) روایت کرتے ہیں، چنانچہ اس روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ علی بن حسین بن حیان نے اپنے باپ حسین کی ایک تحریر میں یہ لکھا ہوا پایا:

"سئل ابن معين عن الرجل يجد الحديث بخطه فقال: كان أبو حنيفة يقول: لا يحدث إلا بما يعرف، ويحفظ، وأما نحن فنقول إنه يحدث بكل شيء يجده في كتابه بخطه عرفه أو لم يعرفه، قال الخطيب: قلت قوله أو لم يعرفه يعني به أو لم يحفظه بعينه، لأنه إذا صح عنده سماع ما تضمن كتابه في الجملة جاز له التحديث منه فلايحتاج إلى أن يعتبر سماعه لكل حديث بانفراده على التفصيل والتعيين ، والله أعلم."[4]

"امام ابن معین سے پوچھا گیا کہ جو آدمی اپنی لکھی ہوئی تحریر میں حدیث پائے مگر اسے یاد نہیں ہے کہ اس حدیث کو استاد سے سنا ہے تو کیا وہ تحریر کی بنیاد پر اس حدیث کی روایت کر سکتا ہے؟ امام ابن معین نے کہا کہ امام ابوحنیفہ ایسی صورت میں اس حدیث کی روایت کو شخص مذکور کے لیے جائز نہیں مانتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ صرف اسی حدیث کی روایت کر سکتا ہے جس کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ استاذ سے سنا ہے اور اسے یہ یاد بھی ہو۔ امام ابن معین نے فرمایا کہ امام صاحب کے اس نظریہ کے خلاف ہمارا فتوی یہ ہے کہ شخص مذکور کو اپنی تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے حدیث کی روایت کرنی جائز ہے، خواہ اسے سماع کی بات یاد ہو یا نہ ہو، امام خطیب نے امام "ابن معین کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ کتاب میں تحریر شدہ احادیث کے بارے میں جب اجمالی طور پر یہ معلوم ہو کہ یہ احادیث شیخ سے سنی ہوئی ہیں تو کتاب پر اعتماد کر کے روایت کرنی جائز ہے، خواہ ہر حدیث کے

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۸)　　[2] لسان الميزان (٥/ ١٤٩، ١٥٠)

[3] خطیب (۱۲/ ۳۹۵)　　[4] الكفايه في علم الرواية (ص: ٢٣١)

بارے میں تفصیل سے یہ بات یاد ہو یا نہ ہو کہ اسے استاد سے سنا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ محض اپنی تحریر پر اعتماد کر کے روایت حدیث کی اجازت امام صاحب نہیں دیتے تھے جب تک کہ اس تحریر میں مندرج احادیث میں سے ہر ایک کی بابت یہ تفصیلی علم نہ ہو کہ اسے استاذ سے سنا ہے۔ ایک طرف موصوف کا یہ تشدد اور دوسری طرف یہ حال کہ بقول ابن المبارک واصحاب ابن المبارک ویمامی موصوف یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کی روایت حماد سے سنے بغیر کرتے تھے جبکہ ان میں اندیشہ الحاق بھی تھا، اور حماد سے ان کتابوں کی تصدیق وتوثیق بھی ثابت نہیں اور نہ یہ ثابت ہے کہ امام صاحب کو ان کتابوں کی روایت کرنے کی اجازت حماد سے حاصل تھی، اور سب سے بڑی بات یہ کہ جس یمامی کے یہاں سے امام صاحب نے کتب حماد حاصل کی تھیں وہ بدعوی کوثری مطلقا ساقط الاعتبار ہیں۔

یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ امام صاحب کا یہ طرز عمل ان کے اس اصول ومذہب کے خلاف ہے جو کوثری اور مصنف انوار کے مذکورہ بالا اقتباس میں منقول ہے، اورامام صاحب سے اپنے مذہب کے خلاف عمل کا سرزد ہونا ایسا بعید از قیاس نہیں کہ یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کو حماد سے سنے بغیر امام صاحب کے روایت کرنے کی حقیقت ثابتہ کی تردید کے لیے امام صاحب کی طرف منسوب اس اصول کو دلیل قرار دے لیا جائے، خصوصاً اس صورت میں کہ امام صاحب کا یہ اصول ابن معین سے منقول ہے جو امام صاحب کی وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوئے، امام صاحب کے اس اصول کو ابن معین نے بلا ذکر سند نقل کیا ہے، یعنی کہ امام صاحب اور ابن معین کے درمیان اس روایت کی سند منقطع ہے۔ نیز ابن معین سے اس روایت کے ناقل حسین بن حیان بن عمار بن واقد ابوالحسن مروزی (متوفی ۲۳۲ھ) ثقہ امام ہیں۔[1] مگر ان سے اس روایت کے ناقل ان کے بیٹے علی بن حسین ”وجادۃ“ روایت کرتے ہیں۔[2] روایت مذکورہ میں بھی یہ تصریح ہے:

”ثنا علي بن الحسين بن حيان قال: وجدت في كتاب أبي بخط يده.“[3]

”علی بن حسین نے کہا کہ روایت مذکورہ مجھے میرے باپ حسین بن حیان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر میں دست یاب ہوئی ہے۔“

اور ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ بدعوی کوثری ومصنف انوار امام صاحب اپنی تحریر پر اعتماد کر کے روایت کرنے کو جائز نہیں مانتے تھے، پھر دوسرے کی تحریر پر اعتماد کردہ روایت کو وہ کیونکر درست مان سکتے تھے؟ اس اعتبار سے بھی یہ روایت ساقط قرار پائی جانی چاہیے، نیز علی بن حسین سے یہ روایت جعابی ومخرمی جیسے غیر معتبر لوگوں نے نقل کی ہے، لہٰذا امام صاحب کی طرف اصول مذکور کی نسبت غیر صحیح ہے۔

امام ابن معین کی طرف منسوب اس روایت میں دراصل واضح طور پر یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب یہ پُر تشدد نظریہ اوراصول نا قابل عمل ہے جس کی عام اہل علم نے مخالفت کی ہے، حتی کہ خود امام صاحب کا عمل بھی اس پر تشدد نظریہ کے خلاف ہے، یعنی کہ امام ابن معین نے امام صاحب کی طرف منسوب اس اصول ونظریہ پر تنقید فرمائی اور اس کی تغلیط

---

[1] خطیب (۸/ ۳٦)　　[2] خطیب (۱۱/ ۳۹۵، ترجمة حسين بن حيان)

[3] الكفايه فى علم الرواية (ص: ۲۳۱) وموفق (۱/ ۹۳)

کر کے فرمایا کہ عام اہل علم نے اس کی مخالفت کر رکھی ہے مگر مصنف انوار نے کمال عقل مندی اور دیانت داری سے کام لے کر امام ابن معین کی اس بات کو بھی امام صاحب کی بہت بڑی فضیلت ومدح قرار دے لیا!!

عام کتب مناقب میں امام معین کی طرف منسوب جو یہ قول منقول ہے:

"كان أبوحنيفة ثقة لا يحدث بالحديث إلا ما يحفظ، و لا يحدث بما لا يحفظ." [1]

''امام صاحب ثقہ تھے صرف حفظ وضبط شدہ احادیث بیان کرتے تھے۔''

تو ابن معین سے یہ روایت محمد بن سعد نے نقل کی ہے۔[2] اورعوفی مذکور کو کوثری نے ساقط الاعتبار کہا ہے۔[3] امام خطیب نے موصوف کو ''لین'' اور دارقطنی نے "لا بأس به" کہا[4] عوفی سے یہ روایت محمد بن احمد بن عصام نے نقل کی جو مجہول ہے، پھر یہ روایت کیونکر معتبر ہے جبکہ ابن معین سے امام صاحب پر جرح شدید منقول ہے؟ ابن معین سے امام صاحب کی جرح وتعدیل سے متعلق اقوال پر تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

واضح رہے کہ امام ابن معین کے اس بیان سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اپنی تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے اجمالی طور پر یہ علم رکھنے کی صورت میں کہ اس میں لکھی ہوئی حدیثیں استاذ سے سنی ہیں آدمی ان کی روایت کر سکتا ہے، لیکن یہ ہرگز نہیں ثابت ہوتا کہ کسی راوی کی طرف منسوب کتابوں کو اس کے ایسے شاگرد کے پاس سے لے کر کوئی آدمی ان کی روایت کرنے لگے جن کی کتابوں میں الحاق کا ثبوت ہو، اور یہ نہ معلوم ہو کہ کتب مذکورہ اصل مصنف کی خود نوشتہ ہیں یا کسی اور کی لکھی ہیں ۔مزید برآں یہ روایت کنندہ ان کتابوں کو اصل مصنف سے سن کر نہ تو پڑھ سکا ہے نہ اس سے کتابیں لے کر اجازتِ روایت حاصل کر سکا ہے، پھر جس آدمی کے پاس سے یہ کتابیں اس نے حاصل کی ہیں اسے کوثری نے مجروح بھی قرار دے رکھا ہے۔

ان امور سے قطع نظر امام ابن المبارک سے صحیح طور پر منقول روایت، نیز قول یمامی کے مطابق امام صاحب کتب حماد کو حماد سے سنے بغیر یمامی سے حاصل کر کے روایت کرتے تھے۔ اس سے مصنف انوار کے اس بلند بانگ دعوی کی بہرحال تکذیب ہوتی ہے کہ امام صاحب حماد سے دس سال یا اٹھارہ سال حدیث وفقہ پڑھ کر حماد کے جانشین بنے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ مصنف انوار کے اس بلند بانگ دعوی پر کوئی بھی قابل اعتبار دلیل نہیں ہے اور یہ دعوی ثابت شدہ امر واقع کے خلاف بھی ہے، یعنی کہ امام ابن المبارک کے بیان سے مستفاد ہونے والی حقیقت کے بالکل خلاف مصنف انوار نے انوکھا دعوی کر رکھا ہے۔

جلد اول ختم ہوئی

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

---

[1] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٢٨، ٢٩) وعام كتب مناقب.

[2] خطيب (١٣/ ٤١٩)　[3] تانيب (ص: ١٨٧)　[4] خطيب و لسان الميزان (٥/ ١٧٤)